خواتین کے لیے صاف ستھرا تفریحی ادب
ماہنامہ
آنچل
کراچی
aanchal.com.pk
پاک سوسائٹی ڈاٹ کام
www.paksociety.com

اِس شمارے میں

ابتدائیہ

عنوان	مصنف	صفحہ
سرگوشیاں	مدیرہ	12
حمد	عمیس احمد	13
نعت	قمر احمد عثمانی	13
در جواب آں	مدیرہ	14

دانش کدہ

عنوان	مصنف	صفحہ
ملک یوم الدین	مشتاق احمد قریشی	18

ہمارا آنچل

عنوان	مصنف	صفحہ
سونیا منظور/آمنہ بتول ثمرن چوہدری/وجیہہ خان	ملیحہ احمد	22

بہنوں کی عدالت

عنوان	مصنف	صفحہ
سمیرا شریف طور	ادارہ	26

سلسلہ وار ناول

عنوان	مصنف	صفحہ
بھیگی پلکوں پر	اقرأ صغیر احمد	89
ٹوٹا ہوا تارہ	سمیرا شریف طور	145

پبلشر مشتاق احمد قریشی پرنٹر جمیل حسن مطبوعہ ابن حسن پرنٹنگ پریس ہاکی اسٹیڈیم کراچی
دفتر کا پتا: 7 فرید چیمبرز عبداللہ ہارون روڈ کراچی

سرورق: زونا...... آرائش: ماہ روز بیوٹی پارلر...... عکاسی: جنید خان

افسانہ

عنوان	مصنف	صفحہ
گڈو باجی	راحت وفا	63
تجھ سنگ عید	فصیحہ آصف خان	111
شہر محبت	صبا جاوید	175
عید کا تحفہ	تمثیلہ زاہد	187
تم پہ نازاں ہے وطن	بشریٰ باجوہ	213

مکمل ناول

عنوان	مصنف	صفحہ
جھیل کنارے کنکر	نازیہ کنول نازی	31
میرے نقش گر	عالیہ حرا	125

ناولٹ

عنوان	مصنف	صفحہ
روشن اندھیرے	سمیرا حمید	67
مجھے ہے حکم اذاں	ام مریم	193

مستقل سلسلے

عنوان	مصنف	صفحہ
قرآنی مسائل کا حل	حافظ شبیر احمد	217
بیاض دل	میمونہ رومان	219
ڈش مقابلہ	طلعت آغاز	221
بیوٹی گائیڈ	روبین احمد	225
غزلیں نظمیں	ایمان وقار	227
دوست کا پیغام آئے	ہما احمد	232
یادگار لمحے	جویریہ سالک	238
آئینہ	شہلا عامر	242
ہم سے پوچھیے	شمائلہ کاشف	248
آپ کی صحت	ہومیو ڈاکٹر ہاشم مرزا	251
کام کی باتیں	حنا احمد	255
حنا کے رنگ آنچل کے سنگ	ادارہ	257

خط و کتابت کا پتا: ماہنامہ آنچل پوسٹ بکس نمبر 75 کراچی 74200 فون نمبرز 2/ 021-35620771
فیکس 021-35620773 کے از مطبوعات نئے افق پبلی کیشنز کراچی ای میل info@aanchal.com.pk

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "حرام چیزوں سے بچو، تم سارے لوگوں میں سب سے زیادہ عبادت گزار ہو جاؤ گے اور اللہ نے جو تمہاری قسمت سے تمہیں دیا ہے اس پر راضی رہو لوگوں میں سب سے زیادہ غنی ہو جاؤ گے اور دوسروں کے لیے وہی بات پسند کرو جو اپنے لیے پسند کرتے ہو مسلمان ہو جاؤ گے اور زیادہ ہنسا مت کرو اس لیے کہ ہنسی کی کثرت دل کو مردہ کردیتی ہے۔" (احمد، ترمذی)

سرگوشیاں

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ
ستمبر ۲۰۱۳ء کا آنچل حاضرِ مطالعہ ہے۔

امید ہے کہ تمام بہنوں نے عید بڑے اہتمام اور پُرجوش انداز میں منائی ہوگی؛ ہمیں اندازہ آپ کے عید کے پیغامات سے اچھی طرح ہو گیا ہے۔ بہت سی بہنوں نے تو عید دو طرح سے منائی عید قیام پاکستان اور عید الفطر یقیناً یہ دونوں مواقع ہر اہلِ وطن کے لیے خوشی اور عید کے مواقع ہیں اللہ تعالیٰ انہیں ہمیشہ قائم و دائم رکھے۔ ان تمام بہنوں کا خصوصی شکریہ جنہوں نے مجھے اور اپنے اس آنچل کو بہت ساری دعاؤں سے نوازا ہے اللہ تعالیٰ ان کی تمام دعائیں نیک خواہشات کو قبول فرمائے اور ان کے دامن کو خوشیوں سے بھردے۔

ملک میں جگہ جگہ اور خصوصاً کراچی میں تو ہر جگہ ہی ہر روز خون خرابہ ہو رہا ہے نہ مرنے والوں کو پتا ہوتا ہے کہ انہیں کون مار رہا ہے اور کیوں مار رہا ہے اور نہ ہی مارنے والوں کو یہ پتا ہوتا ہے کہ ہم کس کو مار رہے ہیں اور کیوں مار رہے ہیں۔ بس یہ لوگ وطن عزیز کو دہشت زدہ کرنے کے لیے کسی بیرونی قوت کے ایما پر چند ٹکوں کے لالچ میں اپنی آخرت کو خراب کر رہے ہیں؛ ملنے والے چند سکوں کے عوض جہنم کی آگ کا سودا کر رہے ہیں۔ ایسا محسوس ہو رہا ہے کہ چند ہتھیار بند لوگ جنہیں شیطان نے اپنے چنگل میں جکڑ رکھا ہے اپنی من مانی کرنے پر تلے ہوئے ہیں شاید وہ اس طرح یہ سمجھ رہے ہیں کہ وطنِ عزیز میں وہ اپنے ان دہشت ناک اعمال کے ذریعے دین اسلام کو پھیلانے والے بن جائیں گے۔ یہ ان کی نادانی اور بھول تو ہو سکتی ہے یا صرف شیطانی سوچ و فکر جس کا حقیقت سے دور دور کا واسطہ نہیں۔

اسلام تو ایک شائستگی ایک تہذیب کا امن و بھائی چارے کا دین ہے اسلام تو ایک پاکیزہ جسم کے مانند ہے جس کے کسی عضو کو ذرا بھی ٹھیس پہنچتی ہے تو اس سے پورا جسم متاثر ہوتا ہے اسلام تو اخوت بھائی چارے کی تاکید کرتا ہے قانون کی پاسداری کا سبق دیتا ہے یوں ہتھیاروں کے بل من مانی کرنے کی کسی کو اجازت نہیں دیتا۔ اللہ تعالیٰ ہماری اور ہمارے وطن عزیز کی حفاظت فرمائے اور ان ہتھیار بند لوگوں کو شیطان کے چنگل سے نجات عطا فرمائے اور عقل سلیم سے نوازے آمین۔ آئیں ہم سب بہنیں مل کر وطنِ عزیز کی حفاظت سلامتی اور سربلندی کے لیے دست دعا دراز کریں اللہ تعالیٰ ہمیں ان ہتھیار بند لوگوں کے عذاب سے نجات عطا فرمائے آمین۔

آنچل اکتوبر کا شمارہ عید الاضحیٰ نمبر ہوگا بہنیں نوٹ فرمالیں اور اپنی نگارشات جلد از جلد ارسال کردیں تاکہ بروقت مل سکیں۔

اس ماہ کے ستارے
"جھیل کنارہ کنکر" نازیہ کنول نازی اور "میرے نقش گر" عالیہ حرا کے لازوال مکمل ناول۔
"مجھے ہے حکم اذاں" اُم مریم اور "روشن اندھیرے" سمیرا حمید کے شاہکار ناولٹ۔
"گڈو باجی" راحت وفا "تجھ سنگ عید" فصیحہ آصف "شہرِ محبت" صبا جاوید "عید کا تحفہ" تمثیلہ زاہد کے بہترین افسانے۔
"تم پہ نازاں ہے وطن" بشریٰ باجوہ کی ستمبر کے حوالے سے خصوصی تحریر۔

دعا گو قیصر آرا

حمد

خالقِ آفتاب ہے تُو مثلِ آفتاب نہیں
مہتاب ہے تیرے تابع تُو مہتاب نہیں
خدائی ہے تیری دائم تُو ربّ جلیل ہے
بے ثبات نہیں ہے تُو نقش آب نہیں
دیکھنا ہو جس نے وہ دیکھ لے تجھے
حسنِ نظر ہو تو پھر کوئی حجاب نہیں
تعبیر جس کی منتظر ہے محشر کو خدایا
خواب کی سی ہے زندگی مگر خواب نہیں
حیاتِ دنیا تو اک جستجو ہے تیری
سراب ہے ہر قدم پر مگر تُو سراب نہیں
تُو خود کرلے میزان گناہ و ثواب کا
میرے پاس تیرے ذکر کا حساب نہیں
کرتا رہا ہے جستجو عمیس مگر یہ جانتا بھی ہے
بن تیری رضا کے کچھ بھی کامیاب نہیں

عمیس احمد...... جھنگ صدر

نعت

فخرِ نبوت، فخرِ رسالت صلی اللہ علیہ وسلم
صاحبِ دیں، سرتاجِ شریعت صلی اللہ علیہ وسلم
گنجِ صداقت، مخزنِ حکمت صلی اللہ علیہ وسلم
کانِ دیانت، جانِ امانت صلی اللہ علیہ وسلم
حاملِ قرآں، محرمِ یزداں، منبعِ ایماں، مصدرِ عرفاں
جلوۂ وحدت، مظہرِ قدرت صلی اللہ علیہ وسلم
ذاتِ مکرم، خلقِ مجسم سرورِ عالم، رہبرِ اعظم
لطفِ سراپا، پیکرِ رحمت صلی اللہ علیہ وسلم
چہرۂ انور صبحِ درخشاں، لوحِ جبیں مہتاب فروزاں
نورِ نبوت، نورِ ہدایت صلی اللہ علیہ وسلم
صاحبِ اسریٰ، رہ روِ اقصیٰ، مظہرِ ثم دنا فتدلیٰ
عرش نشیں و ہمدمِ خلوت صلی اللہ علیہ وسلم
روضۂ اقدس، قبلۂ عالم، کوچۂ بطحا، کعبۂ دوراں
گنبدِ خضرا، قصرِ نبوت صلی اللہ علیہ وسلم
ذکرِ مبارک وردِ زباں ہو پیشِ نظر طیبہ کا سماں ہو
دل ہو قمرؔ آئینۂ حضرت صلی اللہ علیہ وسلم

قمر احمد عثمانی

editor@aanchal.com.pk
editor_aa@aanchal.com.pk

دَرجوابِ آں

مدیرہ

عنیقہ محمد بیگ...... سیالکوٹ

عنیقہ ڈیئر دعائیں! اس دنیا کی سب سے عظیم ہستی ماں ہے جس کا کوئی نعم البدل نہیں' دنیا کے کسی رشتے کی محبت ماں کی محبت کا موازنہ نہیں کرسکتی' ہماری عزیز از جان مصنفہ و بہن عنیقہ کی والدہ کی رحلت کی خبر ہماری آنکھیں نم کرگئی' اللہ آپ کی والدہ کو جنت الفردوس میں جگہ عطا فرمائے اور ان کے درجات بلند فرمائے' اور آپ سب کو صبر جمیل عطا فرمائے' آمین۔ تمام قارئین بہنوں سے بھی دعائے مغفرت کی اپیل ہے۔

مدیحہ کنول سرور...... تحصیل چشتیاں

پیاری مدیحہ! جیتی رہو' آپ کی تینوں کہانیاں پڑھ ڈالیں لیکن کچھ خاص متاثر نہ کرپائیں "ناسور" کہانی کا موضوع کافی فرسودہ ہے۔ قارئین کچھ نیا اور الگ پڑھنا چاہتے ہیں جب کہ "اے محسن" کہانی حقیقت سے دور اور "روشن صبح" میں آپ کہانی کی دلچسپی برقرار نہیں رکھ پائی ہیں۔ اصلاحی انداز کو نبھانے کے لیے دلچسپی کا ہونا بھی ضروری ہے تاکہ قارئین کو لیکچر نہ لگے اور کہانی کو سبق آموز بنانے کے لیے اکثر رائٹرز سے سنبھل نہیں پاتی جس سے کہانی کا تاثر ختم ہوجاتا ہے' آپ اپنا مطالعہ وسیع کریں اور لکھنے سے زیادہ کثرت مطالعہ کو اپنائیں پھر کہانی لکھیں' امید ہے کہ سمجھ پائیں گی' والسلام۔

سمیرا مشتاق ملک...... اسلام آباد

سمیرا ڈیئر! سدا مسکراؤ' شکوہ وشکایت سے بھرپور خط ملا' آپ کا گلہ سرآنکھوں پر لیکن ہم آپ کو شامل کریں بھی تو کیسے آپ کی نگارشات انتہائی تاخیر سے موصول ہوتی ہیں۔ آپ کا یہ خط 13 تاریخ کو ملا ہے جب کہ پرچہ تکمیلی مراحل میں ہے۔ تبصرہ کے علاوہ باقی کالمز آئندہ ہی لگ سکتے ہیں اب آپ ہی فیصلہ کرلیں کہ......

جو تُو نہیں تھا شریک محفل قصور تیرا ہے یا کہ میرا؟
امید ہے ناراضگی دور ہوپائے گی۔

قرۃ العین پارس...... کراچی

پارس گڑیا! جیتی رہو' سب سے پہلے تو امتحان میں کامیابی پر آپ کو ڈھیروں مبارکباد۔ دعا ہے اسی طرح کامیابیاں آپ کا مقدر بنیں' آمین۔ آپ کی کہانی فی الحال موصول نہیں ہوئی آپ کے کالمز کافی تاخیر سے ملنے کے باعث شریک کرنے سے معذرت خواہ ہیں۔ پلاٹ سے مطلب کہانی کا وہ خاکہ ہے جو آپ مذکورہ کہانی کے متعلق سوچتی اور تیار کرتی ہیں' یہی کہانی کی بنیاد ہے جتنا پلاٹ مضبوط ہوگا کہانی بھی اتنی ہی کامیاب ہوگی۔ آپ مختلف پہلوؤں پر مطالعہ کے بعد قلم اٹھائیں' ان شاء اللہ بہتر لکھ پائیں گی۔ اچھا لکھنے کے لیے اچھی کتابوں کا مطالعہ اور گہرا مشاہدہ ضروری ہے' امید ہے آپ کے کچھ نا کچھ پلے پڑ ہی گیا ہوگا' خوش رہو۔

شہناز رانا...... گوجرانوالہ

ڈیئر شہناز! خوش رہو' اتنی طویل غیر حاضری کے بعد انٹری دی اچھا لگا۔ آپ کی دو کہانیاں "سرخروئی" اور "درخشاں حیات" کے لیے معذرت' بے جا طوالت و کمزور انداز تحریر کی بنیاد پر آنچل کے معیار پر پوری نہیں اتر پائی' مائنڈ مت کیجیے گا امید ہے آئندہ آپ ان دو باتوں کا خیال رکھیں گی۔

کوثر ناز...... حیدر آباد

اچھی گڑیا! سلامت رہو "عورت کی آزادی ملت کی......" کے لیے عرض ہے کہ کافی ناصحانہ انداز میں لکھی گئی کہانی ہے بعض اوقات زیادہ ناصحانہ انداز میں لکھنے سے کہانی کی دلکشی ختم ہوجاتی ہے' آپ کی کہانی کے ساتھ بھی یہی ہوا ہے نیز شوہر کا رویہ اچانک تبدیل ہوجانا بھی کافی الجھا دیتا ہے۔ ناولٹ "میرے ہوکے رہو" کے لیے عرض ہے کہ اس میں آپ کا انداز کہانی کو تحریر پہلے سے کافی بہتر ہے لیکن ابھی وہ پختگی نہیں جو درکار ہے۔ ڈاکٹر وقار اور عائشہ سے متعلق کافی باتیں وضاحت طلب ہیں' اس لیے ہماری طرف سے دونوں کہانیوں کے لیے معذرت' آپ کوشش کریں کہ مختصر لکھیں مگر جامع اور دلچسپ اور ہمیں پوری امید ہے کہ آپ اچھا لکھ سکتی ہیں۔

نگینہ بحر...... چیچہ وطنی

نگینہ گڑیا! دعا۔ کچھ لوگ ایسے ہوتے ہیں جن کے بارے میں کہنے کے لیے لفظ نہیں ملتے' سوچیں ختم ہوجاتی ہیں' آپ کی والدہ کی رحلت کی روح فرساں خبر سن کر دل عجیب سے کرب کا شکار ہوگیا۔ سمجھ میں نہیں آرہا کہ کن الفاظ میں تسلی و تشفی لکھیں۔ تمام آنچل اسٹاف آپ کے اس غم میں برابر کا شریک ہے اور قارئین سے بھی دعائے مغفرت کا ملتمس ہے' اللہ تعالیٰ آپ کے والدین کو جنت الفردوس میں اعلیٰ مقام عطا فرمائے' اور آپ سب کو صبر جمیل عطا فرمائے' آمین۔

سونیا کرامت...... بورے والا

سونیا ڈیئر! خوش رہو۔ "زندگی کی راہوں میں" کے لیے معذرت' مائنڈ مت کیجیے گا' آپ کے لکھنے کا انداز بہت کمزور ہے ابھی آپ مطالعہ پر توجہ دیں پھر دلچسپ انداز میں کوئی مختصر سا افسانہ تحریر کریں اور اسے بار بار بغور پڑھیں اور دوسروں سے بھی پڑھوائیں' آپ کو اندازہ ہوجائے گا کہ آپ نے کہاں غلطی کی اور اس سے آپ کو سیکھنے میں بھی مدد ملے گی۔

اقراء کنول...... اٹک

اقراء ڈیئر! تعریفوں بھرا خط ملا' آپ دو سال سے خاموش قاری ہیں' خاموشی کا قفل توڑ کے آپ نے آنچل کی محفل میں شرکت کی' خوش آمدید۔ عشنا' نازیہ' سمیرا شریف اور اقراء کو آپ کی پسند ان سطور کے ذریعے پہنچائی جارہی ہے۔ گڑیا! ہمیں آپ کی نگارشات موصول ہی نہیں ہوئیں تو شائع کیسے کرتے؟ یہ خط ملا ہے تو جواب دے رہے ہیں آپ کہانی بھیج دیں پڑھ کے ہی رائے دے پائیں گی' رہی بات تعارف کی تو وہ باری آنے پر ہی شائع کیا جائے گا بشرط دلچسپ پیرائے میں رقمطراز ہو' شاعری اگر معیاری ہوئی تو چھپ جائے گی ورنہ معذرت۔ "اور کچھ خواب" کی آخری قسط فروری 2013ء میں شائع ہوگئی ہے۔

زوبیہ شاہین...... مانگا

اچھی گڑیا! جگ جگ جیو۔ محبتوں بھرا تعریف نامہ موصول ہوا' اچھا لگا اتنی تعریفوں کا تہہ دل سے شکریہ۔ آپ کی بہن کا تعارف موصول ہوگیا ہے اس کے لیے عرض ہے کہ تعارف ہمیشہ باری آنے پر شائع کیا جاتا ہے اگر دلچسپ پیرائے میں لکھا گیا ہو تو' آپ کو میٹرک کے امتحانات میں کامیابی پر ہماری طرف سے مبارکباد۔

شازیہ اسلم طور...... خانیوال

شازی ڈیئر! شاد وآباد رہو' آپ کا خط ملا شرط وشرائط سے بھرپور' ایسے پڑھو یہ کرو وہ نہ کرو' پڑھ کر نہ صرف آپ کے اس منفرد انداز کو سراہا بلکہ ہونٹوں پر دلفریب مسکراہٹ بھی بکھر گئی۔ بہرحال نظر انداز ہونے کی اصل وجہ آپ کی ڈاک کا تاخیر سے ملنا ہے اس لیے شامل نہ کرسکے۔ پروین افضل شاہین کے سوالوں سے آپ کی آنٹی ہی کیا بہت سے لوگ لطف اندوز ہوتے ہیں' ان سطور کے ذریعے آپ کے تعریفی کلمات ان تک پہنچا رہے ہیں' اب تو خوش ہوجائیں۔

ثوبیہ رحمن......

ثوبیہ ڈیئر! سدا مسکراؤ' آپ اتنی مایوسی کی باتیں کریں گی تو ہرگز نہ لکھ پائیں گی ویسے بھی بدگمانی بری بات ہے۔ دوسری اور تیسری کہانی موضوع کے لحاظ سے کمزور لگیں اسی لیے آنچل کے معیار پر پوری نہ اترسکیں۔ تحریریں آپ کی رائے کے مطابق ایک جیسی ہوتی ہیں اصل میں ایسا نہیں ہے ہر لکھاری بہن کا اپنا انداز ہوتا ہے' موضوع اور کہانی کا مرکزی خیال الگ ہوتا ہے اور ہونا بھی چاہیے' زندگی کے بہت سے پہلو ہیں آپ دوسری کہانیوں سے متاثر ہوکر اسی پلاٹ پر کہانی لکھیں گی تو ہم معذرت کے علاوہ کیا کہہ سکتے ہیں۔ آپ سماجی و اصلاحی پہلو پر کہانی لکھیں ان شاء اللہ قابل اشاعت ہوگی۔ امید ہے تفصیلی جواب سے آپ کی تشفی ہوجائے گی۔

ایم ماہی عباس راجپوت...... خانیوال

ماہی ڈیئر! سلامت رہو' آنچل کی پسندیدگی کا شکریہ۔ پہلی بار شرکت پر خوش آمدید' آپ کی نگارشات موصول ہوگئی ہیں' معیاری ہوئیں تو چھپ جائیں گی' ورنہ معذرت۔

اسماء رفیق...... رحیم یار خان

اسماء ڈیئر! خوش رہو آپ کو لکھنے کا بہت شوق ہے یہ جان کر خوشی ہوئی' آپ کی کہانی "میں ہر پل تیرے سنگ سنگ" کے لیے معذرت' ایک تو اس کا موضوع نہایت پرانا ہے اور پھر انداز بھی بالکل عام سا ہے کچھ خاص متاثر کن

نہیں آپ موضوع کے چناؤ اور انداز پر خاص توجہ دیں۔

علمٰہ شمشاد حسین...... کراچی

پیاری گڑیا! سدا مسکراؤ' ہماری جانب سے آپ کو بھی عید مبارک اور شادی بھی مبارک۔ گڑیا آپ کی نظمیں ہمارے پاس محفوظ ہیں وقتاً فوقتاً متعلقہ شعبے والے خود ہی لگادیں گے' بہرحال آپ کے والدین کا فیصلہ بالکل درست ہے ماں باپ اپنے بچوں کا بہتر مستقبل چاہتے ہیں' آپ ڈرنا چھوڑیں اور سب اللہ تعالیٰ پر چھوڑ دیں' ان شاء اللہ خوشیوں سے بھرپور زندگی باہیں پھیلائے آپ کی منتظر ہوں گی' رابطہ کے لیے آپ خط لکھ کر آنچل کے پتے پر بھیج دیں۔

جہانہ آفتاب...... نامعلوم

جہانہ ڈیئر! شاد رہو' آپ کی تحریر ''محبت چاند کی مانند'' بے جا طوالت کا شکار ہے' کہانی محبت کے روایتی پہلو کو سامنے رکھ کر لکھی گئی ہے جب کہ آج کل قارئین سماجی و معاشرتی پہلو پر اصلاح کے رنگ میں بجی کہانی پڑھنا چاہتے ہیں' یہی وجہ ہے گڑیا کہ ہم معذرت خواہ ہیں' آپ ہماری بات کی رہنمائی میں کسی اور موضوع پر قلم اٹھائیں' شکریہ۔

سعدیہ نواز سلوی...... سرگودھا

سعدی گڑیا! سدا مسکراؤ' آپ کی تحریر ''سوچ'' پڑھ کر اندازہ ہوا کہ آپ نے موضوع کے انتخاب میں غلطی کردی ہے۔ اہل سنت واہل تشیع کے اختلاف پر مبنی یہ کہانی قارئین کے اذہان پر بھی خوشگوار تاثر قائم نہ کرپائے گی لہٰذا ہم معذرت خواہ ہیں آپ کسی اور موضوع پر قلم اٹھائیں' امید ہے تشفی ہوپائے گی۔

آمنہ' ضمن...... نندووال

آمنہ ڈیئر! خوش رہو پہلی بار آنچل کی محفل میں شرکت پر خوش آمدید۔ ام مریم اور سمیرا شریف طور کو آپ کی تعریف ان سطور کے ذریعے پہنچارہے ہیں' آپ نے ہمارے لیے جو شعر لکھا ہمیں پسند آیا۔ اللہ سبحانہ وتعالیٰ آپ کو خوش وخرم رکھیں آمین۔

انعم نواز...... مونگ

پیاری انعم! سدا شاد رہو' یہ جان کر اچھا لگا کہ آپ کو لکھنے کا جنون ہے اور ساتھ ہی اصلاحی ورہبری کی بھی ضرورت ہے تو گڑیا ہم آپ کی اصلاح کے لیے حاضر ہیں۔ اچھا اور معیاری لکھنے کے لیے اس بات سے بے نیاز ہوکر لکھیں کہ فوراً چھپ جائے گا۔ اپنے لکھے ہوئے کو بغور پڑھیں بڑے رائٹرز کی تحریروں کا عمیق مطالعہ کریں' بڑے اور سینئر رائٹرز بھی اسی عمل سے گزر کر آسمان ادب کے درخشندہ ستارے بنتے ہیں آپ کی کہانی ''مکافات عمل'' ابھی پڑھی نہیں گئی عید نمبر سے فراغت کے بعد ہی آپ کو بتاسکیں گے۔

ثوبیہ نواز اعوان...... کنڈان' سرگودھا

ثوبی گڑیا! آپ کے پورے نام کے ساتھ جواب حاضر ہے ''میری دوستی میرا عشق'' کہانی کمزور تھی' وہی روایتی موضوع پر آپ نے قلم اٹھایا ہے' آپ سماجی واصلاحی پہلو پر کہانی لکھیں اور بڑے رائٹرز کی کہانی اور ان کے انداز کو بغور دیکھیں' اچھا لکھنے کے لیے وسیع مطالعہ ضروری ہے' معیاری تحریر اپنی جگہ خود بناتی ہے ہم یا کوئی اسے رد نہیں کرسکتا۔ آپ کی نانی کی دعائے مغفرت کے لیے قارئین سے ملتمس ہیں' خوش رہیں۔

مسکان خان...... مانسہرہ

اچھی گڑیا! خوش رہو' آپ کا مایوسی سے بھرپور خط ملا' پڑھ کے دکھ ہوا۔ گڑیا صرف پڑھا لکھا ہونا ہی کافی نہیں ہوتا تعلیم فقط ڈگریوں سے حاصل نہیں ہوتی' اس کے لیے شعور وعقل وفکر لازمی ہے آپ ماشاء اللہ بہت سمجھ دار ہیں آپ کے خط سے ہمیں اس بات کا اندازہ ہوگیا ہے آپ اپنا مطالعہ وسیع رکھیں' کہانیاں لکھنے کے لیے یہ بہت ضروری ہے اس کے بعد ہی کوئی کہانی لکھیں اور شاعری کے لیے بھی مطالعہ وسیع کریں۔

فائزہ جعفری...... چك سادہ' گجرات

پیاری فائزہ! سدا مسکراؤ' آپ کی تحاریر موصول ہوئیں' ان کے بارے میں جواب حاضر ہے۔ ارسال کردہ تحریر ''ملال'' کے لیے ہم معذرت خواہ ہیں اس میں آپ کا انداز تحریر آنچل کے معیار کے مطابق نہیں البتہ ''ساعت رحمت'' چونکہ عید ایشو کے لیے تھی لہٰذا ہم آئندہ ہی موقع دے سکیں گے کیونکہ آپ کی یہ تحریر کافی تاخیر سے موصول ہونے کے سبب عید نمبر میں جگہ نہ بنا سکی۔ امید ہے کہ یہ تفصیلی جواب آپ کی تشفی کرپائے گا۔

سیدہ کنزیٰ زین...... منڈی بہاؤالدین

پیاری کنزیٰ! سدا خوش رہو۔ آپ کا تفصیلی خط ملا جس میں آپ نے اپنے گاؤں کھیالہ سیداں کا ذکر کیا ہے ہماری معلومات میں بھی اضافہ ہوا جہاں تک آپ نے اپنی کہانی کے بارے میں پوچھا ہے تو ایسی کوئی کہانی ہمیں موصول ہی نہیں ہوئی اگر آپ چاہیں تو اسی کہانی کو ازسرنو بھیج دیں پڑھنے کے بعد ہی اپنی رائے سے آگاہ کرسکیں گے' والسلام۔

آسیہ مقصود...... ملتان

ڈیئر آسیہ! سلامت رہو' دعاؤں کے لیے جزاک اللہ۔ افسانہ ''بھروسہ'' کے لیے معذرت قبول کیجیے' پچھلے شمارے میں بھی اس کے حوالہ سے آپ کو بتایا جاچکا ہے ''ہم زندہ قوم ہیں'' کے لیے عرض ہے کہ کہانی ابھی پڑھی نہیں گئی' تھوڑا انتظار کریں۔

مشترکہ جوابات

ماریہ ریاض...... رجوعہ۔ آپ کا خط کافی تاخیر سے موصول ہوا' بہرحال جواب حاضر ہے کہانی کے بارے میں کچھ بھی کہنا قبل از وقت ہے' آپ نے پیغام' آئینہ اور خط سب ایک ہی صفحے پر لکھ دیئے ہیں' اب باقی نگارشات ضائع ہوجائیں گی' آئندہ احتیاط کریں' ہر کالم کے لیے الگ صفحہ استعمال کریں۔ **کشمالہ اقبال...... احمد پور سیال۔** پہلی مرتبہ شرکت پر خوش آمدید' تعارف باری آنے پر ہی لگے گا اور دلچسپ پیرائے میں ہونا بھی لازمی ہے۔ مصنفین تک آپ کی پسند ان سطور کے ذریعے پہنچ جائے گی۔ **فرحت اشرف جٹ...... سیدوالا' ضلع ننکانہ۔** سالانہ خریدار بننے کے لیے آپ آفس کے نمبر پر فون کرکے تمام معلومات حاصل کرسکتی ہیں۔ **عطیہ ارشد...... سمندری۔** عید نمبر سے فراغت کے بعد آپ کا افسانہ پڑھ کر ہی اپنی رائے دے سکیں گے' امید کا دامن تھامے رکھیے۔ **رخسانہ شاہین...... خوشاب۔** آپ کی تحریر ''تیرے ملنے کے بعد'' فی الحال کچھ کہہ نہیں سکتے' عید نمبر سے فراغت کے بعد پڑھ کر بتادیں گے' والسلام۔ **خنسا عبد المالک...... راولپنڈی۔** آنچل کی محفل میں پہلی مرتبہ شرکت پر خوش آمدید۔ آپ کو آنچل سے بہت کچھ سیکھنے کو ملا یہ جان کر اچھا لگا' آئندہ بھی شریک محفل رہیے گا۔ **ثناء ثوبیہ...... توبہ ٹیک سنگھ۔** گڑیا! آپ کا یہ پہلا خط موصول ہوا تو جواب بھی حاضر ہے اس سے پہلے آپ کے خطوط ہم تک نہ پہنچ سکے تو جواب کیسے دیتے۔ ٹائٹل کی پسندیدگی کا شکریہ۔

ناقابل اشاعت کہانیاں:۔

پانڈا اور فیری' بندھن ٹوٹے نا' ملال' انجان رشتے' فرق' آئی رُت بہار کے سنگ' پیار یہ محبت' تقدیر' مدد' جنون' کیسا گلہ' غم تنہائی' افسانہ پیار کا' تقدیر' دوسری ملاقات' لاحاصل آتش عشق' محبت کا صلہ محبت سے' کبھی سوچا نہ تھا' یوں تو اک چھوٹا سا قصہ' گناہ' رکشہ یا ٹیکسی' بلاعنوان' خواب پورے ہوئے' آنے والی کل کے خواب' بے نور' ملن' بلاعنوان' اے محسن میرے' ناسور' ماں' سرپرائز' سکون' میرے ہوکے رہو' عورت کی آزادی ملت کی...... ' نفرت پاس آنے نہ دے...... ' سوہنی بلا' بجھ گئے دیپ سارے' اب کے بار جب وہ لوٹی' اُف یہ پیر بابے' دل لگی' ہتھیلی پر اترا ہلال عید' وہ چاند نکلا' عید کی چوڑیاں' عید سرپرائز' دامن پہ لگا داغ' محبت ہے عہد زندگی' عید کا چاند' شہر دل کے موسم۔

مصنفین سے گزارش

☆ مسودہ صاف خوش خط لکھیں۔ حاشیہ لگائیں صفحہ کی ایک جانب اور ایک سطر چھوڑ کر لکھیں اور صفحہ نمبر ضرور لکھیں اور اس کی فوٹو کاپی کراکر اپنے پاس رکھیں۔

☆ قسط وار ناول لکھنے کے لیے ادارہ سے اجازت حاصل کرنا لازمی ہے۔

☆ نئی لکھاری بہنیں کوشش کریں پہلے افسانہ لکھیں پھر ناول یا ناولٹ پر طبع آزمائی کریں۔

☆ فوٹو اسٹیٹ کہانی قابل قبول نہیں ہوگی۔

☆ کوئی بھی تحریر نیلی یا سیاہ روشنائی سے تحریر کریں۔

☆ مسودے کے آخری صفحہ پر اپنا مکمل نام پتا خوشخط تحریر کریں۔

☆ اپنی کہانیاں دفتر کے پتا پر رجسٹرڈ ڈاک کے ذریعے ارسال کیجیے۔ 7' فرید چیمبرز عبداللہ ہارون روڈ۔ کراچی۔

مٰلِكِ یَوْمِ الدِّیْنِ

مولف: مشتاق احمد قریشی

مالک یوم الدین کون ہے؟

سورۃ الفاتحہ کی آیت "مالک یوم الدین" میں اللہ تعالیٰ نے اسلام کا وہ بنیادی اور اصولی عقیدہ بیان فرمایا ہے، جس کے اثرات پوری انسانیت اور انسانی زندگی پر بہت ہی گہرے مرتب ہوتے ہیں اللہ تبارک وتعالیٰ نے روز جزا کے بارے میں مالک کہہ کر اپنی ملکیت کا اظہار کیا ہے۔

مالک ہونا جو قبضہ واستیلاء تصرف واختیار اور قدرت کے نہایت ہی اعلیٰ درجے کو ظاہر کر رہا ہے اور یوم الدین سے مراد قیامت کے بعد روز جزا ہے۔ یوم الدین یعنی روز جزا کی خصوصی تاکید اس لئے بھی کی گئی ہے کہ نزولِ قرآن کریم سے قبل نبی رحمت اللعالمین حضرت محمد مصطفیٰ احمد مجتبیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت سے قبل بھی کچھ ایسے لوگ تھے جو اللہ تعالیٰ کو ہی الٰہ یعنی اپنا معبود مانتے تھے۔ اور اللہ تعالیٰ کی صفتِ تخلیق پر بھی یقین رکھتے تھے اور کہتے تھے کہ اللہ ہی اس دنیا کو عدم سے وجود میں لایا ہے۔ اس کے باوجود وہ یوم جزا اور حساب کتاب کے قائل نہیں تھے۔ ایسے ہی لوگوں کے بارے میں اللہ تعالیٰ نے قرآنِ حکیم میں ارشاد فرمایا ہے "اگر آپ ان سے پوچھیں کہ زمین وآسمان کس نے پیدا کیا ہے تو وہ کہیں گے اللہ نے"

یومِ آخرت پر ایمان اسلام کے بنیادی عقائد میں سے ایک اہم عقیدہ ہے۔ اسلام لوگوں کے دل ودماغ میں اپنی حقیقی اور دائمی زندگی کے دائمی ٹھکانے کے حصول کے لئے مالکِ کائنات اللہ ذوالجلال کے روبرو پیش ہو کر اپنی دنیا کی کارگزاری (نامہ اعمال) پیش کر کے اپنا دائمی ٹھکانا حاصل کرنے کی اہمیت کو اجاگر کرتا ہے یعنی اللہ تعالیٰ کے سامنے جوابدہی کا احساس پیدا کرتا ہے اس عقیدے پر ایمان لانے والے صرف دنیا کی ہی مصروفیات اور ہوس میں مبتلا نہیں ہوجاتے کیونکہ وہ جانتے ہیں سمجھتے ہیں کہ اللہ تبارک وتعالیٰ نے انسان کو اس دنیا میں اس لیے ہی بھیجا ہے کہ وہ دنیا میں رہتے بستے ہوئے اپنی آخرت کی دائمی زندگی کا اہتمام کر سکے۔ انسان اگر یہ سمجھ لے اور اپنی زندگی احکام الٰہی کے مطابق بسر کرے تو اس کی زندگی کا ہر لمحہ عبادتِ الٰہی بن جاتا ہے پھر اسے دنیاوی ضروریات سے بلند ہو کر عمل کرنے کی ضرورت نہیں رہتی وہ اپنی زندگی اطاعتِ الٰہی، احکامِ الٰہی اور احکامِ نبوی کے مطابق گزارتے ہیں انہیں دنیا میں اپنے اعمالِ صالح کی جزا ملنے کی نہ فکر ہوتی ہے نہ ہی پرواہ اپنے تمام اعمال اللہ کی رضا وخوشنودی کے لئے ادا کرتے ہیں۔

جب تک انسان کے دل ودماغ میں آخرت کا یوم الدین کا اصولی عقیدہ جاں گزیں نہیں ہوتا اور اس کے دل میں اطمینان پیدا نہیں ہوتا اس وقت تک وہ دنیاوی فوائد اور مادی ترغیبات میں الجھا رہتا ہے جب وہ یہ سمجھ لیتا ہے کہ ایک دن یوم آخرت کو آنا ہے اور سب کو ملک یوم الدین کے سامنے پیش ہونا ہے تو وہ پورے یقین واعتماد کے ساتھ آنے والی دائمی زندگی کے لئے محنت ومشقت میں مصروف ہوجاتا ہے۔ یوم الدین اور اس کے مالک پر یقین رکھنے والا اور اس کا انکار کرنے والا دونوں بالکل الگ الگ ہیں دونوں کی منزلیں الگ الگ ہیں دونوں کے درمیان دنیا میں اور آخرت میں بھی واضح فرق اور امتیاز نمایاں ہوگا۔

جیسا کہ اوپر کی سطور میں ذکر کیا جاچکا ہے کہ مالک کا بنیادی مطلب قوت اقتدار غلبہ اختیار اور حکمرانی کا منبع ہوتا ہے اس لئے مالک کے معنی صاحب اقتدار واختیار کے ہیں اور ملک کے معنی بھی اقتدار کے ہی ہیں۔ یہ لفظ بعد میں بادشاہ کے معنوں میں استعمال ہونے لگا۔ اسی طرح ملک کے بنیادی معنی اختیار اقتدار ہی کے ہیں لیکن اس سے مراد علاقہ ہوگیا جس پر کسی کا اقتدار قائم ہو۔ ملکوت کے معنی وہ مظاہر فطرت ہیں جن سے اللہ تعالیٰ کے اقتدار واختیار کا مظاہرہ ہوتا ہے۔

اللہ جل شانہ کی قوت کائنات کی ہر شے سے آشکار ہے تمام کائنات کا نظام قانونِ الٰہی کے مطابق کام کر رہا ہے تمام قوانین ومحرکات کے پیچھے اللہ تعالیٰ ہی کی قوت کارفرما ہے۔ تمام نظام، تمام قوانین، اللہ تعالیٰ کے ہی بنائے ہوئے ہیں جو اس کے ہی چلائے سے چل رہے ہیں۔

مالک اور ملک میں ایک بنیادی فرق ہے ملک تو بادشاہ ہوتا ہے جو کچھ امور پر متصرف ہے یعنی وہ مختار کل نہیں ہوتا اپنے ہی بنائے ہوئے قوانین میں بندھا جکڑا ہوا ہوتا ہے۔ لیکن مالک تو اپنی ملک پر پوری طرح بہ اختیار متصرف ہوتا ہے جبکہ ملک کا لفظ صرف انسانوں کی سیاست سے مخصوص ہے یعنی بادشاہ یا حکمران اپنی رعایا کے صرف امر ونہی کا تصرف رکھتا ہے جو ایک محدود اختیار ہوتا ہے۔

مالک کا لفظ ملک کے لئے اس لئے استعمال کیا جاتا ہے کہ اس میں بھی اختیار ہوتا ہے ملک تو ایک محدود اختیارات کا حاکم ہوتا ہے وہ فریقین میں انصاف کے لئے مامور ہوتا ہے وہ اپنے اختیار سے کسی مجرم کو چھوڑ نہیں سکتا۔ لیکن جبکہ مالک کو اختیار ہے جسے چاہے معاف کردے اللہ تعالیٰ کی ملکیت جو رحمت ہی رحمت ہے وہ گناہ بھی معاف کرتا ہے اور گناہ گاروں کو بھی معاف کر سکتا ہے۔ وہ تو قادر مطلق ہے۔ اللہ تعالیٰ تو مالک حقیقی ہے ہر ہر چیز ہمیشہ سے اس کے قبضہ قدرت میں رہی ہے اور رہے گی۔ وہ سب سے بے نیاز ہے جبکہ سب اس کے محتاج ہیں۔

اللہ ذوالجلال بلاشرکتِ غیرے صاحبِ اختیار واقتدار شہنشاہ ارض وسما ہی نہیں بلکہ مالکِ واحد یعنی اکیلا ہی سب کچھ کا مالک ہے۔ وہ احکام الحاکمین ہے ہر شے اس کے پورے پورے تصرف میں ہے اسی کا ہر طرف ہر چیز پر قبضہ وتسلط ہے وہ بڑا ہی عالی شان مالک ہے وہی سب مخلوقات کا نگہبان وپرورش کرنے والا پروردگار ہے وہی ربّ العرش عظیم اور ربّ العرشِ کریم ہے۔

ترجمہ:۔ اللہ تعالیٰ سچا بادشاہ ہے وہ بڑی بلندی والا ہے اس کے سوا کوئی معبود نہیں وہی بزرگ عرش کا مالک ہے۔ (المومنون۔۱۱۶)

مالک یوم الدین۔ لفظ مالک کا مادہ (م۔ل۔ک) ہے اور یہ تینوں حرف حرکات زبر زیر اور پیش کے ساتھ آئے ہیں۔ اس لفظ مالک کے بنیادی معنی کچھ اس طرح ہیں۔

(۱)۔ کسی چیز پر پوری طرح قادر ہونا۔ قابض وغالب ہونا (مستولی ہونا)
(۲)۔ اختیار روا رادوے میں مکمل سند ہونا۔ (اتھارٹی ہونا)
(۳)۔ بنیاد ہونا، محکم ہونا، ایسا سہارا جس پر کوئی چیز قائم ہو۔
(۴)۔ جس کے ذریعے سے کوئی بھی معاملہ درست ہوجائے اور کمال کو پہنچے۔

جب یہ لفظ مالک عام انسانوں کے لئے ادا کیا جائے تو اس کا مفہوم بالعموم قوت واقتدار ہوتا ہے جس سے دوسروں کو مملوک بنانا ظاہر ہو۔ اسے ملوکیت سے تعبیر کیا جاتا ہے۔ لیکن جب یہ لفظ مالک اللہ تعالیٰ کے لئے ادا کیا جائے تو اس

سے صرف اس کے اقتدارِ اعلیٰ کا اظہار ہی مقصود نہیں ہوتا بلکہ اُس کی قوت و غلبے اور قبضے کا بھی اظہار ہوتا ہے اللہ تعالیٰ بڑا ہی رحیم و کریم و فضل کرنے والا خالق و مالک ہے وہ تو خالقِ مطلق ہے پروردگار ہے بڑی محبت و شفقت کرنے والا ہے وہی کا ہر طرح سے مالک ہے جیسا کہ سورۃ البقرۃ کی طرح کئی جگہ ارشاد باری تعالیٰ ہوا ہے۔

ترجمہ:۔ کیا تجھے علم نہیں کہ زمین و آسمان کا ملک اللہ ہی کے لئے ہے اور اللہ کے سوا کوئی ولی اور مددگار نہیں۔ (البقرہ۔۱۰۷)

آیتِ مبارکہ میں اللہ تعالیٰ خبر دے رہا ہے تمام انسانوں کو تمام انسانیت کو خبردار کر رہا ہے کہ یہ ساری کائنات جس میں یہ زمین و آسمان اور اس کے اردگرد جتنے بھی سیارے ستارے کہکشائیں ہیں اور ان میں جو کچھ مخلوقاتِ الٰہی موجود ہے ان سب کا مالک اللہ تعالیٰ ہے سب اسی ایک اکیلے اللہ کی ملک ہے ساری کائنات میں اسی حاکم کا حکم چلتا ہے اسی مالکِ کائنات نے اس عظیم ترین کائنات کے ایک ایک ذرے کو سنبھال رکھا ہے اپنی ہر مخلوق کو ایک نظامِ حیات دے کر کام پر لگا رکھا ہے ہر چیز اپنے نظام کے مطابق اپنے مالک و خالق کی مرضی و منشا کے مطابق کام کر رہی ہے۔ ان تمام مخلوقاتِ الٰہی کا کسی بھی طرح اللہ تبارک و تعالیٰ کے سوا نہ کوئی مددگار ہے نہ نگران و نگہبان ہے۔ تمام مخلوقاتِ الٰہی اپنے آقا اپنے مالک کی پوری طرح گرفت میں کام کر رہی ہے۔ ان تمام مخلوقاتِ الٰہی کا کسی بھی طرح اللہ تبارک و تعالیٰ کے سوا نہ کوئی مددگار ہے نہ نگران و نگہبان ہے تمام مخلوقاتِ الٰہی اپنے آقا اپنے مالک کی پوری طرح فرمانبردار ہیں۔ تمام مخلوقات میں انسان ہی ایسی مخلوق ہے جس سے اللہ تعالیٰ تعلقِ خاص رکھتا ہے۔ اسے اس نے زمین کے لئے اپنا نائب مقرر فرمایا ہے اس لئے ہی اُسے کچھ اضافی اختیارات ارادے کے عطا فرمائے ہیں وہی سب کی پرورش فرما رہا ہے وہی سب کی دنیا کی اس امتحان گاہ کی مختصر زندگی میں نگرانی فرما رہا ہے۔

قرآنِ کریم میں لفظ مالک تین مقام پر آیا ہے جبکہ ملک اور مالک الملک کئی مقامات پر استعمال ہوا ہے۔ یہ اللہ تعالیٰ کی صفتِ عظیم ہے اس کے معنی ہیں سارے جہانوں کا حکمران۔ سب کچھ کا بلا شرکتِ غیرے مالک ہر ہر ذرے پر پوری پوری قدرت اور قابو رکھنے والا ملک کی جمع ملوک کے معنی بادشاہ حکمراں جس کے ہاتھ میں مستقل امر و نہی کی طاقت ہے ملک وہ جسے ہر چیز پر مکمل تصرف کا اختیار ہو چاہے سلطنت ہو رعایا ہو اللہ تعالیٰ ایسا قادرِ مطلق کہ جس کے اختیار اور قبضہ میں سب کچھ ہے وہی ہر شے کا مختارِ کل ہے۔ سب کچھ اسی مالک کے ارادہ و اختیار سے ہے سب سے بڑی قوت اور سب سے بڑا مستحکم بنیاد والا ہے کائنات کی ہر شے ہر ہر ذرہ اسی مالک کی ملکیتِ حقیقی ہے۔ اس کائنات کا قیام و نظام سب اسی مالک کے اختیار سے قائم ہے اور چل رہا ہے وہی مالک اس سب کا خالق بھی ہے انسان کو اسی مالک نے یہ قوت دی ہے کہ وہ دنیا کی تمام چیزوں کو استعمال کرنے کی قوت رکھتا ہے۔ لیکن ملکیت کا احساس و اختیار ہونے کے باوجود سب کچھ کا حقیقی مالک و وارث اللہ تعالیٰ ہی ہے۔ اللہ کی عطا کردہ چیزوں زمین وغیرہ پر کسی بھی انسان کا ملکیت کا تصور حقیقی نہیں ہوتا ہر چیز ہر صورت اللہ کے ہی قبضہ قدرت میں ہے وہی ہر ہر شے کا حقیقی مالک ہے۔ سب کچھ اس کی ہی ملکیت ہے۔

زمین پر رہنے والے انسان کیسے ہی حاکم اور کتنے ہی اختیارات کے مالک کیوں نہ ہوں ان کے اختیارات پھر بھی محدود ہی ہوتے ہیں۔ وہ جب کسی خطا کار کو قانون کے مطابق سزا دیتے ہیں تو وہ اپنے بنائے ہوئے قانون کے پابند ہوتے ہیں یعنی خود حاکم اپنے بنائے ہوئے قوانین کا محکوم ہوتا ہے۔ لیکن مالک وہ ہوتا ہے جو اپنے اختیارات میں کامل ہوتا ہے۔ وہ چاہے تو سزا دے اور چاہے تو معاف کر دے۔ اس سے باز پرس کرنے والا کوئی نہیں ہوتا۔

مسلم شریف میں ایک حدیثِ مبارکہ میں ہے کہ "اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی بھی مالک نہیں ہے" اسی سبب محققین کا قول ہے کہ اللہ کے سوا کسی اور کو مالک کہنا یا پکارنا جائز نہیں ہے۔

اللہ تبارک و تعالیٰ ہی آج بھی اور روزِ آفرینش سے تمام کائنات تمام مخلوقات کا خالق بھی ہے اور مالک بھی ہے اور مختارِ کل بھی ہے۔ اللہ تبارک و تعالیٰ کی ذاتِ عالی صرف روزِ قیامت کی ہی مالک نہیں بلکہ وہ تو کائنات کے ذرے ذرے کی مالکِ حقیقی ہے مالکِ یوم الدین سے مراد ہے کہ اس روز جب قیامت کے بعد سب میدان حشر میں جمع ہو جائیں گے تو اللہ تعالیٰ کی اس عظیم صفت مالکیت کا مشاہدہ ہر کوئی کر سکے گا خواہ اہلِ ایمان ہوں یا منکر۔

اسمِ مالک اسمائے حسنیٰ میں سے ایک نام ہے۔ اس صفتِ الٰہی میں تمام صفاتِ عدل جزا و سزا اور اختیار و قدرت اور آگہی سب شامل ہیں۔ اللہ تبارک و تعالیٰ نے قرآنِ حکیم میں کثرت سے اپنی ذاتِ عالی کے بارے میں ارشاد فرمایا ہے کہ وہی دنیا و آخرت دونوں کا مالک ہے ہر طرح سے متصرف اور حکمران ہے اور اپنی مخلوقات کو آگاہ فرمایا ہے تمام کائنات پر اسی اکیلے کی حکمرانی قائم ہے۔ سب کچھ کا صرف اور صرف اللہ ہی مالک ہے کیونکہ سب کچھ اسی کے قبضہ قدرت میں ہے اسی مالک کا پیدا کیا ہوا ہے۔ پوری کائنات کی ہر طرح سے شہنشاہیت اسی کی ہے۔

اسلام سے قبل تمام مذاہب کا عالم گیر اعتقاد یہ تھا کہ جزا محض اللہ تعالیٰ کی خوشنودی سے حاصل ہوگی اور سزا اس کے قہر و غضب کا نتیجہ ہوگا۔ اعمال و اقوال کے نتائج کا اس میں کوئی دخل نہیں ہوگا۔ یہ اعتقاد الواہیت اور مذہبی تصورات کی طرح اس معاملے میں بھی گمراہی کا سبب بنا۔ کیونکہ لوگ یہ دیکھتے رہتے تھے کہ جب کوئی مطلق العنان بادشاہ کسی سے خوش ہوتا تو اسے انعام و اکرام سے نوازتا اور کبھی اگر ناراض ہو جاتا تو سزا دے دیتا۔ اس لئے ہی ان لوگوں کا خیال تھا اللہ تبارک و تعالیٰ بھی ایسے ہی کرتا ہوگا۔ اسی باعث دیوی دیوتاؤں کے غصے غضب کے جوش کو کم کرنے ٹھنڈا کرنے کی غرض سے نذرانے چڑھاتے قربانیاں دیتے تھے۔

جبکہ قرآن جو اسلام اور مسلمانوں کی الہامی الٰہی کتاب ہے نے جزا و سزا کے نظام کو بالکل ہی بدل کر رکھ دیا اور احکامِ الٰہی اور قوانینِ الٰہی وضع کر دیے۔ اللہ تعالیٰ اپنے بندوں سے بڑی شفقت و محبت کا معاملہ فرماتا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے اپنی تمام مخلوقات کے نظام حیات کے لئے قوانین وضع کر دیئے ہیں انسانی ہستی کے لئے قوانینِ الٰہی اس کی فطرت و قوت کے مطابق ہی اللہ تعالیٰ نے بنائے ہیں کائناتِ ہستی کا عالم گیر قانون یہ ہے کہ ہر حالت کوئی نہ کوئی اثر رکھتی ہے اور ہر چیز کا کوئی نہ کوئی خاصہ ہے یہ ممکن نہیں کہ کوئی چیز وجود تو رکھتی ہو لیکن اثرات و نتائج نہ رکھتی ہو اللہ تبارک و تعالیٰ نے جس طرح اجسام و مواد میں خواص و نتائج رکھے ہیں اسی طرح اعمال میں بھی خواص و نتائج رکھے ہیں۔ اعمال کے یہی خواص و نتائج جنہیں جزا و سزا سے تعبیر کیا گیا ہے۔ اچھے اعمال کا نتیجہ اچھائی ہے اور برے اعمال کا نتیجہ برائی ہے۔ جزا و سزا عذاب و ثواب کی نوعیت آخرت میں کیا ہوگی۔ سزا والوں کو دوزخ جزا والوں کو بہشت سے سرفراز کیا جائے گا۔

(جاری ہے)

سونیا منظور احمد

ملیحہ احمد

اوہو......اتنی بھی کیا اسپیڈ ہم بھی تو پڑے ہیں راہوں میں (آہم)۔ میرا نام سونیا منظور ہے سب سونی کہہ کر بلاتے ہیں میری فرینڈ نازیہ مجھے سون کہتی ہے اور بعض اوقات (سوہن حلوہ) بھی کہہ دیتی ہے (ہاہ) کیا عزت ہے ہماری۔ جی مابدولت نے گجرات کے خوب صورت گاؤں سکھ چیناں میں 31 دسمبر کی ٹھٹھرتی ہوئی رات میں اس دنیا کو رونق بخشی۔ پڑھنا لکھنا میرا فیورٹ مشغلہ ہے اور آنچل کی تو ایسی عادت پڑی ہے کہ جس دن نہ پڑھوں وہ دن ہی ادھورا لگتا ہے (سوری امی جی)۔ شاعری کا جنون کی حد تک شوق ہے، علامہ اقبال، پروین شاکر، احمد فراز، وصی شاہ اور نازیہ کنول نازی میری موسٹ فیورٹ ہیں۔ رائٹرز میں نازیہ کنول نازی، عفت سحر، عمیرہ احمد، فرحت اشتیاق اور بھی بہت سارے نام ایسے ہیں جن کی تحریریں بہت پُراثر ہوتی ہیں۔ کام کے لحاظ سے میں ایک پرائیوٹ اسکول ٹیچر ہوں۔ گھر کے کاموں میں تھوڑی کیا زیادہ ہی کام چور ہوں (سوری امی جی)۔ جب کام نہ کرنے پر کمنٹس ملتے ہیں نہ وہ سن کے بڑا مزہ آتا ہے خاص طور پر یہ ''اگلے گھر جاؤ گی تو پتا چلے گا، یہ سیکھ لو وہ سیکھ لو'' لو جی (اگلا گھر نہ ہوا جہنم ہوگیا، ہاہاہا)۔ ویسے بھی قارئین ہمیں اگلے گھر سے ڈرنا نہیں چاہیے وہ اس لیے کہ ہماری اصلاح کے لیے ہمارا آنچل ہے نا جس سے ہم بہت کچھ سیکھتے ہیں۔ سفید اور سرخ میرے موسٹ فیورٹ رنگ ہیں، بلیولیڈی کی خوشبو پسند ہے، مجھے اپنی آنکھیں بہت پسند ہیں، میری اسٹوڈنٹس کو میرے بال اور ہونٹ پسند ہیں (آہم)۔ مہندی اور چوڑیوں میں تو میری جان ہے۔ جیولری اکٹھی کرنے کا شوق ہے حالانکہ استعمال کم کرتی ہوں، ڈریسنگ میں مجھے ساڑھی بے حد پسند ہے اور لانگ شرٹ کے ساتھ جب چوڑی دار پاجامہ پہنوں تو میری بہت پیاری (سسٹر، فرینڈ) نازیہ مجھے ضرور ٹوکتی ہے یہ کیا بنی ہوئی ہو حالانکہ میری اسٹوڈنٹس کہتی ہیں کہ آپ اس میں بہت اچھی لگتی ہیں (اب کس کی سنوں)۔ اب آتے ہیں جی عادتوں کی طرف، گھر والے کہتے ہیں کام چور ہوں اور فرینڈز کہتی ہیں نظر انداز کرتی ہوں جو اچھی عادت نہیں ہے اور اچھی یہ کہ کیئرنگ ہوں (اور ضدی ہو) ہاہاہا۔ دوست نے کہا ہے مجھے اپنے گھر میں اپنی امی سے بہت پیار ہے، میری زندگی میں بس ایک کمی ہے وہ ہے میرے ابو جان جو مجھ سے بہت دور ہیں، قارئین! آپ بھی دعا کریں میرے ابو جلد میرے پاس آجائیں، آمین۔ میری ایک چھوٹی بھتیجی ہے اس کا نام آمنہ ہے میں اسے پیار سے مانو کہتی ہوں وہ بہت شرارتی اور بہت ہی کیوٹ ہے۔ مجھے کھانے میں چاٹ اور پکوڑے بے حد پسند ہیں۔ میٹھا بالکل نہیں پسند، یادگار لمحہ ابھی زندگی میں آیا ہی نہیں۔ میرے لیے یادگار لمحہ وہ ہوگا جب میرے ابو مجھ سے ملیں گے، پھول تو بہت پسند ہیں خصوصاً موتیا کی خوشبو کی تو کیا ہی بات ہے۔ مجھے گفٹس میں کتابیں زیادہ پسند ہیں، میری فرینڈز میں شمائلہ، نازیہ، طیبہ، ماریہ، شکیلہ، حلیمہ، سعدیہ ہیں۔ میری ایک آپی سعدیہ کی شادی ہوگئی ہے، ان کی بہت یاد آتی ہے۔ میری ٹیچر ہاجرہ سحر دنیا کی سب سے بیسٹ ٹیچر ہیں ان کی ہی بدولت آج میں اس مقام پر ہوں، اللہ میری ٹیچر، گھر والے، میرے فرینڈز کو ہمیشہ خوش رکھے، آمین بس اتنا ہی کہوں گی نام ہی کافی ہے، آزمائش شرط ہے (کر کے تو دیکھو) اور جی اگر کوئی پیار سے بلائے تو میں دگنی محبت سے ملوں گی اور اگر کوئی ایک بار غصہ کرے تو پھر دیکھوں گی بھی نہیں۔ او کے جی بس بڑا آزمالیا آپ کی برداشت کو، میرا ساتھ کیسا لگا ضرور بتائیے گا، پڑھنے والوں کے نام ایک ہی پیغام جیو اور جینے دو (میری فرینڈ نازیہ) میں نظر انداز نہیں کرتی پتا نہیں تم کیوں محسوس کرتی ہو۔ اچھا اللہ نگہبان۔

آمنہ بتول

السلام علیکم! سویٹ آنچل فرینڈز اور تمام قارئین کو میرا پُرخلوص سلام، جی جناب! میرا نام آمنہ بتول ہے اور میں خوشاب کے ایک گاؤں کھبکی سے تعلق رکھتی ہوں جو خوب صورتی کا منہ بولتا ثبوت ہے، میں اس خوب صورت گاؤں کو مزید نکھارنے اور اپنے گھر کو رونق بخشنے 11 اکتوبر کو اس دنیا میں جلوہ افروز ہوئی، اس لحاظ سے میرا اسٹار عقرب ہے لیکن میں ستاروں پر یقین نہیں رکھتی، اب کچھ تعارف ہوجائے اپنے گھر والوں کا، ماشاءاللہ سے ہم تین بہنیں ہیں۔ مابدولت کا نمبر تیسرا ہے اور سب سے چھوٹی ہوں، بھائی نہیں ہے مجھے اپنے والدین اور بہنوں کے علاوہ اپنی دوستوں میں سے سحرش، فاخرہ نایاب اور مریم سے بہت پیار ہے۔ دوست بنانا اچھا لگتا ہے اور میں ثناء وقار اور حافظہ ثناء قادریہ عطاریہ سے دوستی کرنا چاہوں گی، مجھے تین چیزوں سے جنون کی حد تک لگاؤ ہے۔ بارش (ابھی بھی بارش چھما چھم برس رہی ہے) چاند کی چاندنی اور آنچل۔ برسات کا موسم بہت پسند ہے، مجھے اور میری دوست کو بارش میں بھیگنا بہت پسند ہے، جھوٹ سے سخت نفرت ہے اور زیادہ شوخ لڑکیاں مجھے بالکل اچھی نہیں لگتیں۔ میں بہت سادگی پسند ہوں اور جذباتی بھی ہوں، مہندی لگانا مجھے پسند ہے۔ حساس بہت ہوں، کسی کو تکلیف میں نہیں دیکھ سکتی، کھانے میں دال گوشت بہت پسند ہے۔ پائلٹ بننے کا بہت شوق ہے اور ان شاءاللہ میرا یہ خواب ضرور پورا ہوگا۔ مجھے غصہ آتا تو ہے پر کبھی کبھار۔ میری کزن سعدیہ مجھے بہت عزیز ہے اور میں اس سے ہر بات شیئر کرتی ہوں۔ آنچل کے توسط سے میں اسے یہ کہنا چاہتی ہوں کہ مجھ سے کبھی ناراض مت ہونا اگر کوئی میرے والدین رشتہ داروں، بہنوں اور دوستوں کے بارے میں کوئی غلط بات کہے تو بہت بُرا لگتا ہے۔ میرا دل چاہتا ہے کہ ہر کسی کی مدد کروں، میں کسی سے نفرت نہیں کرسکتی۔ مجھے صرف ان لوگوں سے نفرت ہے جو میرے پیارے وطن پاکستان کے دشمن ہیں، ناراض کسی سے نہیں ہوتی ہر کسی پر بڑی جلدی اعتبار کرلیتی ہوں۔ میرا پسندیدہ مشغلہ اچھی کتابیں پڑھنا ہے، میرے پسندیدہ رنگ سرخ

اور کالا ہے۔ پسندیدہ سنگر ندیم عباس اور امانت علی ہیں۔ شاعری بھی اچھی لگتی ہے۔ امید کرتی ہوں کہ آپ سب کو میرا تعارف پسند آیا ہوگا' فی امان اللہ۔

ثمرن چوہدری

السلام علیکم! آنچل اسٹاف اینڈ قارئین اکرام' آپ سب کو ثمرن چوہدری کا چاہتوں اور محبتوں بھرا اسلام قبول ہو' میرا تعلق گجرات کے قصبہ کنجاہ کے قریبی گاؤں سمرالہ سے ہے۔ میری پیدائش 12 دسمبر ہے' اسٹار میزان ہے' میں اسٹارز پر یقین نہیں رکھتی۔ میں فرسٹ ائیر کی طالبہ ہوں' میرا پسندیدہ لباس' چوڑی دار پاجامہ لانگ قمیص اور ساڑھی ہے۔ پسندیدہ کلر' ریڈ پنک اور وائٹ ہے۔ زیادہ دوستیں بنانا مجھے اچھا لگتا ہے' جہاں جاتی ہوں کوئی نہ کوئی دوست ضرور بناتی ہوں' سمادیہ' نوشین' منیزہ' مصباح' صنم اقبال' توشیبہ' صوفیہ' انعم' شبانہ میری قریبی دوستیں ہیں۔ دوستوں کو میں زندگی کا سرمایہ سمجھتی ہوں' محبت میرے نزدیک کوئی اہمیت نہیں رکھتی' میں اس پر یقین نہیں رکھتی۔ سردی بہت اچھی لگتی ہے اسی لیے دسمبر کا مہینہ مجھے بہت پسند ہے' ہلکی ہلکی بارش میں بھیگنا میرا پسندیدہ مشغلہ ہے۔ موسیقی سے مجھے بہت لگاؤ ہے۔ میرے چار خواب ہیں (پولیس ڈیپارٹمنٹ جوائن کرنا' ائیر ہوسٹس' ریڈیو اینکر اور رائٹر بننا) دعا کریں کوئی تو پورا ہوجائے' شاعری سے بہت حد تک لگاؤ ہے۔ وصی شاہ' احمد فراز' نازیہ کنول نازی' میری پسندیدہ شاعر ہیں۔ ان سب چیزوں کے ساتھ ساتھ مذہب سے بھی لگاؤ ہے ماہنامہ آنچل میں ہر ماہ ضرور پڑھتی ہوں۔ اس میں تمام رائٹرز کی تمام تحریریں دل کو چھو لینے والی ہوتی ہے آنچل اسٹاف کی تعریف کے لیے میرے پاس الفاظ نہیں ہیں کہ کیسے ان کی محنت کو سراہوں آنچل زندہ باد۔ آخر میں اپنی امی جان' ابو جان اور اپنے پیارے سے بھائیوں کو یہ کہنا چاہوں گی کہ ہمت کبھی نہ ہاریں بلکہ مردانہ وار تمام مشکلوں کا مقابلہ کریں' آپ کو منزل ضرور حاصل ہوگی۔ اب آپ سے اجازت چاہوں گی' اللہ حافظ۔

وجیہہ خان

میرا نام وجیہہ خان میں پنجاب کے ایک چھوٹے سے شہر بہاولپور میں رہتی ہوں' اتنا چھوٹا بھی نہیں ہے کافی سہولتیں بھی ہیں' میری عمر 17 سال ہے اور میں نے فرسٹ ائیر پری میڈیکل کے ایگزامز دیئے ہیں (دعا کریئے گا رزلٹ اچھا آئے' آمین)۔ کتابیں پڑھنا میرا مشغلہ ہے' بچپن میں بچوں کا اخبار پڑھتی تھی پھر ہمدرد' نونہال' تعلیم و تربیت' عمر وعیار اور ٹارزن کی کہانیاں پڑھیں اور اب میری ترقی ہوگئی ہے اب میں آنچل پڑھتی ہوں نا صرف پڑھتی ہوں بلکہ 2008ء سے ترتیب وار جمع بھی کر کے رکھے ہیں۔ جی کیا کہا آپ نے اپنی خوبیوں اور خامیوں کے بارے میں بتاؤں؟ خامیاں یہ ہیں کہ اچھی خاصی نخریلی ہوں اور کافی نازک مزاج ہوں (دوستوں کے خیال سے)۔ بھئی کیوں نہ ہوں اکلوتی لاڈلی رانی جو ہوں (لاڈورانی کا لقب میری بہنوں جیسی دوست نے دیا ہے)۔ لڑ کر فرمائشیں کرتی ہوں اور پوری بھی ہوتی ہیں' ضدی ہوں جو بات ایک بار دماغ میں سما جائے مجال ہے جو نکلے کر کے ہی دم لیتی ہوں' اپنی دنیا میں مگن رہتی ہوں۔ دوسروں کا خیال کم کرتی ہوں (اب پتا ہوگا تو کرو گی نا) غصہ بہت آتا ہے اور جب بھی آتا ہے تو منہ پھلا کر بیٹھ جاتی ہوں۔ کھانا پینا چھوڑ دیتی ہوں۔ غرضیکہ اچھی خاصی بدتمیز ہوجاتی ہوں یا پھر بالکل خاموشی سے اپنا کام کرتی رہتی ہوں' دوسروں کی بات پر بالکل کان نہیں دھرتی (یہ انداز فرینڈز کے ساتھ ناراضگی کے وقت ہوتا ہے)۔ کھانے پینے کی اچھی خاصی شوقین تو ہوں مگر نخرے کرنے کا بہت شوق ہے' موڈی ہوں موڈ ہوا تو گپ شپ کرلی موڈ نہ ہوا تو چپ چاپ اپنی دنیا میں مگن۔ ویسے ان باتوں پر ڈانٹ بھی اچھی خاصی پڑتی ہے لیکن...... خیر چھوڑیئے مجھے نئے نئے ڈیزائنز کے ڈریسز بنوانے کا بے حد شوق ہے' اس کے علاوہ شوز کی دیوانی ہوں' ہر تین چار مہینے کے بعد جوتے ضرور خریدتی ہوں' پہلے جیولری پسند تھی اب صرف ایک آدھ بریسلیٹ یا چھوٹے ائیر رنگز پہنتی ہوں' مہندی بھی اچھی لگتی ہے۔ چاول کھانے کا بے حد شوق ہے اس کے علاوہ فرائیڈ چیزیں بھی شوق سے کھاتی ہوں مثلاً سموسے' پکوڑے' کباب وغیرہ (نہیں موٹی بالکل نہیں ہوں' کافی اسمارٹ ہوں)۔ بلیک اور پنک کلر بے حد پسند ہے' ان کلرز کی تمام چیزوں کا ڈھیر لگا ہوا ہے میرا روم بھی پنک کلر کا ہے۔ میرے فیورٹ سنگرز ابرالحق اور علی حیدر ہیں۔ عاطف اسلم کے گانے بھی بہت اچھے لگتے ہیں' ملی نغموں میں جواد احمد کا "دوستی" شہزادے رائے کا "یارب دل مسلم" اور "جنون سے عشق سے" بہت اچھے لگتے ہیں۔ میری پسندیدہ کہانیوں میں سلمٰی گل کا ناول "اے محبان وطن تجھ کو سلام" اور بھی بہت ساری کہانیاں ہیں جن کے نام نہیں یاد مگر کریکٹر یاد ہیں مثلاً ایرج اور عمر' نمرہ اور سکندر' موسیٰ اور رانیہ وغیرہ۔ میری سب سے بڑی خوبی یہ ہے کہ میں بچپن سے ہی نماز و قرآن کی پابند ہوں' قرآن مجید تیسری کلاس میں ہی ختم کرلیا تھا۔ قرآن مجید کو بمع تفسیر پڑھنے کا بے حد شوق ہے اور جلد از جلد اسے پایہ تکمیل تک پہنچاؤں گی (ان شاء اللہ)۔ میرے فیورٹ صحابی حضرت عمر فاروقؓ اور حضرت خالد بن ولیدؓ ہیں' ان دونوں کی زندگی کے بارے میں پڑھنا مجھے اچھا لگتا ہے۔ کوشش کرتی ہوں کہ کسی کا دل نہ دکھاؤں اور سب کا اچھے سے خیال کروں۔ اب آپ سب سے اجازت چاہتی ہوں' اپنا خیال رکھیے گا اور دعاؤں میں یاد بھی رکھیئے گا' اللہ حافظ۔

بیوٹی کی عدالت

سمیرا شریف طور

ادارہ

رملہ ایمن...... جہلم

س: آپی زندگی کا وہ یادگار دن جسے بھلانا بھی چاہیں تو نہیں بھلا پاتی ہوں؟

ج: بہت سے دن یادگار ہیں' کوئی دن اذیت ناک دن کے حوالے سے اور کوئی خوش گوار یاد کے حوالے سے بچپن کا ہر لمحہ ہی یادگار گزرا ہے۔ جب میری پہلی کہانی شائع ہوئی وہ لمحے یادگار تھے اور جب اسپیشل ایجوکیشن کی کلاس کا آخرا ئیر اور آخری دن تھا وہ دن بہت یادگار تھا۔ یادگار دنوں میں جب میری پہلی کتاب مارکیٹ میں آئی وہ دن بھی یادگار تھا۔ وہ دن بھی یادگار تھا جب مجھے اسکالر شپ ملی تھی' بہت سے یادگار دن میں کسی کا نام لینا بہت مشکل ہے۔

س: آپی! وہ رشتہ جو اپنا تو ہے لیکن اپنائیت کیوں نہیں' مطلب جس رشتے کے ہوتے ہوئے اس میں اپنا پن نہ ہو؟

ج: ڈیئر رملہ! بہت سے رشتے ایسے ہیں کسی ایک کا نام لینا مشکل ہے۔ ہاں ذراتی طور پر اس کی وضاحت کرنا میرے لیے ناممکن ہے کیونکہ مجھے ایسے کسی بھی رشتے کا ابھی سامنا نہیں کرنا پڑا' جس میں اپنائیت مفقود تھی یا اپنا پن نہیں تھا۔ حقیقی رشتے تو روح سے مشروط ہوتے ہیں' دل سے جڑے ہوتے ہیں' ہاں اجنبی لوگوں سے بننے والا تعلق وقت اور واقعات کی نوعیت سے مشروط ہوتا ہے اس میں کس حد تک اپنائیت ہوتی ہے اس کا فیصلہ بھی وقت کرتا ہے۔

س: آپی محبت کیا ہے؟

ج: اس کا جواب پچھلے جوابات میں دیکھ لیں۔

س: آپی اگر میں ناول کا مواد یعنی مین لائنیں بتادوں تو کیا آپ ناول لکھیں گی' ضرور جواب دیجیے گا؟

ج: اگر آپ کچھ تھیم دیں گی تو میں لکھنے کی اپنی سی کوشش ضرور کروں گی۔

س: آپی آخر میں آپ کی زندگی کے لیے آپ کے لیے دعا اور کامیابی آپ کے قدم چومے آمین۔

ج: آمین' اللہ آپ کو آپ کی دعاؤں کا اجر دے' اللہ حافظ۔

اقراء تبسم...... اوکاڑہ

س: کامیابی کا راز کیا ہے آپ کے نزدیک؟

ج: محنت' لگن' توجہ اور سب سے اہم بات نیت کا صاف ہونا۔ میں نے زندگی سے بس یہی سیکھا ہے کہ آپ دل کے اور نیت کے جس قدر صاف ہوں گے اللہ آپ کو اسی قدر نوازے گا۔ وہ سب کچھ دے گا جو آپ کی چاہ ہے' بس ایک بار اللہ کی چاہ کے مطابق اپنی زندگی کو گزارنا سیکھ لیں۔ میں نے زندگی میں بہت سے تجربات سہے' بہت کچھ برداشت کیا ہے۔ محنت کو ایک لفظ ہے مگر میری انگلیوں کی پوریں جانتی ہیں یہ لفظ عام نہیں' جب تک جسم کا خون وجود کی حرارت دل کے جذبات' دماغ کی تمام صلاحیتوں کو اس لفظ پر نچھاور نہ کردیا جائے' کامیابی قدم نہیں چومتی۔ مجھے جھوٹ بولنا نہیں آیا' مصلحت آمیز جھوٹ بھی نہیں بول سکتی تو پھر زندگی نے یہی بتایا کہ اسی کو نیت کا صاف ہونا کہتے ہیں اور جب نیت ہر قسم کے کھوٹ حسد ریا کاری سے پاک ہو تو وہاں منزل آپ کا خیر مقدم کرتی ہے' یہی کامیابی کا راز میں نے زندگی سے سیکھا ہے' جو آپ کو بتادیا ہے۔

س: بہترین افسانہ نگار کی کیا خوبیاں ہونی چاہئیں؟

ج: میں افسانہ نگاری کے فن کو بہت اعلیٰ پایے کی چیز سمجھتی ہوں چونکہ میں خود ناول لکھتی ہوں تو یہ افسانہ نگاری میرے بس کا روگ نہیں' افسانہ نگاری کا میدان بہت خاص میدان ہے جس میں "دریا کو کوزے میں بند کیا جاتا ہے اور مجھے دریا کو سمیٹنا ہی نہیں آتا تو پھر کوزے میں بند کیسے کروں؟" کسی افسانہ نگار بہن سے اس کی خوبیاں پوچھیے گا تو وہ زیادہ بہتر بتائیں گی۔ ہاں اردو ادب میں افسانہ نگاری کا فن سے متعلق بہت سی کتابیں پڑھی ہیں اور عظیم رائٹرز کی تحریروں کا تجزیہ بھی کیا ہے' مگر بیان کے معاملے میں میں نااہل ہوں یا شاید اس وقت بیان کرنا ہی نہیں آرہا۔

س: خوب صورتی کے لحاظ سے کون سا ملک پسند ہے؟

ج: سفرنامے جو پڑھے ہیں ان میں پاکستان کے علاوہ باقی ممالک کی بہت سی خوب صورت جگہوں کی رائٹر کی نظر سے سیر کی ہے۔ مگر پاکستان کے چند علاقوں کو دیکھا ہے تو اپنا پاکستان ہی فی الحال پسند ہے' اگر کہیں اور جاکر کسی اور ملک کو دیکھنے کا موقع ملا تو تجزیہ کروں گی کہ کون سا ملک زیادہ پیارا ہے۔

س: کسی کا دل جیتنے کا بہترین طریقہ کیا ہے؟

ج: جی حضوری مگر غلط لوگوں کی جی حضوری نہیں' محبت وہ ہتھیار ہے' جس سے بڑے سے بڑا دشمن بھی زیر کیا جاسکتا ہے اور آپس کی بات ہے اقراء آپ کس کا دل جیتنا چاہتی ہیں (اگر میرا تو میں تو دو لفظوں سے بہل جانے والی ہستی ہوں) سوالات کے لیے شکریہ' خوش رہیں' اللہ حافظ۔

نورین شاہد...... رحیم یار خان

س: آپی آپ کا ناول "یہ چاہتیں یہ شدتیں" کی آخری قسط میں نے آٹھ ماہ بعد پڑھی لیکن ناول کمال کا تھا' انتہائی سبق آموز۔

ج: تعریف اور پسند کرنے کا شکریہ' بس آپ کی یہی محبتیں لکھنے پر اکساتی ہیں' شکریہ۔

س: آپی آپ کی زندگی کا سب سے یادگار دن کون سا ہے؟

ج: اس سوال کا جواب رملہ ایمن جہلم کے جواب میں دیکھیں۔

س: آپ کن رائٹرز کو مصروفیات کے باوجود پڑھتی ہیں؟

ج: میں زندگی کے ہر معاملے میں بہت جنونی ہوں' کوئی کتاب میرے پاس ہے اور میں نے اس کو پڑھا نہیں' ناممکن۔ میں کھانا پینا چھوڑ' سونا چھوڑ سکتی ہوں مگر پڑھنا نہیں۔ میری یہ بڑی بُری عادت ہے میں زندگی کی دیگر مصروفیات کو پس پشت ڈال دوں گی مگر اپنے اس پڑھنے والے شوق پر سمجھوتہ نہیں کرسکتی اور جب کوئی کتاب یا ناول میرے ہاتھ آئے اور اس کو ایک ہی نشست میں ختم کرنے کی کوشش کرتی ہوں اگر ناول یا کتاب ضخیم ہے تو پھر میں اس کو دو تین دن میں ختم کرلیتی ہوں' لبا فہ ناول میں نے تین دن رات لگا کر ختم کیا تھا' یہی حال دیوی ناول کا تھا۔ نسیم حجازی کے تمام ناولز میں رات گئے تک پڑھتی تھی' شہاب نامہ تو میں نے اٹھتے بیٹھتے' سوتے جاگتے پڑھا تھا۔ اس کے علاوہ ڈائجسٹ جب مل جاتا ہے تو دیگر تمام کام ایک طرف اور جب تک پہلے صفحے سے لے کر آخر تک مکمل نہیں کرلیتا چھوڑتا نہیں۔

سباس گل...... رحیم یار خان

س: آپ میں لکھنے کی تحریک کب اور کیسے پیدا ہوئی؟

ج: سباس گل! کا نام میرے لیے انجانا نہیں' میرے لیے یہ بڑے عزت افزائی کی بات ہے کہ سباس گل نے مجھے اس قابل جانا کہ اپنے قیمتی وقت میں سے وقت نکال کر سوال کیا۔ سباس! اس سلسلے میں کئی بہنوں کو جواب دے چکی ہوں' لکھنے کی تحریک بہت کم عمری اور اپنے ابو جان سے پیدا ہوئی' میرے ابو کو بہت شوق تھا کہ ان کی اولاد میں سے کوئی ایسا بنے کہ وہ اس پر فخر کرسکیں اور تب مجھے نہیں پتا تھا کہ ایسا کیا کام کروں کہ ابو اس پر فخر کرسکیں۔ میں نے لکھنا شروع کیا اور شائع ہوا تو رائٹر بن گئی مگر میرے ابو وہ تب اس مقام پر نہ تھے کہ اس پر فخر کرسکیں۔ آج دنیا میں ایک نام ہے مقام ہے پہچان ہے۔ صرف شہرت ہی نہیں ملی عزت بھی ملی ہے مگر ماضی میں دیکھوں تو میرے ابو جان نہیں ہیں' انہیں وہ ایک پل بھی نہیں ملا کہ جس میں وہ دیکھ سکتے کہ ان کی سمیرا نے ان کا خواب پورا کرنے میں کتنی جدوجہد کی ہے وہ گزر گئے مگر آج بھی مجھے یاد ہیں۔ ابو کا خواب تو پورا ہوگیا مگر وہ خود نہ رہے اور جب تک زندہ رہے اس احساس سے بے خبر رہے کہ ان کی سمیرا نہیں بلکہ سمیرا شریف طور بن گئی ہے۔ اپنی موت سے چند دن پہلے اللہ نے ان کی تمام بیماریاں ختم کردی تھیں مگر ان کے حواس تب بھی کام نہ کرسکے۔ اللہ جی میرے ابو جان پر رحم فرمانا' ان کو اپنی رحمت سے نوازنا آمین۔

س: آپ کو ذاتی طور پر کس قسم کی کہانیاں لکھنا اور پڑھنا پسند ہیں؟

ج: سباس! میں ذاتی طور پر بہت رومانٹک ہوں اور کسی اور میں' میں ڈھونڈ ڈھونڈ کر ایسے ناول پڑھتی تھی جو بقول دوستوں کے کہ یہ بہت رومانٹک ناول ہیں' پھر ایسا وقت بھی آیا کہ میں نے غلام عباس کے افسانوں میں رومانس ڈھونڈنا شروع کیا اور میری تلاش قدرت اللہ شہاب کا "ماں" عل پورکا رہی۔ آگن خنتظر کے افسانوں ہوتے ہوئے کرشن چندر راجندر سنگھ بیدی اور بھی نجانے کس کس رائٹر تک گئی۔ اردو ادب میں بہت سے ناموں کو پڑھا اور بہت گہرائی سے پڑھا۔ خواتین رائٹرز کی نسبت مجھے مرد مستنصر نے زیادہ کیا۔ میں بہت ہی عام لیول کا لکھا ہے' میں جو لکھنا چاہتی ہوں ابھی اس مقام تک میں پہنچی ہی نہیں' وہ مقام جہاں مصنف ادیب بنتا ہے' فلاسفر بھی اونچا مقام پاتا ہے وہ مقام جہاں منٹو' نذیر قدرت اللہ شہاب مرزا رسوا اور بھی نجانے کون کون سے پہنچنا چاہتی ہوں۔ لوگ سراہتے ہیں' مگر اس سراہنے میں صرف لذت ہے' وہ سچ ابھی بہت اور ہے' جس تک میں رسائی پانا چاہتی ہوں۔ میں نے جو بھی لکھنا عام لیول کا لکھا ہے اور جو نہیں لکھا وہ بہت خاص لیول کا ہے جہاں تک سوچ پہنچتی ہے مگر رسائی نہیں ہوپاتی' میں وہ لکھنا چاہتی ہوں دعا کرنا سباس! میں لکھوں جو ادب کی دنیا میں زندہ رہ جانے میں وہ کبھی نہ لکھوں جو ادب کی دنیا میں مجھے ایک وقت گزارہ کرنے والی رائٹر مصنفہ کے کٹہرے میں کھڑا کردے۔ (سباس! مجھے بہت خوشی ہوئی کہ تم نے سوال بھیجے اور میں نے دل کی تمام گہرائیوں سے ان کا جواب دینے کی کوشش کی ہے' جواب پسند نہ آئے تو معذرت' والسلام اللہ حافظ۔

طیبہ شیریں...... کوری خدا بخش

س: گزرے ہوئے پرانے سال کی کوئی ایسی بات جو آپ چاہتی ہوں کہ اس سال میں بھی ہو؟

ج: میرا جنم دن جو پچھلے سال آیا تھا 2013ء میں بھی آئے' میری دو کتابیں' پچھلے سال مارکیٹ میں آئی تھیں اس سال بھی نئی کتابیں آئیں۔ میرے پاس اکیڈمی میں بچوں کی تعداد میں اضافہ ہوا تھا اس سال بھی اضافہ ہو۔ بہت سی بہنوں کی دعائیں شامل حال رہی تھیں اس سال بھی رہیں اور اہم بات جو پچھلے سال نہیں ہوئی تھی مگر اس سال ہو دعا کیجیے گا کہ اس سال 2013ء میں سمعان احمد ہی آجائے۔

س: لکھنے کا باقاعدہ آغاز کب ہوا؟ پہلی کہانی کون سے ڈائجسٹ میں تھی اور اس کا نام کیا تھا؟

ج: اس سوال کا جواب پچھلے جوابات میں دیکھ لیں۔

س: اپنی کہانی لکھتے ہوئے کبھی آپ کو رونا آیا؟

ج: کئی بات خصوصاً "جس دیجھ سے کوئی مقتل میں گیا" کو لکھتے وقت ابو بہت یاد آتے تھے تب اختتام لکھتے ہوئے میں بہت روئی تھی'

ایک کہانی تھی جس کا نام یاد نہیں رہا نہ ہی وہ کہیں شائع ہوئی ہے ابھی اس کو لکھتے وقت میں خوب روئی تھی۔ کیوں روئی تھی یہ وجہ نہیں بتاؤں اور "یہ چاہتیں یہ شدتیں" کی آخری چند اقساط لکھتے وقت مجھے خوب رونا آتا تھا اس کی کئی وجوہات تھیں مگر ایک خاص وجہ یہ تھی کہ مجھ سے لکھا نہیں جاتا تھا۔ تب دل چاہتا تھا کہ قسم توڑ دوں اور کبھی ایک لفظ بھی نہ لکھوں۔ حضرت علیؓ کا قول ہے کہ "میں نے اپنے ارادوں کے ٹوٹنے سے اپنے رب کو پایا۔" اور پھر وقت نے ایک نئی چال چلی۔ کیا بتاؤں بس ان مواقع پر رونا آیا اور روئی بھی اور "یہ چاہتیں یہ شدتیں" کی آخری اقساط دل سے نہ لکھنے پر آج بھی اکثر غم زدہ ہو جاتی ہوں۔

س: گھر میں آپی! کہانیوں کی تعریف سب سے زیادہ کون کرتا ہے اور تنقید زیادہ کون کرتا ہے؟

ج: وہ کہتے ہیں نا گھر کی مرغی دال برابر۔ بس رائٹر کی عزت گھر میں اتنی ہی ہے کبھی کبھار تو میں اکتا کر اور جھنجلا کر امی اور بھائیوں کو کہتی ہوں کہ باہر جا کر دیکھیں سمیرا کا کیا مقام کیا پہچان ہے اور آپ کو میری قدر ہی نہیں۔ تو بھائی صاف کہتا ہے کہ "ہمیں کیا ویسے بھی لکھنا چھوڑ دو مجھے ذرا پسند نہیں۔"

س: زندگی کی کوئی تین خواہشات جن کو ہر صورت میں پورا کرنا چاہتی ہو؟

ج: زندگی میں تین خواہشیں تھیں بلکہ تین خواب تھے جو پورے ہو گئے اب کوئی خواہش ان تین خواہشوں سے اہم نہیں ہاں اللہ اپنے کرم سے جس چیز سے بھی نواز دے وہ اس کی رحمت ہے اور مجھ پر اس کا شکر واجب۔ بس دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ آئندہ زندگی کے امتحان میں سے سرخرو کرے۔ دین و دنیا کی نعمت سے نوازے کلمہ توحید پر موت دے اس سے بڑی نہ کوئی خواہش ہے اور نہ ہی آرزو کہ بس وہ اللہ پاک اپنے گھر کا طواف اور قیام نصیب کرے آمین۔

س: آپ کا پسندیدہ کلر لباس کھانا کیسا ہے؟

ج: کلر سیاہ (ٹی پنک بھی ہے) لباس شلوار قمیص (ساڑھی بھی پسند ہے) کھانا بریانی۔

س: آپ اپنی سالگرہ مناتی ہیں؟ آپ کی سالگرہ پر سب سے خوب صورت تحفہ آپ کو کون دیتا ہے؟

ج: میں سالگرہ تو نہیں مناتی مگر سبھی دوست وش ضرور کرتی ہیں کالز اور ایس ایم ایس کے ذریعے۔ 2011ء میں سندس جبیں نے گھر آ کر وش کیا تھا وہ اپنے ساتھ بڑا اور قرآن پاک کا تحفہ لائی تھی۔ یہ قرآن پاک کا نسخہ سعودی عرب سے آیا ہے اور شاہ فہد پریس والوں سے چھپا ہوا ہے اس نسخے کی اہم بات یہ ہے کہ اس میں ترجمہ و تفسیر درج ہے اور تفسیر کے سلسلے میں جو حوالہ درج ہے وہ ضعیف روایات سے نقول نہیں اس کے مصنفین میں سے شفیق الرحمن بھی شامل ہیں۔ جب سندس نے یہ تحفہ مجھے دیا تو مجھے بہت خوشی ہوئی تھی کوئی دنیا کی دولت کے ڈھیر بھی میرے ساتھ رکھ دیتا تو مجھے اتنی خوشی نہ ہوتی جتنی خوشی یہ تحفہ پا کر ہوئی۔ مجموعی طور پر کتابوں اور کھانے پینے والی چیزوں کے تحفے ملتے ہیں اور تمام جاننے والوں جن میں فیملیز کی تعداد زیادہ ہے کالز کر کے یا ایس ایم ایس کر کے وش کرتے ہیں۔ اس بار میرے لیے 26 دسمبر اس لیے بھی یادگار رہا کہ 25 دسمبر کو میرے بھائی اویس (احمد طور) چار سال بعد پہلی بار سعودی عرب سے پاکستان آئے تھے دوسری اہم بات یہ تھی کہ اس بار مجھے پاکستانی پوائنٹ والوں نے بہت اچھے اور خوب صورت انداز میں وش کیا تھا۔

س: اپنی ایک خوبی اور ایک خامی بتائیں؟

ج: میں بہت زیادہ حساس اور جنونی ہوں یہ میری خامی ہے اور خوبی کا آپ خود اندازہ لگالیں سارا انٹرویو پڑھ کر مجھے نہیں لگتا میرے اندر کوئی خوبی بھی ہے ہاں میں مجموعہ افراد ضرور ہوں۔

س: نئے لکھنے والوں کے لیے کوئی پیغام کوئی نصیحت؟

ج: دین و دنیا متضاد رستے ہیں مگر دنیا میں رہ کر دین پا کر آخرت کی کامیابی ممکن ہے۔ دنیا عارضی ٹھکانہ ہے اصل ٹھکانہ مرنے کے بعد کی زندگی ہے۔ اس کی تیاری کر رکھو کیا پتا کب زاد راہ کی ضرورت پڑ جائے۔ آپ کے سوال بہت اچھے تھے طیبہ! خوش رہیں دعاؤں میں یاد رکھیے گا فی امان اللہ۔

جیا غضنفر......نامعلوم

س: کب سے لکھنا شروع کیا؟ آپ کا پسندیدہ ناول؟

ج: تفصیل گزشتہ بہنوں کے جوابات میں پڑھ لیں مکمل انٹرویو میں جواب مل جائے گا۔

س: آپ کی کہانی "یہ چاہتیں یہ شدتیں" بہت زبردست رہی اور "ٹوٹا ہوا تارا" بھی بہت اچھی جا رہی ہے اس کے بارے میں کچھ بتائیے؟

ج: تعریف کے لیے شکریہ اس ناول "ٹوٹا ہوا تارا" کے بارے میں قبل از وقت کچھ بھی نہیں کہوں گی کہانی پڑھتے رہیے گا۔ امید ہے آپ کو تسلی ہو جائے گی جواب کے لیے معذرت۔

س: اپنی تاریخ پیدائش بتائیے اور اپنے گھر کے بارے میں؟

ج: 26 دسمبر۔ گھر کے بارے میں تفصیل سارے انٹرویو میں گاہے بگاہے درج ہے تعارف ضرور پڑھیے گا پتا چل جائے گا۔

آنسہ شبیر......ڈوگہ گجرات

س: آپی آپ کے نزدیک دوستی کا رشتہ زیادہ مضبوط اور پائیدار ہے یا محبت کا؟

ج: آنسہ پیاری بہن! میرے لیے دونوں اہم مضبوط اور پائیدار رشتے ہیں دونوں ہی محبت اور اعتماد مانگتے ہیں کسی ایک میں بھی دھوکہ دہی کا عنصر شامل ہو جائے تو رشتہ ختم ہونے میں ایک پل لگتا ہے چاہے وہ محبت ہو یا دوستی۔

س: آپی آپ نے کب لکھنا شروع کیا؟ پہلا ناول یا افسانہ کونسا تھا اور کس ڈائجسٹ میں شائع ہوا؟

ج: اس سوال کی تفصیل آپ کو پچھلے سوالات کے جوابات میں مل جائے گی اور تعارف بھی دیکھ لیجیے گا۔

س: آپ نئے لکھنے والوں کو اچھا سا مشورہ دیں اور دعاؤں میں یاد رکھیے گا اللہ حافظ۔

ج: کبھی ہمت مت ہاریں مطالعہ اور لگن شوق کے ساتھ لکھنے کے فن کا بھی جائزہ لیں ان شاء اللہ کامیابی آپ کے قدم چومے گی اللہ حافظ۔

ساریہ چوہدری......ڈوگہ گجرات

س: آپ نے لکھنا کب شروع کیا اور پہلا ناول یا افسانہ کون سا تھا اور کس ڈائجسٹ میں شائع ہوا؟

ج: آپ کی ان سوالوں کا جواب پچھلے جوابات میں آ چکے ہیں ادھر سے دیکھ لیں۔

س: آپ کس شہر میں رہتی ہیں آپی اور آپ کتنے بہن بھائی ہیں اور آپ کا نمبر کون سا ہے؟

ج: آپ کے ان سب سوالوں کے جواب آپ کو تعارف میں سے مل جائیں گے ادھر سے پڑھ لیں۔

س: یہ چاہتیں یہ شدتیں کمال کی تحریر تھی خاص طور پر سمعان احمد کا کردار یہ سب کیسے لکھ لیا آپ نے؟ بہت اعلیٰ آپی! بالکل آپ کی طرح؟

ج: ساریہ اچھے بہنوں نے جس طرح اس ناول کو سراہا ہے اب تو مجھے بھی اس ناول اور اس کے تمام کرداروں پر اس قدر پیار آ رہا ہے کہ حد نہیں۔ رہ گیا سمعان احمد کا کردار تو آج میں بہت خوش ہوں سمعان احمد کے کرداروں کو جس طرح میں نے لکھنا چاہا اور جس طرح پیش کرنا چاہا اس کے نتائج آپ بہنوں کے ان سوالات سے مجھے مل رہے ہیں۔ آپ کا سوال پڑھ کر جو خوشی ملی ہے اس کا کوئی جواب نہیں۔ پچھلے جوابات پڑھ کر آپ نے اندازہ لگا لیا ہوگا سارا یہ کہ سمعان احمد کا کردار میں نے کس عمر میں اور کب لکھنا شروع کیا۔

س: مجھے لکھنے کا جنون ہے آپی کوئی نصیحت کریں؟

ج: پہلے اپنی تعلیم مکمل کریں میرا تجربہ ہے کہ تعلیم کے دوران لکھنے کا آغاز کر لیا جائے تو پھر یکسوئی سے تعلیم کو جاری نہیں رکھا جاسکتا۔ میں اسکالرشپ ہولڈر رہی ہوں مگر کئی بار زندگی میں ایسے بھی مواقع آئے کہ مجھے سوچنا پڑ گیا کہ میں ایک وقت میں ایک ہی کام کر لوں یا تو تعلیم مکمل کر لوں یا لکھنے کا کام۔ دونوں کو ایک ساتھ چلانا اور پھر ساتھ ساتھ ہم جاب میں۔ تو ایک لمبا عرصہ گزرا ہے اللہ کا شکر ہے کہ آج میں کامیاب و سرخرو ہوں اگر آپ واقعی سنجیدگی سے لکھنے کے بارے میں سوچ رہی ہیں تو سنجیدگی سے مطالعے کی طرف توجہ دیں اچھا اور نایاب ادبی شوق رکھیں اچھے رائٹرز کو پڑھیں اور ادبی اصولوں کو مدنظر رکھیں اللہ نے چاہا تو ناکام نہیں ہوں گی۔

س: آپ کا پسندیدہ شعر کون سا ہے سنا دیجیے؟

ج: یار ساریہ پسندیدہ شعر تو بہت سارے ہیں تاہم کسی زمانے میں یہ میرا پسندیدہ رہا ہے

جو بساط جان ہی الٹ گیا وہ جو راستے سے پلٹ گیا
اسے روکنے سے حصول کیا اسے مت بلا اسے بھول جا

(امجد اسلام امجد)

کومل رباب افضل......لاہور

س: سب سے پہلے اپنی فیملی تعلیم اور ہابیز بتائیں تاریخ پیدائش بھی؟

ج: ان سب سوالوں کے جواب تعارف اور دیگر جوابات میں آپ کو مل جائیں گے ادھر پڑھ لیں۔

س: آپ نے کب لکھنا شروع کیا سب سے خوب صورت اور یادگار دن کون سا ہے؟

ج: آپ کے دونوں سوالوں کے جوابات پچھلے صفحات میں دیئے جا چکے ہیں ادھر سے دیکھ لیں۔

س: آپی میرے خیال میں آپ سر پر اسکارف کاندھے پر دوپٹہ ڈال کر لونگ شرٹ اور ٹراؤزر لیے گھر سے جاتے بال اور معصوم سا چہرہ جس پر ہر وقت مسکان ہو اور بڑی بڑی سیاہ ذہین آنکھوں والی لڑکی ہیں یہ کیا درست ہے؟

ج: ہاہاہا......کومل رباب! آپ نے تو خوب تصویر کشی کی ہے۔ زبردست ویل ڈن! مجھے اچھا لگا مگر کومل میں تمہارے تصوراتی اندازوں پر ساری تو نہیں مگر کچھ کچھ پورا اتر ہی جاتی ہوں۔ میں کبھی کبھار اسکارف اور دوپٹہ بھی لے لیتی ہوں موسٹلی میں گھر سے نکلتے ہوئے سیاہ چادر لیتی ہوں نقاب کرتی ہوں کچھ عرصہ گاؤن (برقع) بھی استعمال کیا ہے ہاں نقاب کافی عرصے سے کرتی ہوں۔ آج کل چونکہ لونگ شرٹ اور ٹراؤزر کا ٹرینڈ ہے تو تمہارے اندازے کو سات سلام میں یہ بھی فیشن کر لیتی ہوں۔ میری آنکھوں کی جو تصویر تم نے کھینچی ہے قسم سے مجھے تو یہ احسان یاد آ گئی ہے اور لمبے بالوں سے شہوا سکندر علی۔ سر پر اسکارف اور کاندھے پر دوپٹے سے زرش سعود احمد تم نے تو میری ان تینوں ہیروئنوں کو جیسے مجھ میں ہی یکجا کر لیا ہے زبردست۔ میری آنکھیں میڈیم سائز ہیں گول چہرہ ہے کبھی خاصا صحت مند ہوتا تھا مگر اب میری اپنی نالائقیوں کی بدولت میں خاصی

دیک ہوچکی ہوں تو میں اپنی عمر سے خاصی کم اور کالج گرل لگتی ہوں قد میرا ساڑھے پانچ فٹ ہے متناسب جسم ہے نہ میں صحت مند ہوں اور نہ ہی میں کمزور (ہاں امی کے نزدیک میں خاصی سے زیادہ کمزور ہوں) ہاں میں اسمارٹ ضرور ہوں (آہم......) یہ مت کہنا کہ میں اپنی تعریف کررہی ہوں' بس لوگ کہتے ہیں کہ میں اسمارٹ ہوں۔ فیئر کمپلیکشن کے معاملے میں کبھی ہم بھی خوب صورت تھے۔

کول! تم نے لمبے بالوں کا جو نقشہ کھینچا ہے یار قسم سے میری سوئی ہوئی حسرتوں کو جگا ڈالا ہے۔ اس معاملے میں بالکل متضاد ہوں' ہاں اسکول اور کالج لیول میں بال اگرچہ خاصے لمبے نہیں تھے تو شارٹ بھی نہیں تھے' گزارے لائق تو تھے ہی' بعد میں وقت کے ساتھ ساتھ جب اپنی ذات سے بے پروائی کرتی تو بالوں کو بھی کٹواتی چلی گئی۔ اب یہ عالم ہے کہ ایک سال میں دوبار بالوں کی کٹنگ تو ضرور کروالیتی ہوں' لاسٹ ٹائم 31 مارچ کو کٹنگ کروائی تھی' کزن کی شادی پر۔ اس کے بعد ابھی تک آرام سے بیٹھی ہوئی ہوں مگر آج کل' شہوار کے لمبے بال پڑھ پڑھ کر دل میں حسرت جاگ رہی ہے کہ کہا تھا کیرا! ہمارے بھی اگر بال نہ کٹواتے تو اتنے لمبے ہو ہی جانے تھے۔

ہائے حسرت ان غنچوں پہ......! میرا خیال ہے کول! میں نے اپنا سارا ناک نقشہ واضح کردیا ہے آپ پر' دراصل میں نے لاسٹ ٹائم تصویر بشریٰ کی شادی پر 2008ء میں کھنچوائی تھی اور وہ اتفاق سے اچھی خاصی آ گئی تھی وہ تصویر آج کل میرے پاس نہیں ورنہ انٹرویو کے ساتھ وہ بھی سینڈ کردیتی تو آپ کی ساری نہیں تو آدھی تسلی تو ضرور ہوجاتی' اب مجبوری ہے کہ تصویر کے بغیر ہی گزارہ کرلو۔

س: پسندیدہ رائٹرز' ناول' ساعری' ہستی اور کتاب؟ کیا آپ میری دوست بنیں گی؟

ج: آپ کی دوست ہوں تو جواب دے دیئے ہیں' ویلکم! باقی سوالات کے جوابات پچھلے جوابات میں دیکھ لیں' سوال اچھے تھے' شکریہ اللہ حافظ۔

شانزہ اکرم......کوٹ نظام دین

س: آپی آپ کی ایجوکیشن اور عمر کیا ہے؟

ج: ماسٹرز اور عمر کی طرف سے معذرت۔

س: اپنی فیملی کے بارے میں تفصیل سے بتائیں؟

ج: تعارف اور باقی جوابات میں سے پڑھ لیں۔

س: آنچل سے کب سے وابستگی سے لکھنے کے علاوہ کیا کرتی ہیں؟

ج: پچھلے جوابات میں جواب دینا جاچکا ہے ادھر سے دیکھ لیں۔

س: آپی آپ کی پہلی کہانی کون سی تھی' تاثرات کیا تھے شائع ہونے پر؟

ج: شانزہ آپ کو اپنے اس سوال کا جواب شبنم ایوب' کوٹ اسلام کے سوالوں کے جوابات میں مل جائے گا ادھر سے دیکھ لیں۔ خوش رہیں اللہ حافظ۔

صبا نواز بھٹی......سانگھڑ

س: آپ کے الفاظ سے کبھی مجھے ایسا کیوں لگتا ہے کہ اداسی سے جھلکتی ہے؟

ج: آپ کو جو بھی لگتا ہے اس سے میں انکار تو نہیں کرتی۔ میں اپنے آپ کو مارجن دوں تو یہی کہوں گی کہ اس اداسی میں بھی میرا اپنا کوئی قصور نہیں' بعض اوقات انسان اپنے جذبات اپنے احساسات کے سامنے بہت بے بس ہوجاتا ہے۔ میری اس اداسی کی سب سے بڑی وجہ میری جنوں خیزی ہے۔ میرا حد سے زیادہ حساس ہونا ہے۔ میں اس بات کو بھی شدت سے محسوس کروں گی جس کا سرے سے کوئی وجود ہی نہ ہوگا' نجانے کیوں آنے والے حادثے کا مجھے شروع سے ہی ادراک ہوجاتا ہے اور میرا دل خوف میں مبتلا ہوجاتا ہے اور جب حادثہ رونما ہوتا ہے تو یوں لگتا ہے کہ میری ذات مکمل طور پر بکھر گئی ہے شاید یہ میری حد سے بڑھی ہوئی حساسیت ہے جو مجھے خوش نہیں ہونے دیتی میں جہاں خوش ہونے لگتی ہوں وہاں کوئی نہ کوئی آنسو راہ روکے کھڑا ہوتا ہے۔ میری پوریں لفظ لکھتی ہیں مگر میری انگلیوں کی تکلیف کوئی نہیں جانتا۔ کبھی کبھی لگتا ہے یہ حد سے بڑھی حساسیت کسی دن میرے دل کی ورکنگ کو ختم کرڈالے گی اور کبھی کبھار لگتا ہے یہ جنوں خیزی میرے دماغ کی کوئی شریان پھاڑ ڈالے گی۔

س: کیا آپ کو شاعری سے لگاؤ ہے اگر ہے تو آپ کا پسندیدہ شاعری کون سا ہے؟

ج: جی جناب واقعی شاعری سے لگاؤ تو مجھے تب سے ہے جب ابھی مجھے یہ بھی نہیں پتا تھا کہ لفظ کہتے کسے ہیں؟ خصوصاً اقبال کی تو میں بچپن سے دیوانی ہوں۔ الطاف حسین حالی کی مسدس حالی ہمارے گھر میں ہوتی تھی اور میں اکثر اس کو ترنم میں پڑھتی تھی' وقت سر کا فیض احمد فیض' فراز' امجد اسلام امجد اور بہت سے ایسے شراء کو پڑھا۔

س: کبھی ایسا وقت آیا کہ آپ کے ہاتھ میں سب کچھ ہوتے ہوئے بھی آپ بالکل بے بس ہوں؟

ج: صبا! آج آپ نے سوچ لیا تھا کہ مجھے افسردہ کرکے ہی رکھیں گی' کیا آپ کو میرا ہنستا' مسکراتا' چہرہ بہت برا لگ گیا تھا۔ یار اس سوال کا جواب میں نہیں دوں گی' میری ذات کا کچھ تو بھرم رہنے دو۔

یادوں کے یہ جگنو مری آنکھوں میں نظر بند
دیکھ مرے آنسو مری آنکھوں میں نظر بند
چہرے کا وہ اِک پھول ہے اب تک ترو تازہ
اب تک ہے وہ خوشبو مری آنکھوں میں نظر بند

شام غم مجھ کو ایسی اداسی نہ دے
کہ میرے حوصلے کی فصیلوں کے اندر کسی یاد کا کوئی پنچھی گرے
اور دل کی جو سنسان، ویران سی ایک بستی ہے اس میں
دفن ہونے والے ہر اک درد کی آنکھ پھر سے کھلے
شام غم مجھ کو ایسی اداسی نہ دے
کہ میرے صبر کی دھجیوں کا تماشہ سر بزم لوگوں میں بنتا پھرے
کہ میرے آنکھ کے کانچ سے آنسوؤں کا جو لاوا بہے
شہر کے لوگ اس پر کئی سچے جھوٹے فسانوں کی بنیاد رکھتے پھریں
شام غم مجھ کو ایسی اداسی نہ دے
کہ میرے ہونٹوں پر کھلنے والی جو پھیکی سی مسکان ہے
دیکھ کر اس کو محفل میں حاسد میرے
اپنی مرضی کا عنوان دیتے پھریں
لاکھ قصے بنیں، داستانیں جنیں
شام غم مجھ کو ایسی اداسی نہ دے
کہ بھرے شہر میں دیکھ کر میرا چہرہ بھی یہ کہیں
تم خزاں رُت کی دل کش سی تصویر ہو
کون رانجھا ہے وہ جس کی تم ہیر ہو
تم یقیناً کسی بہت منجھے ہوئے نامور سے مصنف کی تحریر ہو
شام غم مجھ کو ایسی اداسی نہ دے
کہ مجھے دیکھ کر سالوں صدیوں تلک
ان ہواؤں کے آنچل بھی نم ہی رہیں
بعد مدت کے جب بھی کسی عشق کی داستاں رقم ہو
درد کا اس میں پہلا حوالہ میری جان ہم ہی رہیں
شام غم مجھ کو ایسی اداسی نہ دے

نہال کی طبیعت اچانک بگڑ گئی تھی۔ آدھی رات کے وقت اپنے کمرے سے نکل کر وہ لاؤنج میں چلا آیا، حسن صاحب جاگ رہے تھے انہیں جیسے ہی کھٹکا محسوس ہوا فوراً لپک کر لاؤنج میں آئے سامنے دیکھا تو نہال درد سے بے حال دہرا ہو رہا تھا، ان کے ہاتھ پیر پھول گئے، جلدی سے ملازم کو اٹھا کر گاڑی نکالنے کے لیے کہا اور خود نہال کو سہارا دے کر باہر لے آئے۔

تین جوان بیٹوں کا باپ ہونے کے باوجود اس وقت وہ کتنے بے بس تھے، میکال کا کچھ پتا نہیں تھا کہ وہ کہاں ہے اور کمال کو فوری سیٹ نہیں ملی تھی، مسز حسن جو بخار میں تپ رہی تھیں وہ بھی اٹھ کر باہر آگئیں، نہال کو درد سے تڑپتے دیکھ کر ان کے آنسو بہے چلے جارہے تھے۔

آدھی رات کے وقت دونوں میاں بیوی نہال کو لے کر ہسپتال پہنچے تھے، سارا اور مائرہ کی آنکھ بھی کھل چکی تھی۔ سارا نے جلدی سے ہانیہ کو کال کی، میکال سے ڈرائیورس کے بعد بھی اس کا تعلق ہانیہ سے نہیں ٹوٹا تھا۔ مائرہ نے جو گھٹیا حرکتیں کی تھیں وہ سب جان گئی تھی مگر اس نے کسی کو بھی اس بارے میں نہیں بتایا تھا۔

سارا کی کال پر ہانیہ فوراً ہسپتال پہنچی تھی اور اب حسن صاحب اور آسیہ بیگم کو نہال کے پاس چھوڑ کر وہی بھاگ دوڑ کر رہی تھی۔

تھوڑی دیر میں جازب بھی پہنچ گیا تھا وہ ہانیہ کو ڈانٹنا چاہتا تھا کہ اس نے اسے نہال کے بارے میں انفارم کیوں نہ کیا مگر اس کی پریشانی دیکھ کر خاموش ہی رہا، حسن صاحب کی آنکھیں احساس تشکر اور شرمندگی سے بھیگ چکی تھیں۔

تقریباً ڈیڑھ گھنٹے کی ٹریٹمنٹ کے بعد نہال پُرسکون ہو کر سو گیا تھا، اس کے منہ پر آکسیجن لگی تھی، ہانیہ دونوں ہاتھوں کو دعا کی صورت اٹھائے جانے کیا کیا پڑھتی رہی۔ صبح کے چار بجے تھے جب جازب نے اسے گھر چل کر آرام کرنے کے لیے کہا تھا جواب میں وہ صاف انکار کر گئی۔ ”نہیں، میں ٹھیک ہوں تم پلیز انکل اور آنٹی کو لے جاؤ، آنٹی کی طبیعت ٹھیک نہیں ہے پھر گھر میں سارا اور مائرہ بھی اکیلی اور پریشان ہوں گی۔ انکل کی حالت تو تم دیکھ ہی رہے ہو پلیز کسی بھی طرح سے انہیں راضی کر کے گھر لے جاؤ۔“ اس کی بات میں وزن تھا جازب سر ہلا کر پلٹ گیا اور دونوں کو بمشکل منا کر حسن منزل لے جانے کی بجائے اپنے ہی گھر لے آیا۔ صفدر صاحب جاگ رہے تھے ہادیہ بھی لاؤنج میں بیٹھی تھی، وہ اسے ان دونوں کا خیال رکھنے کی ہدایت کرتا پھر گھر سے نکل آیا، تھوڑی ہی دیر میں اس کی گاڑی حسن منزل کے سامنے رکی تھی۔

سارا اور مائرہ کو فوری تیاری کا کہہ کر وہ انہیں بھی اپنے ساتھ ہی گھر لے آیا تھا۔ ہادیہ نے زبردستی آسیہ بیگم کو سلا کر بخار کی ٹیبلٹ دے دی اس کے بعد وہ اور جازب حسن صاحب کو تسلی دیتے رہے اُدھر تقریباً ساڑھے چھ بجے کے قریب نہال کو ہوش آیا تھا۔

”ہانیہ......“

آنکھ کھلتے ہی سب سے پہلے اس نے اسے پکارا تھا جو کرسی پر بیٹھی سر ایک طرف گرائے شدید ٹھنڈ میں سو گئی تھی نہال کو اس پر بے حد پیار آیا وہ لڑکی واقعی اس قابل تھی کہ اسے ٹوٹ کر چاہا جاتا۔

”ہانیہ......!“ ایک مرتبہ پھر اس نے اسے پکارا تھا اور اس بار وہ فوراً بیدار ہوگئی تھی۔

”نہال......اب کیسی طبیعت ہے تمہاری؟“ کچی نیند سے جاگی آنکھوں میں سرخی نمایاں تھی، نہال نے اثبات میں سر ہلا دیا۔

”اب ٹھیک ہے تم یہاں کیا کر رہی ہو؟“

”تمہاری نگرانی۔“ اس کے پاس بیٹھتے ہوئے وہ مسکرائی تھی، نہال بھی مسکرا دیا۔

”کس بات کی نگرانی، کہیں تمہیں سوتے پا کر راہِ عدم کا مسافر نہ بن جاؤں۔“

”جسٹ شٹ اپ اوکے۔“ وہ اسے تنگ کر رہا تھا اور وہ تنگ ہو گئی تھی نہال کو معذرت کرنی پڑی۔ اس کا چہرہ زرد پڑ رہا تھا۔

”اوکے سوری فوراً جنگلی بلی نہ بن جایا کرو۔“

”نہال! تمہیں یاد ہے تم نے مجھ سے وعدہ کیا تھا میری ایک خواہش پوری کرنے کا۔“ فوراً ہی وہ نارمل ہوگئی تھی، نہال نے پھر اثبات میں سر ہلا دیا۔

”ہوں یاد ہے بولو۔“

”پکی بات ہے ناں پوری کرو گے؟“

”تمہیں کوئی شک ہے؟“

”ہوں۔“

”ایسی کون سی فرمائش ہے جس کے لیے تم اتنی پوزیسو ہو رہی ہو۔“ اب کے وہ مشکوک ہو رہا تھا، ہانیہ نے اس کا ہاتھ تھام لیا۔

”مجھ سے شادی کرو گے نہال؟“

”وہاٹ......؟“ اسے جیسے جھٹکا لگا تھا۔

”ہوں......مجھ سے شادی کر لو پلیز۔“ دونوں ہاتھوں میں اس کا ہاتھ لے کر اس نے بمشکل اپنے آنسو چھپائے تھے نہال نے فوراً ہاتھ کھینچ لیا۔

”تم پاگل تو نہیں ہوگئی ہانیہ!“ اس کا دل اس لمحے بہت تیزی سے دھڑکا تھا۔

”کیوں؟ اس میں پاگل پن کی کیا بات ہے، ہم بچپن کے دوست ہیں، تم مجھ سے پیار کرتے ہو، مجھے طلاق ہوئے ایک سال ہو چکا ہے پھر کیا مسئلہ ہے؟“

”تم اچھی طرح جانتی ہو کیا مسئلہ ہے۔“

”جانتی ہوں، تبھی کہہ رہی ہوں پلیز نہال پلیز۔“

”نہیں ہانیہ! میں اپنی خوشی کے لیے تمہاری زندگی سولی پر نہیں لٹکا سکتا، ویسے بھی میکال بھیا نے جو گھٹیا الزام میری اور تمہاری ذات پر لگایا ہے میں اسے کبھی سچ ثابت نہیں ہونے دوں گا۔“

”بھاڑ میں جائے میکال اور اس کی سوچ، تم مجھ سے صرف میری بات کرو۔“

”تمہاری بات کروں تب بھی اس خواہش میں سوائے حماقت اور ہمدردی کے کچھ نہیں ہے۔“

”مجھے کوئی ہمدردی نہیں تم سے، بس میں چاہتی ہوں ہمیشہ تمہارا نام میرے نام کے ساتھ جڑا رہے، پلیز نہال تم وعدہ کر چکے ہو مجھے مایوس مت کرو، پلیز۔“

”ہانیہ میں چند دن کا مہمان ہوں، کچھ نہیں پتا کب زندگی کا چراغ گل ہو جائے، تھوڑے سے دنوں کے لیے میں کیوں تمہیں کڑی آزمائش میں ڈال دوں؟“

”میری زندگی کی کیا گارنٹی ہے، ہو سکتا ہے میں تم سے پہلے مر جاؤں۔“ اس کا لہجہ بھیگ گیا تھا۔

”تم پاگل ہوگئی ہو اور کچھ نہیں۔“ نہال نے بے ساختہ نگاہیں چرائی تھیں۔

”پاگل ہی سہی تمہارے لیے تو ہر حال میں اچھی ہوں ناں؟“

وہ رو رہی تھی' نہال ڈسٹرب ہو کر رہ گیا وہ کبھی بھی اس کی آنکھوں میں آنسو نہیں دیکھ سکتا تھا مگر اس کی فرمائش پوری کرنا بھی اتنا آسان نہیں تھا' تبھی اس نے چپ سادھ لی تھی مگر ہانیہ چپ سادھنے والی نہیں تھی اس نے جاذب' ہادیہ' فارحہ سب کو اپنی خواہش سے مطلع کر دیا تھا' تبھی نہال کی طرح سب ہی اس کی خواہش پر بھونچکاں رہ گئے تھے مگر اسے کسی کی پروا نہیں تھی۔

❁......❁......❁

تقریباً ایک ماہ کے بعد اس کی ضد پر نہال نے اس کے ساتھ نکاح کر لیا تھا' میکال اس دوران دو بار حسن منزل آیا مگر دونوں بار حسن صاحب نے اس کی کوئی بھی بات سنے بغیر اسے گھر سے نکلوا دیا تھا۔ وہ چاہتا تو انہیں مائرہ کی سازش کے بارے میں بتا سکتا تھا مگر وہ اس کے لیے بالکل سگی بہنوں کی طرح تھی' تبھی اس نے اسے سب کی نظروں سے گرانا مناسب نہیں سمجھا تھا۔ سارا کی شادی بھی نہال کے ساتھ ہی ہو گئی تھی' کمال اور عینا کو نہال کی بیماری اور مائرہ کی سازش کا پتا خود مائرہ سے لگا تھا' وہ عینا کو سامنے پا کر بُری طرح روتے ہوئے اسے سب کچھ بتا گئی تھی' عینا تو جیسے پتھر کی بن گئی تھی جب کہ کمرے کی دہلیز پر کھڑے کمال کو لگا جیسے کسی نے اس کے جسم سے روح کھینچ لی ہو' وہ تو ہانیہ اور میکال کی طلاق کو لے کر اپ سیٹ تھا پیچھے یہ قیامت کب اور کیسے آ گئی تھی۔ نہال تو اس کے لیے بچوں کی طرح تھا پھر وہ اتنی جلدی زندگی سے دور کیسے جا سکتا تھا' عینا کی نظر اس پر پڑی تھی ساتھ ہی مائرہ کی' مائرہ اسے دیکھ کر فوراً کمرے سے نکل گئی جب کہ عینا کے چہرے کا رنگ ایک دم سے اڑ گیا۔ کمال پتھر بنا بیڈ پر آ بیٹھا' عینا بھی ساتھ ہی بیٹھ گئی۔

"میرا دل نہیں مان رہا کمال! ایسی بات نہیں ہو سکتی' ایسی بات ہوتی تو پاپا ضرور ہمیں انفارم کرتے۔"

"پاپا نے بلایا تھا پاکستان مگر مجھے نہیں پتا تھا کہ اتنی بڑی بات ہو گی۔" نم آنکھوں کے ساتھ ساتھ اس کا لہجہ بھی بھرا آ گیا تھا پھر اس سے پہلے کہ عینا کچھ کہتی وہ اٹھ کر حسن صاحب کے کمرے کی طرف بڑھ گیا۔

میکال کے بارے میں اسے پتا لگا تھا کہ وہ چند روز قبل ہی اپنی بیوی کو لے کر دیارِ غیر شفٹ ہو گیا تھا۔

❁......❁......❁

نہال کمرے میں آیا تو ہانیہ' ننھے چھٹکو کے ساتھ کھیل رہی تھی وہ دروازہ بند کر کے مسکراتے ہوئے ان کے قریب آ بیٹھا۔

"یہ کیا ہو رہا ہے شرمیلا پن تو نام کا بھی نہیں ہے تم میں۔"

"لو...... اب تم سے کیا شرمانا' بچپن کے دوست ہو میرے کوئی ایک کروڑ اسی لاکھ پچاس ہزار بار منہ دیکھ چکے ہو پھر اب وہی منہ چھپا کر کیا جیب خالی کروانی تمہاری؟" اس کا انداز ایسا تھا کہ وہ مسکرائے بغیر نہ رہ سکا' چھٹکو بھی بہت خوش تھا۔ سجے سنورے روپ میں ہانیہ اس کا ایمان لوٹ رہی تھی وہ اس کے سامنے بیٹھا اسے پیار بھری نگاہوں سے دیکھتا رہا' اگلی صبح وہ بے حد فریش تھا۔

ہانیہ اس کا ایسے خیال رکھ رہی تھی جیسے وہ کوئی کانچ کا کھلونا ہو' چھٹکو کے لیے بھی وہی سب کچھ بن گیا تھا اگلے ایک ہفتے میں اس کی صحت دیکھنے لائق تھی' درد کی شدت میں بھی حیرت انگیز طور پر کمی آ گئی تھی۔ ہانیہ اسے اپنے ہاتھوں سے ناشتا کرواتی' دوپہر اور شام کا کھانا کھلاتی' اس کے کپڑے پریس کرتی' اس کے سر میں تیل کی مالش کرتی' جب تک کمرے میں ہوتی کوئی نہ کوئی شگفتہ بات کر کے اسے ہنساتی رہتی جواب میں نہال نے بھی اس کو اتنی عزت اور محبت دی کہ بار بار اس کی آنکھیں بھیگ جاتی تھیں۔ دونوں ہر روز شام کے بعد سیر و تفریح کے لیے نکل جاتے' اکثر مسٹر اینڈ مسز حسن بھی ان کے ہمراہ ہوتے' کمال اور عینا کی کمپنی بھی مل جاتی' نہال کو خوش دیکھ کر ہی مائرہ نے شادی کے لیے حامی بھری تھی اور بالآخر اسے سادگی سے رخصت کر دیا گیا۔

مسٹر اینڈ مسز حسن ہانیہ کے بہت مشکور تھے اس کے ننھے فرشتے نے گھر میں رونق بکھیر دی تھی' نہال کو لگا جیسے وہ اسی کا بیٹا ہو جس طرح سے وہ اس کے ساتھ اٹیچ تھا' اسے پیار کرتا تھا اسے وہ میکال کا بیٹا لگتا ہی نہیں تھا' تتلی کی طرح سارے گھر میں دوڑتا پھرتا' وہ سب کے دلوں کی دھڑکن بن گیا تھا۔ نہال کو اگر دو منٹ بھی وہ نظر نہ آتا تو اس کا دل گھبرانے لگتا تھا۔ اس کے ننھے منے لبوں کی پیاری پیاری باتیں اس کے لیے کسی دوا سے کم نہیں تھیں' میکال کے بارے میں مسز حسن نے اسے بتایا تھا کہ وہ اپنی بیوی کے ساتھ پیرس چلا گیا تھا۔

میکال نے علیزے سے معذرت کر لی تھی' یہ کہہ کر کہ وہ اس کے شوق اور پروفیشن کی راہ میں رکاوٹ نہیں بن سکتا' علیزے خوش ہو گئی تھی شاید اسی لیے وہ اس کی باتوں میں آ کر پیرس آنے کے لیے مان گئی تھی۔

میکال کے یہاں بہت سے لوگوں سے بہت اچھے تعلقات تھے لہٰذا پہلے اس نے خود کو سیٹل کیا' اپنی محنت' تجربے اور کچھ جمع پونجی کو بروئے کار لا کر اپنے ایک دوست کے ساتھ مل کر کاروبار سیٹ کیا پھر خود بھی شوبز کی فیلڈ میں آ گیا۔ اس کی کوشش تھی کہ وہ خود کو اتنا مصروف کر لے کہ پاکستان اور ہانیہ صفدر سے متعلق کوئی ایک یاد بھی اس کے دل کو پریشان نہ کر سکے۔

یہیں آ کر اس نے دوبارہ سگریٹ اور شراب کا معمول شروع کیا تھا علیزے یہاں اجنبی تھی اسے کوئی نہیں جانتا تھا' میکال نے اس سے کہا تھا کہ وہ اسے پیرس لے جا کر وہاں کی اسکرین پر متعارف کروائے گا مگر اس نے اپنا وعدہ اب تک پورا نہیں کیا تھا' وہ جیسے گھر میں قید ہو کر رہ گئی تھی۔

اس قید نے ہی انتقاماً اسے میکال کی غیر موجودگی میں وہاں کے مقامی لوگوں سے تعلقات بنانے پر مجبور کیا تھا اور یہی وہ مقام تھا جہاں میکال نے اس سے بھی ہمیشہ ہمیشہ کے لیے علیحدگی اختیار کر لی تھی۔

❁......❁......❁

اس روز وہ جلدی گھر آ گیا تھا علیزے گھر پر نہیں تھی وہ شاکڈ ہی تو رہ گیا تھا تقریباً تین گھنٹے کے بعد وہ گھر واپس آئی تھی وہ بھی ایسی حالت میں کہ ہوش سمیت کچھ بھی ٹھکانے پر نہیں تھا اور یہیں میکال کے اعصاب پر بجلیاں گری تھیں' بے شک وہ ان عورتوں میں سے تھی جو اپنی جائز ناجائز خواہشات کی تکمیل کے لیے کسی بھی حد تک جا سکتی ہیں۔

گھر آتے ہی وہ کمرے میں گھس کر سو گئی تھی جب کہ میکال ششدر سا کافی کا کپ ہاتھ میں لیے سیڑھیوں پر کھڑا رہ گیا تھا۔ اس کی زندگی میں تین عورتیں آئی تھیں اور وہ تینوں میں سے کسی ایک کو بھی نہ سمجھ سکا تھا نہ سنبھال سکا تھا۔ صبح ناشتے کی میز پر اس کی آنکھیں خوب سرخ تھیں۔

"گڈ مارننگ ڈارلنگ!" علیزے نے اپنے مخصوص انداز میں اس کے گال پر بوسہ دیتے ہوئے اسے وش کیا تھا' میکال کی گرفت کافی کے مگ پر سخت ہو گئی۔

"گڈ مارننگ!"

"کیا ہوا' کچھ سست سے لگ رہے ہو' رات میں سوئے نہیں کیا؟" اس کے مقابل بیٹھتے ہوئے اس نے سرسری سی ایک نظر میکال کے چہرے پر ڈال کر بریڈ پلیٹ سے اٹھا لیا تھا۔

"نہیں' سو گیا تھا سرِ شام ہی۔"

"کیا مطلب؟" وہ چونکی تھی' میکال مسکرا دیا۔

"کچھ نہیں' تم سناؤ کیا مصروفیات ہیں آج کل؟"

"کیا مصروفیات ہو سکتی ہیں' سارے دن گھر میں قید رہتی ہوں' نہ کسی کو جانتی ہوں یہاں' نہ تم کہیں گھمانے پھرانے لے جاتے ہو' قسم سے میں تو سخت پچھتا رہی ہوں یہاں آ کر۔"

"ہوں۔" اس کی شکایت پر پُرسوچ انداز میں اس نے سر ہلایا تھا۔

"ایک خوش خبری ہے تمہارے لیے۔"

"کیا؟"

"میں پاکستان جا رہا ہوں۔"

"واقعی...... اور میں؟"

"تم ابھی نہیں جا سکتیں کیونکہ تمہارے لیے یہاں میں نے ایک بہت بڑے فلم میکر سے بات کی ہے اسے تمہارے کمرشلز بھی دکھائے ہیں' تمہارا کام بہت پسند آیا ہے اسے' کل لے کر جانا تھا تمہیں اس کے پاس مگر نہایت ایمرجنسی میں پاکستان جانا پڑ رہا ہے۔ بہرحال تم ایک پُراعتماد لڑکی ہو' میرا خیال ہے میرے بغیر یہاں تمہیں زیادہ مشکل نہیں ہو گی۔"

"ہوں' یہ تو ہے' واپس کب تک آؤ گے؟"

"جلدی آ جاؤں گا' ان شاء اللہ۔" اس نے پوچھنے کی زحمت بھی نہ کی تھی کہ وہ پاکستان کیوں جا رہا ہے بالکل ویسے ہی جیسے ہانیہ نے اس سے اس کے بدلے ہوئے لہجے پر کبھی استفسار نہیں کیا تھا' شاید ان دونوں کو ہی اس کی ذات سے کوئی دلچسپی نہیں تھی۔

اگلے روز جب علیزے اسے ایئر پورٹ پر چھوڑنے آئی تھی اس نے اسے جیب سے ایک لفافہ نکال کر دیا تھا۔

"یہ کیا ہے؟" الٹ پلٹ کر لفافے کو دیکھتے ہوئے وہ حیران ہوئی تھی' تبھی وہ بولا تھا۔

"تحفہ ہے تمہارے لیے' وہ بھی سرپرائز' مگر اسے گھر جا کر کھولنا پلیز۔"

"او کے' ایسا کیا ہے اس میں؟"

"کچھ تو ہے' خود دیکھ لینا' اب میں چلتا ہوں اللہ حافظ۔" سرخ آنکھوں میں ہلکی سی نمی لیے وہ پلٹ گیا تھا علیزے حیران پریشان سی وہیں کھڑی اسے دیکھتی رہی جانے کیوں اس لمحے اس کا دل اسے کچھ غلط ہونے کا احساس دلا رہا تھا مگر وہ سر جھٹک کر آزادی کے نشے میں سرشار بے نیاز سی گھر واپس چلی آئی۔

دن بھر موج مستی کے بعد رات جب وہ سونے کے لیے

لیٹی تو اسے میکال کا دیا ہوا تحفہ یاد آیا تبھی اس نے متجسس ہی ہو کر وہ لفافہ اٹھا کر کھولا تھا اور پھر جیسے ساکت ہی تو رہ گئی تھی۔

طلاق نامے کے ساتھ' سفید شفاف کاغذ پر کندھے الفاظ اسے پتھر ہی تو کر گئے تھے' لکھا تھا۔

"میں جانتا ہوں اس وقت تمہارے لیے اس سے بڑھ کر اور کوئی تحفہ نہیں ہو سکتا اور میں یہ بھی جانتا ہوں کہ تم جیسی خود سر لڑکیوں کی منہ زور خواہشات پانی کے ریلے کی طرح ہوتی ہیں' جن پر کبھی بند نہیں باندھا جا سکتا' اسی لیے میں نے تمہیں چپ چاپ چھوڑنے کا فیصلہ کیا ہے۔ یہ فیصلہ میں نے پاکستان میں ہی کر لیا تھا مگر...... میں تمہیں پاکستان میں آزاد کرنا نہیں چاہتا تھا' تمہاری وجہ سے میں نے اپنے گھر والوں کو کھویا ہے' اپنی ہانیہ کو کھویا ہے' اس ہانیہ کو جو اب بھی لہو بن کر میری رگوں میں' جسم و جاں میں دوڑتی ہے۔ بہت اذیت ناک ہوتا ہے کھو دینے کا یہ احساس مگر تم اس احساس سے واقف نہیں ہو کیونکہ تمہاری مجھ سے وابستگی تمہاری محبت نہیں مجبوری تھی' تمہارا قصور نہیں ہے شاید میرے ہاتھوں کی لکیروں میں ہی کسی عورت کی محبت اور وفا نہیں ہے۔ بہرحال بے وفائی کی سزا بھی تو ہونی چاہیے ناں' وہ عورت جو میری غیرت کو جوتے کی نوک پر رکھ کر میری موت کا پلان بنا رہی تھی اسی عورت کو میں ساری عمر کی تنہائی سونپ آیا ہوں' تمہارا ویزا اور پاسپورٹ میں نے جلا دیا ہے اب تمہیں وہیں رہنا ہے اپنی من پسند دنیا میں۔ وہ دنیا جو پردے کی حرمت اور اہمیت سے ناواقف ہے وہ دنیا جہاں حیا کے انمول زیور کی کوئی قدر نہیں' تم اپنی سب سے قیمتی متاع تو گنوا ہی چکی ہو علیزے! پھر میں تم پر ترس کھاؤں بھی تو کیونکر...... بے وفائی کی سزا تو ملنی چاہیے پھر چاہے وہ میکال حسن ہو یا علیزہ' کیا فرق پڑتا ہے ہے ناں؟" الفاظ ختم ہو چکے تھے مگر علیزہ کو لگا جیسے ان الفاظ کے ساتھ ہی اس کی بینائی بھی ختم ہو چکی ہو' وہ محل جہاں اس وقت وہ بیٹھی تھی محل نہیں تھا' کنواں تھا وہ کنواں جو اس نے خود اپنے ہاتھوں سے اپنے ڈوبنے کے لیے کھودا تھا' لمحے شریر بچے کی طرح آگے دوڑتے جا رہے تھے اور وہ ساکت بیٹھی نیچے دھنستی جا رہی تھی۔

❀ .... ❀ .... ❀

نہال کو سمندر بے حد پسند تھا۔

ہانیہ روز ضد کر کے اسے ساحل سمندر پر لے آتی' اس روز بھی خوب ٹھنڈی ہوا چل رہی تھی اور وہ ضد کر کے اسے ساحل سمندر پر لے آئی تھی نہال ٹراؤزر کی پاکٹس میں ہاتھ پھنسائے بڑی دیر تک اداس کھڑا سمندر کی بپھری ہوئی موجوں کو دیکھتا رہا۔

"تم نے میرے ساتھ بڑا ظلم کیا ہے ہانیہ!" اس کے پہلو میں کھڑی وہ بھی سمندر کی شوریدہ لہروں کو بڑی محویت سے دیکھ رہی تھی جب نہال نے کہا' وہ چونک اٹھی۔

"کیسا ظلم؟"

مگر نہال نے جیسے اس کا سوال سنا ہی نہیں' اس کی نظریں ہنوز سمندر کی وسعتوں پر تھیں۔

"بہت سکون سے مر رہا تھا میں' کہیں کوئی زنجیر نہیں تھی پاؤں میں مگر اب...... سچ کہہ رہا ہوں ہانیہ! میرا مرنے کو دل نہیں چاہ رہا' دل لگ گیا ہے زندگی سے' تمہارے لیے' مما کے لیے' چھٹکو کے لیے' میں تم سب کے لیے جینا چاہتا ہوں۔" اس کی آنکھوں کے گوشے نم تھے' ہانیہ کا دل جیسے کسی نے مٹھی میں لے لیا۔

"تمہیں ایسا کیوں لگتا ہے نہال کہ تم نہیں جی سکو گے' تمہیں معجزات پر یقین نہیں ہوگا مگر مجھے ہے' مجھے اپنے رب کی رحمت اور اپنی پُرخلوص دعاؤں پر یقین ہے۔ ڈاکٹرز کوئی خدا نہیں ہیں کہ ان کے کہنے سے تم مر جاؤ گے' تم جیو گے نہال! میں مانگوں گی اللہ سے تمہاری زندگی' تم دیکھ لینا کچھ بھی نہیں ہوگا یونہی دیکھتے دیکھتے دن گزر جائیں گے اور ایک روز ہمارا چھٹکو تمہارے قد سے بھی بڑا ہوگا پھر ہم اس کی شادی کریں گے' اس کی بیوی آئے گی ہماری خدمت کرے گی اور ہم دونوں اپنے کمرے میں بیٹھ کر اس کی چغلیاں کیا کریں گے۔" وہ اسے بہلا رہی تھی نہال قریبی پتھر پر بیٹھ گیا' اس کی آنکھوں سے ٹپ ٹپ آنسو گر رہے تھے۔

"کاش کوئی مجھ سے میری ساری دولت لے لے مگر بدلے میں مجھے اتنی زندگی دے دے کہ میں تمہارے ساتھ وہ دن دیکھ سکوں ہانیہ!" نچلا ہونٹ دانتوں میں دبائے وہ اپنے آنسو پینے کی کوشش کر رہا تھا جب ہانیہ نے کٹتے دل کے ساتھ اس کا ہاتھ تھام لیا۔

"تمہیں کچھ نہیں ہوگا نہال! دیکھ لینا تم' پلیز موت کے بارے میں سوچنا چھوڑ دو' یہاں دنیا میں کتنے ایسے لوگ ہیں جو معجزانہ طور پر موت کے منہ سے نکل کر زندگی کی طرف واپس پلٹ آتے ہیں تم بھی پلٹ آؤ گے دیکھ لینا۔" بھرائے لہجے میں کہتی جانے وہ اسے تسلی دے رہی تھی یا خود کو' نہال خاموش

بیٹھا روتا رہا۔

"میں اکثر سوچتا ہوں ہانیہ! مائرہ نے ہمارے ساتھ ایسا کیوں کیا؟ شاید وہ بھی مجھ سے ایسی ہی محبت کرتی ہو جیسی میں تم سے کرتا ہوں یا پھر جیسی تم میکال بھیا سے کرتی ہوئی ہے ناں؟"

"نہیں...... میں صرف تم سے محبت کرتی ہوں نہال! صرف تم سے۔" تڑپ کر اس کا ہاتھ تھامتے ہوئے اس نے کلیئر کیا تھا نہال نے جیسے سنا ہی نہیں۔

"تمہیں پتا ہے ہانیہ! میں نے مائرہ کو معاف کردیا ہے تم بھی اسے معاف کردینا پلیز۔" نم نم سی آنکھوں سے ہانیہ کو دیکھتے ہوئے اس نے کہا تھا ہانیہ ہونٹوں پر ہاتھ رکھ کر بمشکل اپنی سسکیاں روکنے کی کوشش کرتی رہی۔

وہ شام بے حد اداس شام تھی۔ اس شام نہال بہت دیر تک سمندر کنارے بیٹھا چپ چاپ روتا رہا تھا۔

رات بھی دیر تک بارش ہوتی رہی وہ ایک پل کے لیے بھی نہیں ہوسکا تھا۔

"نہال!" ہانیہ خود بھی جاگ رہی تھی۔

"ہوں؟"

"نیند نہیں آرہی ناں؟"

"ہوں۔"

"مجھے بھی نہیں آرہی کیا کروں؟"

"کچھ نہیں...... آؤ میں سلاتا ہوں۔" فوراً سے پیشتر اس کی طرف کروٹ لیتے ہوئے اس نے ہانیہ کو اپنی بانہوں میں چھپالیا تھا اور پھر اس کے بعد نیند کب اور کیسے آئی ہانیہ کو پتا ہی نہ چل سکا۔ اس رات پہلی بار وہ بہت سکون سے سوئی تھی تبھی صبح فجر کی نماز بھی نہ پڑھ سکی۔

❀......❀......❀

اگلے روز چھٹکو کی تیسری سالگرہ تھی۔

نہال کا سارا دن بے حد مصروف گزرا ہلکے ہلکے بخار کے باوجود سالگرہ کی تمام تر شاپنگ اور اہتمام اس نے خود کیا تھا ہانیہ منع کرتی رہ گئی مگر وہ نہ مانا۔ شاپنگ کے بعد گھر کی سجاوٹ بھی اس نے خود ہی کی تھی۔ سارا اور مائرہ دونوں آئی ہوئی تھیں گھر میں خوب رونق لگ گئی تھی صرف نہال کی خوشی کے لیے ہانیہ نے کئی قسم کی ڈشز بھی تیار کرلی تھیں اس وقت بھی وہ آٹا گوندھ رہی تھی جب وہ کچن میں چلا آیا پسینے سے بے حال ہاتھ میں چھوٹی ہتھوڑی اور کئی غبارے پکڑے ہوئے۔

"ہانیہ...... ایک گلاس پانی ملے گا؟"

"نہیں۔" پلٹ کر اسے دیکھتے ہوئے وہ مسکرائی تھی نہال قریب چلا آیا۔

"کیوں؟"

"دیکھ نہیں رہے آٹا گوندھ رہی ہوں۔"

"اوہ...... یہ تو اچھی بات ہے مطلب کچھ بھی کرلوں تم روک نہیں سکتیں۔" ہتھوڑی سائیڈ پر رکھ کر اس نے مزے سے ہانیہ کے گرد اپنے بازو پھیلا دیئے تھے وہ مسکرادی۔

"بندے بن جاؤ نہال! ابھی کوئی آگیا ناں تو پتا لگ جائے گا۔"

"ڈونٹ وری! میں دروازہ بند کر آتا ہوں۔" بہت دنوں کے بعد وہ شرارتی موڈ میں لوٹا تھا۔ ہانیہ نے آٹے سے بھرے ہاتھ اس کے گالوں پر رگڑ دیئے۔

"اوہ ہانیہ! تمہارے پاؤں میں کاکروچ۔" اس کا کہنا تھا اور ہانیہ کا چلانا تھا وہ ہنس ہنس کر دوہرا ہوگیا تھا کیونکہ اگلے ہی پل سب لوگ کچن میں موجود تھے۔

"کیا ہوا؟"

"کچھ نہیں مما! ہانیہ کے پاؤں میں کاکروچ تھا میں نے بتایا تو چیخ اٹھی۔" وہ اب بھی ہنس رہا تھا جب کہ ہانیہ کا منہ دیکھنے والا تھا مسز حسن کی آنکھیں بھر آئیں۔

"بہت شریر ہو نہال! اپنی حرکتوں سے باز مت آنا۔"

"ہاہاہا...... سچ میں بہت ہی اسٹوپڈ اور ڈرپوک لڑکی ہے یہ ہانیہ!" زیادہ ہنسنے سے اس کی طبیعت خراب ہوسکتی تھی تبھی سارا اسے کھینچ کر کچن سے باہر لے گئی تھی اسی کے ساتھ باقی سب لوگ بھی نکل گئے۔ ہانیہ کو لگا جیسے اب وہ کبھی کوئی کام نہیں کرسکے گی۔

اس رات نہال کی آنکھ کھلی تو ہانیہ کمرے میں نہیں تھی اسٹڈی روم کا زیرو بلب جل رہا تھا اور وہ وہیں جائے نماز پر بیٹھی رو رو کر بے حال ہورہی تھی یہ صرف اس دن کی بات نہیں تھی مسز حسن اور ہانیہ کا روز کا معمول تھا۔ روز دونوں تہجد کے لیے اٹھتی تھیں اور پھر صبح فجر تک اللہ رب العزت کے حضور رو رو کر نہال کی زندگی اور صحت کے لیے دعا کرتیں مگر نہال کو خبر نہیں تھی جتنی شدت سے ہانیہ رو رہی تھی اس کا دل پھٹ رہا تھا مگر وہ بے بس تھا اس کی زندگی اس کے اختیار میں نہیں تھی۔

"دیوار سے ٹیک لگائے وہ خود بھی بے آواز روتا رہا تھا۔"

❀......❀......❀

اگلے ہفتے حسن صاحب کے اصرار پر ان کا مری کا پروگرام بن گیا تھا۔

مری میں ہوتی سنو فال نہال کو بے حد پسند تھی اکثر وہ اپنے دوستوں کے ساتھ اسی موسم میں وہاں آتا تھا۔ ہانیہ سارے سفر میں اس کی گود میں سر رکھے مزے سے سوتی رہی تھی جب کہ چھٹکو نے بول بول کر اس کا سر کھالیا تھا۔ بات بات پر جب وہ نہال کا منہ چومتا اسے بے حد اچھا لگتا۔ نہال نے ہانیہ کے ساتھ اسے بھی مری کا چپہ چپہ گھما ڈالا تھا۔ برف کے گولے بنا بنا کر وہ ان دونوں پر پھینکتا اور ہانیہ اس بار نہال کی سنگت میں وہ دن اس نے بے حد انجوائے کیے تھے گو قدم قدم پر اسے نہال کی طبیعت بگڑنے کا اندیشہ رہا تھا مگر وہ تو یوں چاق و چوبند تھا جیسے زندگی میں کبھی بیمار پڑا ہی نہ ہو۔ پورے ایک ہفتے بعد وہ مری سے واپس لوٹے تھے سردیاں ہانیہ کے لیے ہمیشہ وبال جان رہی تھیں مگر اس بار اس نے سردیوں کو بے حد انجوائے کیا تھا نہال اس کے ساتھ مل کر کچن میں سارے کام کرواتا تھا وہ تھک جاتی تو اس کا سر اور کندھے دباتا ان دونوں کے درمیان کبھی میکال کو لے کر کوئی بات نہیں ہوئی تھی۔

وہ شاپنگ اور ہوٹلنگ کا دلدادہ تھا ہانیہ اس کی فضول خرچی سے تنگ تھی تاہم نہال کی ہمراہی میں گزرے پانچ ماہ میں اس نے جانا تھا کہ زندگی کتنی خوب صورت ہے۔

❀......❀......❀

اس روز اس کی سالگرہ تھی۔

ہانیہ کی خوشی دیکھنے سے تعلق رکھتی تھی تاہم نہال دیر تک پڑا سوتا رہا ہانیہ نے دو تین بار کمرے میں آکر اسے آواز دی مگر وہ ٹس سے مس نہ ہوا تو مجبوراً اسے پانی کی بوتل نکال کر اس پر انڈیلنی پڑی تبھی مجبوراً اسے آنکھیں کھولنے پڑی تھیں۔

"اٹھ جائیں جناب! صبح کے گیارہ بج گئے ہیں۔"

"تو......؟"

"تو یہ کہ آج آپ کی سالگرہ ہے اٹھ کر تیاری کریں۔"

"میری سالگرہ اور میں ہی تیاری کروں؟" تکیہ دوہرا کرکے کہنی کے نیچے سیٹ کرتے ہوئے اس نے ہانیہ کو دیکھا تھا وہ مسکرادی۔

"نہیں! آپ کیوں کریں گے تیاری میں ہوں ناں۔"

"خیر ہے آج بڑا آپ آپ کررہی ہو؟"

"ہوں...... تمہاری سالگرہ ہے ناں اب سال میں کم از کم ایک دن احترام تو تمہارا حق بنتا ہے چلو اٹھو اب شاباش ہاتھ لو دوپہر ڈھلتے ہی مہمان آنا شروع ہوجائیں گے اوپر سے موسم بھی خوب برساتی ہورہا ہے۔"

"نہیں آج ہم نے کسی کو انوائٹ نہیں کرنا یہ سالگرہ میں صرف تمہارے اور چھٹکو کے ساتھ منانا چاہتا ہوں ہانیہ! زیست کی آخری سالگرہ کیا پتا اگلے سال یہ دن تمہاری زندگی میں کتنے آنسو لے کر آئے۔"

اچانک اس کی آنکھوں کے گوشے نم ہوگئے تھے ہانیہ جہاں کی تہاں بیٹھی رہ گئی وہ جتنی بھی کوشش کرتی اس حقیقت سے فرار ممکن نہیں تھا۔ پہلی بار نہال حسن نے اس کے آنسو نہیں پونچھے وہ خود بھی رو رہا تھا اور اسے بھی رلا رہا تھا۔

ہانیہ نے فون کرکے سب کو آنے کے لیے منع کردیا عصر کے بعد وہ دونوں (ہانیہ اور چھٹکو) نہال کے بے حد اصرار اور ضد پر شاپنگ کے لیے نکل آئے نہال نے ہانیہ کو اپنی پسند کے کئی سوٹ اور جیولری خرید کردی اسے اپنی پسند کی ڈھیر ساری چوڑیاں دلوائیں۔ جوتے لے کر دیئے چھٹکو کے لیے ڈھیر سارے کھلونے خریدے مہنگے سے مہنگے ریڈی میڈ سوٹ اور جوتے لیے اس کا بس نہ چلتا تھا کہ اس روز وہ اپنا سارا اکاؤنٹ خالی کردیتا۔

ہانیہ اس سے اچھی خاصی ناراض ہوگئی تھی مگر اس نے پروا نہیں کی مارکیٹ سے واپسی کے بعد وہ ہانیہ کے گھر چلے آئے تھے کچھ دیر وہاں بیٹھ کر چائے وغیرہ پینے کے بعد وہ گھر چلے آئے گھر آتے ہی اس نے ہانیہ کو تیار ہونے کا آرڈر دیا تھا۔

اسی کی پسند پر ہانیہ نے بلیک شیفون کی ساڑھی زیب تن کی تھی اسی کی فرمائش پر خوب میک اپ کیا تھا اسی نے جھک کر ہانیہ کو ہائی ہیل کی سینڈل پہنائی تھی خود اس نے سفید شلوار سوٹ زیب تن کیا ہوا تھا۔

سالگرہ کی ساری ارینجمنٹ اس نے ہوٹل میں کررکھی تھی مگر ہانیہ کے لیے سرپرائز تھا۔ چھٹکو کو آسیہ بیگم کے سپرد کرکے وہ ہانیہ کو ہوٹل لے آیا تھا۔ ریسپشن پر مختصر بات چیت کے بعد جب اس نے مطلوبہ کمرے کے سامنے پہنچ کر اس کا لاک کھولا اور پھر ہانیہ نے پہلا قدم دھرا ان دونوں پر ڈھیر سارے پھولوں کی برسات ہوئی تھی ہانیہ کمرے کی سجاوٹ دیکھ کر دنگ رہ گئی تھی۔

باہر بارش کا سلسلہ پھر سے جاری ہوگیا تھا یوں لگتا تھا جیسے

آج کے بعد بارش کو بھی برسنا ہی نہیں۔ کمرے کے وسطے میں چھوٹی سی میز پر ایک نہایت خوب صورت کیک مختلف تازہ پھولوں اور کینڈلز کے ساتھ اچھی طرح سجا کر رکھا ہوا تھا۔ وہ حیران ہی تو رہ گئی تھی۔

کتنے دل کش رنگ تھے زندگی کے جن سے نہال حسن نے اسے متعارف کروایا تھا' اسے یاد تھا بچپن میں اگر کبھی کسی کے ساتھ اس کی لڑائی ہو جاتی تھی تو جب تک نہال اس کا بدلا نہ لے لیتا' چین سے نہیں بیٹھتا تھا۔ بھولے سے بخار چڑھ جاتا تو اس کی جان پر بن جاتی تھی۔

وہ اس کی شدتوں سے بخوبی واقف تھی' اس کی تالیوں کی گونج میں نہال نے کیک کاٹا تھا' بے شک ہانیہ کے لیے وہ ایک طلسمی سی رات تھی۔

باہر برستی بارش میں مزید شدت آ گئی تھی۔ نہال ہانیہ کو ساتھ لیے گلاس ونڈو کے قریب آ کھڑا ہوا۔

"پتا نہیں کیوں' مگر مجھے ایسا لگتا ہے ہانیہ! جیسے بارش کا میرے ساتھ بہت گہرا رشتہ ہے' جس رات میں پیدا ہوا اس رات مما بتاتی ہیں کہ بہت بارش ہوئی تھی۔ جس روز میری تم سے دوستی ہوئی اس روز بھی بارش نے سارے علاقے کو بھگو رکھا تھا' جس روز تمہاری شادی ہوئی اس رات بھی بہت بارش ہوئی تھی میرے اندر بھی اور باہر بھی...... جس روز مجھے اپنی بیماری کا پتا چلا اس روز بھی دو دن سے بارش ہو رہی تھی اور آج...... آج بھی دیکھو کتنی بارش ہو رہی ہے۔" وہ خود کو جتنا خوش ظاہر کر رہا تھا اندر سے اتنا ہی اداس تھا ہانیہ کا دل کٹ کر رہ گیا۔

"بارشوں کی تاریخ سے کون واقف ہے مگر پھر بھی نہال! کون ہوگا دنیا میں' جس کا بارش کے ساتھ کوئی تعلق نہیں ہوگا' جسے بارش اچھی نہیں لگتی ہوگی' وہ شعر نہیں سنا تم نے......

بارش کی بنیاد میں جانے کس کے اتنے آنسو ہیں
صدیوں پہلے شاید کوئی صدیوں بیٹھ کے رویا ہے

"ہوں' سنا ہے اور ہمیشہ مجھے اس شعر نے گہری سوچ عطا کی ہے۔"

"رات کافی ہو گئی ہے نہال! اب سو جاؤ۔" ہانیہ کی نظر اچانک وال کلاک کی طرف اٹھی تھی' نہال بدستور گلاس ونڈو کے اس پار کھڑا دیکھتا رہا۔

"بارش میں مجھے نیند نہیں آتی ہانیہ! بالکل بھی نہیں۔"

"جھوٹ' مجھ سے ناراضگی کے دنوں میں تو تم سکون سے سو جاتے تھے۔"

"کہاں سو جاتا تھا سکون سے پاگل' صرف تمہیں شو کرواتا تھا۔"

"اوہو آج پتا چلا تم کتنے بڑے چیٹر ہو۔" ہلکا سا مکا نہال کے بازو پر رسید کرتے ہوئے وہ مسکرائی تھی' نہال بھی مسکرا دیا۔

"ایک بات پوچھوں ہانیہ!"

"ہوں' پوچھو۔"

"مارو گی تو نہیں؟"

"نہیں۔" ہانیہ کی آنکھیں نیند سے بوجھل ہو رہی تھیں' وہ سڑک کے اس پار دیکھتا رہا۔

"جس روز تمہیں میری بیماری کے بارے میں پتا چلا تھا کیا فیلنگز تھیں تمہاری؟"

"پتا نہیں نہال! فیلنگز تو دھڑکتے دل والوں کی ہوتی ہیں' میرا تو دل ہی رک گیا تھا' مجھے لگا میں بھری دنیا میں بالکل اکیلی رہ گئی ہوں' کوئی بھی نہیں ہے میرے پاس' میرا وجود جیسے ہوا میں معلق ہو کر رہ گیا تھا۔"

"اور جس روز تمہیں پتا چلا کہ میں سچ مچ دنیا میں نہیں رہا اس روز......؟" وہ اس کے ضبط کا امتحان لے رہا تھا۔ ہانیہ کے حلق میں غم کی شدت سے کانٹے اُگ آ گئے' آنسوؤں کا ریلا جو جاری ہوا تو پھر بہتا ہی چلا گیا' نہال نے ایک نظر اس کی طرف دیکھا پھر کھینچ کر بانہوں میں بھر لیا۔

"محبت کو اتنا سر نہیں چڑھاتے ہانی! یہ اس حد تک کھا جاتی ہے انسان کا۔" اپنی ٹھوڑی اس کے سر پر ٹکاتے ہوئے وہ اسے نصیحت کر رہا تھا' وہ چپ چاپ روتی رہی۔

"تمہیں پتا ہے ناں ہانی! میں کبھی تمہیں روتے ہوئے نہیں دیکھ سکتا' اچھا سوری' وعدہ کرتا ہوں میں کبھی تمہیں دوبارہ اس ٹاپک پر کچھ نہیں کہوں گا' پلیز چپ کرو پلیز۔" خود اپنے ہاتھوں سے اس کے آنسو پونچھتے ہوئے اس نے اسے اپنے سینے میں بھینچ لیا تھا' وہ ہانیہ کے آنسو دیکھ سکتا تھا مگر ہانیہ اس کے آنسو نہیں دیکھ سکتی تھی۔

"تمہیں نیند نہیں آ رہی ہے ناں ہانیہ؟"

"ہوں۔" اس کے سینے میں منہ چھپائے اس نے اثبات میں سر ہلا دیا تھا۔ نہال نے فوراً پردے گرا دیئے۔

"او کے' چلو میں سلاتا ہوں۔" وہ چپ چاپ بیڈ پر اس کے پہلو میں لیٹ کر بازو پر سر رکھ کر سو گئی۔

❁......❁......❁

آدھی رات کا پہر تھا۔

ہانیہ کی آنکھ کھلی تو نہال بستر پر نہیں تھا اور اس کا دل اتنی شدت سے دھڑک رہا تھا کہ وہ خود بھی گھبرا اٹھی تھی' دوپٹہ شانوں پر پھیلا کر وہ اٹھی تھی سب سے پہلے واش روم چیک کیا مگر وہ وہاں نہیں تھا تب دھڑکتے دل کے ساتھ پریشان سی وہ کمرے سے باہر آئی تھی جہاں سامنے ہی لابی میں وہ موجود تھا۔ سینے میں اچانک اٹھنے والے درد نے اس کی جان پر بنا رکھی تھی اور وہ صرف اس کی نیند خراب ہونے کے ڈر سے اکیلا کمرے سے باہر چلا آیا تھا۔ ہانیہ کے پاؤں تلے سے زمین کھسک گئی تھی۔

"نہال۔" تیر کی سی تیزی سے وہ اس کی طرف لپکی تھی' نہال کا سارا جسم پسینے میں بھیگ رہا تھا۔

"نہال...... نہال تم ٹھیک ہو ناں؟"

وہ تڑپ ہی تو اٹھی تھی مگر وہ بول نہیں پا رہا تھا' ہانیہ کو لگا جیسے اس کا دل رک جائے گا۔ بڑی مشکل سے وہ اسے کمرے میں واپس لائی تھی' اگلے ہی پل کپکپاتے ہاتھوں سے اس نے حسن صاحب کو کال کر دی تھی' جس وقت وہ نہال کو لے کر ہوٹل سے ہسپتال پہنچی تھی' حسن صاحب بھی پہنچ گئے تھے نہال کی سانس قابو میں نہیں آ رہی تھی۔ بارش کی وجہ سے ڈرائیو میں بھی مشکل ہو رہی تھی' سارے سفر میں نہال کا ہاتھ اس کے ہاتھ میں رہا تھا اور وہ گاہے بگاہے اس کا ہاتھ یوں شدت سے دبا رہا تھا جیسے اس سے درد برداشت ہی نہ ہو رہا ہو۔

ہسپتال پہنچتے ہی اسے ایمرجنسی روم میں شفٹ کر دیا گیا تھا' حسن صاحب نم آنکھوں سے اسے تسلی دیتے رہے۔ مسز حسن بھی ساتھ ہی چلی آئی تھیں فقط چند ہفتوں میں وقت نے انہیں کتنا کمزور اور بوڑھا کر دیا تھا' وہ بے آواز روتی رہیں۔

کتنے آنسو تھے جو انمول موتیوں کی طرح ٹوٹ کر بکھر رہے تھے' کتنی دعائیں تھیں جو اس نے رو رو کر بے آواز دل ہی دل میں مانگی تھیں۔ نہال کی حالت تسلی بخش نہیں تھی اسے اسپیشل ٹریٹمنٹ کے تحت آئی سی یو میں شفٹ کیا گیا تھا' ہانیہ ٹپ ٹپ گرتے آنسوؤں کے ساتھ کھڑی دیکھتی رہی۔ نہال آکسیجن کے تحت سانس لے رہا تھا۔ مسز حسن نم آنکھوں سے مختلف قرآنی آیات پڑھ پڑھ کر اس پر پھونکتی رہیں۔

"پتا نہیں کیوں مگر مجھے ایسا لگتا ہے ہانیہ! جیسے بارش کا میرے ساتھ بہت گہرا رشتہ ہے' جس رات میں پیدا ہوا تھا اس رات مما بتاتی ہیں بہت بارش ہوئی تھی' جس روز میری تم سے دوستی ہوئی تھی اس روز بھی بہت بارش ہوئی تھی پھر جس روز تمہاری شادی ہوئی (میکال کے ساتھ) اس رات بھی بہت بارش ہوئی تھی میرے اندر اور باہر بھی اور...... جس روز مجھے اپنی بیماری کا پتا چلا اس روز بھی دو دن سے بارش ہو رہی تھی اور آج...... آج بھی دیکھو کتنی بارش ہو رہی ہے۔" اس کا لہجہ اس کی سماعتوں میں گھلا تھا اور وہ شیشے سے ماتھا ٹکاتے ہوئے سسک پڑی تھی' کچھ ہی دیر میں فجر کی اذان بھی ہو گئی تھی۔

لمحے گیلی ریت کی مانند ہاتھ سے پھسلتے جا رہے تھے دعاؤں کی شدت بڑھتی رہی' چوبیس گھنٹے زندگی اور موت کی جنگ لڑنے کے بعد بالآخر شیشے کے اس پار نہال حسن نے زندگی ہار دی تھی۔ ڈاکٹر ان سے معذرت کر کے تسلی کے دو بول تھماتا آگے بڑھ چکا تھا۔ ہانیہ کو لگا جیسے اس کا وجود بلاسٹ ہو گیا ہو' بھلا یہ کیسے ممکن تھا؟

نہال حسن اسے یوں چھوڑ کر کیسے جا سکتا تھا؟ بے یقینی سی بے یقینی تھی۔

گئے دنوں کا سراغ لے کر' کدھر سے آیا کدھر گیا وہ
عجیب مانوس اجنبی تھا' مجھے تو حیران کر گیا وہ
بس ایک موتی سی چھب دکھا کر' بس ایک میٹھی سی دھن سنا کر
ستارۂ شام بن کے آیا' برنگ خواب سحر گیا وہ
خوشی کی رُت ہو کہ غم کا موسم' نظر اسے ڈھونڈتی ہے ہر دم
وہ بوئے گل تھا کہ نغمۂ جاں' میرے تو دل میں اتر گیا وہ
نہ اب وہ یادوں کا چڑھتا دریا' نہ فرصتوں کی اداس برکھا
یونہی ذرا اک کسک تھی دل میں' جو زخم گہرا تھا بھر گیا وہ
کچھ اب سنبھلنے لگی ہے جاں بھی' بدل چلا رنگ آسماں بھی
جو رات بھاری تھی کٹ گئی وہ' جو دن کڑا تھا گزر گیا وہ
شکستہ پا راہ میں کھڑا ہوں' گئے دنوں کو بلا رہا ہوں
جو قافلہ میرا ہم سفر تھا' مثال گرد سفر گیا وہ
وہ میکدے کو جگانے والا' وہ سب کی نیندیں اڑانے والا
یہ آج کیا اس کے جی میں آئی کہ شام ہوتے ہی "گھر" گیا وہ
وہ ہجر کی رات کا ستارہ' وہ ہم نفس ہم سخن ہمارا
سدا رہے اس کا نام پیارا' سنا ہے کل رات مر گیا وہ

وہ شخص جس تاریخ کو دنیا میں آیا تھا اسی تاریخ کو دنیا سے رخصت بھی ہو گیا' مگر آنسو پتھر کیسے ہوتے ہیں یہ کوئی ہانیہ صفدر سے پوچھتا' ہنستی بستی آباد بستیوں میں جیسے طوفان اچانک تباہی مچا کر چلے جاتے ہیں' بالکل ویسے ہی ہانیہ صفدر کا دل بھی تباہی

کی بھینٹ چڑھ گیا تھا۔

پورے تین دن اس کا سکتہ نہیں ٹوٹا تھا۔ گہری ابدی نیند سوئے نہال حسن اس کے سامنے لیٹا تھا اور وہ ٹکر ٹکر ساکت نگاہوں سے اسے دیکھے جا رہی تھی' اس کا بیٹا نہال کے چہرے پر پیار سے ہاتھ پھیرتے ہوئے اس کے گالوں کو چوم رہا تھا' اسے مجبور کر رہا تھا کہ وہ اٹھ کر اس کے ساتھ کھیلے' اسے بائیک پر باہر لے کر جائے اور نہال کے ٹس سے مس نہ ہونے پر اس نے زور زور سے رونا شروع کر دیا تھا۔ کتنی عادتیں بگاڑ دی تھیں نہال نے اس کی۔

مسز حسن بار بار بے ہوش ہو رہی تھیں' سارا اور مائرہ کا بھی کوئی حال نہیں تھا جب کہ حسن صاحب کمال حسن کے گلے لگے بچوں کی طرح بلک رہے تھے۔ عینا اکیلی سارے معاملات سنبھالتی پھر رہی تھی۔ ہادیہ اور جاذب اس کے پاس تھے مگر وہ تو اکیلی ہو گئی تھی۔ حسن منزل کے در و دیوار ایک مرتبہ پھر اسے راس نہیں آئے تھے۔

میکال جنازے کے وقت یہاں پہنچا تھا وہ بھی ایسے حال میں جیسے صدیوں کا سفر پیدل طے کر کے آیا ہو۔ گھر میں جمع ہوئے لوگ اور آنکھوں کے سامنے پڑی نہال حسن کی میت نے جیسے زمین کے اندر ہی تو گاڑھ دیا تھا اسے۔ وہ ہکا بکا سا لاؤنج کی دہلیز پر کھڑا رہ گیا تھا' کتنے پہاڑ تھے جو اس پر گرے تھے؟

کتنی قیامتیں تھیں جو اس وقت اس پر ٹوٹی تھیں

جنازہ اٹھایا جا چکا تھا گھر میں کہرام بپا تھا اور وہ خالی خالی نگاہوں سے سب دیکھتا گیا۔ کتنی جلدی تھی نہال حسن کو جانے کی کہ اس نے اسے معاف کرنا بھی ضروری نہیں سمجھا تھا' وہ رویا تو پھر جیسے حسن منزل کے در و دیوار ہل کر رہ گئے تھے۔

نہال حسن کی آخری آرام گاہ تک حسن صاحب نے اسے کندھا دیا تھا اور کیسے دیا تھا یہ صرف وہی جانتے تھے۔

❁......❁......❁
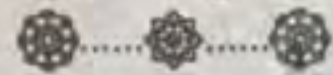
نہال کی موت کو وہ دوسرا دن تھا جب میکال نے چھٹکو کو دیکھا تھا' نہال کی تصویر اٹھائے وہ اسے پیار کر رہا تھا۔ وہ شاکڈ سا اسے دیکھتا رہ گیا' بے شک وہ ہو بہو اسی کی تصویر تھا۔

ہانیہ بار بار ہوش میں آتی تھی اور پھر بے ہوش ہو جاتی تھی۔ اس کی حالت کے پیش نظر ہی ہادیہ دو تین روز کے لیے وہاں ٹھہر گئی تھی۔ وقت ایک مرتبہ پھر پر لگا کر اڑنے لگا تھا مگر ہانیہ کی طبیعت نہیں سنبھلی تھی' وہ صرف چھٹکو سے باتیں کرتی تھی' اسے ایک منٹ کے لیے بھی اپنی آنکھوں سے دور نہیں کرتی تھی' تھوڑی دیر بھی وہ نظر نہ آتا تو پاگلوں کی طرح اسے سارے گھر میں ڈھونڈتی پھرتی۔ میکال جب جب اسے دیکھتا ڈسٹرب ہو کر رہ جاتا تھا۔ ایک عجیب سا قفل تھا جو ہانیہ صفدر کے لبوں پر لگ چکا تھا' کبھی لان کی دھوپ میں اکیلی بیٹھی آپ ہی آپ مسکرائے جاتی اور کبھی چاندنی رات میں بالکونی میں کھڑی بنا کسی بات کے ہی رو پڑتی تھی۔

میکال کی وجہ سے اس نے کمرے سے نکلنا بھی تقریباً چھوڑ دیا تھا' کئی کئی دن اسے نہ منہ دھونے کا خیال رہتا نہ کپڑے تبدیل کرنے کا۔ ان دنوں اسے لوگوں سے وحشت ہوتی تھی جہاں آوازیں سنتی اٹھ کر چلی جاتی یا چیخنے لگتی۔ ایک بار اس کے کمرے میں ٹیلی وژن چل رہا تھا اور چھٹکو نے آواز تیز کر رکھی تھی تبھی اس نے ریموٹ کنٹرول اٹھا کر اسکرین پر دے مارا' اس کی اسی حالت کے پیش نظر میکال نے چھٹکو کو اسکول میں داخل کروا دیا تھا۔ نہال کے بعد وہ ہانیہ سے زیادہ میکال کے قریب ہو گیا تھا کیونکہ وہ اس کی ساری فرمائشیں پوری کرتا تھا' اس کے خوب ناز اٹھاتا تھا۔

اس روز بھی اسکول سے آنے کے بعد وہ ہانیہ کے ساتھ اس کے کمرے میں سو رہا تھا جب میکال کی آواز کانوں میں پڑتے ہی چپکے سے اٹھ کر اس کے کمرے میں آ گیا۔ ہانیہ اسے مزے مزے کی کہانیاں سنا کر سلاتی تھی' اسے ہوم ورک کرواتی تھی مگر میکال اسے مختلف سی ڈیز میں مزے مزے کے کارٹون لگا کر دکھاتا' مختلف گیمز لگا کر اسے اپنے ساتھ کھیلاتا تھا اکثر وہ اسے نہال کی قبر پر بھی ساتھ لے جاتا تھا۔

اس وقت بھی وہ اسے کارٹون لگا کر دکھا رہا تھا جب وہ دندناتی ہوئی اس کے کمرے میں چلی آئی تھی۔

"سنی...... سنی......" پاگلوں کی طرح وہ اسے پکار رہی تھی' جب چھٹکو سہم کر میکال کی ٹانگوں میں چھپ گیا۔

"مما میں یہاں نہیں ہوں۔" میکال کی ٹانگوں میں چھپے چھپے اس نے معصوم سے لہجے میں کہا تھا' وہ مسکرا کر رہ گیا' ہانیہ جو سامنے سے گزر رہی تھی چونک کر اندر چلی آئی۔

"چھٹکو۔" اس نے اتنے غصے سے پکارا تھا کہ وہ فوراً میکال کی ٹانگوں سے نکل کر اس کے سامنے جا کھڑا ہوا تھا۔

"سوری مما!"

"سوری کے بچے! ایک دفعہ کی کہی بات سمجھ نہیں آتی تمہیں'

کیوں آئے ہو یہاں۔" میکال کے سامنے ہی دو تھپڑ اس نے چھٹکو کے گال پر دے مارے تھے' تبھی وہ تڑپا تھا۔

"اپنی حد میں رہو ہانیہ صفدر! مت بھولو کہ یہ میرا بھی بیٹا ہے۔"

"جسٹ شٹ اپ!" چھٹکو کا بازو کھینچتے ہوئے اس نے حقارت سے اسے جھڑکا تھا۔

بعد میں اس گھر کے سبھی مکینوں کے ساتھ اس کا رویہ بہت تلخ ہو گیا تھا کیونکہ ان سب نے میکال کو معاف کر دیا تھا۔ اس رات وہ چھٹکو کے لیے دودھ لینے کچن میں آئی تھی' جب کچن سے نکلتے میکال حسن کے ساتھ اس کا ٹکراؤ ہو گیا وہ پانی لینے آیا تھا اور اس کے وہم و گمان میں بھی نہیں تھا کہ وہ ہانیہ سے ٹکرا جائے گا۔

"سوری۔" سرسری سی نظر اس پر ڈالتے ہوئے وہ اس کی سائیڈ سے نکل گیا تھا' ہانیہ تنفر سے سر جھٹک کر رہ گئی۔

کچھ روز پھر خاموشی کی نذر ہو گئے تھے' اس کی عدت ختم ہونے میں ابھی کچھ دن رہتے تھے اور اس نے سوچ لیا تھا عدت ختم ہونے کے بعد وہ وہاں ایک پل کے لیے بھی نہیں رہے گی۔ حسن صاحب اور مسز حسن کی خواہش تھی کہ ہانیہ اور میکال پھر سے مل جائیں مگر ہانیہ کے رویے اور حالات کے پیش نظر ان کے لیے اپنی خواہش کو زبان دینا مشکل لگ رہا تھا' ادھر صفدر صاحب کے علاج کے لیے جاذب انہیں انگلینڈ لے کر گیا تو پھر وہیں مستقل قیام کا فیصلہ کر لیا۔ ہانیہ نے انہیں روکنا مناسب نہیں سمجھا تھا۔

❁.....❁.....❁

حسن منزل میں اتری ویرانیوں اور مسز حسن کی حالت کے پیش نظر حسن صاحب نے بھی پاکستان سے کوچ کا فیصلہ کر لیا تھا۔ میکال بزنس سمیٹ رہا تھا جب کہ کمال اور عینا پچھلے ہفتے ہی واپس جا چکے تھے۔ حسن صاحب نے ہانیہ سے بھی بات کی تھی اور اسے سمجھانے کی کوشش کی تھی مگر وہ کسی صورت پاکستان سے جانا نہیں چاہتی تھی لہٰذا اس نے انہیں صاف انکار کر دیا تھا۔ بمشکل عدت کے دن پورے کر کے وہ چھٹکو کے ساتھ اپنے آبائی گھر چلی آئی تھی' جس پر میکال پیچ و تاب کھا کر رہ گیا تھا۔

حسن صاحب اور ان کی فیملی کے انگلینڈ شفٹ ہونے کے بعد ایک روز وہ پلان کے تحت اس کے بیٹے کو اسکول سے ساتھ لے گیا اور بعد میں کال کے ذریعے ہانیہ کو مطلع کر دیا کہ جس طرح وہ اپنے بیٹے کے بغیر زندہ نہیں رہ سکتی اسی طرح وہ بھی اپنے بیٹے کے بغیر زندہ نہیں رہ سکتا لہٰذا اسی لیے وہ اسے اپنے پاس لے جا رہا ہے تاکہ اس کی بہترین پرورش کر سکے' اس نے ہانیہ پر چوٹ کی تھی کہ وہ اس کے بیٹے کو کچھ نہیں دے سکتی سوائے محرومیوں کے لہٰذا اس کے لیے یہی کافی ہے کہ وہ نہال کی یادوں کو سینے سے لگا کر جیتی رہے۔

ہانیہ کے وہم و گماں میں بھی نہیں تھا کہ وہ اس کے ساتھ اتنا برا سلوک بھی کر سکتا ہے' تبھی وہ چیخ چیخ کر روئی تھی مگر وہاں اس کے آنسو دیکھنے والا کون تھا؟ فارحہ کو ساری بات کا پتا چلا تو وہ بھاگ آئی تھی بعد میں اسی نے اس کے لیے ایک کل وقتی ملازمہ اور ایک بہترین جاب کا بندوبست کیا تھا یہی نہیں بلکہ ہانیہ کی تنہائی دور کرنے کے لیے اس نے اسے اپنی بیٹی بھی گود دے دی تھی' انہی دنوں اسے صفدر صاحب کی رحلت کی خبر ملی تھی اور وہ تقریباً دو ماہ انگلینڈ رہ کر آئی تھی' مسٹر اینڈ مسز رحیم بھی اکثر و بیشتر ملنے کے لیے آتے رہتے تھے ہانیہ نے یہی سنا تھا کہ میکال اس کے بیٹے کو لے کر اپنی بیوی کے ساتھ فرانس جا بسا تھا۔ اسی لیے رفتہ رفتہ وہ اس غم سے نکل آئی تھی مگر نہال کے ساتھ ساتھ یہ غم بھی پھانس بن کر اس کے دل میں چبھ گیا تھا۔ گو اس نے رشتوں سے صبر کرنا سیکھ لیا تھا مگر پھر بھی دل تھا کہ بھری دنیا میں کہیں لگتا ہی نہیں تھا تھا۔

❁.....❁.....❁

ٹپ ٹپ ٹپ......

رات ست روی سے بیتتی جا رہی تھی اور اس کے آنسو بہتے نہال حسن کی تصویر پر گرتے جا رہے تھے۔ کون تھا اللہ کے سوا جو آج اس کے آنسو دیکھتا اور اس کے درد کو محسوس کرتا' اس کی زندگی مکمل طور پر اس نظم کی ترجمان ہو کر رہ گئی تھی۔

اب تو خواہش ہے یہ درد ایسا ملے
سانس لینے کی حسرت میں مر جائیں ہم
اب تو خواہش ہے یہ ایسی آندھی چلے
جس میں پتوں کی مانند بکھر جائیں ہم
اب تو خواہش ہے یہ دنیا والوں کا غم
ایسی ٹھوکر لگائے کہ جی نہ سکیں
ایسی الجھنیں یہ سینے میں سمائیں کہ بس
ہم دوا پینا چاہیں تو پی نہ سکیں
کوئی ہمدم نہ راہی نہ راحت ملے
ایک پل کا سہارا نہ چاہت ملے
اب تو خواہش ہے یہ
دشت ہی دشت ہو ننگے پاؤں چلیں
ہم سر بزم شمع کی مانند جلیں
جس کو چاہیں اسے پھر نہ پائیں کبھی
چھوڑ جائیں یوں چپ چاپ دنیا کہ پھر
دل بھی یہ چاہے بھی تو ہم نہ آئیں کبھی
اب تو خواہش ہے یہ
کوئی صحرا قلعہ یا بیابان ہو
جس میں سالوں تک قید ہی قید ہو
اپنے خالق و مالک سے میں نے جو کی
بے وفائی وہاں پر وہ ناپید ہو
اب تو خواہش ہے یہ کہ سزا وہ ملے
روئے جاؤں تو چپ نہ کرائے کوئی
دور جنگل میں یا پھر کسی دشت میں
ہاتھ پکڑے میرا چھوڑ آئے کوئی
اب تو خواہش ہے یہ!

❁.....❁.....❁

حور عین اور عذیر کا نکاح ہو گیا تھا۔

کاسنی لہنگا کرتی میں دلہن بنی وہ یوں خاموش بیٹھی تھی جیسے ہجر کا ستایا کوئی مسافر کسی جھیل کنارے پلکیں موندے خاموش بیٹھا ہو' خود عذیر بھی چپ چپ سا تھا البتہ دادی اور عمیر بہت خوش تھے' ننھے زبیر کی تو جیسے لاٹری نکل آئی تھی' ماں کے بعد پہلی بار کسی عورت نے اس پر توجہ دی تھی۔

سارا گھر مہمانوں سے بھرا تھا' ثانیہ اور اس کی دادی بھی آ گئی تھیں البتہ اس کے بچے اس کے ساتھ نہیں تھے' تقریب کے اختتام کے بعد دادی کے حکم پر ثانیہ نے اپنی کلوز فرینڈ سے جو بہت اچھی گائنا لوجسٹ تھی' حور عین کا چیک اپ کروایا تھا کمرے میں اس وقت حور عین' ثانیہ اور اس ڈاکٹر کے علاوہ اور کوئی نہیں تھا' اچھی طرح چیک اپ کے بعد لیڈی ڈاکٹر عائلہ نے اس کی طرف عجیب نظروں سے دیکھا تھا۔

"ٹھیک ہے مس حور عین کہ آپ کنواری نہیں ہیں' مگر......"

"میری آج ہی شادی ہوئی ہے۔" ڈاکٹر کے کچھ بولنے سے پہلے ہی وہ شروع ہو گئی تھی۔

"میرے اور عذیر صاحب کے درمیان اس سے پہلے کچھ نہیں تھا بس مجھے پناہ کی ضرورت تھی' اسی ضرورت کے تحت جھوٹ بول کر یہاں رہنا پڑا۔"

"آئی سی...... تو یہ بات آپ نے چھوٹی دادو کو کیوں نہیں بتائی؟" ڈاکٹر کے ساتھ ساتھ ثانیہ بھی حیران رہ گئی تھی' حور عین نے سر جھکا لیا۔

"انہیں نہیں بتا سکتی تھی' اگر انہیں بتا دیتی تو وہ مجھے کبھی اپنے گھر میں نہ رہنے دیتیں۔"

"تو اب میں ان سے کیا کہوں؟ وہ تو پوتا کھلانے کے لیے بے چین ہیں۔"

"میں کیا کہہ سکتی ہوں۔"

وہ ذہنی طور پر پریشان لگ رہی تھی۔ ثانیہ نے ایک نظر اس کے سجے سنورے روپ پر ڈالی پھر اپنی دوست کے ساتھ اسے آرام کی تلقین کرتی کمرے سے باہر نکل گئی' کمرے میں تنہائی میسر آتے ہی حور عین کے آنسو تیزی سے بہہ نکلے تھے۔

اسے یاد آ رہا تھا ابا دعبدالحادی کی شہادت کے بعد مجاہدین نے باحفاظت اسے علی الصبح اس کے گھر پہنچا دیا تھا' بے حد مغموم سی وہ گھر میں داخل ہوئی تو وہاں جیسے الو بول رہے تھے' وہ چپ چاپ لاؤنج میں دھرے صوفے پر پاؤں سمیٹ کر بیٹھ گئی۔ تقریباً بارہ بجے کے قریب اس کی سوتیلی ماں بے حد مختصر لباس میں اپنے کمرے سے باہر نکلی تھی۔ حور عین پر نظر پڑتے ہی اس کے اندر جیسے کرنٹ دوڑ گیا تھا۔

"تم......؟" کسی چیل کی مانند وہ حور عین پر جھپٹی تھی' حور عین کی آنکھیں' آنسوؤں سے بھر آئیں' اس کا چہرہ اس وقت بے حد ستا ہوا دکھائی دے رہا تھا۔

"ساری دنیا کی خاک چھان کر منہ کالا کر کے پھر یہیں چلی آئیں' کیا سمجھ رکھا ہے تم نے مجھے' میں نے کوٹھا نہیں کھول رکھا یہاں' دفع ہو جاؤ جہاں سے آئی ہو۔" وہ تو سمجھی تھی کہ حور عین کہیں مر کھپ گئی ہوگی اور یوں اس کی تمام جائیداد اب اس کی ہو گئی مگر اسے ایک مرتبہ پھر زندہ دیکھ کر وہ تو حیران ہی رہ گئی تھی۔

اس کی نفرت اور غصہ فطری تھا' حور عین رو پڑی۔

"میری بات سنیں پلیز' میں کہیں منہ کالا کر کے نہیں آ رہی ہوں' میں تو...... میں تو دکھوں کا سمندر پار کر کے آئی ہوں مگرمچھوں کے چنگل سے رہا ہو کر آئی ہوں۔"

"جہاں سے بھی آئی ہو' میری طرف سے جہنم میں جاؤ اب اس گھر میں تمہارے لیے کوئی جگہ نہیں ہے۔" بناء اس کی روداد سنے اس کی سوتیلی ماں نے ملازم سے کہہ کر زبردستی اسے گھر سے باہر نکل دیا تھا' وہ ساری رات برستی بارش میں گھر کے باہر

بیٹھی روتی رہی۔

اگلے دن وہ اپنے فیملی وکیل کے پاس چلی گئی' حورعین کی پراپرٹی ملکیت کے تمام کاغذات انہی کے پاس تھے وہ نہ صرف ان کے فیملی وکیل تھے بلکہ اس کے پاپا کے بہت اچھے دوست بھی تھے۔ حورعین کو دیکھ کر وہ تڑپ اٹھے تھے' انہی کی مدد اور دھمکیوں سے حورعین کو اپنے گھر میں دوبارہ جگہ ملی تھی۔

اس کی سوتیلی ماں دوسری شادی کرچکی تھی اور اب حورعین کی تمام جائیداد پر قبضہ کیے اپنے دوسرے شوہر کے ساتھ پورے عیش وآرام کی زندگی بسر کررہی تھی۔ وکیل صاحب کی اپنی فیملی کچھ ہی عرصہ قبل ناروے شفٹ ہوئی تھی اور وہ بھی ریٹائرمنٹ کے بعد ناروے شفٹنگ کی تیاری کررہے تھے۔

جب تک وہ پاکستان میں رہے حورعین کو کوئی مسئلہ نہیں ہوا لیکن جیسے ہی ناروے روانگی سے قبل وہ حورعین کو ملنے آئے اور اس کی سوتیلی ماں کو اس کا خیال رکھنے کی ہدایت کی وہ عورت پھر سے ناگن بن گئی' وکیل صاحب کی ناروے روانگی کے بعد حورعین کے لیے جیسے نفرتوں اور مظالم کے پہاڑ کھڑے کردیے گئے۔ کئی بار اس کی سوتیلی ماں اور اس کے شوہر نے مل کر اسے مارا تھا اور اس روز جب اس کی سوتیلی ماں اپنی کسی دوست کے گھر گئی ہوئی تھی' اس کے شوہر نے موقع پاکر اسے دبوچ لیا۔ ایک قیامت اس پر پہلے ٹوٹی تھی اور ایک قیامت کا سامنا اسے اب تھا۔

اس روز جس طرح سے وہ اپنی عزت اور اپنی جان بچا کر وہاں سے بھاگی تھی اور قبرستان پہنچی تھی۔ قبرستان سے اس نے مسجد کا رخ کیا تھا اور مسجد سے عذیر کے گھر کا' جہاں وہ اپنی کلاس فیلو کے ساتھ ایک مرتبہ پہلے بھی آچکی تھی۔

سر درد سے پھٹ رہا تھا جب کہ جسم شدید بخار میں جل رہا تھا' وہ جھوٹی اور فریبی نہیں تھی مگر عزت کے خوف نے اسے جھوٹ بول کر گھر میں پناہ لینے پر مجبور کردیا تھا۔ عذیر نے اس کی سوتیلی ماں اور اس کے شوہر پر ناجائز قبضے کا پرچہ کروا رکھا تھا مگر ابھی تک اس کیس کا فیصلہ نہیں ہوا تھا۔

❁......❁......❁

رات کافی ہوگئی تھی۔ عذیر کمرے میں آیا تو حورعین سوچکی تھی تاہم آنسوؤں کے نشان اس کے گالوں پر ثبت تھے۔ زبیر آج بھی ضد کرکے اسی کے ساتھ سو رہا تھا۔ اس نے لباس تبدیل کرلیا تھا مگر مٹا مٹا سا میک اپ اب بھی اس کے حسین چہرے کو چار چاند لگا رہا تھا' وہ سرسری سی ایک نظر اس پر ڈالنے کے بعد خود بھی کپڑے تبدیل کرکے بیڈ پر آگیا تھا۔ سلمٰی کو اس شادی کی خبر ہوئی تو اس نے فوراً ہی چپ چاپ راستہ تبدیل کرلیا۔ شاید وہ خود بھی یہی چاہتی تھی آنے والے دنوں میں حورعین کی ذمہ داریاں مزید بڑھ گئی تھیں۔ عذیر کے تقریباً سارے کام اس نے اپنے ذمے لے لیے تھے۔

اس کی وارڈ روب دھلے دھلائے کپڑوں سے ہر وقت بھری رہتی تھی' جوتے روز پالش کیے ملتے' ناشتا وقت سے پہلے تیار کیا ملتا۔ کمرا ہر وقت نفاست سے سیٹ کیا صاف ستھرا ملتا' موزے ٹائی' بنیان ہر چیز اپنی جگہ پر موجود ملتی' اسے لگا وہ جیسے کسی جنت میں آگیا ہو۔

سمیر' عمیر' نمیر کے ٹھاٹھ بھی دیکھنے والے تھے' سب کی ذمہ داریاں حورعین نے اپنے سر لے لی تھیں' رات گئے تک وہ کچن اور گھر کے کاموں سے فارغ نہیں ہوتی تھی۔ زبیر کے لیے جیسے اس نے سگی ماں کا درجہ لے لیا تھا۔ وہ اس کے بغیر ہل کر پانی بھی نہیں پیتا تھا' اسکول سے آنے کے بعد رات سونے تک اسی کے پلو سے بندھا رہتا' تھوڑی دیر کے لیے بھی وہ نظر نہ آتی تو رو رو کر سارا گھر سر پر اٹھا لیتا تھا' حورعین خود بھی اس کی بہت عادی ہوگئی تھی۔

❁......❁......❁

اس روز سنڈے تھا۔ عذیر دیر تک بستر میں پڑے رہنے کے بعد اٹھ کر کمرے سے باہر آیا تو حورعین سارے گھر کی صفائی ستھرائی میں مصروف تھی۔ ساتھ ہی اس نے کپڑے دھونے والی مشین بھی لگا رکھی تھی' زبیر اور عمیر ڈائننگ ٹیبل پر موجود تھے لہٰذا انہیں ناشتا کروانے کا کام بھی ساتھ ساتھ چل رہا تھا' وہ حیران ہی تو رہ گیا تھا' وہ لڑکی تھی یا کوئی مشین؟

ایک مدت کے بعد اس مکان کو گھر بننا نصیب ہوا تھا' جبکہ سلمٰی خود کو اس طرح سے ایڈجسٹ کرسکتی تھی شاید کبھی نہیں۔ دادی ماں ہر طرح سے مطمئن ہوکر گاؤں چلی گئی تھیں تاہم ان کی غیر موجودگی میں بھی اس نے اپنی ذمہ داریوں سے نگاہ نہیں چرائی تھی' عذیر فریش ہونے کے بعد خود بھی ڈائننگ ٹیبل کی طرف آگیا تھا۔

"ناشتا لاؤں آپ کے لیے؟"

"ہوں۔" ایک نظر حورعین پر ڈالنے کے بعد اس نے اثبات میں سر ہلا دیا تھا' وہ خاموشی سے پلٹ گئی۔

"عذیر بھائی ایک بات کہوں؟" عمیر جو ناشتے سے فارغ

ہوچکا تھا' نیپکن سے ہاتھ صاف کرتے ہوئے بولا۔
"ہوں' کہو......" سرسری نظر اخبار پر ڈالتے ہوئے عذیر نے اس کی طرف دیکھا تھا۔
"عذیر بھیا! کیا ایسا نہیں ہوسکتا کہ سلمٰی بھابی کی جگہ ہمیشہ کے لیے حور بھابی ہی اس گھر میں رہیں۔" اس کے الفاظ نے عذیر کا دل دھڑکا دیا تھا' حورعین جو ناشتے کی ٹرے لارہی تھی' خود بھی ٹھٹک گئی۔
"سچ کہہ رہا ہوں عذیر بھیا! اس گھر کو صرف حورعین بھابی کی ضرورت ہے' ان کی جگہ کبھی بھی کوئی دوسری لڑکی یہ گھر نہیں سنبھال سکتی۔"
بناء عذیر اور حورعین کی طرف دیکھے وہ اپنے دل کی بات کہہ رہا تھا' حورعین نے لب بھینچ لیے۔ عذیر کا ناشتا خاموشی سے ٹیبل پر رکھنے کے بعد وہ واپس پلٹ گئی تھی۔ شام میں زبیر نے آئس کریم کے لیے ضد کرلی' عذیر چونکہ فارغ ہی تھا لہٰذا اس نے سبھی کو ساتھ چلنے کی آفر کردی۔ حورعین دن بھر کے کاموں سے بے حد تھکی ہوئی تھی لہٰذا اس نے ساتھ چلنے سے معذرت کرلی مگر زبیر کہاں اس کی معذرت کو قبول کرنے والا تھا' مجبوراً اسے تھکن کے باوجود تیار ہونا پڑا۔ پورے راستے عمیر اور نمیر نے وہ شرارتیں کیں کہ سب کا ہنس ہنس کر بُرا حال ہوگیا' حورعین بھی مسکراتی رہی تھی۔
آئس کریم اور رات کے کھانے کے بعد وہ لوگ شاپنگ کے لیے نکل آئے تھے۔ نمیر اور عمیر اپنی اپنی پسند کی چیزیں خرید رہے تھے جب کہ وہ زبیر کے لیے پاگل ہوئی جارہی تھی۔ عذیر سب کو ان کے حال پر چھوڑ کر سیل فون پر مصروف تھا' تھکن سے چُور جس وقت وہ لوگ گھر واپس آئے رات کے ایک بجے کا ٹائم ہورہا تھا مگر حورعین یہاں بھی اپنے فرائض نہیں بھولی تھی۔ سب کو دودھ کے گلاس دینے کے بعد وہ فارغ ہوکر کمرے میں آئی تو زبیر سوچکا تھا تاہم عذیر کو نیند نہیں آئی تھی' وہ جاگ رہا تھا۔
"بہت دن ہوئے آپ قبرستان نہیں گئیں؟"
ڈریسنگ ٹیبل کے سامنے کھڑی وہ چوڑیاں اتار رہی تھی' جب اس نے کروٹ کے بل لیٹے لیٹے دائیں بازو کی ہتھیلی پر سر ٹکاتے ہوئے پوچھا۔ حورعین کے اندر ایک سناٹا سا بکھر گیا۔
"جی...... وقت نہیں ملا۔"
"وقت......؟ میں نے دیکھا ہے قبرستان جانے کے معاملے میں آپ نے کبھی وقت کی پروا نہیں کی۔" اسے حیرت ہوئی تھی وہ نڈھال سی وہیں بیٹھ گئی۔
"پہلے میں اور اب میں بہت فرق ہے۔"
"نہیں حورعین! میں نے اپنا نام ضرور دیا ہے آپ کو مگر اس کا یہ مطلب ہرگز نہیں کہ آپ میری پابند ہوگئی ہیں یا میں نے آپ کو خرید لیا ہے' آپ اب بھی آزاد ہیں' پلیز خود پر ذمہ داریوں کا اتنا بوجھ لاد کر شرمندہ مت کیا کریں۔" وہ بہت اپنائیت بھرے لہجے میں کہہ رہا تھا' حورعین کی آنکھیں بھیگ گئیں۔
"اور ہاں مجھے آپ کو ایک خوش خبری بھی سنانی تھی' کورٹ نے آپ کے حق میں فیصلہ دے کر آپ کی اسٹیپ مدر اور ان کے شوہر کو سزا سنادی ہے' اب آپ اپنے فادر کی تمام جائیداد کی بلاشرکت غیرے مالک ہیں' کوئی بھی شخص اب آپ کو نہ تو آپ کے گھر سے نکال سکتا ہے نہ آپ کا کاروبار ہتھیا سکتا ہے' کچھ لوگ ہیں جو وہاں آپ کی کمپنی میں ٹھیک نہیں ہیں۔ میں آپ کو کنفرم کردوں گا تب آپ ان کو ہٹادیجیے گا۔"
خبر کیا تھی کوئی امرت تھا جو حورعین کی سماعتوں میں انڈیلا گیا' بے یقین سی وہ بیڈ پر اس کے پاس چلی آئی تھی۔
"آپ سچ کہہ رہے ہیں ناں؟"
"ہوں' بالکل سچ۔" اثبات میں سر ہلاتے ہوئے وہ مسکرایا تھا۔ حورعین کے آنسوؤں میں شدت آگئی تھی۔
"مم...... میں ابھی آئی۔"
تھکن کا احساس ایک پل میں اڑن چھو ہوگیا تھا' عذیر اس کی کانچ سی آنکھوں میں مچلتے آنسو دیکھتا رہ گیا۔ اگلے بیس پچیس منٹ تک وہ نماز میں اللہ رب العزت کے حضور شکرانے کے نوافل ادا کرتی روتی رہی تھی یہاں تک کہ روتے روتے ہچکیاں بندھ گئی تھیں۔ نوافل سے فارغ ہوکر سرخ چہرے کے ساتھ وہ دوبارہ کمرے میں واپس آئی تو عذیر بیڈ پر کچھ چیزیں بکھیرے بیٹھا تھا' وہ حیران ہی تو رہ گئی تھی۔
"یہ سب کیا ہے؟"
"آپ کی شاپنگ۔"
"مگر آپ نے یہ کب کی؟" حیران حیران سی وہ بیڈ کے کنارے پر ٹک گئی تھی۔ عذیر نے اپنائیت سے اس کا ہاتھ تھام لیا۔
"جب آپ زبیر کے لیے مختلف چیزیں خریدنے میں مصروف تھیں تبھی میں بھی آپ کے لیے یہ سب خرید رہا تھا اور میں ہی کیا عمیر اور نمیر نے بھی آپ کے لیے بہت سی چیزیں خریدی ہیں وہ بھی اپنے جمع کیے ہوئے پیسوں سے آپ سوچ بھی نہیں سکتیں حورعین کہ اس گھر کے مکینوں کے دلوں میں آپ کے لیے کتنا پیار ہے۔" جتنی اپنائیت سے وہ کہہ رہا تھا' اتنی ہی تیزی سے حورعین کی پلکیں بھیگی تھیں۔
"میں آپ لوگوں کی اتنی محبت اور اپنائیت کے قابل نہیں ہوں۔" مسلسل رونے سے اس کا لہجہ بھاری ہورہا تھا' عذیر نے اس کا ہاتھ چھوڑ دیا۔
"کون کتنی محبت اور اپنائیت کے قابل ہے یہ تو خدا ہی جانتا ہے مگر حقیقت یہی ہے حورعین! یہ گھر آپ جیسی عورت کے لیے ترسا ہوا تھا۔ روز میر کا سب کے ساتھ جھگڑا ہوتا تھا' کبھی کھانا اچھا نہ بننے پر' کبھی کپڑے صاف نہ دھلنے پر' کبھی ناشتا ٹائم پر نہ ملنے پر اور زبیر وہ تو لگتا تھا مما کے بعد جیسے دنیا میں رہتا ہی نہیں' ہر وقت سہما رہتا تھا عجیب احساسِ محرومی کا شکار ہوکر رہ گیا تھا۔ اسکول میں دوستوں سے ان کی ماؤں کے لاڈ پیار کا سن کر اور بھی ٹوٹ پھوٹ جاتا تھا مگر آپ کے اس گھر میں آنے کے بعد یوں لگتا ہے جیسے اسے نئی زندگی مل گئی ہو' سلمٰی شاید یہ سب کبھی نہ کرپاتی۔"
وہ اس کی صلاحیتوں اور خدمات کا اعتراف کررہا تھا' حورعین سر جھکائے بیٹھی سنتی رہی۔

❁......❁......❁

اس رات بہت بارش ہوئی تھی۔ عذیر صبح کی نماز کے لیے اٹھا تو حورعین گھر پر نہیں تھی' کچن نا تھ روم کہیں بھی نہیں تھی۔ وہ جان گیا کہ وہ قبرستان گئی ہے' اک ٹیس سی تھی جو اس کے دل سے اٹھی تھی تاہم سر جھٹک کر وہ واش روم میں گھس گیا' نہا کر آیا تو حورعین گھر پر تھی اور اس کا وجود ہنوز بخار کی لپیٹ میں تھا' بخار کی شدت سے منہ بھی سرخ ہورہا تھا' عمیر نے اسے ناشتا بنانے سے روک دیا۔ وہ کمرے میں آئی تو عذیر آفس کے لیے نکل رہا تھا۔
"السلام علیکم!" عذیر پر نگاہ پڑتے ہی اس نے سلام کیا تھا' عذیر کے ٹائی کی ناٹ ٹھیک کرتے ہاتھ وہیں رک گئے۔
"وعلیکم السلام! کہاں تھیں آپ؟" بہت سرسری انداز میں اس نے پوچھا تھا مگر حورعین کو اچھا نہیں لگا۔
"میں کچن میں تھی' ناشتا بنارہی تھی' کیوں؟"
"نہیں کچھ نہیں' ویسے ہی پوچھ رہا تھا' آج ناشتا آفس میں ہی کروں گا' جلدی پہنچنا ہے آپ کی طبیعت تو ٹھیک ہے ناں؟" اپنی تیاری کو فائنل ٹچ دیتے ہوئے اس نے اس کے سرخ چہرے پر توجہ دی تھی' حورعین بیڈ کے کنارے پر ٹک گئی۔
"جی...... ٹھیک ہے۔" اس کے چہرے کی تمازت اور لہجے کے گریز کو اس وقت اس نے اس کے قبرستان سے ہوکر آنے کے احساسات سے منسوب کیا تھا تبھی جلدی سے بیگ اٹھایا۔
"چلیں ٹھیک ہے' اب میں چلتا ہوں' اپنا خیال رکھیے گا۔"
"جی ضرور۔"
عذیر کی ہدایت پر وہ صرف سر ہلا سکی تھی تاہم اس کے کمرے سے نکلنے کے بعد دروازہ لاک کرکے وہ اتنا روئی تھی کہ آنکھوں کے سوتے خشک پڑ گئے تھے۔
شام میں ہلکے ہلکے بخار کے باوجود اس نے خود کھانا بنایا تھا کیونکہ صبح کسی نے بھی ٹھیک سے ناشتا نہیں کیا تھا' دوپہر میں بھی عمیر کے ہاتھ کا بنا سالن کسی نے پسند نہیں کیا' سب بھوکے اور پریشان تھے' نمیر نے مشین لگا رکھی تھی جب کہ عمیر کچن صاف کررہا تھا۔ ساتھ ہی زبیر کو ہوم ورک بھی کروا رہا تھا۔ وہ کچن میں آئی تو سب کی جان میں جان آئی تاہم اس کی خرابیِ طبیعت کے باعث عمیر نے اسے کچن سے نکالنے کی کوشش کی تھی مگر وہ نہ مانی تبھی وہ اس کی مدد کروا رہا تھا' چکن کڑاہی کے ساتھ چکن بریانی' سلاد اور رائتہ بنا کر اس نے ٹیبل پر لگایا پھر چائے بنائی' سب کھانا کھا کر اور اس کی بے حد تعریف کرکے اپنے اپنے کمروں میں گھس گئے تو وہ زبیر کو سلانے چلی آئی' دماغ جیسے فریز ہوکر رہ گیا تھا' نمیر اور عمیر کی گفٹ کی چیزیں سامنے ہی میز پر رکھی تھیں اس کی پلکیں پھر بھیگنے لگیں۔
بارش ابھی بھی ہورہی تھی۔ عذیر تقریباً گیارہ بجے کے قریب آفس سے واپس آیا تو اچھا خاصا بھیگ چکا تھا۔ حورعین ابھی زبیر کو سلا کر فارغ ہوئی تھی' عذیر کپڑے تبدیل کرنے کے بعد ڈائننگ ٹیبل پر آ گیا' کھانا بے حد لذیذ بنا تھا اور کچھ اسے بھوک بھی بہت لگی تھی' سو چپ چاپ رغبت سے کھاتا رہا' اپنی ماں کے بعد پہلی بار اسے کسی عورت کے ہاتھ کا بنا کھانا پسند آیا تھا سو آج کل وہ ہوٹلز کو نظر انداز کرکے زیادہ تر گھر پر ہی کھانا کھانے کو ترجیح دیتا تھا۔
حورعین اس کے کھانے سے فارغ ہونے تک گرما گرم چائے کا کپ بنا کر لے آئی' اس کی آنکھیں اس وقت بے حد سرخ ہورہی تھیں' عذیر نے پہلا سپ لیا تھا جب وہ اس کے مقابل بیٹھتے ہوئے بولی۔
"آپ نے وعدہ کیا تھا اگر میرا پراپرٹی والا مسئلہ حل ہوگیا تو میں واپس اپنے گھر جاسکتی ہوں۔"

"ہوں۔" بے اختیار چونک کر عذیر نے اسے دیکھا تھا۔
"میں کل صبح ہی اپنے گھر واپس جانا چاہتی ہوں۔" سپاٹ چہرے کے ساتھ فیصلہ سنانے میں اس نے ایک لمحے کی تاخیر بھی نہیں کی تھی۔ عذیر ہکا بکا سا اس کا منہ دیکھتا رہ گیا تھا۔
"یہ کیا کہہ رہی ہیں آپ؟"
"کیوں...... میں نے کچھ غلط تو نہیں کہا۔ ہمارے درمیان یہی ڈیل طے ہوئی تھی اور میں نہیں سمجھتی کہ آپ اپنی زبان سے مکر سکتے ہیں۔"
"ایسی کوئی بات نہیں ہے مگر آپ اکیلی وہاں اتنے بڑے گھر میں کیسے رہیں گی؟"
"رہ لوں گی مجھے عادت ہے اکیلے رہنے کی' آپ پریشان نہ ہوں۔"
"وہ ٹھیک ہے مگر دادی ماں کے آنے کا انتظار تو کر لیں وہ کیا سوچیں گی کہ آپ کیوں چلی گئیں۔"
"یہ آپ کا مسئلہ ہے کہ آپ انہیں کیسے مطمئن کرتے ہیں۔ میں نہیں چاہتی کہ آپ اور آپ کے گھر والے میرے وجود کے عادی ہو جائیں اتنے عادی کہ پھر میرے بغیر رہ ہی نہ سکیں۔ آپ جانتے ہیں کہ میں آپ کی منزل نہیں ہوں۔ آپ کا راستا کوئی اور ہے اور میرا راستا کوئی اور ہم دونوں ہی دو علیحدہ علیحدہ راستوں کے مسافر ہیں۔ لہٰذا بہتر یہی ہے کہ ابھی سے اپنی منزل کا تعین کر لیں۔"
اس کے لہجے میں برف جیسی ٹھنڈک تھی۔ عذیر کے لبوں کو جیسے قفل لگ گیا۔ کیا وہ لڑکی واقعی اتنی بے حس اور بے نیاز تھی کہ اسے ان سب کی محبتیں نظر ہی نہیں آ رہی تھیں؟ کیا واقعی وہ اتنی خود غرض تھی کہ مطلب نکلتے ہی اس گھر سے کوچ کر لینے کی ٹھان لی تھی؟ کیا مٹی کے اس ڈھیر سے اس کا عشق اتنا ہی شدید تھا کہ اس سے نکاح کو بھی فراموش کر گئی تھی اس کا دماغ اس لمحے جیسے سن ہو کر رہ گیا تھا۔
اس رات وہ ایک پل کے لیے بھی نہیں سو سکا تھا۔ کروٹیں بدل بدل کر تھک گیا تھا سر میں اتنا درد تھا کہ کسی کروٹ قرار نہیں آ رہا تھا کتنی مشکل سے اس کا گھر سیٹ ہوا تھا اور اب سب کچھ پھر بکھرنے جا رہا تھا۔
بیڈ کے دوسرے کنارے پر لیٹی حورعین بھی جاگ رہی تھی مگر اس کا رت جگا عذیر پر عیاں نہیں تھا۔ صبح فجر کی نماز کے بعد وہ سویا تھا۔ دوبارہ ساڑھے آٹھ بجے کے قریب آنکھ کھلی تو حورعین کمرے میں نہیں تھی وہ سمجھا وہ پھر قبرستان گئی ہوگی۔ تبھی بے دلی سا واش روم میں گھس گیا اندر کہیں اسے خود پر غصہ بھی آ رہا تھا کہ کیوں اسے قبرستان جانے کی اجازت دی۔ باتھ سے فارغ ہو کر کمرے سے باہر آیا تو سامنے ہی ڈائننگ ٹیبل کے قریب حورعین اس کی طرف پیٹھ کیے کھڑی تھی اور عمیر اس سے کہہ رہا تھا۔
"آپ جانتی ہیں آپی ہم سب آپ سے بہت پیار کرتے ہیں۔ زبیر تو آپ کے بغیر رہنے کا تصور بھی نہیں کر سکتا۔ پھر آپ ہمیں چھوڑ کر کیسے جا سکتی ہیں اگر آپ ہم میں سے کسی سے ناراض ہیں تو میں سب کی طرف سے معافی مانگتا ہوں' پلیز۔"
"وہ تو تم مانگو گے عمیر' کیونکہ مفت کے غلاموں کو کون ہاتھ سے جانے دیتا ہے ویسے بھی اب میں کروڑوں کی جائیداد کی مالک ہوں۔ لہٰذا محبت نہ بھی ہوئی تب بھی شو تو کرنی پڑے گی نا' اب بہتی گنگا میں ہاتھ دھونے کی خواہش کس کی نہیں ہوتی۔" لفظ نہیں تھے کوئی چابک تھے جو عذیر اور عمیر دونوں کو اپنی کمر پر پڑتا ہوا محسوس ہوا تھا صد شکر کہ ابھی باقی لوگ بیدار نہیں ہوئے تھے وگرنہ نجانے ان کے دلوں پر کیا بیتتی؟ کیا واقعی اس لڑکی کے پاس ان کی محبت اور خلوص کی یہی قدر تھی؟ دکھ کی شدت سے اس کی آنکھوں کے گوشے نم ہو گئے تھے تاہم خود پر ضبط کرتے ہوئے وہ آگے بڑھا تھا اور حورعین کے سامنے آ کھڑا ہوا تھا۔
"آپ اپنی تیاری کر لیں' میں آفس جانے سے پہلے آپ کو آپ کے گھر ڈراپ کر دیتا ہوں۔" حورعین کو اندازہ نہیں تھا کہ وہ پیچھے کھڑا ہوگا تبھی شاید وہ چونکی تھی۔
"جی ٹھیک ہے۔" آزردہ سی سر ہلا کر وہ کمرے میں گھس گئی تھی۔ عذیر' عمیر کے دھواں دھواں سے چہرے پر ایک نظر ڈالنے کے بعد آگے بڑھ گیا۔ حورعین کمرے میں آ گئی سارا سامان یونہی بکھرا پڑا تھا۔ اس نے بیگ میں نمیر اور عمیر کے تحفے ڈالے سارا کمرا اسمیٹا اور چادر لے کر چپ چاپ کمرے سے باہر نکل آئی صد شکر ابھی زبیر بیدار نہیں ہوا تھا۔

آج کی رات سازِ دردنہ چھیڑ
دکھ سے بھرپور بدن تمام ہوئے
اور کل کی خبر کسے معلوم؟
اب نہ دہرا فسانہ دردالم
اپنی قسمت پر سوگوار نہ ہو
فکر فردا اتار دے دل سے
عمر رفتہ پر اشکبار نہ ہو
عہد غم کی حکایتیں مت پوچھ
ہو چکیں سب شکایتیں مت پوچھ
آج کی رات سازِ دردنہ چھیڑ

عذیر اسے اس کے محل کے سامنے اتار کر باہر سے ہی چلا گیا تھا۔ حورعین نے خود بھی اسے اندر آنے کی دعوت نہیں دی تھی۔ وہ بالکل چپ اور ساکت تھی بے جان ہاتھوں سے مین گیٹ کا لاک کھول کر جس وقت وہ اندر داخل ہوئی اس کے پاؤں من من کے بھاری ہو رہے تھے سارے گھر پر جیسے سکتہ چھایا تھا۔ محل جیسے گھر میں بدروح بنی تنہائی اس کا دل چیرے جا رہی تھی۔
وہ سارے گھر پر سرسری سی ایک نظر ڈالنے کے بعد لاؤنج میں صوفے پر پاؤں سمیٹ کر بیٹھ گئی۔ آنسو تھے کہ بنا رکے بہتے چلے جا رہے تھے۔ جانے زبیر نے اٹھنے کے بعد کیا ہنگامہ کیا ہوگا؟ جانے دادی ماں اور سمیر نے اس کے یوں چپ چاپ چلے آنے پر کیا رائے قائم کی ہوگی؟ سوچیں تھیں کہ ناگ بن کر ڈس رہی تھی۔
بہت دن لگے تھے اسے خود کو سنبھالنے میں اور وہ سنبھل گئی تھی مگر...... عذیر کے گھر کی یادیں ہزار کوشش کے باوجود اس کے دل و دماغ سے نکلنے کو تیار ہی نہ ہوتی تھیں۔ بار بار زبیر کا چہرہ نگاہوں کے حصار میں آتا اور نین کٹورے چھلک پڑتے' عذیر نے اس کے اس گھر میں آنے کے اگلے ہی دن ایک کل وقتی ملازمہ کا بندوبست کر کے اسے وہاں بھجوا دیا تھا۔ حورعین نے آفس جوائن کیا تو پیچھے کی تسلی ہو گئی۔
تسکین نامی وہ لڑکی بہت اچھی اور صاف ستھری اور قابل بھروسہ لڑکی تھی۔ عذیر کے احسانات کے بنڈل میں ایک اور احسان کا اضافہ ہو گیا تھا۔ جب سے حورعین اس کے گھر سے آئی تھی جیسے خانہ جنگی کا سا سماں پیدا ہو گیا تھا۔ سب اس سے ناراض تھے کہ اس نے حورعین کو کیوں جانے دیا۔ فی الوقت عمیر نے اس کا بھرم رکھ لیا تھا کہ یہ کہہ کر حورعین کی فیملی میں کوئی مسئلہ ہو گیا ہے لہٰذا ان لوگوں نے ایمرجنسی ایبروڈ بلوا لیا۔ مگر سب اپنی اپنی جگہ بے حد پریشان تھے۔ سب کی عادتیں بگڑ چکی تھیں۔ دوبارہ سے اسی روٹین پر آنا سب کے لیے ہی بے حد مشکل تھا۔
دادی ماں گاؤں سے واپس آئیں تو گھر کا نقشہ ہی بدلا ہوا تھا۔ زبیر تیز بخار میں پھنک رہا تھا نمیر نے مشین لگا رکھی تھی مگر اس کی جھنجلاہٹ اور غصہ دیکھنے سے تعلق رکھتا تھا۔ نمیر پیاز کاٹ رہا تھا مگر ساتھ ہی اس کی سمیر اور عمیر سے تو تو میں میں بھی چل رہی تھی۔ عمیر البتہ چپ تھا چپ چاپ بیٹھا ٹی وی دیکھتے ہوئے وہ جیسے سب کے اشتعال کو ہوا دے رہا تھا۔ وہ ہکا بکا ہی تو رہ گئی تھیں۔ عذیر رات گئے آفس سے واپس آیا تو بے حد تھکا ہوا تھا۔ ابھی اس نے جوتے بھی نہیں اتارے تھے کہ دادی اماں اس کے کمرے میں چلی آئیں۔
"عذیر۔"
"ارے دادو آپ آپ کب آئیں؟"
"مجھے چھوڑ...... تو یہ بتا حورعین کب واپس آ رہی ہے؟" اس کے چونک کر اٹھنے پر انہوں نے فوراً دوٹوک لہجے میں پوچھا تھا۔ عذیر بے ساختہ نظر چرا گیا۔
"پتا نہیں دادو' میرا رابطہ نہیں ہو رہا ہے اس سے۔"
"یہ کیا بات ہوئی ارے بیوی ہے وہ تمہاری' تمہیں رابطے میں رہنا چاہیے اس کے ساتھ' دیکھو ناں سارا گھر کیسے الٹ پلٹ ہوا پڑا ہے۔ ایسی بھی کیا ایمرجنسی ہو گئی تھی کہ دادی کے آنے کا انتظار بھی نہ کیا تم نے۔ ادھر زبیر کو دیکھو اس کے لیے رو رو کر بخار چڑھا لیا ہے اس نے اترنے کا نام ہی نہیں لے رہا۔"
"میں بات کروں گا دادو آپ پریشان نہ ہوں۔"
"کیسے پریشان نہ ہوں' سارا گھر میدان جنگ بنا ہوا ہے۔ کہیں کوئی چیز بھی ٹھکانے پر نہیں مل رہی آج بھی سمیر کا جھگڑا ہو گیا تھا نمیر سے' گھر چھوڑ کر چلا گیا ہے وہ اسی کے لیے ابھی تک دل ہول رہا ہے۔ پتا نہیں کہاں گیا ہوگا وہ۔" دادو نے اتنی رات گئے تک جاگنے کی وضاحت کر دی تھی۔ وہ گہری سانس بھر کر رہ گیا۔
"کہیں نہیں گیا ہوگا دادو' یہیں ہوگا اپنے کسی دوست کے پاس آپ جانتی تو ہیں اسے پلیز پریشان مت ہوں آ جائے گا کل صبح۔" پاؤں کو جوتوں کی قید سے آزاد کرنے کے ساتھ ہی دادی ماں کو تسلی دیتا وہ زبیر کے کمرے کی طرف چلا آیا تھا۔ جہاں وہ تیز بخار میں مدہوش صرف حورعین کو پکارے جا رہا تھا۔
پھول سا چہرہ کملا کر زرد پڑ گیا تھا۔ عذیر کا دل جیسے کسی نے مٹھی میں جکڑ لیا بھلا اس معصوم کا کیا قصور تھا کہ اسے ایسے سزا دی جاتی؟ ایک مرتبہ پھر حورعین کا چہرہ اس کے تصور میں آیا اور اس نے بے زاری سے سر جھٹک دیا۔ وہ لڑکی اس قابل بھی نہیں تھی کہ اسے تصور میں بھی یاد کیا جاتا۔ سوچا ہی جاتا' کتنی آسانی

سے وہ اسے اور اس کے گھر والوں کو بے وقوف بنا کر وہاں سے کوچ کر گئی تھی۔ کتنی آسانی سے اس نے اس کی شرافت اور اس کے گھر والوں کے بے لوث پیار کو لالچ کا نام دے دیا تھا۔

وہ جب جب بھی اس کے الفاظ کے بارے میں سوچتا تھا اس کا سر پھٹنے لگ جاتا۔ کتنی چالاک لڑکی تھی کہ سارے گھر کو اپنا عادی بنا کر چپکے سے چھوڑ گئی تھی اس کا بس نہ چلتا تھا وہ اس کے سامنے آئے اور اسے خوب کھری کھری سنا کر دل کی بھڑاس نکال لے۔

کچھ اسی طرح کے جذبات عمیر کے بھی تھے جسے وہ بے حد عزیز ہو گئی تھی۔ صرف اس کے بھرم کے لیے اس نے ابھی تک گھر کے کسی فرد کو اس کی حقیقت نہیں بتائی تھی۔ صرف اس کے تحفظ کے لیے اسی نے عذیر کو طلاق دینے سے روک رکھا تھا۔ ورنہ زبیر کا حال دیکھنے کے بعد وہ اس سے کسی قسم کا کوئی تعلق رکھنا نہیں چاہتا تھا۔

سمیر اور نمیر چونکہ حقیقت سے بے خبر تھے لہٰذا وہ اسے خوب یاد کر رہے تھے۔ عذیر آفس سے تھکا ہوا آتا تو گھر میں صرف اسی کا تذکرہ چل رہا ہوتا تھا۔ دادو کے پاس بھی سوائے اس کی تعریفوں کے اور کچھ کہنے کے لیے نہیں تھا۔ وہ بے زار سا چڑ کر اٹھ جاتا۔ اس وقت بھی وہ زبیر پر جانے کیا کیا پڑھ کر پھونک رہی تھیں۔ وہ انہیں آرام کی تلقین کرتا زبیر کو اٹھا کر اپنے کمرے میں لے آیا تھا۔

رات بھر ٹھنڈی پٹیاں کرنے کے باعث اگلے روز زبیر کی طبیعت کچھ بہتر تھی [illegible] قدرے مطمئن سا آفس چلا آیا تھا۔

☆......☆☆......☆

سمیر نے اس شام کھانا باہر سے منگوالیا تھا۔ نمیر اور عمیر نے اس سے معذرت کر لی تھی وجہ صرف زبیر کی طبیعت اور عذیر کی اذیت تھی۔ کھانے سے فارغ ہونے کے بعد وہ تینوں ٹی وی لاؤنج میں آئے تو کوئی سیاسی پروگرام چل رہا تھا تبھی عمیر نے پوچھا تھا۔

"یار تم لوگوں کو کیا لگتا ہے۔ یہ ہمارے نیوز چینل واقعی پاکستانی ہیں؟"

"ہاں بظاہر...... عملاً نہیں۔" عمیر نے فوراً سے پیشتر جواب دیا۔

"کیوں اب کیا کر دیا بے چارے چینل والوں نے؟" سمیر فریج سے کینو نکال لایا تھا وہی چھیل رہا تھا۔ عمیر نے بھی ایک کینو اٹھا لیا۔

"اب سے کیا مراد ہے آپ کی؟"

"میرا مطلب ہے جتنی ان کو اوپر سے اجازت ملی ہے اتنا تو دکھاتے ہی ہیں۔"

"کیا دکھاتے ہیں؟ یہ کہ فلاں سیاست دان کو فلاں سے کیسے لڑایا۔ فلاں کی کیسے سپورٹ کی اور فلاں کو کیسے زمین چٹائی یا پھر یہ کہ وینا ملک نے انڈیا میں کیا کیا۔ شاہ رخ کی نئی فلم کون سی آئی ہے مادھوری کی کیا مصروفیات ہیں۔ امریکا پاکستان کا کتنا خیر اخواہ اور سچا دوست ہے۔ افغانستان اور دنیا بھر کے سچے مجاہد کتنے بڑے دہشتگرد اور دنیا کے امن کے لیے خطرہ ہیں یا پھر یہ دکھاتے ہیں کہ ہمارے ملک کی سرحدوں کے اندر ڈرون سے مرنے والے سب لوگ کتنے برے تھے۔ کتنے بڑے دہشت گرد تھے۔" عمیر اچھا خاصا جذباتی ہو گیا تھا۔

"میں جھوٹ نہیں کہہ رہا مگر یہ سچ ہے کہ ماضی کے حکمرانوں کے ساتھ ساتھ ہمارے میڈیا نے بھی ساری دنیا میں ہمارا سر شرم سے جھکانے میں کوئی کسر نہیں چھوڑی۔ کتنی ایسی حقیقتیں ہیں جو منظر عام پر آنی ضروری ہیں مگر...... پس پردہ وہ جانے کون سی ایسی مجبوریاں ہیں۔ جس نے ان کے ہاتھ باندھ رکھے ہیں۔" جذباتی ہونے کے ساتھ ساتھ وہ بے حد آزردہ بھی تھا۔ نمیر نے اس کے کندھے پر ہاتھ رکھ دیا۔

"صحیح کہہ رہے ہو اسی لیے میں نے تو ٹی وی دیکھنا ہی چھوڑ دیا ہے۔ جہاں تک میرا خیال ہے کسی بھی ملک کی معاشرت میں اس کے میڈیا کا کردار بہت اہم ہوتا ہے مگر افسوس یہ سعادت ہمیں نصیب نہیں جبکہ دوسری طرف ہمارے پڑوسی ملک کے میڈیا کو دیکھ لو۔ خبروں کے ذریعے یہ ساری دنیا سے جنگ کر رہے ہوتے ہیں۔ مجال ہے جو معمولی سی نفع نقصان کی خبر بھی ان کی نظر سے چوک جائے۔ مگر یہاں ساری مسلم دنیا میں پاکستان سمیت آگ لگی ہوئی ہے اور ہمیں پھر بھی شاہ رخ اور مادھوری کی فکر ستائے جا رہی ہے۔"

"بس یار جہاں آوے کا آوا ہی بگڑا ہوا ہو وہاں شور مچانے سے بھی کچھ حاصل نہیں تم سناؤ وہ مصری صدر کا معاملہ کچھ حل ہوا کہ نہیں؟"

"کیسے حل ہو سکتا ہے کس نے کرنا ہے حل۔" سمیر کے پوچھنے پر عمیر نے تیکھے چتونوں سے اس کی طرف دیکھا تھا۔

"وہ صدر مرسی ہے بشار الاسد نہیں جو ملکی عوام کی خون کی

ندیاں بھی بہادے تو کوئی اس پر انگلی اٹھانے والا نہیں۔ عظیم سے عظیم تر صحابہ کی بے حرمتی کروا کر ان کے مبارک مزاروں سے مبارک اجسام نکلوا کر غائب کروادے تو کوئی پوچھنے والا نہیں سنی مسلمانوں کو چن چن کر ان کے گھروں کے اندر ہی جلا کر بھسم کردے تو کوئی مسلمان حکمران اسے اوف نہیں کہہ سکتا۔ ابھی رات ہی دیکھ رہا تھا میں اس کی بدبخت افواج نے مجاہدین پر فاسفورس بم برسا کر انہیں شہید کر کے حضرت خالد بن ولیدؓ کے مزار مبارک کا بیشتر حصہ جلا کر شہید کردیا۔ اس سے پہلے حضرت حجر بن عدی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے مزار مبارک کو شہید کر کے ان کے جسم مبارک کو قبر سے نکال کر جانے کہاں منتقل کردیا۔ میں نے خود اپنی آنکھوں سے ان کا شہید مزار اور چہرہ مبارک دیکھا ہے فیس بک پر...... جبکہ صدر مرسی اللہ اور اس کے پیارے رسول محمد صلی اللہ علیہ وسلم کا پیروکار ہے۔ اس کا جرم وہ بیان ہے جو اس نے اقوام متحدہ میں کانفرنس کے دوران مسلمانوں کے حق میں دیا تھا اور یہ کہا تھا کہ ہم صرف اسی کی عزت کریں گے جو ہمارے پیارے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی عزت و حرمت کا خیال رکھے گا ان کی شان میں گستاخی کرنے والوں سے ہماری کھلی جنگ ہے۔ اس کا دوسرا جرم یہ تھا کہ اس نے مصر کی سرحدیں دہشت گردی کی شکار فلسطینی ریاست کے لیے کھول دی تھیں۔ بنگلہ دیش کی طرح بھارت کے حکم پر ان کے لہولہان اجسام پکڑ کر دوبارہ اسرائیلی فوج کے سپرد نہیں کیے۔ جس طرح بنگلہ دیش کی افواج نے برما کے مظلوم مسلمانوں کے ساتھ کیا۔ اسی لیے تو ایک سال بعد ہی بھاری اکثریت سے کامیابی کے باوجود فوج ان کے اقتدار پر قابض ہوگئی۔"

"ہوں سنا ہے فوج کے کچھ بڑے بڑے مگرمچھوں کے اثاثے بھی بے نقاب کر کے وہ پیسے ملکی معیشت کے لیے وقف کیے تھے مرسی صاحب نے۔"

"ہوں، شاید یہ وجہ بھی تھی بہرحال امریکا اور اسرائیل کی تو چاندی ہوگئی ہے۔ چن چن کر آپس میں لڑوا لڑوا کر مسلمانوں کو بے موت مروائے جارہے ہیں۔"

"ہوں اور پھر بھی یہ خواہش ہے ان کی کہ کہیں کوئی بغاوت سر نہ اٹھائے ان کے خلاف، مسلمانوں کے بچے بچے کو مروا کر، ہمارے صحابہ کی بے حرمتی کر کے ہماری عورتوں کی عزتیں پامال کر کے یہ چاہتے ہیں کہ ہم ان سے نفرت کا اظہار بھی نہ کریں۔ کیسی مضحکہ خیز خواہش ہے ان کی۔"

"صحیح کہہ رہے ہو یار جو حاکم اپنے ملک کے شہریوں کو جان اور مال کا تحفظ ہی نہ دے سکے اس کی حکمرانی سے بہتر ہے بندہ کسی جنگل میں جا کر رہ لے۔" نمیر نے کہا تھا اور سمیر نے اس کی تائید میں سر ہلا کر دوسرا کینو اٹھا لیا تھا۔

"میں تو کہتا ہوں منتخب حکومت کو ایسا قانون بنانا چاہیے کہ فوج اقتدار میں آ ہی نہ سکے۔"

"اچھا اور اگر جمہوری منتخب حکومت خود ہی اچھی نہ ہو پھر......؟"

"پھر بھی جمہوریت کی ایک دن کی زندگی فوج کی سو سالہ حکومت سے بہتر ہے۔" سمیر کے پھر پر اس نے مزاحیہ انداز میں اپنا موقف پیش کیا تھا۔

"یار سچ پوچھو تو میرا دل شام اور مصر کے حالات پر بہت دکھی ہے۔ اسلام پسندوں کی حکومت کو ووٹ سے قبول نہ کر کے مسلمانوں کو تلوار اٹھانے پر مجبور کردیا جاتا ہے اور پھر انہیں دہشت گرد کا خطاب بھی دے دیا جاتا ہے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تھا جب اہل شام ہلاک ہوجائیں گے تو میری امت میں خیر نہ رہے گی۔ اب تم بتاؤ مسلمان کریں تو کیا کریں؟ جن بچوں کے باپ بے قصور ان کی آنکھوں کے سامنے شہید ہورہے ہیں جن کی ماؤں، بہنوں، بیٹیوں کو سرعام بے آبرو کیا جارہا ہے جن کے گھر تباہ کیے جارہے ہیں کیا یہ کل کو ہتھیار نہیں اٹھائیں گے؟ اگر ایک سینٹر میں چند سو مرنے والے افراد کا بدلہ لاکھوں مسلمانوں کو گاجر مولی کی طرح کاٹ کر پاؤں تلے کچل کر لیا جارہا ہے تو کل کو یہ لوگ کیسے اپنے پیاروں کی موت پر خاموش بیٹھ جائیں گے۔ رشتوں کی آگ تو ایک جیسی ہی ہوتی ہے۔" سمیر کے چینل تبدیل کرنے پر عمیر نے بے حد سنجیدہ انداز میں کہا تھا۔

"چپ کرو عمیر، تم نے سنا نہیں دیواروں کے بھی کان ہوتے ہیں۔ کسی نے سن لیا ناں تو ایک سیکنڈ سے پہلے تم پر طالبان کے کسی گروہ کا ساتھ ہونے کا الزام لگا کر ملک بدر کردیں گے۔" اس بار نمیر نے عمیر کی طرف جھکتے ہوئے طنزیہ لہجے میں کہا تھا۔ سمیر کے لبوں پر بھی مسکراہٹ بکھر گئی۔

"کردیں، میں نہیں ڈرتا ان دنیاوی خداؤں سے "سپر پاور" صرف میرے رب کی ذات ہے اور میں صرف اس کی طاقت کو مانتا ہوں۔ بے شک اس کی طاقت کے سامنے یہ دنیا کے پہاڑ بھی چیونٹی کے برابر نہیں۔ تم نے دیکھا نہیں کیسے میرا رب

سمندر کی بانہیں کھولتا ہے اور چلتے پھرتے لوگ بلند عمارتوں سمیت اس میں غرق ہوجاتے ہیں۔ زمین کا سینہ پھٹتا ہے اور دیکھتے ہی دیکھتے چند لمحوں میں ہزاروں لوگ اس کی پناہ میں سما جاتے ہیں یوں کہ جیسے کبھی دنیا میں آئے ہی نہیں تھے۔ بے شک ہر ظالم کے سامنے اس کے ظلم پر آواز اٹھانا ایمان کی نشانی ہے پیارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد مبارک ہے اور تم میں سے جو ظلم ہوتا دیکھے اسے ہاتھ سے روکنے کی کوشش کرے ہاتھ سے نہ روک سکے تو زبان سے روکے۔ زبان سے بھی نہ روک سکے تو کم از کم اپنے دل میں ضرور برا جانے مگر یہ کمزور ترین ایمان کی نشانی ہے۔"

"ہوں، بے شک۔" سمیر نے تائید میں سر ہلایا تھا۔ تبھی اسکرین پر نیوز میں نمیر کی نظر صدر مشرف پر جا پڑی۔

"لو بھئی، آگئے آپ کے لیڈر صاحب اسکرین پر۔" کینو کی پھانک منہ میں ڈالتے ہوئے وہ مسکرایا تھا۔ جواب میں سمیر نے گھور کر اسے دیکھا۔

"یار تم لوگوں کو خوامخواہ اس شریف انسان پر تنقید کرنے کی عادت ہوگئی ہے۔ بس، ورنہ حقیقت کی نظر سے دیکھا جائے تو یہ شخص اتنا برا لیڈر بھی نہیں تھا۔"

"اچھا کوئی کسر تھی جو ابھی رہ گئی تھی؟" نمیر نے کینو سائیڈ پر رکھ کر ریموٹ اٹھا لیا۔ تبھی سمیر بولا تھا۔

"جسٹ شٹ اپ یار، تم لوگوں کو پتا نہیں ہے اس شخص نے پاکستان کے لیے کیسے کیسے جرأت مندانہ فیصلے کیے تھے۔ نائن الیون کے بعد جس وقت امریکا نے پاکستان کو دھمکی دی تھی کہ یا راستہ دو یا جنگ کرو اس وقت اسلام آباد پر کتنی گھبراہٹ طاری تھی۔ کیا تھا اس وقت پاکستان کے پاس۔ میزائل ٹیکنالوجی تک ڈیولپ نہیں تھی۔ نیوکلیئر ہتھیاروں کے لیے کوئی ڈیلیوری سسٹم نہیں تھا۔ اگر صرف جنگی جہازوں کی بات کی جائے تو پاکستان کے پاس صرف سات سو یا آٹھ سو جنگی جہاز تھے امریکا اور اس کے اتحادیوں کے پاس تقریباً تیس ہزار کے قریب جنگی جہاز تھے۔ جو ایف سولہ کے لڑاکا طیارے ہم نے امریکا سے لیے تھے وہ بھی امریکا کی نظر میں کافی پرانے ہوچکے تھے۔ ہماری فوج جتنی بھی بہادر سہی مگر وہ زمین پر کیا کرلیتی؟ زیادہ سے زیادہ ہم ان کے کچھ جنگی جہاز مار گراتے اور بس تم لوگوں کو نہیں پتا اس وقت کیا صورت حال تھی روس اور چین شدت سے چاہتے تھے کہ امریکا افغانستان کی دلدل میں اترے اسی لیے پہلی بار اس معاملے میں چین پاکستان سے پیچھے ہٹ گیا تھا۔ انڈیا اور اسرائیل مسلسل امریکا کو پاکستان پر حملے کی دعوت دے رہے تھے۔ بلکہ انڈیا نے تو اس معاملے میں اپنے مکمل تعاون کا یقین بھی دلایا تھا پاکستان پر اس وقت ایک ایسی جنگ مسلط کی جارہی تھی جس میں کروڑوں پاکستانیوں کی اموات یقینی تھی۔"

"واہ...... یعنی ہم نے اپنی جانیں بچانے کے لیے اپنے معصوم افغانی بھائیوں کے سر تحفتاً پیش کردیے واہ......!"

"فضول بکواس مت کرو نمیر، افغانستان کے پاس اس وقت کھونے کے لیے کچھ نہیں تھا۔ یہاں تک کہ پورے افغانستان میں آٹے کی ایک مل بھی نہیں تھی۔ کل چھ جنگی ہیلی کاپٹر تھے جو اس وقت افغانستان کا کل اثاثہ تھے۔ مگر ان کو اڑنے کا موقع بھی نہیں ملا۔ دوسری طرف پاکستان ایک آبادی والا ایٹمی ملک تھا۔ جس کے پاس نیوکلیئر ہتھیار ہیں بہت سی صنعتیں ہیں ایک طاقت ور بہادر فوج ہے مگر وہ جنگ میزائل کی جنگ تھی وہاں 1965ء والے حالات نہیں تھے اگر ہم اس وقت کوئی بھی جذباتی فیصلہ کرتے تو پاکستان اور افغانستان دونوں کو نقصان اٹھانا پڑتا کیونکہ اڈے انہوں نے پھر بھی پاکستان کے بجائے افغانستان میں ہی بنانے تھے اور وہیں بیٹھ کر وہ لوگ اہم تنصیبات کو نشانہ بناتے انہوں نے سب سے پہلے نیوکلیئر پلانٹس، موٹرویز، صنعتیں اور فوجی اڈے تباہ کرنے تھے۔ اس کے بعد ہمیں بھارت کے لیے تر نوالا بنا کر اس کے سپرد کردیتے۔ اگر ایسا ہوجاتا تو سوچو آج افغانستان میں امریکا کی جو چیخیں مجاہدین نکلوا رہے ہیں وہ کیسے نکلتیں؟ جنرل صاحب نے حالات کی نزاکت کو دیکھتے ہوئے مشکل فیصلہ کیا۔ بالکل اسی طرح جیسے ماضی میں ہمارے دانش مند بزرگوں نے کیے بظاہر وہ دشمن کی شرائط کے مطابق ہوتے تھے مگر بعد میں ان کا نتیجہ فتوحات کی صورت میں نکلتا تھا۔ اس وقت اگر پاکستان اپنی فوجی طاقت ایک جذباتی فیصلے کی نذر کردیتا تو آج افغانستان میں کوئی جہاد نہ ہوتا نہ ہی پاکستان اس قابل رہتا کہ اکیلے انڈیا سے ہی نپٹ سکے، تم لوگ نہ مانو مگر یہ حقیقت ہے کہ امریکا کی کمر مشرف نے توڑی ہے۔ اس کے دانش مندانہ فیصلے نے توڑی ہے تم دیکھو جب پاکستان نے امریکا کو راستہ دیا تو اس کے ساتھ ہی طالبان کے کئی سرکردہ لیڈر منظر عام سے غائب ہوگئے بمعہ اسامہ بن لادن، بعد میں وہی آرمی کی گود سے برآمد

ہوئے۔ ادھر امریکا نے افغانستان کے پہاڑوں سے سر ٹکرایا‘ مگر بعد میں کچھ ہی عرصے کے بعد طالبان کی مزاحمت شروع ہوگئی اور اب صورتحال یہ ہے کہ اس صلیبی جنگ نے امریکا کی چیخیں نکلوادیں ہیں۔ جس کے نتیجے میں اس کے جنگی اخراجات اتنے بڑھ چکے ہیں کہ معیشت بیٹھنے لگی ہے۔ اس لیے اس نے بہت سی سہولیات اپنی عوام سے واپس لے لیں ہیں جس کی وجہ سے کم از کم 26 ریاستیں اس سے الگ ہونے کی تیاری کررہی ہیں۔“ سمیر اچھا خاصا جذباتی ہوگیا تھا عمیر مسکرادیا۔

”ہوں‘ جیسی کرنی ویسی بھرنی‘ مگر یہ غلط ہے کہ طالبان لیڈرز کو پاکستان نے کسی قسم کی کوئی سپورٹ فراہم کی تھی۔“

”چلو غلط سہی‘ مگر یہ حقیقت ہے کہ امریکا کو راستہ دینے کے ساتھ ہی جنرل صاحب نے دنیا کی تاریخ کی تیز ترین میزائل ڈیولپمنٹ شروع کی۔ امریکا کے افغانستان پر حملے کے فوراً بعد ہر دوسرے تیسرے دن پاکستان ایک نیا میزائل تجربہ کررہا تھا۔ یہاں تک کہ ایک دن جنرل صاحب نے کہہ دیا کہ ہم انڈیا کے علاوہ بھی بہت سے ملکوں کو ہٹ کرسکتے ہیں۔ تم لوگوں کو نہیں پتا اس وقت امریکا میں کیسی تشویش کی لہر دوڑ گئی تھی کہ پاکستان انڈیا کے علاوہ اور کن ملکوں کو ہٹ کرنے کی بات کررہا ہے۔ اسی وقت جنرل صاحب نے فرانس کے ساتھ مل کر آگسٹا آبدوز پراجیکٹ شروع کیا اور اس کی تکمیل کی یہ پراجیکٹ پاکستان کو سیکنڈ اسٹرائیک کیپبلیٹی دیتا ہے۔ مطلب اس میں میزائل فٹ کیے جاسکتے ہیں۔ حالت جنگ میں اگر دشمن آپ پر حملے میں پہل کرکے خدانخواستہ آپ کی ساری ایٹمی تنصیبات تباہ کردے تو آپ دشمن پر سمندر سے حملہ کرسکتے ہیں۔ اگر آپ کا ایک بھی آبدوز سمندر میں پھر رہا ہو تو دشمن کبھی آپ پر حملے کی جرأت نہیں کرسکتا اور الحمدللہ ہمارے اس وقت تین آگسٹا آبدوز سمندروں میں راج کررہے ہیں۔“

”بے شک‘ مگر محترم سمیر صاحب آپ کی معلومات میں اضافے کے لیے عرض ہے کہ آگسٹا آبدوز پراجیکٹ کا منصوبہ بی بی صاحبہ کا تھا۔“

”ہوگا‘ مگر تکمیل کس نے پہنچایا؟ تم دیکھو اس اس وقت ڈاکٹر عبدالقدیر خان پر کتنا دباؤ تھا۔ ساری دنیا میں یہ ثابت ہوچکا تھا کہ ڈاکٹر صاحب نے ایران‘ لیبیا اور شمالی کوریا کو ایٹمی معلومات اور سامان دیا ہے مگر اس کے باوجود جنرل صاحب نے انہیں امریکا کے حوالے نہیں کیا۔ یہی نہیں بلکہ آئی اے ای اے کی ڈاکٹر قدیر کے ساتھ ملاقات کی اپیل بھی مسترد کردی۔ امریکا یا آئی اے ای اے نے ڈاکٹر صاحب کو سزا نہیں دینی تھی بلکہ وہ ان سے اہم نوعیت کی معلومات حاصل کرتے جس سے پاکستان سمیت ایران اور شمالی کوریا کا ایٹمی پروگرام خطرے میں پڑجاتا۔ جنرل صاحب نے ہی مشکل حالات میں اسرائیل کو یہ لارہ دیا تھا کہ پاکستان اسے تسلیم کرلے گا۔ جس پر وہ خوش تھا کیونکہ اگر اسرائیل پاکستان میں اپنا سفارت خانہ بنالیتا تو یہاں تباہی مچادیتا مگر جیسے ہی حالات نرم ہوئے انہوں نے فوراً اسرائیل کو تسلیم کرنے سے انکار کردیا۔ جنرل صاحب نے ہی گوادر پروجیکٹ پر تیزی سے کام شروع کیا جو امریکا کی موت ہے۔ اس پروجیکٹ کی وجہ سے چین کو خلیجی ریاستوں تک امریکی دست برداری سے محفوظ راستا مل جائے گا۔ جنرل صاحب کے دور حکومت میں ہی پہلی بار ایران کے ساتھ ہمارے تعلقات ٹھیک ہوئے اور گیس پائپ لائن کا منصوبہ بنا جس پر انڈیا کو بھی تقریباً قائل کیا جاچکا تھا۔ اگر یہ منصوبہ پایہ تکمیل تک پہنچ جاتا تو یہ پاکستان کی بہت بڑی کامیابی ہوتی۔ کیونکہ بھارت کی تقریباً چالیس فیصد ضروریات اس سے پوری ہوتی تھیں۔ یوں اس کی ایک بڑی کمزوری ہمارے ہاتھ میں ہوتی جب وہ ادھر سے ہمارا پانی بند کرتا تب ہم ادھر سے اس کی گیس بند کردیتے۔ مگر افسوس بعد میں آنے والی جمہوری حکومت نے اپنے جھگڑوں میں پڑکر نہ صرف یہ معاملہ کھٹائی میں ڈال دیا بلکہ امریکا اور عربوں کو خوش کرنے کے لیے یہ باب ہی ہمیشہ کے لیے بند کردیا۔“

”واہ سمیر صاحب واہ‘ وکیل ہو تو کوئی آپ سا واہ......!“ سمیر کی لمبی چوڑی تقریر پر نمیر نے ہاتھ سے اس کا چہرہ چھو کر چومتے ہوئے اس کا مذاق اڑایا تھا تبھی عمیر بولا۔

”گستاخی معاف سمیر بھائی‘ میں آپ کی کسی بات سے اختلاف نہیں کروں گا۔ بے شک آپ کی ساری باتیں صحیح ہیں مگر جیسے کفر کا کلمہ کبیرہ گناہ ہے اس اسی طرح کانسٹی ٹیوشن کو توڑنا بھی گناہ ہے۔ جنرل صاحب نے امریکا کے ساتھ کیا کیا یا کیا کرنا تھا یہ الگ بحث ہے مگر ان کے دور حکومت میں جس طرح سے مساجد پر حملے ہوئے وہ کوئی مسلمان نہیں بھول سکتا۔ اگر ہم کلمہ لاالہ الا اللہ محمد الرسول اللہ کی حدود سے نکل کر دیکھیں تو آپ کی ساری باتیں ٹھیک ہیں لیکن اگر میں اس کلمہ کی حدود میں رہ کر بات کروں تو آپ نے جو کچھ بھی کہا ہے سب غلط ہے۔ سب سے پہلے ہمارا کبیرہ گناہ کہ ہم نے خود اپنے کندھے پیش کیے اپنے ہی مسلمان بھائیوں کو مارنے کے لیے جبکہ ہم جانتے ہیں کہ شیر کی ایک دن کی زندگی گیدڑ کی سو سالہ زندگی سے بہتر ہے۔ اگر وہ لوگ نہتے ہوکر بھی صرف اپنے زور بازو پر اللہ رب العزت کی مدد کے ساتھ امریکا کو ناکوں چنے چبواسکتے ہیں تو ہم کچھ نہ کچھ ہوکر ایسا کیوں نہیں کرسکتے تھے؟ کیا جنگ واقعی صرف ہتھیاروں سے جیتی جاتی ہے؟ اگر ہاں تو پھر وہ کیا تھا جب اندلس کی سرزمین پر طارق بن زیاد صرف تین سو تیرہ سپاہی لے کر اترا تھا اور سامنے ہزاروں فوج اسلحہ سے لیس کھڑی تھی۔ پھر بھی اس مرد مجاہد کا کہنا تھا کہ کشتیاں جلادو‘ کشتیاں جلادو اور ٹھیک ہے اگر آپ کی بات کو صحیح مان بھی لیا جائے کہ اس وقت جنرل صاحب کا فیصلہ درست تھا تو کیا اس فیصلے کے بعد ہزاروں لاکھوں پاکستانی نہیں مرے؟ ٹڈیوں کی طرح ملک عزیز پر چھائی امریکی اور دیگر ممالک کی خفیہ ایجنسیوں نے لاکھوں پاکستانیوں کو خودکش حملوں اور دھماکوں میں نہیں مروایا؟ آپ کیا سمجھتے ہیں اگر ہمارا میڈیا ہر سانحے پر طالبان کی ذمہ داری کی مہر لگا کر دکھا دیتا ہے تو وہی سچ ہوجاتا ہے۔ پچھلے پندرہ سالوں میں وطن عزیز کی سرحدوں کے اندر کتنے معصوم اور بے گناہ لوگ کیا ڈرون حملوں میں نہیں مرے؟ طاقت ور بہادر فوج کے ہوتے ہوئے۔ سرحدوں کے رکھوالوں کی آنکھوں کے سامنے دشمن ڈرون پھینک پھینک کر ملک کے عام معصوم شہریوں کو مار رہا ہے اور یہ مجبور بے بس تماشائی بنے صرف دیکھتے رہ جاتے ہیں میں مانتا ہوں امریکا جب افغانستان میں گھسا تھا تو وہاں کوئی دیوار چین نہیں تھی بلکہ ایک لمبی سرحد تھی جس پر کنٹرول مشکل تھا مگر...... اس طویل سرحد کے اس پار سنگلاخ پہاڑوں کے شہزادے کیا کسی دیوار چین سے کم تھے؟ آپ نہیں جانتے مگر میں جانتا ہوں کہ امریکا کے افغانستان پر حملے کے وقت پاکستان کے تین ایئر بیسز سے چون ہزار جنگی طیارے افغانستان پر بمباری کے لیے اڑے تھیں۔ ڈیلی بیسز پر پندرہ سے بیس ہزار کنٹینر لاجسٹک سپورٹ لے کر افغانستان جاتے رہے جو ڈاکومینٹڈ ہے۔ اسلام آباد کی سات مساجد سیکیورٹی رسک کی بنا پر گرائی گئیں جن میں ایک مسجد جامعہ حمزہ جو ساڑھے سات سو سال پرانی تھی۔ لال مسجد میں لاکھوں بے گناہ بچوں اور بچیوں کو نہایت درندگی کے ساتھ ناحق قتل کیا گیا۔ ان پر سخت گرمی میں بم برسائے گئے گولیاں داغی گئیں رینجرز اور آرمی سے آپریشن کروایا گیا کیوں؟ کیا قصور تھا ان معصوم جانوں کا یہی کہ وہ اپنے اسلامی جمہوریہ ملک میں اسلامی نظام اور اسلام کا نفاذ چاہتے تھے؟ جنرل صاحب کے دور حکومت میں سیکڑوں خفیہ ایجنسیوں کے ساتھ امریکی دہشت گرد تنظیم بلیک واٹر کے دس ہزار لوگ پاکستان آئے۔ انہی کی وجہ سے بلوچستان میں خانہ جنگی ہوئی اور بالآخر آزادی کی تحریک چل پڑی۔ انہی نے مسجدوں کی جگہ امام بارگاہیں بنوائیں‘ پاکستان میں عریانی اور فحاشی کو فروغ دے کر اخلاقی اقدار کا جنازہ نکالا عورت کو غیر ضروری آزادی دے کر زنا بل رضا کو جائز قرار دیا۔ جس نے حق اور شریعت کی بات کی اسے سرعام شہید کروادیا۔ انہی کے دور حکومت میں نا صرف ڈرون حملوں کا سلسلہ شروع ہوا بلکہ خودکش حملوں کی بنیاد بھی رکھی گئی بلوچوں کو علیحدگی کے قریب لاکھڑا کیا۔ کراچی کو گینگ وار کا اڈہ بنادیا۔ ملک کے اندر جاگیرداروں کو ایک ایک ضلع تحفے میں دیا گیا۔ ججز کو نظر بند کیا اور ملک کے منتخب وزیراعظم کو ملک بدر کیا۔ عوام کے بچے بچے کے دل میں آرمی کے لیے نفرت بھردی‘ جمہوری لیڈر بے نظیر بھٹو اور اکبر بگٹی کی موت کا تاریخی تحفہ دیا۔ سی این جی مافیا کو پرموٹ کیا اور جہاں تک ایران کی بات ہے تو آپ کی معلومات میں اضافے کے لیے بتادوں اپنے نو سالہ دور حکومت میں جنرل صاحب نے ایک بار بھی ایران کا دورہ نہیں کیا۔“

”عمیر صحیح کہہ رہا ہے‘ اسی شخص کے دور حکومت میں وطن عزیز کی بہادر اور غیور بیٹی ڈاکٹر عافیہ صدیقی ڈالروں میں بیچی گئی۔ نا صرف عافیہ بلکہ مذہبی نقطہ نظر رکھنے والے سینکڑوں مسلمانوں کو ان کے گھروں سے دن دہاڑے اٹھالیا گیا۔ چند سکوں کے عوض ملکی شہریوں کی منڈی لگا کر انہیں امریکا کے ہاتھوں فروخت کردیا گیا۔ تمام تر قوانین کو پامال کرکے افغانستان کے سفیر کو امریکا کے حوالے کیا گیا۔ آپ کیا سمجھتے ہیں ان سب جرائم کے لیے کیا پاکستانی قوم کبھی انہیں معاف کرسکے گی؟“ اس بار نمیر نے سوال اٹھایا تھا سمیر خاموش بیٹھا لب چباتا رہا۔

”آپ کو نہیں پتا سمیر بھائی‘ افغانستان میں اس وقت بھارت بھی سیکیورٹی کے نام پر اپنے پر پھیلا رہا ہے۔ 107 جاسوسی سینٹر قائم کرچکا ہے۔ وہ وہاں جن میں اس کے قونصل خانے بھی شامل ہیں۔ اب صورتحال یہ ہے کہ بھارت وہاں سیکیورٹی کے نام پر افغانستان کے طالبان اور پاکستان کے

طالبان کو آپس میں لڑانا چاہتا ہے۔ وہ چاہتا ہے کہ افغانستان اور پاکستان کے سرحدی علاقوں کے مابین کشیدگی پیدا کی جائے یوں وہ جنگ جو افغانستان میں لڑی جارہی ہے وہ کھسکتی کھسکتی پاکستان کے قبائلی علاقوں تک آجائے اور یوں پاکستان اور افغانستان ایک دوسرے سے دست وگریبان ہوجائیں۔ امریکا اوراس کے حامیوں کی خواہش ہے کہ آپ کا تباہ حال افغانستان کل کا برباد افغانستان ہو افغانستان اور پاکستان کو دنیا میں کہیں بھی ہمدردی نہ ملے۔ مگر میں آپ کو بتارہا ہوں جب تک ملک کی سیکیورٹی طالبان کو نہیں سونپی جائے گی طالبان کو افغانستان کا شہری تسلیم نہیں کیا جائے گا افغانستان میں امن وسکون بحال نہیں ہوگا۔ یہی صورت حال پاکستان کے لیے بھی بہت ضروری ہے کہ پاکستان کے قبائلی علاقے کے عوام کو اعتماد میں لیا جائے کیونکہ یہ اس خطے کی بہت بڑی حقیقت ہے یہ ہمارے ملک کی طویل سرحدوں کے بلا تنخواہ محافظ ہیں۔ اب بھی اگر ہم نے حقائق کو سمجھنے میں دیر کی تو سانپ اپنا کام کرکے نکل جائے گا اور ہم بس لکیر پیٹتے رہ جائیں گے۔" سمیر گہری سانس بھرتا اٹھ کھڑا ہوا۔

"چلو یار رات بہت ہوگئی ہے اٹھو اب...... صبح مجھے اپنی جاب کے لیے انٹرویو دینے بھی جانا ہے۔" اسے نیند آرہی تھی سمیر کے ساتھ ہی نمیر اور عمیر بھی اٹھ کھڑے ہوئے۔

"جی ٹھیک ہے شب بخیر۔" ٹی وی آف کرکے تینوں اپنے اپنے کمروں کی طرف بڑھ گئے تھے۔ اگلی صبح سمیر نے ذرا جلدی ناشتا بنالیا تھا کیونکہ اسے اپنی جاب کے لیے انٹرویو دینے جانا تھا۔ عذیر نے اسے اپنی کمپنی میں کام کی آفر کی تھی مگر اس نے انکار کردیا تھا لہٰذا اب وہ دوسری بڑی بڑی کمپنیوں میں اپلائی کررہا تھا۔

صبح گھر سے نکلتے ہوئے اس نے سب سے اپنے لیے دعا کرنے کا بھی کہا تھا۔ انٹرویو کے لیے جس وقت اس کا نام پکارا گیا وہ بہت پر اعتماد تھا مگر انٹرویو پینل کے سامنے سیٹ سنبھالنے کے بعد جیسے ہی اس کی نظر سامنے بیٹھی حورعین عبدالسمیع پر پڑی وہ جیسے حیران رہ گیا۔ عمیر اور عذیر کے بقول تو وہ دیار غیر چلی گئی تھی پھر اس وقت وہاں اس کے سامنے کون بیٹھا تھا؟

"ایکسکیوزمی...... میرا خیال ہے میں غلط جگہ پر انٹرویو دینے آگیا ہوں۔" کچھ ہی لمحوں کے بعد کرسی کھسکاتے ہوئے وہ اٹھ کھڑا ہوا تھا۔ حورعین سمیت اس کے دائیں بائیں بیٹھے افسران اس کی حرکت پر حیران ہی تو رہ گئے تھے مگر وہ بنا کسی کی حیرانی کی پروا کیے اس پرشکوہ عمارت سے نکلتا چلا گیا تھا۔

☆......☆☆......☆

سنا ہے اس محبت میں بڑا نقصان ہوتا ہے
مہکتا جھومتا جیون غموں کے نام ہوتا ہے
سنا ہے چین کھوکر بھی
بہت برباد ہوکر بھی
یہ دل اک ضدی سا بچہ سحر سے شام روتا ہے
محبت جو بھی کرتا ہے بہت بدنام ہوتا ہے
سنا ہے اس محبت میں کہیں بھی دل نہیں لگتا
بنا اس کے نگاہوں میں کوئی موسم نہیں جچتا
خفا جس سے محبت ہو وہ جیون بھر نہیں ہنستا
بہت انمول ہے یہ دل اجڑ کر پھر نہیں بستا!

موسم بے حد خوب صورت ہورہا تھا۔

زائر بچوں کو کھیتوں کی سیر کروانے لے آیا۔ دونوں کی رگوں میں اپنے دیہاتی باپ کا خون تھا اسی لیے اپنی مٹی سے محبت ان کے خون میں رچی ہوئی تھی۔ جب سے وہ زائر کے ساتھ گاؤں آئے تھے بے حد خوش تھے۔ ان دو پھولوں کی وجہ سے اس کی ماں اور باپ کی زندگی میں بھی جیسی بہار آ گئی تھی۔

زائر کی فصل بہت اچھی ہوئی تھی مگر ہر سال کی طرح اس کے برابر والے زمیندار کو پھر نقصان اٹھانا پڑا تھا۔ تنگ آ کر اس نے اپنی زمین بہت اچھے داموں پر زائر کے ہاتھ ہی فروخت کردی تھی اور اب اللہ کے فضل سے اس پر پہلے سے بھی زیادہ دھن برس رہا تھا۔ دو سال پہلے اس نے گھر والوں سے چوری شہر میں ایک کنال کا پلاٹ لیا تھا اور اب پچھلے دو سال سے وہاں گھر کی تعمیر ہورہی تھی گھر کیا تھا خوابوں کا محل تھا زائر ملک کے لیے کروڑوں روپے لگ گئے تھے مگر ابھی تک اس کی تعمیر مکمل نہیں ہوسکی تھی۔

کرم دادا سے خوش دیکھ کر بہت خوش تھا۔ مگر اس کے بچے اس سے زیادہ خوش تھے۔ ہلکی ہلکی پڑتی پھوار میں وہ کبھی درختوں پر چڑھتے' کبھی ٹیوب ویل کے پانی میں کود کر ایک دوسرے پر پانی ڈالتے' کبھی فصلوں میں چھپ کر لکا مٹی کھیلتے' کبھی اشتیاق سے کھڑے ہوکر گڑ بنتے ہوئے دیکھتے' کبھی فصل کی چنائی دیکھ کر خوش ہوتے پورا گاؤں ان بچوں سے نہ صرف پیار کرتا تھا بلکہ زائر کی وجہ سے ان کی عزت بھی کرتا تھا۔

زائر کی محنت' دیانت اور شرافت ہی تھی کہ وہ ایک معمولی کسان سے آج اسی گاؤں کا نہ صرف بڑا زمیندار بن گیا تھا بلکہ ان نمبردار بھی نامزد ہورہا تھا۔ پچھلے دنوں بچوں کی سیر وتفریح کے لیے اس نے نئی موٹر سائیکل بھی لے لی تھی۔ مغرب کی اذان سے ذرا سی دیر پہلے وہ گھر واپس آیا تو دونوں بچے تھکن سے بے حال تھے۔

سائرہ نے ہنڈیا بنائی تھی اور اب تندور پر روٹی لگارہی تھی۔ وہ منہ ہاتھ دھوکر بچوں کے ساتھ اماں کی چارپائی پر آ بیٹھا۔

"ابا کی طبیعت اب کیسی ہے اماں؟"

"اللہ سوہنے کا شکر ہے اب تو بھلے چنگے ہیں' تیرے ان دو ننھے منے ڈاکٹروں نے علاج کیا ہے ان کا تو کیوں بھلے چنگے نہیں ہوں گے۔" اماں مسکرارہی تھیں وہ خوش ہوگیا۔

"کچھ پتا ہے کل یہ تیرا چاند اپنے دادا سے کیا کہہ رہا تھا۔" اماں کو اچانک چاند کی بات یاد آ گئی تھی۔

"کیا کہہ رہا تھا؟" تولیے سے چہرہ پونچھ کر زائر نے پھر اماں کی طرف دیکھا۔

"کہہ رہا تھا دادا جی کبوتر پالنے ہیں چھت پر دونوں مل کر اڑایا کریں گے۔" بات مکمل کرنے کے ساتھ ہی وہ دوپٹا منہ پر رکھ کر ہنسنے لگی تھیں۔ زائر کے لبوں پر مسکراہٹ دوڑ گئی۔

"موروثی اثرات بھی تو ہوتے ہیں نا اماں آپ کو یاد نہیں میں دن بھر چھت پر چڑھا سارا سارا دن کبوتر اڑایا کرتا تھا اور آپ ڈانٹتی رہ جاتی تھیں۔"

"ہوں' یاد ہے سب یاد ہے ساری شرارتیں [illegible] تیری۔ مگر بیٹا بھی کچھ کم شرارتی نہیں ہے تیرا۔"

وہ مسکرا مسکرا کر اسے چاند کی شرارتیں بتارہی تھیں۔ زائر نے چاند کو گود میں بھرلیا۔

"زائر پتر۔" اچانک وہ سنجیدہ ہوگئی تھیں۔

"جی اماں۔" وہ بھی سنجیدگی سے ان کی طرف متوجہ ہوا تھا۔

"کچھ بات کرنی تھی تجھ سے۔"

"حکم کریں اماں۔" اس کا دل دھڑکا تھا مگر پھر بھی وہ ان کی طرف متوجہ رہا تھا۔ اماں بھی کچھ دیر خاموش رہنے کے بعد بولی تھیں۔

"کل رشتا آیا تھا ایک سائرہ کے لیے یہ ساتھ والے پنڈ کے ماسٹر فضل الٰہی کا بیٹا ہے اسلم' سلجھا ہوا شریف بچہ ہے گاؤں میں اپنا کریانے کی دکان بھی ہے اس کی۔ پھر اس کی ماں خود چل کر آئی تھی۔ بڑی پسند ہے سائرہ اسے مگر یہ نہیں مان رہی۔ کہتی ہے ساری زندگی آپ کے پاس رہ کر آپ کی خدمت کروں گی اگر کہیں اور شادی کی بات کی تو کچھ کھا کر مرجاؤں گی۔"

"تو...... آپ یہ سب مجھے کیوں بتارہی ہیں؟" ایک پل میں اس کا چہرہ تنا تھا اماں نے نظریں پھیر لیں۔

"تجھ سے نہ کہوں تو کس سے کہوں اور کون ہے میرا اپنا تو ہے تجھے وہ تیرا جوگ لے کر بیٹھی ہے۔ میں اور تیرے ابا بھی یہی چاہتے ہیں کہ وہ یہیں رہ جائے اسی گھر میں۔"

"مگر میں ایسا نہیں چاہتا اماں۔"

"کیوں نہیں چاہتا' تجھے کیا مسئلہ ہے دولت کی ریل پیل ہے' چھڑا چھانٹ ہے۔"

"گھر بسانے کے لیے صرف چھڑا چھانٹ ہونا ضروری نہیں ہے اماں' نہ ہی دولت کی ریل پیل ضروری ہوتی ہے وہ اور دن تھے جب اسی سائرہ کو پانے کے لیے تیرے ترلے کیا کرتا تھا اب وہ دن نہیں رہے اماں نہ ہی وہ دل رہا ہے۔"

"پاگل نہ بن زائر' گھر کی لڑکی ہے دیکھی بھالی ہے دیکھ نہیں رہا تو کیسے سارا گھر سنبھال رکھا ہے تیرا۔"

"نہ سنبھالے مجھے پروا نہیں ہے۔ میں بھی گھر کا لڑکا تھا۔ دیکھا بھالا تھا پیار کرتا تھا اس سے' صرف اسی کے لیے شہر ڈاکہ مارنے گیا تھا۔ وہ بھی اپنی جان ہتھیلی پر رکھ کر مگر پھر بھی اس نے تیرے بیٹے کو ٹھکرادیا تھا۔ اس جرم کے لیے ٹھکرادیا تھا مجھے جس میں میرا کوئی قصور بھی نہیں تھا۔ تو وہ دن بھول سکتی ہے اماں' میرے دل پر لکھے ہیں میں نہیں بھول سکتا۔ اگر اس وقت اس سے حسین سارے گاؤں میں کوئی نہیں تھا تو اب بھی کوئی نہیں ہے۔ میں کل بھی کچھ نہیں تھا آج بھی نہیں ہوں۔ ویسے بھی میری اپنی بیوی ہے بچے ہیں ہمارے درمیان کچھ غلط فہمیاں ضرور ہیں مگر وہ مجھ سے الگ نہیں ہے۔ نہ ہی میں کرنا چاہتا ہوں' پلیز۔" از حد جذباتی ہوتے اس نے دل کی بات کہہ دی تھی۔

سائرہ چپ چاپ کھڑی سنتی رہ گئی۔ تندور میں لگی روٹی جل کر راکھ ہوگئی تھی مگر اسے خبر نہ ہوسکی اگر زائر اپنی ضد کا پکا تھا تو وہ بھی اپنی ضد کی پکی تھی اور یہ زائر کو بھی پتا تھا کہ وہ جس بات کی ضد کرلیتی تھی اسے پھر حاصل کرکے ہی رہتی تھی۔

زائر چھت پر جاچکا تھا وہ پرسوچ انداز میں تندور کے اوپر کھڑی جانے کیا کیا پلان بناتی رہی۔

☆......☆☆......☆

ثانیہ عباس اشعر حسن کے ساتھ گاؤں سے شہر شفٹ ہوچکی

تھی۔ زائر ملک اگر بچوں کو اس سے چھین کر اسے کمزور ہوتا دیکھنا چاہتا تھا تو وہ کبھی بھی اس کی یہ خواہش پوری کرنے والی نہیں تھی۔

اشعر نے اس کے لیے بہت اچھا گھر ہائیر کیا تھا۔ آفس بھی بہت اچھی جگہ پر سیٹ کیا گیا تھا۔ وہ بہت خوش تھی اور خوش کیوں نہ ہوتی اشعر اس کی ہر فرمائش ہونٹوں سے نکلنے سے پہلے پوری کرتا تھا۔ اس کی ہر خوشی اور کامیابی میں وہ اس کے ساتھ ساتھ تھا۔ ثانیہ کو حیرت ہوتی تھی بھلا اس کی بیوی زنیرہ نے اتنے اچھے انسان کی قدر کیوں نہیں کی تھی۔ مگر اگلے ہی پل اسے اپنا خیال آتا تو دکھ سے مسکرا دیتی۔

وہ بھی تو بہت اچھی تھی۔ اپنے آپ کو مٹی بنا لیا تھا۔ اس نے زائر ملک کے لیے جس رنگ میں اس نے ڈھالنا چاہا اسی رنگ میں ڈھل گئی تھی پھر بھی...... پھر بھی وہ اس کی وفا نہیں پا سکی تھی۔ کیا کیا زیادتیاں نہیں کی تھیں اس شخص نے اس کے ساتھ کس کس انداز میں نہیں ستایا تھا۔ مگر پھر بھی وہ اسے دل و دماغ سے نکال نہیں پائی تھی۔

اگر اتنی وفا کے باوجود وہ بے مراد تھی تو اشعر حسین کو مراد کیسے مل سکتی تھی کم عقلی ہی اسے اشعر حسین پر بڑا ترس آیا تھا اور خود پر بے پناہ غصہ بھی۔ کیوں اس نے کیوں اسے ٹھکرا کر پاکستان کی راہ لی نہ وہ پاکستان آتی نہ زائر ملک ملتا نہ اس کی زندگی اور دل برباد ہوتے مگر سارے معاملات انسان کے اختیار میں کہاں ہوتے ہیں۔ جتنا بھی طاقت ور انسان ہو تقدیر اور دل کے فیصلوں کے سامنے ہمیشہ بے بس ہی ہوتا ہے سو وہ بھی بے بس تھی۔

اشعر حسین کسی پارٹی میں گیا ہوا تھا جبکہ وہ اپنے کمرے میں مقید بیڈ پر دونوں پاؤں سمیٹ کر بیٹھی بس روئے جا رہی تھی۔ جانے کیوں اس لمحے اسے تنہائی کا احساس بہت شدت سے ستا رہا تھا چاند اور گڑیا کی یاد بھی بے قرار کر رہی تھی۔ وہ دونوں ہی اس وقت اسے بہت یاد آ رہے تھے مگر وہ کچھ نہیں کر سکتی تھی۔

اگلے ہفتے تک اس نے خود کو بہت مصروف کر لیا تھا۔ اشعر حسین کی اپنی مصروفیات تھیں۔ اکثر رات گئے ہی وہ گھر واپسی کی راہ لیتا تھا۔ جب بھی فارغ ہوتا تو ثانیہ کو گھمانے لے جاتا۔ کبھی شاپنگ اور کبھی ڈنر کے لیے لے جاتا اس کی کوشش تھی کہ جلد از جلد وہ ثانیہ عباس کے ساتھ شادی کے بندھن میں بندھ جائے اسی لیے اس نے ڈائمنڈ کی رنگ خرید کر ثانیہ کی انگلی میں پہنا دی تھی۔ دونوں ہی آج کل اپنی شادی کی تیاریوں میں بے حد مصروف تھے۔

ثانیہ کا کاروبار تقریباً سیٹ ہو چکا تھا۔ اشعر حسین کے تعاون کی وجہ سے وہ اس پر اندھا اعتبار کرنے لگی تھی۔ بزنس بھی تقریباً اسی کے ہاتھ میں تھا۔ اس روز بھی وہ اس کے ساتھ کسی پارٹی میں شرکت کے لیے نکلی تھی۔ سلیولیس شارٹ شرٹ پر کھلے پائنچوں والا ٹراؤزر اس کے سراپے کو چار چاند لگا رہا تھا۔ مگر پھر بھی وہ اداس تھی۔ اجنبی شہر کے شناسا راستے اسے کوئی بھی خوشی دینے میں ناکام تھے۔

پارٹی میں اشعر اسے یونہی متعارف کروا رہا تھا جیسے وہ کوئی ماڈل ہو بے باک نگاہوں میں اس کے لیے ستائش ہی ستائش تھی مگر کتنی عجیب بات تھی کہ اسے یہ ستائش اچھی نہیں لگ رہی تھی۔ اس ستائش کے بدلے وہ تھپڑ جو چند روز قبل زائر نے اسے اشعر حسین کے سنگ پھرنے پر مارا تھا۔ اسے بے حد اچھا لگا تھا۔ ہر تعلق توڑ لینے کے باوجود وہ شخص اس کی عزت پر کوئی سمجھوتا نہیں کر رہا تھا۔ جبکہ اشعر حسین جس کے ساتھ اس کا اتنا اہم رشتہ جڑنے جا رہا تھا۔ اسے اس کی کوئی پروا ہی نہیں تھی۔

اسے حیرت ہو رہی تھی کہ وہ اتنی دقیانوسی کیوں ہو رہی ہے۔ پانچ ٹائم نماز پڑھنے کے باوجود اس نے تو کبھی ایسی بات کو کوئی اہمیت ہی نہیں دی تھی۔

رات جس وقت وہ لوگ گھر واپس لوٹے کافی ٹائم ہو گیا تھا۔ ثانیہ سونا چاہتی تھی مگر اشعر کا ایسا کوئی پروگرام نہیں تھا۔ وہ بے حد خوش اور فریش تھا۔ آج پارٹی کے دوران اس نے دو لوگوں سے ثانیہ کی بزنس کے حوالے سے اہم ملاقات کروائی تھی۔ اگر ثانیہ ان دونوں میں سے کسی ایک کے ساتھ بھی ڈیل فائنل کر دیتی تو اس کے وارے نیارے ہو جاتے۔

اپنے سامنے شراب کی بوتل دھرے وہ اسے جانے کیسے کیسے خواب دکھا رہا تھا۔ ثانیہ کی آنکھیں نیند سے بوجھل ہو رہی تھیں۔ خود اشعر کے اعصاب پر بھی نشہ اثر کر رہا تھا۔ اسی نشے میں وہ اٹھ کر اس کے پہلو میں صوفے پر آ بیٹھا تھا۔ اس کا ایک ہاتھ ثانیہ کے کندھوں کے گرد تھا جسے نیند کے غلبے کی وجہ سے اس نے محسوس ہی نہیں کیا۔

"ثانیہ۔" اچانک اس کے کندھوں پر دباؤ بڑھاتے ہوئے اس نے اسے پکارا تھا۔

"ہوں۔"

"آج تم بہت پیاری لگ رہی ہو قسم سے۔" اپنا منہ اس کے کانوں میں گھساتے ہوئے اس نے سرگوشی کی تھی۔ ثانیہ کو لگا اس کے سارے وجود پر بچھو رینگنا شروع ہو گئے ہوں۔

"ویسے ثانی تم بھی کتنی حسین ہوتی جا رہی ہے۔ بالکل تمہاری طرح بہت پاگل تھا وہ دیہاتی جس نے تم جیسے انمول ہیرے کو کھو دیا قسم سے۔" اس کا ہاتھ حرکت میں آ چکا تھا ثانیہ کی نیند بھک سے اڑ گئی۔ بے ساختہ اس لمحے اسے اپنی دادی کی تنبیہ پر اپنے الفاظ یاد آئے تھے۔

"اوہ نو دادی یہ سب دقیانوسی باتیں ہیں جس ملک سے میں آئی ہوں وہاں ایسی چھوٹی موٹی باتیں کوئی اہمیت نہیں رکھتیں۔" کیا واقعی وہ اتنی ہی بے باک اور آزاد منش لڑکی تھی کہ اپنی عزت و حرمت کے بارے میں کوئی بات اس کے لیے اہمیت نہیں رکھتی تھی۔

ایک لمحے سے پہلے اس نے اشعر حسین کا ہاتھ پرے جھٹکا تھا۔

"مجھے نیند آ رہی ہے سو جاؤ تم بھی۔"

"او کم آن ثانی...... ہماری شادی ہونے والی ہے پلیز بیٹھو۔" وہ ابھی اٹھ بھی نہ پائی تھی کہ اشعر نے اس کا ہاتھ کھینچ کر اسے اپنے اوپر گرا لیا۔ ثانیہ کو لگا جیسے اس کے سارے وجود پر چیونٹیاں رینگنے لگی ہوں۔

"اشعر پلیز، بہتر ہوگا اگر تم اپنی حد میں رہو۔" غم و غصے سے وہ کپکپا اٹھی تھی۔ مگر اشعر حسین نے پروا نہیں کی۔

"حد...... کون سی حد؟ پلیز ثانی ہماری شادی ہونے والی ہے کیا فرق پڑتا ہے اگر......!"

"جسٹ شٹ اپ۔" اشعر حسین کی بات پوری ہونے سے پہلے ہی وہ دھاڑی تھی اور ایک جھٹکے سے خود کو چھڑواتے ہوئے سیڑھیاں چڑھ آئی۔ اس رات بہت دیر تک وہ جاگتی رہی تھی اور روتی رہی تھی۔

☆......☆☆......☆

اگلی صبح اشعر اس کے بیدار ہونے سے قبل ہی اٹھ کر ناشتا تیار کر چکا تھا۔ وہ خاصی تاخیر سے اٹھ کر نیچے آئی تو سامنے ہی اشعر بیٹھا اس کا انتظار کر رہا تھا۔

"گڈ مارننگ۔" وہ شرمندہ دکھائی دے رہا تھا۔ ثانیہ محض سر کے اشارے سے جواب دیتی ٹیبل کے قریب آ گئی۔

"ناراض ہو؟" ثانیہ کے چہرے پر غصہ عود آیا۔

"تمہیں کیا لگتا ہے کل رات جو حرکت تم نے میرے ساتھ کی اس کے بعد مجھے تم سے ناراض نہیں ہونا چاہیے۔"

"ایم سوری ثانیہ، آئی سوئر مجھے بالکل ہوش نہیں تھا کہ میں کیا کر رہا ہوں۔ کچھ دیر رات نشے نے مت مار رکھی تھی۔ پلیز معاف کر دو، تم اچھی طرح سے جانتی ہو کہ میں ایسا نہیں ہوں۔" وہ شرمندہ تھا ثانیہ کی پیشانی کی سلوٹیں کم پڑ گئیں۔

"اٹس اوکے، مگر میں نے فیصلہ کیا ہے جب تک ہماری شادی نہیں ہو جاتی ہم اکٹھے نہیں رہیں گے۔"

چائے دانی سے کپ میں چائے انڈیلتے ہوئے اس نے اسے اپنے فیصلے سے آگاہ کیا تھا۔ اشعر کے چہرے کا رنگ جیسے ایک دم پھیکا پڑ گیا۔

"ٹھیک ہے جو تم مناسب سمجھو، میں تو پہلے بھی صرف تمہاری خوشی کے لیے ہی یہاں رہ رہا تھا۔"

"تھینک یو۔"

"چلو جلدی سے ناشتا کرو پھر شاپنگ کے لیے نکلتے ہیں آج برائیڈل ڈریس بھی خریدنا ہے، سچ میں ثانیہ میں بہت ایکسائٹڈ ہو رہا ہوں۔ تم سوچ بھی نہیں سکتیں میرے دل میں تمہارے لیے کتنی عزت اور محبت ہے اگر تم اس پینڈو سے شادی کی حماقت نہ کرتیں تو آج ہم دونوں ایک بے حد آسودہ زندگی بسر کر رہے ہوتے۔" اب وہ اپنے لیے چائے نکال رہا تھا۔ ثانیہ محض اثبات میں سر ہلا کر رہ گئی۔ جانے کیوں پھر سے زائر کے ذکر نے اس کے دل میں چٹکی کاٹی تھی۔

تقریباً چالیس منٹ کے بعد وہ اشعر حسین کے ساتھ اپنی شادی کی فائنل شاپنگ کر رہی تھی۔ آج موسم میں ہلکی سی تمازت تھی۔ دھوپ اتنی شدید نہیں تھی کہ چبھتی مگر اسے چبھ رہی تھی جانے ایک رات میں ہی کیا ہوا تھا کہ اس کا دل بجھ کر رہ گیا تھا۔ شاپنگ کے بعد مارکیٹ سے واپسی پر اس نے گاڑی گاؤں کے راستے پر ڈال دی تھی۔ اشعر راستے میں ہی اتر گیا تھا۔ حویلی پہنچی تو چوہدرانی جیسے اسی کا انتظار کر رہی تھیں۔

"ست بسم اللہ...... میری دھی کو حویلی یاد آ ہی گئی؟" وہ بڑے سے صحن میں بیٹھی کبوتروں کو دانا ڈال رہی تھیں۔ ثانیہ لبوں پر پھیکی سی مسکان سجائے چپ چاپ ان کی گود میں سر رکھ کر لیٹ گئی۔

"میں چاہوں بھی تو حویلی سے اپنا تعلق ختم نہیں کر سکتی دادو، میرے بابا کی خوشبو بسی ہے ان در و دیوار میں......" بہت عرصے کے بعد اپنے باپ کا ذکر کرتے ہوئے وہ آبدیدہ ہوئی تھی۔

چوہدرانی کی آنکھیں بھی بھر آئیں۔

"ہوں یہ تو ہے انسان چلے جاتے ہیں مگر...... درو دیوار سے ان کی خوشبو ہمیشہ آتی رہتی ہے۔"

"جانتی ہوں دادو، شاید اسی لیے آپ یہ حویلی چھوڑنے پر آمادہ نہیں ہوتیں۔" آنسو صاف کرتے ہوئے اگلے ہی پل وہ اٹھ بیٹھی تھی۔ دادو نے سر جھکالیا۔

"سچ کہتی ہو ثانیہ تم یقین نہیں کرو گی مگر میں ہر روز یہیں اس حویلی میں تمہارے دادا جی تمہارے بابا تایا سب کو دیکھتی ہوں کبھی یہاں جامن کے اس پیڑ تلے تو کبھی وہاں مردان خانے کے اس طرف کئی بار سوتے سے جگایا ہے انہوں نے مجھے۔" سر جھکائے اسے بتاتے ہوئے وہ بھیگی آنکھوں کے ساتھ مسکرا اٹھی تھیں۔ ثانیہ کے لبوں پر بھی مسکراہٹ بکھر گئی۔

"رکو گی کچھ دن؟" اگلے ہی پل وہ اس سے پوچھ رہی تھیں۔

"نہیں دادو، اشعر نے شادی کی تیاری مکمل کرلی ہے شاید اسی ہفتے ہم شادی کے بندھن میں بندھ جائیں۔ اسی لیے بہت سے کام ہیں جو ابھی کرنے باقی ہیں۔ کارڈز بھی پرنٹ کروانے ہیں، میرج ہال بھی بک کروانا ہے اشعر شاید انگلینڈ بھی جائیں اپنی تیاری کے لیے۔" نظریں چرائے وہ انہیں بتا رہی تھی۔ دادی کے لبوں کی مسکراہٹ پل میں معدوم ہوگئی۔

"چلو اچھی بات ہے۔ کبھی نہ کبھی یہ فیصلہ تو کرنا ہی تھا تمہیں...... مگر...... جانے کیوں مجھے اشعر حسین پسند نہیں ہے۔ کسی بھی لحاظ سے وہ مجھے تمہارے قابل نہیں لگتا۔"

"ایسی کوئی بات نہیں ہے دادو، وہ بہت اچھا انسان ہے، بہت سالوں سے پسند کرتا ہے مجھے، میرا خیال ہے جتنا وہ مجھے سمجھتا ہے شاید کوئی دوسرا کبھی نہ سمجھ سکے۔" دل کی بے چینی کے باوجود اس نے اشعر حسین کا دفاع کیا تھا۔

چوہدرانی سرد آہ بھر کر رہ گئیں۔

"اللہ کرے ایسا ہی ہو، میں اپنی بیٹی کو اس حویلی سے اپنے ہاتھوں سے رخصت کروں گی۔" وہ اپنی خواہش بتا رہی تھیں۔ ثانیہ آنکھوں کے گوشوں میں ہلکی نمی لیے فوراً رخ پھیر گئی۔

رات عشاء کی نماز کے بعد وہ کمرے سے اٹھ کر باہر صحن میں چلی آئی تھی۔ جانے کیوں اسے ایک عجیب سی گھٹن کا احساس ہو رہا تھا۔ کافی دیر صحن میں کھلے آسمان تلے لیٹنے کے بعد اچانک وہ اٹھی اور بلیک شال اچھی طرح اپنے گرد لپیٹ کر حویلی سے باہر نکل آئی۔

چوہدرانی ابھی تھوڑی دیر پہلے ہی دوا لے کر سوئی تھیں۔ چاندنی رات میں حویلی کے باہر کچے راستوں پر گھٹن ہی گھٹن تھی۔ ساکن ہوئے درختوں اور کھیتوں سے کبھی اسے بہت خوف آتا تھا مگر اب ویسی کیفیت نہیں رہی تھی۔ کچھ دور چلنے کے بعد اچانک کوئی پتھر اس کے دائیں پاؤں کے انگوٹھے سے ٹکرایا تھا۔ جدید تراش خراش سے بڑھا ہوا ناخن ٹوٹا تھا۔ ثانیہ کی آنکھیں پانیوں سے بھر آئیں۔ تبھی فضا میں کسی کی درد بھری صدا ابھری تھی۔

دو پتر چناراں دے
ساڈا کا دکھ سن سن کے روندے پتھر پہاڑاں دے
ساڈا دکھ سن سن کے روندے پتھر پہاڑاں دے

وہ مسحور سی کھڑی رہی آواز میں عجیب سی دلگرفتی تھی، درد تھا، تڑپ تھی ثانیہ کو اپنے پیر کی تکلیف بھول گئی۔

کوڑے درد نیں یاراں دے
سادا دکھ سن سن کے روندے پتھر پہاڑاں دے

لمحہ لمحہ آواز قریب آتی جا رہی تھی۔ ثانیہ میں ہلنے کی سکت بھی نہ رہی۔

اے تھے رلیاں دفاواں نیں
تیرے باجھوں دوای بیلی شالا تھر وتے ہاواں نے
تیرے باجھوں دوای بیلی......
دن لنگ گئے بہاراں دے
ساڈا دکھ سن سن کر روندے پتھر پہاڑاں دے
ساڈا دکھ سن سن کے......

پرسوز آواز کے ساتھ ہی ٹریکٹر کے بند ہونے کی آواز آئی تھی۔ تبھی کندھے سے ڈھلکتی شال کو سنبھالتے ہوئے وہ آگے بڑھ آئی عین اسی پل زائر ٹریکٹر سے نیچے اترا تھا۔ ثانیہ اسے مقابل پا کر جیسے ٹھٹک گئی تھی۔ اس کے وہم و گمان میں نہیں تھا کہ اتنی پیاری پرسوز آواز زائر ملک کی ہوگی دوسری طرف وہ بھی جیسے فریز ہوگیا تھا۔

(آخری قسط ان شاء اللہ آئندہ ماہ)

گلاب ہاتھ میں ہو، آنکھ میں ستارہ ہو
کوئی وجود محبت کا استعارہ ہو
کبھی کبھار اُسے دیکھ لیں، کہیں مل لیں
یہ کب کہا تھا، کہ وہ خوش بدن ہمارا ہو

ہماری شادی کو ہفتہ ہوگیا تھا مگر میں ابھی تک اپنے بیڈ تک محدود اور محصور تھی ہولے سے دل میں پیاس بھی سرگوشی کرتی تو گڈو باجی شیشے کے چم چم کرتے گلاس کو میری ہتھیلی پر رکھ دیتیں۔ معمولی سی بھوک کا گزر بھی ہوتا تو پکوڑے، کباب، سموسے، بسکٹ چپس جانے کیا کیا حاضر ہوجاتا۔ میری شرمندگی صرف مسکراہٹ تک احتجاج کرکے بے بس ہوجاتی، وہ بہت پیار سے میری ٹھوڑی اپنے ہاتھ سے اوپر کرکے کہتیں۔

"گڈو باجی بھی کہتی ہو اور شرمندہ بھی کرتی ہو۔" تب میں واضح کرتی۔

"میں شرمندہ ہوتی ہوں آپ مجھے ہل کر پانی بھی نہیں پینے دیتیں۔"

"ارے پی لینا، عمر پڑی ہے ہم تو چل چلاؤ کے منتظر ہیں۔"

"اللہ نہ کرے آپ کوئی ضعیف اور بیمار تو نہیں۔" میرے منہ سے نکلا تو وہ سیب کاٹتے ہوئے ہنس کر بولیں۔

"ریشم! اندر کا بڑھاپا اور بیماری جلدی مار ڈالتے ہیں۔" مجھے یہ بات سن کر بڑی حیرت ہوئی مگر انہوں نے گویا تہیہ کرلیا تھا کہ وہ مجھے حیرت پر حیرت دیتی رہیں گی ایک دن میں نے جمیل سے کہا۔

"گڈو باجی سارا دن میری خدمت میں لگی رہتی ہیں، کوئی کام نہیں کرنے دیتیں۔" تو وہ آرام سے اخبار پڑھتے ہوئے بولے۔

"یہ ہمیشہ سے ایسی ہیں، تم بس مزے کرو۔" اور پھر دھیرے دھیرے میں آرام پسند اور کاہل ہوتی گئی، کہیں جانا ہوتا تو مجھے استری شدہ لباس تیار ملتا، زیور، جوتا سب ایک دم ریڈی۔ شادی کے شروع کے مہینے چل رہے تھے، جمیل کے دوستوں اور میرے چند رشتہ داروں کے ہاں دعوتیں ہوئیں تو مجھے یہ جان کر حیرت ہوتی کہ گڈو باجی حسب حال، موقع محل کی مناسبت سے میرے لیے لباس کا انتخاب کرتیں۔

"گڈو باجی! آپ نے میرے لیے اتنے شاندار اور مہنگے کپڑے بنوائے ہیں کہ میری ساس اگر ہوتیں تو وہ بھی نہ بنواتیں۔ جب کہ آپ تو جمیل کی تایازاد ہیں۔" میں نے عنابی شیفون کے کرتے اور ڈوپٹے کو ان کے ہاتھ سے لیتے ہوئے کہا۔ اصلی شیفون پر انتہائی نفیس کام ہوا تھا، ساتھ میں لائٹ پچ

کلر کا چوڑی دار پاجامہ کافی جچ رہا تھا۔

"تم ساس کے بنوائے سمجھ لو۔"

"میرا مطلب تھا کہ......"

"جمیل کا تو پہلے ہی کوئی نہیں تھا' جب میرے باؤ جی اور ماں جی رخصت ہوگئے تو پھر یہ اور میں ہی رہ گئے۔" وہ بول کر مسکرائیں اور باورچی خانے کی فکر میں باہر چلی گئیں۔

مجھے دھیرے دھیرے ان کی عادت ہوگئی تھی' جمیل کی چھٹی والے دن میں اپنے ابو سے ملنے گھر جاتی تو ان کی وجہ سے جلد واپس آجاتی۔ جمیل کی طرح میرے لیے بھی وہ بہت اہم ہوچکی تھیں۔ ہم دونوں اٹھتے بیٹھتے ان کے نام کی مالا جپتے تھے' ان کی شخصیت کا سحر تھا کہ مجھے ہر وقت ان سے باتیں کرنا' ان کے پاس رہنا اچھا لگتا تھا۔ میں نے ان کے لاکھ منع کرنے کے باوجود ان کا ہاتھ بٹانا شروع کردیا تھا وہ کچھ افسردہ اور برہم ہوئیں۔

"گڈو باجی کو چارپائی پر لٹانا چاہتی ہو۔"

"خدانہ کرے۔" بے ساختہ ہی میرے منہ سے نکلا۔

"پھر مجھے کچھ بھی سوچنے کی مہلت سے دور رہنے دو۔"

"کمال کرتی ہیں آپ بھی' آپ کو آرام ورنہ خوش رکھنا اب میری اور جمیل کی ذمہ داری ہے۔" میں نے بڑے پیار سے ان کے ہاتھ تھام کر سمجھایا' وہ چپ ہوگئیں۔

پھر انہوں نے مجھے چھوٹے موٹے کام کرنے کی گویا اجازت دے دی لیکن ان کی زیادہ کوشش یہی ہوتی تھی کہ میں بہت کام نہ کروں' ویسے بھی جمیل کو ان سے ہی ہر کام کرانے کی عادت تھی' وہ پاس پڑی چیز کے لیے بھی گڈو باجی...... گڈو باجی کے نعرے بلند کرتے' وہ بھی اتنی زیادہ جمیل کی آواز پر کان رکھتی تھیں کہ فوراً دوڑی چلی آتیں۔

"آپ نے گڈو باجی کو تنگ کیا' آپ مجھے کہہ دیتے۔" میں جل کر کہتی۔

"تمہیں کیا تکلیف ہے' تمہیں سمجھانا پڑتا' وہ بچپن سے میرا مزاج سمجھتی ہیں۔" جمیل قدرے حق جتاتے۔

"اس کا مطلب ہے انہیں سزا دی جائے۔" مجھے سخت غصہ آیا۔

"بھئی سزا کیسی؟" جمیل بے پروائی سے بولے۔

"مجھے اچھا نہیں لگتا۔" میں نے منہ پھلا کر کہا' جمیل نے میری بات پر توجہ نہ دی تو میں نے ایک دن صبح جمیل کے آفس جانے کے بعد گڈو باجی سے ہی اظہار ہمدردی کیا۔

"گڈو باجی! آپ جمیل کے اتنے ناز نخرے نہ اٹھایا کریں' مجھے اچھا نہیں لگتا۔"

"اسے بچپن سے یہی عادت ہے نہ اس کا کوئی بہن بھائی تھا اور نہ میرا' اس کے سب کام میں ہی کرتی تھی' اس کی دیکھا دیکھی باؤجی' اماں' چاچی اور چاچا سب ہی مجھے گڈو باجی' گڈو باجی کہنے لگے۔" گڈو باجی نے خوش ہو کر بتایا۔

"لیکن پھر بھی آپ بڑی ہیں' اب تو میں ہوں۔" میں نے بہت اپنائیت جتائی۔

"ہاں لیکن گڈو باجی کے ہوتے تم کام کیوں کرو۔" ان کی آنکھوں میں محبت کے ایک ساتھ کئی جگنو جگمگائے' میں نے دل سے اللہ کا شکر ادا کیا کہ اللہ نے مجھے کتنا اچھا گھر عطا کیا ہے' چاہنے والوں کے گھر مجھے بھیجا۔

اطمینان بھری زندگی گزر رہی تھی' میرے ابا انتقال کر گئے تو گڈو باجی کی گود میں سر رکھ کر میں بہت سارے دن آنسو بہاتی رہی' انہوں نے ماں کی چھاتی اور باپ کا دست شفقت فراہم کیا میں جلد سنبھل گئی' میرا گھر صرف ایک ہی رہ گیا' میرے تمام رشتے بھی صرف جمیل اور گڈو باجی تک ہی رہ گئے۔ میں جلد ہی ابا کی جدائی کا غم بھول گئی' اس کی ایک وجہ یہ بھی تھی کہ میرے وجود میں ایک نئے احساس نے آنکھ کھولی تھی' میرے لیے یہ خبر بہت بڑی خوش خبری تھی' جمیل نے تو مارے خوشی کے مجھے بازوؤں میں بھر کے ڈھیروں پیار کیا لیکن ہم دونوں سے بڑھ کر گڈو باجی کی خوشی دیدنی تھی' انہوں نے تو میرے بستر کو گویا پھولوں کا بستر بنادیا' میز پر پھلوں کے انبار لگ گئے۔ دو بکروں کا صدقہ دیا اور کہاں سے اتنا خرچ کیا یہ میں نے پوچھا تو انہوں نے خالی کلائیاں مجھ سے چھپانے کے لیے دوپٹے کے نیچے چھپالیں' میں جان گئی کہ گڈو باجی نے اپنی طلائی چوڑیاں بیچ کر یہ سب خرچہ کیا ہے۔

"کیوں کیا آپ نے ایسا؟" میں نے کہا تو وہ ٹال گئیں۔ رات کو میں نے جمیل سے کہا تو وہ چند لمحے سوچنے کے بعد بنا جواب دیئے کروٹ لے کر سوتے بن گئے۔

گڈو باجی ہنسنے مسکرانے کے علاوہ کچھ اور نہیں جانتی تھیں میں نے کبھی ان کی پیشانی پر ایک چھوٹی سی سلوٹ نہیں دیکھی' کبھی کسی الجھن یا پریشانی پر فکر مند نہیں دیکھا۔ ہم تو اگر شکووں پر آتے ہیں تو' موسموں کو بھی کوسنے پیٹنے سے گریز نہیں کرتے

لیکن گڈو باجی کو کسی سے کوئی شکوہ شکایت نہیں ہوتی تھی۔ غصہ تنگی سے ان کا دور کا بھی واسطہ نہیں تھا لیکن میرے لیے وہ لمحہ سخت تعجب انگیز تھا۔ میں نے ان کو فروٹ کاٹتے دیکھ کر بڑے سرسری انداز میں پوچھ لیا۔

"آپ نے شادی کیوں نہیں کی؟" انہوں نے خشمگیں نگاہوں سے مجھے دیکھا اور اٹھ کر میرے کمرے سے باہر چلی گئیں' مجھے تعجب کے ساتھ افسوس بھی ہوا کہ میں نے بلاوجہ غیر ضروری بات پوچھ لی شاید اس بات کے پیچھے کوئی پس منظر ہو ورنہ ماں باپ نے اپنی اکلوتی اولاد کی بہتری کا کوئی فیصلہ تو کیا ہوگا؟

کچھ بھی ہے میں آئندہ کبھی ان کا دل نہیں دکھاؤں گی' چند روز تک گڈو باجی نارمل ہوگئیں اور پھر سے میرے قریب آگئیں۔ میرا بھرپور خیال رکھنے لگیں' آنے والے ننھے مہمان کے لیے چھوٹے چھوٹے کپڑے سینے لگیں' کبھی وقت نکال کر باہر جاتیں تو ریڈی میڈ کپڑے' کوئی کھلونا' کوئی گدا' تکیہ بچے کے لیے ضرور لے کر آتیں۔ مجھے اور جمیل کو کوئی فکر نہیں تھی۔

جس روز ننھا ولید میرے پہلو میں کسمسایا اس روز جمیل دفتری کام کے سلسلے میں شہر سے باہر تھے' ساری ذمہ داری گڈو باجی نے اٹھائی' جمیل کی واپسی پر میں نے ان کو ناراض ہو کر بتایا۔

"اگر گڈو باجی نہ ہوتیں تو میرا کیا بنتا؟"

"ہونہہ! یہ تو سوچنے والی بات ہے۔" ولید کو پیار کرتے ہوئے جمیل بولے۔

"آپ تو بے فکر چھوڑ کر چلے گئے۔" میں نے ولید کے کپڑے سمیٹتے ہوئے کہا۔

"مجھے پتا جو تھا کہ گڈو باجی موجود ہیں۔" جمیل کی بے پروائی پر میں صرف چپ ہی ہوسکتی تھی۔

ولید کے آنے سے گڈو باجی کے کام میں اضافہ ہوگیا تھا' ان کی مصروفیت اور بڑھ گئی تھی' ولید کے تمام کام وہ اس طرح کرتیں کہ مجھے پتا بھی نہ چلتا۔ وہ بھی ان سے ہی اتنا مانوس ہوتا جارہا تھا کہ میرے پاس روتا اور ان کے پاس خاموش ہوجاتا۔

ولید کی وجہ سے ان کے قلیل سے آرام کا وقت بھی ختم ہوگیا تھا۔ بچوں کے ساتھ آرام کہاں ملتا ہے؟ یہی حالت ان کی بھی تھی' وہ گھن چکر بنی رہتیں' ولید کو ایک پل بھی رونے نہ دیتیں۔ میں بارہا ان سے آرام کرنے کا کہتی وہ ایک نہ سنتیں پھر میں نے کہنا ہی چھوڑ دیا' ان کی صحت متاثر ہونی شروع ہوئی تو میں نے ان سے کہا۔

"آپ کی صحت خراب ہو رہی ہے' بے آرام رہنے سے آنکھوں کے گرد سیاہ حلقے بن گئے ہیں اور تھکی تھکی سی لگنے لگی ہیں۔"

"گزرتے وقت کے نشانات دکھائی تو دیتے ہیں نا۔"

"آپ صرف ولید کو سنبھال لیا کریں بس۔" میں نے مشورہ دیا جسے انہوں نے ہوا میں اڑا دیا لیکن میرا خدشہ ٹھیک نکلا' گڈو باجی کی طبیعت خراب ہوتی ہی گئی' میں نے بڑی مشکل سے انہیں ڈاکٹر کے پاس بھیجا' ان کے کچھ ٹیسٹ ہوئے انہیں شوگر' بلڈ پریشر کے مسائل تھے۔ ڈاکٹر نے آرام' چہل قدمی اور متوازن غذا کی ہدایت کی جس پر وہ بولیں۔

"لو بھلا اتنی بیماریاں ڈھونڈ نکالیں' میں کوئی بیمار ویمار نہیں
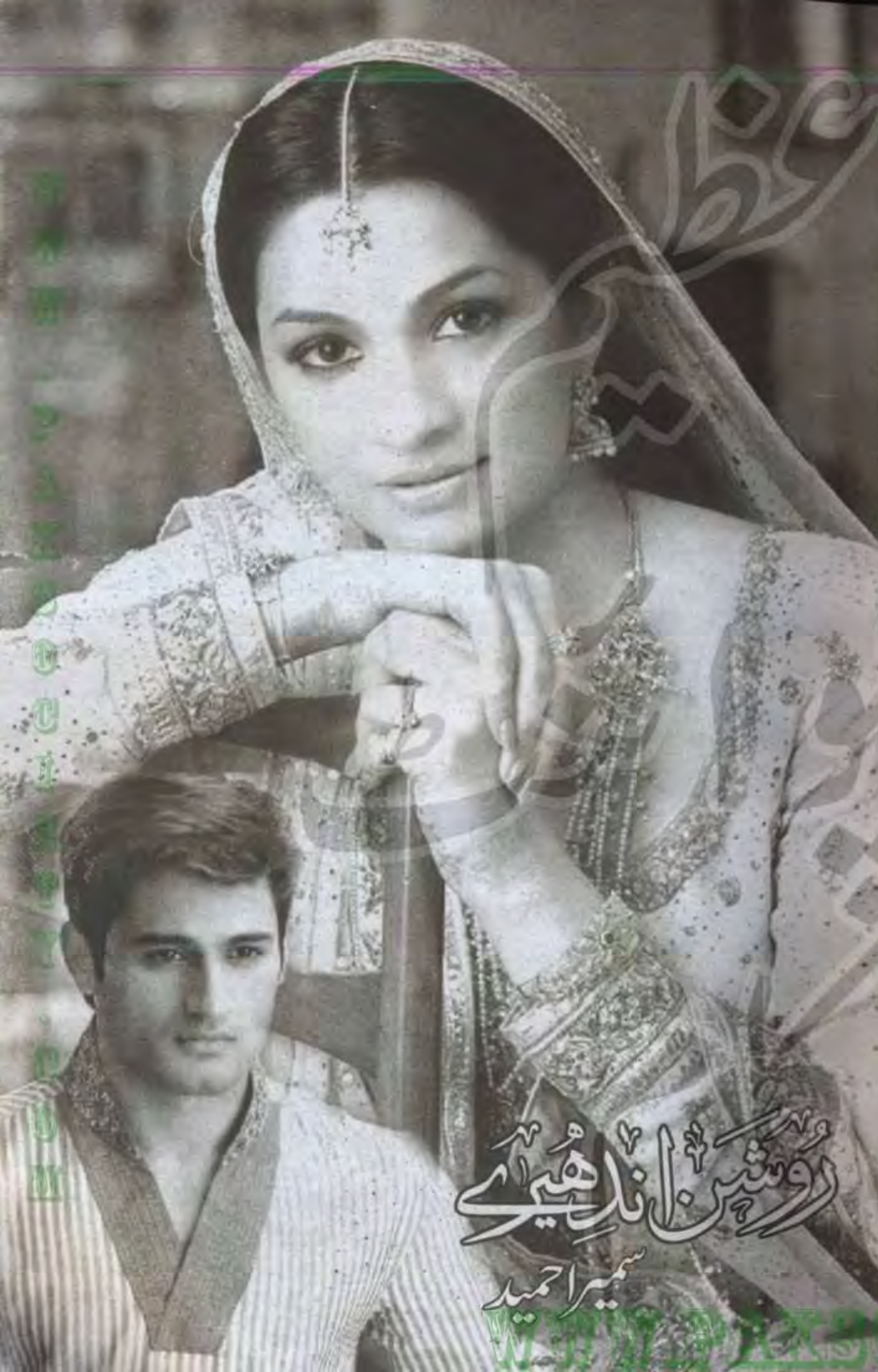
ہوں۔" اور انہوں نے ڈاکٹر کی ہدایت اور ہم دونوں کی تاکید کا کوئی نوٹس نہیں لیا۔ بس دوائیں کھانی شروع کردیں' ولید میں ان کی جان تھی' ولید نے ذرا سا بولنا شروع کیا تو توتلی زبان میں انہی کو پکارا "ڈوڈوڈو (گڈو)" وہ جھوم اٹھیں' ولید کی نظر اتاری' صدقہ دیا' پھر ذرا سا اور ولید کو شعور آیا تو اس نے ان کو پورے نام سے مخاطب کیا "ڈوڈو باجی (گڈو باجی)" وہ نہال ہوگئیں' ہمیں بار بار ولید سے کہلوا کر سنوایا۔

"اس نے بھی آپ کو گڈو باجی ہی پکارا ہے۔" میں نے ہنس کر کہا۔

"ہاں! مجھے گڈو باجی کہنے والوں میں اضافہ ہوگیا ہے۔" وہ مسکرائیں۔

❀......◉......❀

جوں جوں ولید توانا ہوتا گیا' گڈو باجی کی کمزوری میں اضافہ ہوتا گیا۔ ان کی صحت تیزی سے گرنے لگی تو مجھے اور جمیل کو بہت فکر لاحق ہوگئی' وہ بڑی کوشش اور ہمت کے باوجود اٹھنے کی ہمت نہیں رکھتی تھیں' بستر تک محدود ہوگئی تھیں' ولید بس ان کی کل دلچسپی تھا۔ اس سے باتیں کرنا' اسے کچھ نہ کچھ کھلاتے رہنا بس ان کے دو کام رہ گئے تھے' میں چاہتی تھی کہ انہیں اسپتال میں داخل کرادیا جائے لیکن وہ نہ مانیں۔ جمیل نے بہت سمجھایا مگر انہوں نے صاف انکار کردیا ہم دونوں خاموش ہوگئے لیکن گھر پر ہی ان کے لیے جمیل بڑے ڈاکٹر کو لے کر آئے' مہنگی سے مہنگی دواؤں کے اثرات بھی منفی ظاہر ہورہے تھے' شوگر کا لیول کنٹرول ہونے کا نام نہیں لے رہا تھا۔ میں نے ان کی دیکھ بھال میں کوئی کمی نہیں چھوڑی ہوئی تھی بلکہ ولید بُری طرح نظر انداز ہورہا تھا' اسے وقت پر کھلانے' سلانے کی فرصت نہیں مل رہی تھی۔ ولید گڈو باجی کے پاس جاتا تو وہ آنکھیں موند لیتیں' وہ انہیں بُری طرح مس کررہا تھا لیکن گڈو باجی کی طبیعت ہی اتنی خراب تھی۔

شام ڈھلے میں نے ولید کے لیے دودھ کا مگ لیا اور اپنے کمرے میں آگئی مگر وہ کمرے میں نہیں تھے' میں کچھ دیر انتظار کرنے کے بعد گڈو باجی کے کمرے میں جانے ہی والی تھی کہ جمیل آگئے' میں نے ارادہ بدل دیا اور باورچی خانے میں آگئی۔ ابھی ٹرے میں برتن ہی رکھے تھے کہ بہت کڑک اور گونج دار آواز آئی۔

"جمیل......" میں باورچی خانے سے اور جمیل کمرے سے بھاگتے ہوئے گڈو باجی کے کمرے میں داخل ہوئے۔

"ریشم! ولید کو لے جاؤ۔" کچھ عجیب سی اجنبی سی آواز میں انہوں نے کہا۔ میں نے روتے ہوئے ولید کی کلائی تھامی اور جمیل کی آنکھ کا اشارہ سمجھ کر باہر آگئی۔ ولید کمرے کی طرف بھاگ گیا مگر میں ان کے کمرے کی دائیں ہاتھ والی ادھ کھلی کھڑکی سے لگ گئی۔ میرے اندر تجسس نے سر اٹھایا تھا' غیر اخلاقی اور بے اعتباری نے مجھے گھٹیا بنادیا کہ کیا ہونے والا ہے؟ یہ جانا جائے۔

"جمیل......بیٹھ جاؤ۔" گڈو باجی نے کافی اونچی آواز میں کہا' جمیل دھم سے کرسی پر بیٹھ گئے۔

"کیا بات ہے؟ خیریت......" جمیل نے کچھ ڈرتے ڈرتے پوچھا۔

"مہلت ختم ہوگئی ہے' مرتے دم تک بھرم رکھا۔ اب تم مجھ سے معافی مانگو۔ ورنہ کہاں جاؤ گے' زمین اور آسمان چھوٹے پڑجائیں گے۔" اکھڑی سانسوں کے ساتھ انہوں نے تحکم سے کہا۔

"تمہیں کیا ہوگیا ہے؟" جمیل کچھ فکرمندی سے بولے' ان کا کمزور سا ہاتھ تھام لیا' لبوں سے لگایا' آنکھوں سے لگایا تو وہ بولیں۔

"معافی مانگو جمیل۔" انہوں نے قدرے غصے سے کہا کہ مجبوراً ہم کے جمیل کو کہنا پڑا۔

"مجھے معاف کردو اللہ رکھی! میں تمہارا اور اللہ کا مجرم ہوں' میں نے تمہیں ایک لمحے کے لیے بھی بیوی تسلیم نہیں کیا' میں نے گڈو باجی سنا' سمجھا' اسی لیے تایا جی اور تائی جی کے فیصلے کو قبول نہ کرسکا۔ مجھے معاف کردو' تم نے میری ضد کو کبھی پسپا نہیں ہونے دیا۔ گڈو باجی بنی تم کامیاب فلم کا کردار ادا کرتی رہیں۔" جمیل پر رقت طاری ہوگئی تھی' میں نے پتھرائی آنکھوں سے اندر دیکھا اسی لمحے گڈو باجی نے اپنا ہاتھ جھٹکے سے جمیل کی گرفت سے آزاد کرایا اور پُرسکون ہوکر آنکھیں بند کرلیں' میری آنکھوں سے آنسوؤں کا سیلاب بہہ نکلا اور ایسا لگا کہ میرا کوئی بہت اپنا' مجھے جمیل جیسے اجنبی کے پاس تنہا چھوڑ گیا ہو۔

"گڈو باجی! میں کہاں جاؤں گی۔" میں نے کرب سے سوچتے ہوئے آنکھیں موند لیں آگے دور تک اندھیرا تھا۔

❀

یہ جو پر شکستہ ہے فاختہ' یہ جو زخم زخم گلاب ہے
یہ ہے داستاں میرے عہد کی' جہاں ظلمتوں کا نصاب ہے
جہاں ترجمانی ہو جھوٹ کی' جہاں حکمرانی ہو لوٹ کی
جہاں بات کرنی محال ہو' وہاں آگہی بھی عذاب ہے

گھر کتنے بھی بڑے ہوں' افراد کتنے ہی زیادہ ہوں' چلتے پھرتے پہروں میں بھی کچھ پہر تو ایسے ضرور ہوتے ہیں کہ در و دیوار انسان' مصروفیت' کام ساکت ہو جاتے ہیں چند لمحوں کے لیے ٹھہر ہی جاتے ہیں لیکن ایک انسان ایسا تھا مرحوم حافظ صاحب کے خاندان میں کہ اسے اگر کوئی ٹھہرا ہوا' بیٹھا ہوا یا بلاوجہ کھڑا ہی دیکھ لے تو خود پتھر کا بن جائے۔ یہ انسان رفو ہے جو ہر وقت کسی نہ کسی کو کام کرتی ہی ملے گی۔ دوپہر میں سب سو رہے ہوں گے اس نے چھت پر مشین لگائی ہوگی' شام تک سب اٹھیں گے تو وہ باورچی خانے میں چائے بنا رہی ہوگی' سب چائے پی رہے ہوں گے وہ سبزی بنا رہی ہوگی۔

بات کچھ نئی نہیں ہے بات پرانی ہی ہے۔ یتیم و مسکین نوکر ہی بنادیئے جاتے ہیں ان کے لیے تخت نہ ہی بنتے ہیں نہ ہی بنائے جاتے ہیں۔ راجے مہاراجے یتیم و مسکین ہو جائیں تو ان پر تلواریں لٹکنے لگتی ہیں کجا عام انسان...... ایسے عام انسان کے ارد گرد تنی اور لٹکی تلواروں کو تو کوئی گن بھی نہیں سکتا اور نہ ہی ان کے ساتھ ایسی فوج ہوتی ہے جو دوسروں کو ان کے فرائض یاد دلائے اور انہیں ان کے حقوق دلائے کیونکہ یہ میدان کم و بیش ایک سے ہی بے رحم انسانوں سے اٹا ہوتا ہے تو رحم کا پرندہ بھی یہاں پر نہیں مارتا۔

"اے سن یہ ہے تیری اصل جگہ' اس سے اوپر نہ آ بیٹھو۔"

رفو کو کسی نے باقاعدہ بتایا تو نہیں کہ بچی تیری صرف یہی اوقات ہے ہاں ثابت آئے دن کرتے۔

رفو کی اماں بڑی پیاری تھی مگر بدقسمتی سے جب پچیس سال کی ہونے پر بھی اس کا کہیں رشتہ نہ ہوسکا تو خاندان بھر نے کہا کہ اتنی بوڑھی کو اب کون بیاہے گا تو نانا حافظ عبدالرحمٰن نے اس پچیس سالہ بوڑھی کو جیسے تیسے دور پرے کے گاؤں کے دکان دار اختر سے بیاہ دیا۔ شادی کے چوتھے سال اختر میاں ایسے بیمار ہوئے کہ حافظ صاحب انہیں شہر لے آئے۔

بڑھ چڑھ کر علاج کروایا لیکن بیماری بڑھ کر موت بن گئی' رفو سات مہینے کی تھی کہ یتیم ہوگئی اور چند ہی سال بعد مسکین بھی' پہلے نانا فوت ہوئے پھر اماں۔ دادا دادی اس کے حیات نہیں تھے' دونوں چچا خود آٹھ آٹھ' دس دس بچوں والے غریب غرباء تھے۔ نانی کا اماں کے بچپن میں ہی انتقال ہو چکا تھا۔ ایک خالہ تھیں اپنی پسند سے غیر ذات میں شادی کی تھی ان کے ساتھ جینا مرنا ختم تھا۔ حافظ عبدالرحمٰن کے تین بیٹے تھے رفو کے تین ماموں اور تین ممانیاں تھیں ان سب میں اس کی ذمہ داری کس نے سنبھالنی تھی؟ کسی نے بھی نہیں' وہ یتیم و مسکین تھی ذمہ داری نہیں' اس کے کوئی حقوق نہیں تھے وہ کسی پر فرض نہیں تھی۔

پیدائش سے ہی اس میں ایک چیز بہت خاص تھی' اس کی خاموشی' اس کا صبر' اس کا کمال ضبط۔ قدرت ہر ذی روح کی پرورش اپنے ڈھب سے کرتی ہے اور کب کرتی ہے وہ ہی جانتی ہے تو اس کی تربیت ماں کے خون سے ہی شروع تھی' پیدا ہوتے ہی رفو ایک بار روئی ہو تو روئی ہو پھر اسے کم ہی کسی نے روتے سنا۔ جہاں لیٹتی سو جاتی' اٹھتی تو پٹ آنکھیں کھولے پڑی رہتی' بھوک لگی ہو تو لگی ہو' رو کر کبھی نہیں بتایا کہ بھوکی ہوں' روتی ہوں' مجھے اٹھاؤ' بہلاؤ' کھلاؤ۔

اٹھاتا کون؟ بہلاتا کون؟ اماں کاموں میں لگی رہتیں' بھائیوں کے گھر وہ رہ رہی تھیں' چپ کی زبان بولتی تھیں' ماتھے پر شکن نہیں لاتی تھیں' اتنا کام کر کے بھی نہیں تھکتی تھیں' شادی نہیں ہوئی تھی تب بھی کرتی تھیں۔ بیمار شوہر کو لے کر آئیں تب بھی کیا' بیوہ ہوگئیں تو زیادہ ہی کرنا پڑا۔ یہ جو رشتے ہیں نا یہ معاشرتی اتار چڑھاؤ میں بہت رنگ اور صورتیں بدلتے ہیں۔ اماں نے بھائیوں کے احسان کو احسان سمجھا حق نہیں' وہ فرائض اور حقوق کی گنتی سے نکل آئیں جب تک نانا زندہ رہے' کھانے پینے کا آرام رہا' کپڑے مل جاتے' پیسے مل جاتے پھر سب بھول گئے کہ وہ پھل بھی کھاتی ہیں' کپڑے بھی نئے پہنتی ہیں اور پیسے...... انہیں کیا کرنا پیسوں کا؟

اماں کے مرنے پر چار سالہ بچی کیا روتی' کیا واویلا کرتی تب بھی وہ ممانیوں کے بچوں کو اٹھا اٹھا کے گھومتی رہی۔ جس بستر پر اماں سوتی تھیں اور ان کے ساتھ وہ' تو اب وہ اس پر اکیلی سونے لگی۔ ممانیوں کے بچوں کو گودوں میں اٹھا کر پہلے بھی گھومتی تھی اب بھی یہی کرتی "تالیاں بجاؤ' چٹکیاں بجاؤ' گڑیا رانی بن جاؤ" گاتی جاتی اور بچوں کو بہلاتی رہتی۔ سوا مہینے کے بچے سے لے کر ڈیڑھ' دو سال کے بچوں کے ساتھ وہ یہی کرتی رہتی' کبھی ادھر سے مامی کی آواز آتی۔

"رفو......! دیکھ ذرا منے کو اٹھ گیا روئے گا اب' تالیاں بجا' چھن چھنا بجا دیکھ روئے نا۔" رفو پہلے سے پکڑے ڈیڑھ سالہ بچے کو اٹھائی دوسرے جھولے والے کے پاس جاتی۔ گھنٹہ گھنٹہ تالیاں چٹکیاں بجاتی' طرح طرح کی آوازیں نکالتی' فیڈر کو منہ میں دیئے بیٹھی رہتی۔

"ایسے اللہ اللہ کرتی رہ' سو جائے گا یہ۔" مامی اسے بتاتیں فیڈر پلاتے ایک ہاتھ سے سینے پر تھپکتے وہ اللہ اللہ کرتی رہتی' گھنٹے ڈیڑھ گھنٹے میں منا اپنی مرضی سے سو جاتا جو چوسنی چوسنے والے ہوتے ان کی چوسنیاں وہ سو سو بار دھوتی ان کے منہ میں دیتی' جن کے بچوں کو دن میں سونے اور رات کو جاگنے کی عادت تھی ان کے بچوں کے ساتھ وہ یہی کام رات کو بھی کرتی۔ اتنا بڑا گھر تھا بچوں کی کمی نہیں تھی۔ مہمان آتے تو ان کے بچے بھی اس کے ذمے۔ فیڈر کی نپل ہزار بار دھلوائی جا رہی ہے' "نشو لاؤ' فیڈر دھو کر سادہ پانی بھر لاؤ' پیمپی پھینک آؤ' چپس لے آؤ۔ دھوپ میں نیکر ڈال آؤ' چھت پر لے جاؤ' کبوتر دکھلاؤ' دکان سے لالی پاپ لے آؤ' اب یہ بسکٹ کھائے گا' ٹھیک سے اٹھاؤ گر جائے گا۔"

تو رفو اتنے سارے بچوں کی چھوٹی سی اماں بن جاتی' اسے یہ معلوم ہوتا کہ کس بچے کا کون سا فیڈر ہے' کون سے خشک دودھ کا ڈبہ کس کا ہے۔ کس کا دودھ گرم پانی میں بنے گا اور کون ٹھنڈا دودھ بھی پی لیتا ہے۔ کون دودھ پیتے ہی سو جائے گا اور کسے دودھ پلانے کے بعد تھپکنا پڑے گا' فلاں نہ کتنی ہے فلاں کتنی دیر تک اٹھ جائے گا۔ بچے بہرحال فرشتے ہی ہوتے ہیں اس لیے رفو میں ان کی جان تھی' ڈھونڈ ڈھانڈ کر انہیں صرف رفو ہی چاہیے ہوتی اسی سے بہلیں گے۔ اسی کے ہاتھ سے فیڈر لیں گے' اسی کی آوازوں' تالیوں پر ہنسیں گے۔ اب جب جس کسی نے میکے جانا ہوتا وہ رفو کو ساتھ لے جانا چاہتی' باقیوں کو مصیبت پڑ جاتی خود لے جائیں تو ٹھیک بس کوئی دوسرا نہ لے جائے۔ تو تو میں میں ہوتی' اس کے ماموں (اپنے شوہروں) کو بتایا جاتا کہ بچی ہے' لڑکی ذات ہے ایسے لیے لیے پھرنا ٹھیک نہیں۔ لے جانے والا کام چھوٹی مامی رخسانہ کو زیادہ بھاتا اور بڑی مامی رشیدہ کو زیادہ غصہ آتا' مامی رشیدہ کا خیال تھا کہ ان کے تین چھوٹے بچے ہیں اور رخسانہ کا صرف ایک تو رخسانہ کو اپنا ایک تو خود سنبھالنا چاہیے لیکن رخسانہ میکے جا کر ہنسی مذاق کرتی کہ بچے کو سنبھالتی اور یہ بچے ہر وقت ری ری جانے کیوں کرتے ہیں' ذرا مائیں گھروں سے باہر نکلی نہیں کہ آسمان سر پر اٹھا لیتے ہیں تو اب رفو کی زیادہ ضرورت کے تھی' رخسانہ مزے سے چار پانچ بار اسے میکے لے گئی وہاں رفو اس کی دوسری بہنوں کے بچوں کو بھی دیکھتی' رشیدہ مامی نے حتی الامکان گھر میں کافی فساد کیا' ایک بار کھانا نہیں پکا' دیر سویر جو پکا وہ جل گیا۔ اسے کھا کر مرد بھڑک اٹھے' مصیبت کی جڑ رفو! وہ کیوں گئی آتے ہی ایک زور کا چانٹا پڑا' رخسانہ کو تو مار نہیں سکتے تھے نا......

اب یہ طے ہوا کہ کوئی تقریب ہو تو ہی رفو جائے ساتھ' آگے پیچھے ہر ہفتے اسے میکے لے جانا ٹھیک نہیں۔ تقریبات بھی کہاں دور رہتی ہیں' آئے دن ہوتی رہتیں۔ رفو شادی والے گھر میں تین چار دن رہ لیتی ہر طرح کے نئے نویلے دور و نزدیک کے بچے کی اماں بنا دی جاتی۔

"اری رفو! اسے بھی لے جا۔" شادی والے گھر میں اسے جس کے لیے آواز دے کر بلایا گیا ہوتا اٹھا کر یا انگلی پکڑ کر لے جاتی جس کا اسے نام بھی معلوم نہ ہوتا۔ نئی نئی مائیں ساڑھی' لہنگے' کامدار دوپٹے سنبھالتی بن ٹھن کر ہنسی ٹھٹھول کرتیں کسی ایک آدھ کو اپنا بچہ یاد آ بھی جاتا تو ہاتھ دبا کر کہا جاتا۔

"رفو کے پاس ہے روئے گا نہیں' بے فکر رہو۔" اور واقعی بچہ رو کر نہ دیتا۔ رفو جو کر بنی سب کا دل بہلا رہی ہوتی۔ زبان باہر نکال رہی ہے' بلی کی آواز' چڑیا کی آواز' بکری اور کوئے کی آوازیں نکال نکال کر سنا رہی ہے' آنکھیں ٹیڑھی کر رہی ہے

شادی والے انجانے گھر میں بھی رفو رفو ہوتی' وہی فیڈر ردودھ کے قصے۔ اتنی سی عمر میں ہی وہ ہر کام کو کمال فن اور ایمان داری سے کرتی تھی' چوکتی نہیں تھی' کوتاہی نہیں کرتی تھی' جی جان لگا دیتی تھی۔

چھ سال کی ہوگئی تھی پر اسکول نہ گئی' کون بھیجتا اسکول بڑے ماموں کے حسن' زبیر اور منجھلے ماموں کی زنیرہ اور احمد جاتے تھے اسکول لیکن اس کے جانے کے کوئی آثار نہیں تھے۔ وہ جاتی تو بچے کون سنبھالتا لیکن کچھ یوں ہوا کہ مامی رشیدہ کی لاڈلی بیٹی گڑیا جو صرف اسی کے ہاتھ سے فیڈر پیتی تھی اور جو اس کے بغیر ایک منٹ نہیں ٹکتی تھی جب اسے اسکول بھیجا گیا تو رو رو کر اس نے اسکول سر پر اٹھالیا' طرح طرح کی کھانے والی چیزیں لا کر دیں' یہ بڑا اسٹیڈی ہیپر خرید کر دیا' لیکن پھر بھی وہ جماعت میں بیٹھنے کے لیے تیار نہیں تھی۔ رفو ساتھ جاتی جماعت میں بٹھاتی تب تک سب ٹھیک تھا جیسے ہی وہ باہر آتی وہ گلا پھاڑنے لگتی' دو تین دن تو اسکول والوں نے رفو کو جماعت میں اس کے ساتھ بیٹھنے دیا کہ شاید گڑیا بھی بیٹھی رہے لیکن چوتھے دن انہوں نے رفو کو جماعت میں گھسنے نہ دیا' ناچار حلق پھاڑتی بچی کو چپ کروانے کے لیے رفو کو بھی اسکول میں پلے گروپ کی جماعت میں داخل کروانا پڑا' رفو رافعیہ کے نام سے تعلیم کے میدان میں داخل ہوگئی۔

کسی کے ہاتھ قارون کا خزانہ آ جائے اور جو اسے خوشی ہو تو وہ اس خوشی کے آگے چھوٹی تھی جو رفو کو بستہ لے کر جماعت میں بیٹھنے سے ہوئی' یا یہ جان کر ہوئی کہ اب وہ بھی روز اسکول جاسکتی ہے۔

رفو تو جب سے گڑیا کا بستہ اٹھا کر اسے جماعت تک چھوڑنے آرہی تھی اس وقت سے ہی مسحور تھی' اسے حیرت ہوتی کہ اتنی پیاری جگہ آ کر گڑیا کیوں روتی ہے۔ جہاں بیٹھنے کے لیے کرسی ہے اور طرح طرح کی تصویروں والی کتابیں دیکھنے کے لیے ہیں اب وہ خود بھی ایک کرسی پر آ بیٹھی تو جیسے وہ جنت میں آ گئی اسے یقین ہی نہیں آیا کہ ایک کرسی اس کے لیے بھی ہے۔

گڑیا کی طرف سے اب سکون تھا وہ صبر سے اس کے ساتھ والی کرسی پر بیٹھی رہتی' رفو نے تو خیر جلد ہی پنسل پکڑنا سیکھ لی کہ اسے پنسل بہت پیاری لگتی تھی' اب وہ گڑیا کو ہاتھ میں پنسل پکڑواتی اور پہلے اسے کام کرواتی' ربڑ اپنے ہاتھ میں رکھتی غلطی کرتی تو خود ہی مٹاتی' کلرز نکال کر سامنے رکھتی پھر اپنا کام کرتی۔ استانی سبق پڑھاتی تو رفو گڑیا کی انگلی ٹھیک وہیں رکھتی جہاں استانی جی نے کہا ہوتا اور دونوں مل کر سبق دہراتی تھیں' پیاس لگنے پر بوتل کھول کر اسے پانی پلاتی' کھانے کے وقفے میں لنچ بکس کھول کر اسے نوالے بنا بنا کر کھلاتی' منہ ہاتھ دھلاتی' باتھ روم لے کر جاتی۔

رفو کو حسن کا استعمال شدہ بستہ مل گیا تھا' رشیدہ مامی کی بھانجی کے کالے جوتے بھی جو اسے اتنے کھلے تھے کہ دو قدم چلنے پر ہی اتر جاتے' وردی اسکول سے ہی ملنی تھی تو رشیدہ مامی کو وہ لینی ہی پڑی۔ گڑیا نے ٹھیک سے پنسل پکڑ کر الف لکھنا سیکھ لیا تھا۔ مامی کے لیے یہی بہت بڑی بات تھی اسکول جاتے اب گڑیا روتی نہیں تھی' واپسی پر بھی ہنستی مسکراتی ملتی تھی۔ کیا مجال کہ اس کے وردی' جوتوں پر ہاتھ منہ پر ایک داغ لگا ہو' جیسی صاف ستھری جاتی ویسی ہی صاف ستھری آتی۔

چھوٹا سا پرائیوٹ اسکول تھا تو داخلے سارا سال ہی ہوتے تھے' وقفے وقفے سے پلے گروپ میں روتے پیٹتے کئی بچے آتے اور چند ہی دنوں بعد ان کی مائیں آ کر پوچھتیں "یہ رفو کون ہے؟" آیا رفو کا بتا دیتی۔

"بیٹا آج بھی اسے دیکھ لینا کہ یہ روئے نہ۔"

"اچھا آنٹی جی۔" وہ سر ہلا دیتی۔

کوئی دوسری کہتیں "پاس بٹھا کر یہ انڈا پراٹھا کھلا دینا۔"

کوئی کہتیں "چھٹی سے پہلے اس کا بستہ ایک بار دیکھ لینا۔ ہر روز یہ چیزیں گم کر دیتا ہے۔"

"یہ لو پانچ روپے اسے بسکٹ لے دینا' کہے بھی تو ٹافی نہ لے کر دینا۔"

وہ یہ سب بھی کر دیتی' جماعت میں وقفے وقفے سے چیزیں اٹھا کر ان کے بستوں میں ڈالتی جاتی' کسی کی پنسل گری ہوتی' کسی کی ربڑ...... کسی کی کاپی کسی دوسرے کے بستے میں ہوتی' کسی کی ڈائری۔ کوئی پانی کی بوتل گھر بھول آیا ہے اور اب جس کا پانی پی گیا ہے وہ رو رہا ہے۔ روتے ہوئے مسئلہ رفو کو بتایا جاتا' رفو لے جا کر پانی کی بوتل بھرتی۔ بار بار انہیں پانی پلانے لے جاتی' اسکول میں ایک ہی آیا تھی تو استانی جی رفو کے ساتھ ہی بچوں کو پانی یا باتھ روم کے لیے بھیج دیتیں اور بچوں کو بھی رفو کے ساتھ ہی جانا ہوتا تھا۔

جماعت میں رفو جلدی ہی اپنا کام کرلیتی' گڑیا کو بھی کروا چکی ہوتی تو استانی اسے دوسرے بچوں کا کام دیکھنے کے لیے بھیجتیں وہ ایک ایک کے پاس جا کر ہاتھ پکڑ کر انہیں لکھواتی جاتی۔ ایک ایک کر کے استانی کے پاس چیک کرنے کے لیے بھیجتی' بیس' پچیس بچوں کو کیٹ' ڈوگ' بستہ' بلا لکھواتے لکھواتے اسے حرف حرف ازبر ہو جاتا۔ لکھائی پہلے سے بہتر ہو جاتی' ماہانہ ٹیسٹ میں وہ بنا یاد یا مشق کیے اچھے نمبر لے لیتی۔ گھر جا کر نہ اس کے پاس پڑھنے کا وقت ہوتا نہ ہی اسے وقت دیا جاتا اس کی مشق جماعت میں ہی ہو جاتی۔

مائیں بچوں کے انڈے پراٹھے' ڈبل روٹی میں ایک اس کے لیے بھی رکھ کر بھیجتیں۔ آتے جاتے اپنے بچوں کے بارے میں پوچھتی رہتیں' رفو سب کا حتی الامکان خیال رکھتی۔

ٹھیک ایک سال بعد سالانہ نتیجہ آیا وہ اوّل آئی۔ پرنسپل نے اس کی دل کھول کر تعریف کی' اس دوران مامی اپنی پیاری بیٹی گڑیا جو آج پری والا ڈریس پہن کر آئی تھی' اس کی تصویریں بناتی رہیں' گڑیا تھرڈ آئی تو مامی نے پرنسپل کے ساتھ گڑیا کی تصویریں بنائیں' دوسرے بچوں کی ماؤں نے رفو کو خوب پیار کیا اپنے بچوں کے ساتھ اس کی تصویریں بنوائیں' یہی وہ لڑکی تھی جس نے ان کے روتے بچوں کو چپ کرایا تھا اور جس کی وجہ سے وہ اسکول چلے جاتے تھے۔

مامی نے سب کو مٹھائی کھلائی' گڑیا کا اسکول میں دل لگ گیا تھا اب وہ کیوں رفو کی فیس بھرتیں' اول آنے پر اس کی اسکول فیس دو مہینے کے لیے معاف تھی۔ انعام میں کورس بھی دیا گیا تھا' دو ماہ پڑھ لے باقی مامی کیوں پڑھائیں؟

منجھلی مامی رقیہ کے کامران کے ساتھ اور چھوٹی مامی کے برہان کے ساتھ بھی وہی ہوا جو گڑیا کے ساتھ ہوا تھا' ان دونوں کو بھی رفو چاہیے تھی مجبوراً دونوں مامیوں نے مل کر فیس آدھی آدھی بھرنے کی حامی بھری اور دونوں بچوں کو گڑیا کے اسکول ہی میں داخل کروا دیا۔

رفو انہیں جماعت میں لے جا کر بٹھاتی' بہلاتی' سمجھاتی اور اپنی جماعت میں آ جاتی' رفو کی بات تو وہ مان ہی لیتے تھے اگر روتے تو استانی ذرا دیر کو رفو کو بلا کر ان کے پاس بٹھا دیتیں رفو انہیں چپ کروا کر چلی جاتی' کھانے کے وقفے میں آ کر انہیں کھانا کھلاتی' پانی پلاتی۔ چھٹی کے بعد ایک طرف بیٹھ کر ان کی کاپیاں' پنسلیں پوری کرتی' کتابیں گنتی' کاپیاں نکال نکال کر کام دیکھتی کہ ٹھیک سے کیا ہے کہ نہیں' ڈائری دیکھتی کہ لکھوائی ہے کہ نہیں پھر ان سب کی پانی کی بوتلیں اپنی گردن میں اور ان کے بستے دائیں بائیں کندھے پر لٹکا کر ہاتھ پکڑ کر خیال سے گھر لے آتی۔

اگلے سال دو اور بچے اسکول آ گئے ایک گڑیا کا بھائی اور ایک برہان کی بہن۔ صبح ماموں موٹر سائیکل پر چھوڑ جاتے' چھٹی کے بعد رفو سب کو ایک ساتھ گھر لے آتی' بستے سب کے اسی نے لٹکائے ہوتے' اتنی جان تو اس میں نہیں تھی لیکن وقت بہت کٹھن تھا اور کٹھن وقت کو ایسے ہی مذاق میں ہی کٹھن نہیں کہا جاتا۔ مامیاں کہتیں کہ سب کی بوتلیں بستے وہ اٹھایا کرے' چھوٹے بچوں سے کہاں بھلا اٹھایا جاتا ہے تو اس نے اتنا وزن اٹھانا سیکھ لیا اور سیکھنے سے سب سیکھا جاتا ہے۔

دوسرے بچوں کی مائیں اسکولوں میں آتیں' ایک ایک کاپی کھول کر دیکھتیں کہ بچوں نے ٹھیک سے کام کیا کہ نہیں' ٹیسٹ میں کتنے نمبر آئے؟ کم آئے تو کیوں؟ فلاں غلطی پر پورا نمبر کیوں کاٹا؟ اور یہاں ان پانچ کو رفو کی حوالے کر کے ان کی مائیں وہ خود بری الذمہ ہوگئی تھیں۔ رفو گھر جا کر ان کے بستے ٹھکانے پر رکھتی' ان کے جوتے اتارتی' کپڑے بدلواتی' ہاتھ منہ دھلواتی' کھانا ڈھانپ کر باورچی خانے کی میز پر رکھا ہوتا وہ سب کو بٹھا کر کھلا دیتی' سب تھکے ہوتے کھانا کھاتے ہی سو جاتے' وہ گندے برتن دھونے لگتی۔ سوئی ہوئی مامی کا کوئی گود کا بچہ اٹھ جاتا آواز دے کر اسے بلاتیں۔

"لے جا اس کم بخت کو یہاں سے۔" وہ اندھیرا کیے ٹھنڈے کمروں سے اس کم بخت کو نکال برآمدے یا صحن میں آ جاتی' اسے بہلاتی جاتی ساتھ اسکول کا کام کرتی جاتی ورنہ گود میں لے کر بچے کو سلانے کی کوششیں کرنے لگتی' سو جاتا تو بمشکل اٹھا کر بستر پر لٹا آتی اور تھوڑا بہت پڑھ لیتی' اسکول کے سب کے جوتے پالش کر کے رکھتی' گندے اسکول کے کپڑوں کو ٹوکری میں ڈال کر اوپر رکھ کر آتی اور ایک ایک کر کے سب کے کل کے پہننے والے کپڑے استری کرتی۔

بچے ذرا نالائق ہونے لگے تو مصیبت رفو کی آئی' مامیاں بڑے کڑے تیوروں سے اس سے سوال جواب کرتیں اور وہ استانیوں کے پیچھے بھاگتی۔

"برہان نے انگریزی کا سبق سہی سنایا تھا؟"

"ہاں آج تو ٹھیک سنایا تھا پر وہ بہت شرارتی ہوتا جارہا ہے' لکھائی بھی بہت گندی ہوگئی ہے اس کی۔" استانی کہتیں۔

باری باری وقفے وقفے سے وہ باقیوں کی استانیوں سے بھی ایسے ہی پوچھتی سہ ماہی اور سالانہ امتحانات میں پرچہ شروع ہونے سے پہلے ان کے پاس جاجا کر سمجھاتی کہ کون سا سوال آ جائے تو کیسے کرنا ہے الٹی گنتی کیسے لکھنی ہے جوڑ توڑ کیسے کرنے ہیں خالی جگہ دھیان سے پُر کرنی ہے زبانی سنائی میں وہ کتابیں کھول کر ان سے بار بار سوال کرتی انہیں اچھی طرح سے یاد کرواتی ٹیوشن وہ سب ہی جاتے تھے۔ امتحانات میں مامیاں بھی بٹھا کر رات گئے تک پڑھاتی تھیں پھر بھی وہ ساتویں آٹھویں پوزیشن ہی لیتے۔ رفو اوّل کیسے آ جاتی تھی اس کی کسی کو سمجھ نہیں آتی تھی اور وہ سمجھنا بھی نہیں چاہتے تھے ان کا خیال تھا کہ اس کی استانیاں ہی کافی میسنی ہیں اس پر ساری توجہ دیتی ہیں یا پھر یہ رفو ہی نقل مار لیتی ہے۔

رفو اساتذہ کی چہیتی تھی بھی اسے ایک بات دوبارہ نہیں کہنی پڑتی تھی بھی شور نہیں کرتی تھی بلاضرورت کسی سے بات نہیں کرتی تھی۔ اپنے کام سے فارغ ہوتی تو استانی جی کے کہنے پر باقی سب کا سبق سن لیتی کھڑی ہو کر سبق دہرا دیتی۔ ایک یہ استاد ہی تو تھے جو اتنے پیار سے اسے پڑھنے اور کام کرنے کے لیے کہتے تھے وہ کیسے نہ ان کی بات مانتی کیسے نہ ان کا کہا یاد رکھتی اور لکھنا پڑھنا اسے باقی دوسروں کاموں سے آسان بھی لگتا تھا اور اچھا بھی۔ اس کی ہم جماعتوں کی مائیں بھی اس سے خاص لگاؤ رکھتیں اس سے اپنے بچوں کی کارکردگی کے متعلق پوچھتی رہتیں۔

''کہتی ہے مس نے بلاوجہ مارا؟''

''آنٹی! یہ جماعت میں سبق نہیں پڑھتی اس لیے مارا۔''

''کیوں نہیں پڑھتی یہ......؟''

''یہ رونے لگتی ہے چپ کھڑی رہتی ہے۔''

''رافعیہ بچے! تم اسے اپنے ساتھ بٹھایا کرو۔''

ایک اور آنٹی پوچھتیں۔

''رافعیہ! یہ کرن کون ہے اسے بہت مارتی ہے۔''

''آنٹی یہ اس کے بال کھینچتی ہے۔''

''اچھا یہ نہیں بتایا اس نے۔''

سب کو رفو کی بات پر یقین ہوتا اس پر جھوٹ کا گمان ہی نہ ہوتا وہ ایسی بچی ہی نہیں تھی کہ بات خود سے گھڑ کر سناتی یا کوئی اور چالاکی دکھاتی سب کو معلوم تھا اس کی فرشتہ صفات کا۔ اوپر نیچے کی جماعتوں میں رفو سب کا پیار رکھتی کسی کی لڑائی ہوئی ہوتی کسی نے کسی کو مارا ہوتا وہ سب کے مسئلے حل کرتی جس کی وجہ سے خود اس کا اپنا کام رہ جاتا۔ وہ تو اساتذہ اچھے تھے اس کے ساتھ ہمدردی رکھتے تھے ایک بار جو اسے انعام میں کورس مل گیا تو مل گیا پھر کاپی پنسل ربر اسے نہ ملتی۔ کاپی کے صفحوں کو وہ ایسے استعمال کرتی جیسے آب حیات۔

اتنی ہمت نہ ہوتی کہ ماموں یا مامی سے کہے مس بار بار ڈائری پر لکھتیں۔

''حساب کی کاپی درکار ہے۔'' یہ سطر تو وہ پڑھتے نا جو اس کی ڈائری دیکھے۔ استانیوں کو معلوم تھا کہ وہ یتیم ہے ماموؤں کے پاس رہتی ہے اس لیے پنسل ربڑ تک اس کی امداد کر دیتی تھیں غصہ ماموؤں پر بھی آتا کہ ایک بچی کی کفالت نہیں کر سکتے وہ بھی اتنی لائق بچی کی۔ آپا جی سے کہلوا کر ایک دن پرنسپل نے صبح ہی ماموں کو آفس میں بلالیا ماموں سن کر بہت شرمندہ ہوئے کہ دس دن سے بچی کی کاپی نہیں آئی آفس میں ایڈوانس پانچ سو روپے جمع کروائے کہ جو کاپی پنسل آئندہ ختم ہو وہ کینٹین سے لے دی جائے۔ ان سب ماموؤں کا خیال بھی تھا کہ بچی رفو اسکول جا رہی ہے گھر میں پرورش پا رہی ہے اور سب ٹھیک ہے۔

❁......❁......❁

پانچویں کے بورڈ کے امتحانات میں رفو اوّل آئی گڑیا بھی اچھے نمبروں سے پاس ہوگئی مامی نے دل کھول کر مٹھائی بانٹی۔ اسے بڑا سا ڈول ہاؤس لے کر دیا۔ اس کے ماموں خالاؤں نے کپڑوں جوتوں کے ڈھیر لگا دیے۔ کہاں کہاں سے گڑیا کو تحائف نہیں ملے۔ بڑی مامی کا خواب تھا گڑیا کو بڑے اور مہنگے اسکول میں داخل کروانے کا چھوٹی سمجھ کر گھر کے قریب ہی عام سے اسکول میں کروا دیا تھا اب تو اکیلی جا سکتی تھی دوسرے اسکول جہاں کھیلنے کو میدان بھی تھا تو گڑیا وہاں جانے لگی رفو گھر رہ گئی لائق ہونے سے یا بورڈ میں اوّل آنے سے تو کچھ نہیں ہوتا نا؟

رفو صبح ہی بچوں کو تیار کروا کر اسکول چھوڑ آتی۔ استانیوں نے لاکھ پوچھا۔

''رافعیہ! آگے داخلہ نہیں لیا اوّل آئی ہو پڑھتی کیوں نہیں آگے۔ ماموں سے کہو کہ سرکاری اسکول میں داخل کروا آئیں؟'' پر وہ بے چاری چپ رہتی اس میں اتنی عقل نہیں تھی کہ اتنا ہی کہہ دیتی کہ ''مجھے کیا معلوم؟''

پرنسپل صاحبہ اپنے آفس لے گئیں پوچھنے لگیں وہ پھر بھی چپ رہی۔

"ماموں کس وقت گھر آتے ہیں؟"

"شام کو......" وہ اسی سوال کا جواب جانتی تھی۔

شام ڈھلی تو پرنسپل صاحبہ ان کے گھر آئیں بڑے ماموں گھر پر ہی تھے میڈم نے بچی کی قابلیت پر پہلے تو جامع لیکچر دیا۔ دبے لفظوں میں انہیں شرم دلائی' بڑے ماموں بے چارے جنرل اسٹور چلاتے تھے' کم گو اور شرمیلے تھے اتنی با رعب اور پڑھی لکھی عورت کے سامنے تو گونگے ہی بن گئے۔

"لے جاؤں میں پھر بچی کو داخل کروانے؟" بہت آرام سے پوچھا لیکن آواز اور انداز میں طنز نمایاں تھا۔

"جی لے جائیں۔"

"سرکاری اسکول میں زیادہ خرچہ نہیں ہوتا' فیس معافی کی درخواست بھی میں دے دوں گی' کتابیں وغیرہ سب مفت ملیں گی' بس بچی کو اسکول جانے سے نہ روکا جائے۔"

"جی میں فیس بھی دے دوں گا' ایسی کوئی بات نہیں۔"

اس بات پر میڈم نے صرف ابرو اٹھا کر دیکھا اور بمشکل غصہ ضبط کیا۔ ماموں کو لگا کہ ان کی بہت سبکی ہوگئی' میڈم گئیں تو بھڑک مار کر رفو کو بلایا وہ پانی کا پائپ لگا کر پچھلی طرف کا صحن دھو رہی تھی۔

"تو نے داخلہ کیوں نہ لیا آگے؟ بتایا کیوں نہیں مجھے؟"

"یہ کیوں بتائے گی' بس بہت پڑھ لیا۔" جواب مامی نے دیا۔

"تو چپ رہ..... میڈم سے وعدہ کرلیا ہے۔"

"میڈم جائے بھاڑ میں' اکیلے کام نہیں ہوتے مجھ سے۔"

"وہ تو جانے' کل تیار ہو کر میڈم کے ساتھ چلی جانا رفو! وہ تجھے داخل کروا آئیں گی۔"

"وہ کون ہوتی ہے ہمارے معاملات میں پڑنے والی؟" مامی تنک کر بولیں۔

"تو کون ہے رفو کے معاملے میں بولنے والی؟" ماموں سے تو مٹائے نہیں مٹ رہی تھی اپنی شرمندگی' میڈم نے جتادیا کہ جہاں اتنے بچے پڑھتے ہیں ایک یتیم بچی کو نہیں پڑھا سکتے' اب ماموں اور مامی آمنے سامنے آگئے۔ ایک کا حکم تھا ایک کو انکار اور ان دو لوگوں کے درمیان بری وہ بن گئی۔ آج سے پہلے یہ نہیں ہوا تھا' ہر فرد نے اپنی ضرورت کے تحت ہی اس کے لیے فیصلے کیے تھے اس کی بہتری کے لیے نہیں' مامیوں نے اپنی مجبوری میں اسے اسکول بھیجا' سالوں انہیں ہوش نہیں رہا کہ بچے اسکول کب گئے اور کب آئے' ان کے اسکول کے کیا مسئلے ہیں اور ماؤں کے برعکس جن کے ہزار چکر اسکول کے لگتے ہیں انہیں سارا سال ایک آدھ بار ہی جانا پڑتا' اب وہ اسکول میں اول آئی ہے بورڈ میں یا پورے پاکستان میں ان کی جوتی سے' لکھنا پڑھنا انہوں نے سکھا تو دیا تھا اب وہ اور کتنا پڑھے گی؟ اور پڑھے بھی کیوں؟

میڈم بار بار کہتیں لائق ہے' کیا لائق ہے؟ انہیں لگتا یہ میڈم ہی اسے جان بوجھ کر بلاوجہ اول لاتی رہی ہے بھلا جس لڑکی کو کبھی کتاب پکڑے بیٹھے نہیں دیکھا وہ اول کیسے آجاتی ہے' اگر وہ تھوڑا سا غور کرتیں تو انہیں معلوم ہوتا کہ اسے اول آنے میں مدد انہی سے ملی۔ وہ ان سے ڈرتی تھی دماغ کو چوکس رکھتی تھی' ہمہ وقت کہیں کوئی غلطی کوئی چوک نہ ہوجائے' مامیاں ناراض نہ ہوجائیں اسکول ہی نہ جانے دیں تو وہ غلطی کرنے سے بہت ڈرتی تھی' اگر فیل ہوجائے تو سب کہتے کہ یہ نہیں پڑھ سکتی ہٹاؤ اسے اسکول سے اور ایک اسکول ہی تھا جو اسے بہت پیارا لگتا تھا۔ وہ پڑھائی میں غلطی کی گنجائش ہی نہ رہنے دیتی، استانی پڑھا رہی ہوتیں ساتھ ساتھ وہ فٹافٹ دماغ میں دہرا رہی ہوتی' لکھ رہی ہوتی' ساتھ ساتھ یاد کر رہی ہوتی' گھر آتے' جھاڑو لگاتے' برتن دھوتے' کپڑے استری کرتے' بھاگ بھاگ کر ہر مامی کی آواز پر لپکتے اسباق دہرا رہی ہوتی۔ جماعت میں ٹیسٹ The Crow کہانی کا ہے تو قریب ہی کتاب کھول کر کہیں رکھ لیتی' ذہن میں دہراتی جاتی اور ایک نظر آتے جاتے ڈالتی جاتی کہ ٹھیک پڑھ رہی ہے نا۔ ہجوں کے ساتھ نام لے لے کر دھو رہی ہے۔ اسلامیات' سائنس کے اسباق دہرا رہی ہے' آٹا گوندھتے' کمروں سے چیزیں سمیٹتے وہ ضرب' تقسیم کے سوال حل کر رہی ہے۔ ایک طرف سوال کے اعداد یاد رکھتی ہے انہیں تقسیم کرتی ہے ضرب کرتی ہے' فٹافٹ پہاڑے پڑھتی ہے جواب نکالتی ہے جواب یاد رکھتی ہے اگلا سوال ایسے ہی کرتی ہے اس کا بھی جواب یاد رکھتی ہے ذرا سا موقع ملتا ہے تو حساب کی کاپی کھول کر دیکھتی ہے کہ حاصل جواب ٹھیک آئے کہ نہیں' ہر بار ٹھیک نہیں ہوتے تھے تو ہر بار غلط بھی نہیں ہوتے تھے۔ اس کے ذہن کو کام کرنے کی ایسی عادت پڑ چکی تھی' وہ رات میں بھی نہیں سوتا تھا جو ایک بار دماغ میں جاتا وہ دوبارہ نہیں نکلتا اور دماغ میں صرف کتابیں جا رہی تھیں' بستہ کھول کر پڑھنے کا وقت اس کے پاس بہت کم یا ہوتا ہی نہیں تھا لیکن دماغ کے پاس بہت وقت تھا' دھلے فرش پر وائپر لگاتے' مامی کی الماری میں کپڑے تہہ کر کے رکھتے اور باتھ روم کی ٹائلوں کو محلول ڈال کر رگڑ رگڑ کر چمکاتی وہ انگریزی سے حساب تک ہر سبق کو دہرا لیتی۔ کبھی اونچی آواز میں بڑبڑانے لگتی' برہان وغیرہ کو ذرا دور ٹیوشن چھوڑ کر آتی تو واپسی پر گلیوں سے گزرتے اس کی بڑبڑاہٹ ذرا بلند ہوجاتی وہ تیز تیز چلتی واحد جمع' مذکر مونث' یا پھر انگریزی میں درخواست دہرا رہی ہوتی۔ ان سارے حالات و واقعات نے مل کر اس کا دماغ بہت تیز کردیا تھا۔ چوبیس سو گھنٹے اس کا دماغ چلتا رہتا' جیسے ترکھان کانٹ چھانٹ کر لکڑی کو رندا لگا کر نرم و ملائم کرتا ایک شکل دے دیتا ہے ایسے ہی حالات کے رندے اس کے دماغ پر لگ رہے تھے۔ اب وہ کھڑے کھڑے حساب کے سوال پر نظر ڈال کر اسے حل کرلیتی۔ اسے معلوم ہوتا کہ لفظ یو (You) کے آگے آر (Are) ہی لکھا ہوگا۔ اردو قواعد اور انگریزی گرامر میں وہ کھڑے کھڑے جملے بنا لیتی' جملے بنا لیتی تو مضمون بھی لکھ لیتی۔ جماعت میں جو فارغ وقت مل جاتا وہ آگے سے آگے کتابیں خود ہی پڑھتی جاتی' سوالوں کے جواب ڈھونڈتی رہتیں تو اب بھی وہ اول نہ آتی تو کب اور کیسے نہ آتی۔

❀......❀......❀

بس' رکشہ یا موٹر سائیکل پر بیٹھو تو پندرہ منٹ کی مسافت پر پیدل تیز چلو تو تیس منٹ کی مسافت پر اس کا اسکول تھا۔ میڈم نے ماموں کا اعتبار نہیں کیا تھا اور اس کا نام مستحق طالبہ میں لکھوا دیا تھا' کتابیں اور وردی اسے اسکول کی طرف سے مل گئی تھیں' اب مسئلہ اسکول آنا جانا تھا مامی رشیدہ بہت ناراض تھیں اسے پہلے ہی بتا دیا تھا کہ کام کر کے جانا اسکول' صبح فجر کے وقت اٹھ کر اس نے آگے پیچھے کے صحن دھوئے' آٹا گوندھا' ٹی وی والا بڑا کمرا صاف کیا' برآمدہ اور پچھلی طرف بنے دو علیحدہ علیحدہ باتھ روم دھوئے۔ اسکول جانے والوں کو باری باری اٹھایا' منہ ہاتھ دھلوا کر تیار کیا' سب کا ناشتا منجھلی مامی بناتی تھیں' سب کو ناشتہ کروایا' پانی کی بوتلیں بھریں' اپنی وردی پہنی ان سب کے ہاتھ پکڑے اور انہیں اسکول چھوڑ کر آئی پھر خود بھاگتی ہوئی اپنے اسکول آتی۔ بس کا کرایہ نہ اسے دیا گیا نہ ہی کسی نے پوچھا کہ اتنی دور اسکول سے کیسے جاؤ گی ان کی بلا سے' بڑی اور چھوٹی مامی تو صبح جلدی اٹھتی ہی نہیں تھیں۔ منجھلی بھی صرف ناشتا بنانے کے لیے اٹھ جاتی' جنرل اسٹور والے ماموں ذرا صبح ہی نکل جاتے وہ وہیں اسٹور پر ہی ناشتا کرتے۔ باقی دو ماموں ذرا دیر سے جاتے تھے' منجھلے ماموں کی پرزوں کی دکان تھی اور چھوٹے ماموں ایک فیکٹری میں منیجر تھے۔ تینوں ہی رات گئے گھر واپس آتے تھے' بھاگ دوڑ میں رفو گھبراتی نہیں تھی۔ ڈیڑھ کنال کے اس گھر میں بھی بھاگتی ہی رہتی تھی تو اسکول کے لیے بھاگنے میں اسے کوئی مسئلہ نہیں تھا' دو بار اسے دیر سے آنے پر جرمانہ ہوا تو اس نے جیسے تیسے اپنی مس سے کہہ کر وہ جرمانہ معاف کروایا اور اگلی بار اور تیز بھاگ کر اسکول آئی' گرمیاں تھیں تو وہ پسینے میں نہا جاتی۔ کبھی کبھار کوئی ہم جماعت اسے راستے میں دیکھ لیتی تو اپنے ابا کی موٹر سائیکل یا بھائی کی سائیکل پر بٹھا لیتی واپسی پر بھی چھوڑ جاتی' چھٹی کے وقت اسے اور بھاگم بھاگ جانا ہوتا' برہان وغیرہ اسکول میں اس کا انتظار کر رہے ہوتے اسے دہرا فاصلہ طے کرنا پڑتا پہلے اپنے اسکول سے ان کے اسکول جاتی انہیں ساتھ لے کر گھر آتی' اس بھاگ دوڑ میں صرف دو ماہ ہی میں اس کے کالے جوتے پھٹ گئے' مس بہت ناراض ہوئیں کہ ابھی تو پورا سال پڑا ہے ایسے کیسے جوتے پھٹ گئے' آگے سے اس کی دو دو تین تین انگلیاں باہر کو نکلتی تھیں' پرنسپل صاحبہ کو بتایا انہوں نے اسے آفس بلا لیا' پہلی بار رفو کی آنکھیں دھندلا گئیں۔

"مجھے اسکول سے نہ نکالیے گا میڈم جی!" اس نے ہاتھ جوڑ کر جھٹ کہا' میڈم بے چاری شدید صدمے میں آگئیں یہ تو انہیں معلوم ہی تھا کہ وہ بن ماں باپ کی بچی ہے پوچھنا تو صرف اتنا تھا کہ "جوتے اتنی جلدی کیسے پھٹے" کیا اتنی سی احتیاط بھی نہ کی کہ وہ چھ سات ماہ ہی چل جاتے۔" اسکول فنڈ سے اسے نئے جوتے پھر سے مل گئے اب رفو کو عقل آئی کہ جوتے کیسے پھٹے تھے؟

مامیاں اسے اپنی پرانی چپلیں دے دیتی تھیں جب کہ وہ خود باٹا' سروس کی خرید لاتیں تو پرانی اسے دے دیتیں' ان کے جتنے اس کے پیر تو نہیں تھے لیکن وہ بڑی بڑی جوتیاں پیروں میں اڑس کر پھرتی رہتی حسن اور زبیر کی مردانہ چپلیں بھی اسے مل جاتی تھیں اور زنیرہ کی بھی لیکن جتنی بھی جوتیاں

اسے ملتی تھیں ان میں سے ایک بھی اس کے ناپ کی نہیں ہوتی تھی اور گھر میں تو وہ ننگے پاؤں بھی گھوم لیتی تھی اب اس نے یہ کیا کہ انہی چپلوں میں سے ایک کو پہن کر گھر سے نکلتی۔ اسکول کی طرف بھاگتے بڑی بڑی چپلیں پیروں میں سے پھسل پھسل جاتیں لیکن وہ بھاگتی رہتی' اسکول میں باتھ روم کے ایک پوشیدہ کونے میں چھٹی کے وقت جوتے رکھ جاتی اور صبح آتے ہی وہ جوتے نکال کر پہنتی اور جوتیاں وہاں رکھ دیتی' اس طرح جوتے چمکتے دمکتے بھی رہتے اور پھٹیں گے تو اب شاید ہی کبھی۔

اس کی جماعت میں پچاس سے زائد لڑکیاں تھیں جلد ہی وہ استانیوں کی نظر میں آ گئی ان کے آنے سے پہلے تختہ سیاہ پر سبق لکھ دیتی' لکھائی اچھی تھی اس کی مس پہلے ہی بتادیتیں کہ ''رافعہ کل یہ سبق نمبر...... صفحہ نمبر...... اور یہ پہلا گراف لکھ دینا میرے آنے سے پہلے۔'' وہ سمجھ جاتی اور لکھ دیتی۔ ریاضی کی مس سوال لکھوا کر حل کروادیتیں اور پھر تختہ سیاہی کے قریب ہی کرسی پر بیٹھے بیٹھے بڑے فٹے کی مدد سے تختے کی طرف اشارے کر کر کے سمجھا دیتی وہ پھر مٹا کر اگلا سوال لکھتی اور اسے حل کر دیتی۔ جو نہ سمجھ میں آتا تو مس بتاتی جاتیں کہ ایسے ایسے کرو اور وہ کرتی جاتی اور حل کر لیتی۔ دوسری ہم جماعتیں بعد ازاں اس سے سمجھ لیتیں' امتحانات میں لڑکیوں کی کوشش ہوتی کہ رفو کے آگے پیچھے بیٹھنے کی جگہ مل جائے۔

اسکول میں نہ وہ کھیلتی نہ ہی باتیں کرتی وہ یہ سب کر لیتی اگر اس کے پاس وقت ہوتا وہ جلدی جلدی اپنا سبق یاد کر رہی ہوتی' آدھی چھٹی میں لکھنے کا کام کر رہی ہوتی' اگر کوئی مس کسی دن نہ آئی ہوتی تو وہ ٹھیک وہی سبق پڑھ رہی ہوتی جو اس دن متوقع پڑھایا جانا ہوتا۔ گھر میں کسی کو خبر نہ ہوتی کہ کب اس کے امتحانات ہوتے ہیں' نتیجہ کب ہے بس وہ جو چھ سات گھنٹے اسکول میں گزار آتی یہی بہت احسان تھا ان سب کا' دن کے برتن رکھے ہوتے اس کے لیے وہ آتے ہی دھوتی۔ وہ جانتی تھی کہ کام تو اسے کرنے ہی ہیں اور صرف اسے ہی کرنے ہیں۔ جھاڑو لگاتی' گیلے کپڑے سے فرش رگڑتی' اندر باہر سے سارا گھر دھوتی' وہ اتنی تیزی سے یہ سب کام کرتی کہ لگتا کوئی کام کیا ہی نہیں۔ ابھی سارا گھر گندا پڑا ہے وہ بجلی کی طرح چیزیں سمیٹ کر کمروں میں جھاڑو لگا کر فرش چمکا کر دوسرے کام کی طرف پلٹ جاتی۔ وائپر پر اس کا ہاتھ اتنی رفتار سے چلتا کہ وائپر مشین کی موٹر لگتا ہے جو بٹن دبانے سے ہی کام کیے جارہا ہے۔ ابھی سارا باورچی خانہ گندا پڑا ہے' اب رفو اندر گئی اور پھر منٹوں میں گند صاف ہونے لگا۔ جھٹ پٹ برتن دھل رہے ہیں' فریج اور الماریاں صاف ہو رہی ہیں تو دیکھنے والا یہی سمجھتا ہے کہ کام تو کوئی تھا ہی نہیں۔ برتن تو ہمیشہ کے دھلے رکھے ہیں' گھر تو گندا ہوتا ہی نہیں' کپڑا ابھی کوئی استری ہونے والا نہیں' ابھی دو دن پہلے ہی کپڑے دھونے کی مشین لگی تھی اب تو ایک گندا کپڑا نہیں بچا۔ اتنا سا آٹا گوندھنا ہے اتنی سی روٹیاں بنتی ہیں' سالن بنا ہوتا ہے روٹی بنا کر برتن لگا کر پھر سمیٹنے میں کتنا وقت لگتا ہے بھلا؟ اتنے سے کام تو جھٹ پٹ ہو ہی جاتے ہیں لیکن یہ سارے کام جھٹ پٹ ہو بھی جاتے تھے تو اس کی ہمت اور حوصلے سے' ڈیڑھ کنال کے اس گھر میں تین ماموؤں کے تین الگ الگ حصے تھے۔

ہر ایک کے حصے میں دو بڑے کمرے تھے' سب کا مشترکہ ٹی وی لاؤنج' ڈرائنگ روم' کھانے کا کمرا' مشترکہ بڑا باورچی خانہ' آگے پیچھے برآمدے اور صحن' اوپر کے دو حسن اور زبیر کے کمرے' یہ دور تک پھیلی ہوئی جناتی چھت' جس پر جھاڑو لگانے لگو تو آدھا گھنٹہ لگ جائے' کام کرنے والا مل جائے تو انسان بہت صفائی پسند بن جاتا ہے۔ سلیقے اور گن والا' ایک ملازم مل جائے تو انسان کو سب کام کروانے آ ہی جاتے ہیں۔ آگے پیچھے سے صحن میں دونوں مامیاں کہتیں کہ گملے اٹھا اٹھا کر اچھی طرح نیچے سے دھوئے' مٹی کا ایک ذرہ بھی نہ ملے انہیں' شیشے کی کھڑکیوں پر روز پانی کی بوتل سے چھڑکاؤ کرو' اخبار سے شیشے چمکاؤ۔ گرمیوں میں صبح و شام صحن دھو' شام سے پہلے اوپر کی چھت دھوتا کہ وہ ٹھنڈی ہو جائے' کیونکہ سب مرد اوپر سوتے تھے۔ سردیوں میں دھوپ نکلنے سے پہلے چھت کی صفائی ہو جانی چاہیے تاکہ صاف چھت پر بیٹھ کر مزے سے مالٹے اور مونگی کھائی جائے۔ گندے کپڑے دو دن رکھے رہیں تو ان میں سے بدبو آنے لگتی ہے۔ اس لیے ہر صورت دو دن بعد چھت پر رکھی مشین لگالی جائے' مامی کہتیں۔

''کتنا آرام ہے نا مشین لگانے میں' مشین سے کپڑے نکالتے جاؤ' قریب ہی رکھے پانی کے ٹب میں ڈالتے جاؤ اور ساتھ ساتھ پھیلاتے جاؤ' آرام سے کپڑے دھل جاتے ہیں۔'' کپڑے تو واقعی آرام سے دھل جاتے اگر ان کے اوپر سے نیچے کے کاموں کے لیے سو سو چکر نہ لگتے۔ اتنے بڑے بڑے کمبل دھونے' انہیں چھت پر بچھا کر صرف ڈال کر رگڑنا' قمیص' چادریں' استر غلاف اور نہ جانے کیا کچھ اور...... وہ تو رفو تھی اس ساری مشقت کی بہت اچھی طرح سے عادی تھی کوئی اور اتنا کام کرتا تو دو دن بعد ہی ہسپتال جا کر ڈرپ لگواتا۔ چھت پر قالین' کارپٹ بچھا کر برش سے رگڑ رگڑ کر دھوتی تو دھوبیوں کی بھی استاد لگتی۔ مہینے بعد ایک کو صفائی کا بخار چڑھتا اور اپنے حصے کے کمروں کی خوب صفائی کرواتیں۔ جنوں کی طرح وہ سامان ادھر ادھر کرتی' ایک ایک دیوار جھاڑتی' صرف ڈال کر فرش رگڑتی' دس دس فٹ لمبے اور وزنی پردے بھگو بھگو کر دھوتی۔ استری کرتی انہیں دوبارہ لگاتی' ایک کو دیکھ دوسری کو خیال آتا' دوسری سے تیسری کو۔ ایک ایک الماری صاف کرواتیں' سلیقے سے کپڑے رکھواتیں' خود ساتھ ساتھ کارآمد اور بے کار چیزوں کی چھانٹی کرتی کیا رکھنا ہے کیا پھینکنا ہے۔

اس کا اپنا کمرا پچھلے صحن کی طرف تھا' بڑی مامی کے کپڑوں کی الماری' چند صندوق اور ایسا ہی دوسرا سامان رکھا تھا اور اس سامان میں جگہ بنا کر اس کی چارپائی بچھی ہوئی تھی پھر اسے پلنگ مل گیا۔ پہلے یہ پلنگ حسن اور زبیر کا مشترکہ تھا انہیں ماموں نے الگ الگ نئے لے دیئے اور ان کے کمرے بھی الگ کر دیئے تو یہ اسے مل گیا پلنگ کی حالت بہت اچھی تھی بس وہ ہلتا بہت تھا' بیٹھو لیٹو' کروٹ بدلو ہلتا اور آواز دیتا تھا۔ رفو نے بہت کوشش کی وہ جان سکے کہ وہ اتنا ہلتا کیوں ہے پر وہ ناکام رہی۔ اس نے جب اردو اچھی طرح سے پڑھنی لکھنی سیکھ لی تھی اور وہ کتاب کو روانی سے پڑھ لیتی تھی تو اس نے اسی کمرے میں رکھی نانا کی چند کتابیں پڑھنی شروع کیں۔ یہ کتابیں وہ گرمیوں کی چھٹیوں میں ہی پڑھ پاتی یا اکثر جب دو مامیاں ایک ساتھ اپنے میکے چلی جاتیں یا گرمیوں کی ہی چھٹیوں میں کسی دوسرے شہر کسی بھائی بہن کے پاس رہنے چلی جاتیں تو ایسے دنوں میں وہ جلدی جلدی کام نپٹا کر کمرے میں آ کر ان کتابوں کو گود میں رکھ لیتی۔ وہ پڑھتی جاتی لیکن چند ایک باتیں ہی اسے ذرا زیادہ سمجھ میں آتیں اس نے ایک بار کتاب میں ایک بات پڑھی اور اسے یہ بات بہت اچھی لگی۔

''ہاتھ کو کام میں' زبان کو منہ میں اور دماغ کو غور و فکر میں رکھو۔'' اس بات کو وہ سمجھ گئی وہ اٹھتے بیٹھتے اس قول کو یاد کرتی۔

''ہاتھ کو کام میں' کام کرتی جاتی کہتی جاتی ''زبان کو منہ میں'' تو زبان منہ میں ہی تھی اور ''دماغ تو تھا ہی کتابوں میں مگن۔''

اس نے اسی گھر میں آنکھ کھولی تھی یہی ماحول دیکھا تھا تو اسے معلوم نہیں تھا کہ یہ اچھا ہو رہا ہے یا برا لیکن جیسے جیسے وہ بڑی ہوتی جارہی تھی وہ اکثر دکھی ہو جاتی۔ زخمی ہاتھوں اور بخار میں بھی جب وہ کام کرتی تو اسے معلوم ہو ہی جاتا کہ اس کے ساتھ ٹھیک نہیں ہو رہا اور اکثر اس کا جی چاہتا کہ اسکول میں ہونے والے مینا بازار میں وہ بھی جائے' وہاں لگے جھولے جھولے' نت نئے کھانے کھائے' کھیلے مزے کرے اور وہ ایسا نہ کر سکتی تو افسردہ ہو جاتی۔ انسانی فطرت ہے اور پھر ہر دم ابلیس کے بہکاوے کا ساتھ ہے۔ تو اس کے اندر بہت شکوے سر ابھارتے ہیں اور جب اس نے پڑھا کہ زبان و دل کو شکوے شکایتوں سے پاک رکھو تو اس نے اس پر عمل کا ارادہ کر لیا' اس کا ماننا تھا کہ کتابوں میں جو باتیں لکھی ہوتی ہیں وہ بہت سچی اور اچھی ہوتی ہیں تو وہ ان سچی اور اچھی باتوں کو کیوں نہ اپنائے۔ کتاب ہی اس کی پہلی محبت تھی وہ کتاب میں لکھے لفظوں اور بنی تصویروں پر محبت سے ہاتھ پھیرتی رہتی' اسے یہ بھی محسوس ہوا کہ اس کا دماغ غلط طرف جا رہا ہے' رات مامی نے اسے کس بری طرح سے جھڑکا یہ سب سوچنے کی بجائے اسے تو کچھ اور سوچنا چاہیے' وہ جو کتابوں میں لکھا ہے' نارتھ پول اور ساؤتھ پول کیا ہیں؟ بحر کسے کہتے ہیں؟ خط استوا کیا ہے؟ نیوٹن کے قانون؟ خلفاء راشدین اور ان کے افکار' حقوق و فرائض' کلیے اور فارمولے' قانون کی تعریف' کمپیوٹر کی اہمیت' سائنس کی ترقی' نئی ایجادات' کتنا کچھ ہے غور و فکر کرنے کے لیے وہ اپنی تکلیف اور دکھ پر ہی کیوں کڑھے؟ افراد خانہ کے رویوں کے بارے میں ہی کیوں سوچے؟

تو اس نے ہاتھوں کو قلم اور گھر کے کاموں میں لگا دیا' زبان بند تو پہلے ہی تھی اب خاموشی کے شکوؤں سے بھی گئی اور دل و دماغ پر کتابیں حاوی ہو گئیں۔

❁......❁......❁

اسے اس گھر میں کھانے کو مل رہا تھا' سونے کو جگہ مل رہی تھی' اسکول جا کر وہ پڑھ رہی تھی اور اسے کیا چاہیے تھا؟ رفو نے خود سے کہا کہ اس کے لیے یہی بہت ہے اسے اس سے زیادہ کی تمنا ہے نا امید......

بڑی اور منجھلی مامیاں ذرا موٹی تھیں تو ان کے کپڑوں میں وہ مضحکہ خیز سی لگتی اگر باہر سے آنے والا کوئی بھی اسے ان کپڑوں میں دیکھ لے تو ہنس ہنس کر لوٹ پوٹ ہوجائے' اس کا قد اچھا دراز نکل رہا تھا پھر بھی ان کی قمیص اسے لمبی ہوتی' ڈھیلی تو وہ بہت ہی ہوتی تھیں' اتنا وقت نہیں ہوتا تھا اس کے پاس کہ انہیں کاٹ کر چھوٹا اور ذرا سا تنگ ہی کرلے۔

گرمیوں کی چھٹیاں آئیں تو بڑی مامی نے اسے سلائی سینٹر بھیج کر سلائی سکھادی۔ لان کے ایک جوڑے کے ڈھائی سو روپے سلائی دیتی تھیں وہ' تین سو روپے مہینے پر تین مہینے میں اسے سلائی سکھادی اب گھر میں ایک اور طرح کا فساد چھڑ گیا' جلدی جلدی مامی اس سے کام کروا کر مشین کے آگے بٹھا دیتیں اپنے کپڑے' گڑیا کے اپنی بہن اور بھانجیوں کے اپنی اماں کے بھابیوں کے...... مسئلہ اب بھی رفو نہیں تھی مسئلہ یہ تھا کہ منجھلی اور چھوٹی مامی کے کام رک جاتے تھے' اب شام کو ان کے سروں میں تیل کون ڈالے؟ ان کے کمرے کون سمیٹے؟ صفائی کون کرے؟ بڑی مامی تو صرف اپنا کام کروا کر اسے مشین پر بٹھا دیتیں۔

''اے رفو آجا۔'' کسی ایک کی آواز آتی وہ اٹھ کر جانے لگتی مامی پکڑ کر بٹھا دیتیں وہ سر پر آ کر اسے سناتی اور بڑی مامی بڑے آرام سے کہتیں۔

''پیسے لگا کر سکھایا ہے کپڑے نہیں سیئے گی تو بھول جائے گی۔''

ایسے تو ایسے ہی سہی' باقی دو نے بھی خوب کپڑے دینے شروع کیے' دو تین گھنٹے لگا کر وہ سب کے کپڑے کاٹ کر پاس رکھ لیتی رات گئے تک سلائی کرتی رہتی۔ سلوانے والیوں کو ہر کپڑا جلدی ہی چاہیے ہوتا تھا' رات میں جانا ہے تو صبح ہی بازار بھاگتیں شام تک سلوا کر ہی دم لیتیں' درزیوں نے بہت رلایا تھا اب سکون تھا' رفو زندہ باد......!

اب ایسا بھی نہیں تھا کہ وہ دو گھنٹے سے سلائی کررہی ہے تو باورچی خانے میں پڑے گندے برتن کوئی اور دھولے گا' کپڑے کوئی اور استری کرے گا' آٹا' روٹی' سبزی یہ سب کوئی اور کرے گا۔ یہ سب اسے ہی کرنا ہوتا تھا۔ وہ کمرے میں رکھی مشین پر کام کرتی رہتی' سب سو رہے ہوتے اور اس کی مشین چل رہی ہوتی' اگلے دن صبح انہیں ہر حال میں کپڑے تیار ہوئے چاہیے ہوتے ورنہ اس کی اسکول سے چھٹی کروالی جاتی اور اسکول سے چھٹی وہ کرنا نہیں چاہتی تھی اس لیے ساری رات ہی کیوں نہ جاگنا پڑے وہ جاگ کر سلائی کرکے ہی سوتی۔ اگر کام زیادہ تھے تو اس ہمت بھی مضبوط تھی۔ ناں کا لفظ اس نے سیکھا نہیں تھا' سنا ہوتا تو سیکھتی۔ ماں نے کبھی ناں نہیں کی تو وہ کیسے کرتی اور کر بھی لیتی تو اس سے حاصل کچھ بھی نہیں تھا وہاں اس کے ماں باپ نہیں تھے جو اس کے لاڈ اٹھاتے۔

❀......❀......❀

میٹرک بورڈ کے امتحانات میں بھی وہ اول آئی' اس کی تصویر آئی اخبار میں۔ ماموں کو محلے کے ایک دو لوگوں نے اخبار دکھایا وہ اس وقت چھت پر کپڑے دھو رہی تھی' گڑیا بھی پاس ہوگئی تھی' فون پر فون کررہی تھی اپنی سہیلیوں کو۔ مامی نے خاص کھانا بنایا تھا اس خوشی میں۔

زبیر اور حسن کالج جاتے تھے' زنیرہ بھی۔ گڑیا اور وہ میٹرک کرچکی تھیں' باقی گڑیا کا بھائی طاہر منجھلی مامی کے کامران اور درخشاں اور چھوٹی مامی کے برہان اور نیلوفر ابھی بھی اسکول ہی جاتے تھے' مامیوں نے کہا کہ وہ ان سب کو پڑھایا کرے' اپنے اول آنے کی اسے خاک خوشی ہوئی تھی' دکھ اسے یہ تھا کہ اسکول جانا اب ختم ہوگیا تھا' نہ چاہتے ہوئے بھی وہ چھپ کر رو پڑی' ماموؤں کی تو کبھی کبھار ہی اس پر نظر پڑجاتی اور مامیوں کو کام ہی پیارا تھا' اتنی اتنی فیس دیتی تھیں اب وہ انہیں مفت پڑھائے گی آخر کو اسے پڑھایا کس دن کے لیے تھا۔

فریج' چولہے' برتن' الماریاں' کھڑکیاں' قالین' کارپٹ' کمبل ہر چیز فرصت سے صاف کروائی جانے لگی' لحافوں میں گلدیں ڈلوائے' دو کالجوں سے اس کے گھر کے پتے پر لیٹر آئے' وہ اول آئی تھی تو ہر کالج اسے نشست دینے کے لیے تیار تھا لیکن گھر والے تیار نہیں تھے۔

گڑیا اپنی پسند کے کالج چلی گئی مامی نے چاہا کہ وہ زنیرہ کے کالج ہی میں داخلہ لے لے اس نے اپنی سہیلیوں کے کالج میں داخلہ لیا' رفو گھر رہ گئی۔ وہ پرائیوٹ ایف اے کوششیں کرکے پڑھ سکتی تھی لیکن اس نے کمپیوٹر پڑھنا تھا اور وہ یہ مضمون پرائیوٹ نہیں پڑھ سکتی تھی۔

وین آتی اور گڑیا کو لے کر چلی جاتی' سالوں بعد ان تین خواتین نے سکون کا سانس لیا تھا جبکہ وہ بے کل تھی۔ وہ جانتی تھی کہ کالج کا لفظ بھی اس نے منہ سے نکالا تو بہت فساد ہوگا پھر کالج تھا بھی بہت دور' اسے اسکالرشپ پر داخلہ تو مل جاتا بس کا کرایہ روز کہاں سے ملتا' کبھی کبھار تو ماموں سے اسے پیسے مل جاتے تھے وہ اسکول میں کوئی کاپی پنسل خریدنے کے لیے رکھ لیتی تھی' اب وہ روز روز ان سے کیسے پیسے لے سکے گی جب کہ سارا خرچہ ہی مامیوں کے پاس ہوتا تھا۔

رفو فراغت سے ان کے ہاتھ آ گئی تھی' تعلقات کو مضبوط بنانے میں بھی کام آنے لگی' کسی جاننے والے کے یہاں تقریب ہوتی تو پیغام بھجوا دیا جاتا کہ ''رفو کو بھیج دیں'' یہ کام بڑی مامی کی بڑی بہن سے شروع ہوا' ان کے یہاں پہلی بیٹی کی شادی تھی مامی نے جھٹ پندرہ دن پہلے بھیج دیا' اس کی کارکردگی سے سب واقف ہی تھے آتے جاتے تو رہتے ہی تھے اب کوئی دوسرا اسے اس طرح دیکھ لیتا تو وہ بھی بلا لیتا۔

آئے دن یہ ہونے لگا' ایسی تقریبات میں رفو کو بہت آرام ملتا' اسے وہاں سب کام والی نہیں سمجھتے تھے بے شک بلاتے کام کے لیے ہی تھے لیکن صرف اس اکیلی سے کام نہیں کرواتے تھے۔ ایک دو کام والیاں اور بھی رکھی ہوتی تھیں' رفو کو بلاتے تو اس گھر کے کسی لڑکی کے اس کے ناپ کے اچھی حالت کے کپڑے بھی دیتے تھے' سونے کو زیادہ وقت ملتا' کھانے کو زیادہ کھاتا' کرنے کو مناسب کام' یہ نہیں کہ اسے وہ انسان سمجھنا ہی چھوڑ دیتے تھے' آتے ہوئے اسے نئے کپڑے اور پیسے دیتے' جسے وہ جس مامی کے رشتے دار کے یہاں گئی ہوتی ان کو لا کر دے دیتی۔ وہ ایک ایک چیز کو دیکھتیں اور حساب لگاتیں' یہ سب لیا دیا بھی لین دین کے کھاتے میں آجاتا کہ ناک برابر رہا کہ نہیں۔

اگر کسی ناچاقی یا کسی اور بنا پر نہ جانے دیا جاتا تو اچھی خاصی ناراضی ہوجاتی۔ دور پرے کے بہت سے رشتے دار تھے جو اسے بلاتے تھے' انکار کردیا جاتا تو صاف صاف پوچھا جاتا۔

''آپا رفعت کے ہاں کیوں بھیجا؟''

''اس کی اماں کی چچا زاد بہن ہوں میں' رفو کی خالہ لگی تو خالہ کا بھانجی پر اتنا بھی حق نہیں کہ اسے ہفتہ اپنے پاس ہی رکھ لے؟''

اتنی بحث و تکرار ہوتی کہ اسے بھیج ہی دیا جاتا' بھیجتے کو وہ اس ہر جگہ بھیج دیں لیکن پیچھے گھر کون دیکھے' بھاگ بھاگ کر کام کون کرے سب نے حساب کتاب کرکے دیکھا جاتا جہاں سے زیادہ ملنا ہوتا وہاں وہ اسے جانے دیتیں۔ اس نے یہاں بھی اپنے لب نہ کھولے تھے۔

❀......❀......❀

گڑیا پچھلے ایک ہفتے سے کالج نہیں جارہی تھی' پھر وقفے وقفے سے دو دن چلی جاتی' دو دن ایسے ہی چلتا رہا پھر اس کے سالانہ امتحانات ہوگئے' نتیجہ آیا تو مامی رفو کے کاغذات نکلوا کے کالج لے گئیں' آرام سے اسے اسکالرشپ پہ داخلہ مل گیا' اس کا کالج میں داخلہ ہوگیا جب وہ کالج جانے لگی تو بڑی مامی نے کمرا بند کرکے اسے بڑی لمبی ہدایات دی تھیں کہ کیسے اسے ہر وقت گڑیا کے ساتھ ساتھ رہنا ہے' اس کی کڑی نگرانی کرنی ہے۔ ساتھ مامی یہ یاد کروانا نہیں بھولی کہ اسے یہ بات صرف اپنے تک ہی رکھنی ہیں' وہ کیسے بھولتی...... بھولتی تو مامی اس کا گلا نہ دبا دیتیں۔

مامی کا بڑا خواب تھا کہ گڑیا ماسٹرز کرے' کالج سے تو اسے ہٹا ہی نہیں سکتی تھیں کہ خاندان کے سارے بچے یونیورسٹی تک پڑھنے جارہے تھے وہ کیسے گڑیا کو یونیورسٹی نہ بھیجتیں۔ بس زبیر ہی ذرا غصے کا تیز تھا کہیں اندر باہر اسے دیکھ لیا تھا' یہی کہتا تھا کہ آئندہ دیکھا تو کالج نہیں جانے دے گا۔ ساتھ ساتھ مامی کو یہ بہت فکر تھی کہ چھوٹی سی بات باہر نہ نکل جائے۔ رفو تا می حل تو ہمیشہ ان کے ہاتھ میں ہوتا ہی تھا' گڑیا کے ساتھ رہے گی تو گھر آ کر ٹھیک ٹھیک خبر تو دے گی نا۔

رفو نے زندگی میں بہت کام کیے تھے پر یہ گڑیا کی نگرانی والا کام اس سے ہو نہیں پارہا تھا' وہ اس کے پیچھے رہتی کہ وہ جماعت میں پیریڈ لینے گئی ہے نا...... وہ چلی جاتی تو خود اپنی جماعت میں آتی' کالج میں سارا وقت اسے گڑیا پر نظریں لگائے رکھنی پڑتیں' گھر جاتے ہی مامی ایک ایک بات پوچھتیں' کس کس لڑکی سے بات کی؟ جس لڑکی سے بات کی وہ کیسی تھی' تیز ہوگی' مکار اور خرانٹ ہوگی وغیرہ وغیرہ۔

ہر روز ہی وہ ایسے کئی سوالوں کا جواب دیتی' گڑیا کو بھی معلوم ہوگیا کہ اس کی اماں نے ایسے ہی رفو کو کالج میں داخل نہیں کروایا منہ تو اس کا بہت بنا پر وہ کر کچھ نہیں سکتی تھی اور ساتھ یہ بھی مانتی تھی کہ رفو تو خود اس کی اماں کے حکم کی پابند ہے بلکہ صرف ایک رفو ہی سب کے احکامات کی پابند ہے کیا چھوٹوں کیا بڑوں کے......

بری گڑیا بھی نہیں تھی بس ایک دو بار اپنی سہیلیوں کے

ساتھ برگر آئس کریم کھانے چلی گئی تھی۔ وہیں زبیر نے دیکھ لیا ٗمامی کو بھی عقل آئی کہ یہ نہ ہو کہ آج سہیلیوں کے ساتھ نکلی ہے کل کو کسی اور کے ساتھ نکل جائے۔ ناسمجھ ہے دوسروں کے ورغلانے میں آجائے گی ٗ دوسرا یہ خطرہ کہ اگر زبیر کی جگہ کوئی اور دیکھ لیتا تو بات کیا سے کیا بن جاتی۔

زبیر دونوں کو صبح کالج چھوڑ جاتا ٗ آتے ہوئے رفو گڑیا کو بٹھا کر خود پاس ہی کھڑی ہو جاتی ٗ وین چل پڑتی تو خود بس اسٹاپ کی طرف آجاتی۔

کالج کی پڑھائی ذرا مشکل تھی پھر اس نے کمپیوٹر کا مضمون رکھا تھا تو اسے زیادہ وقت چاہیے ہوتا تھا پڑھنے کے لیے جو اس کے پاس ہوتا نہیں تھا ٗ کالج میں بھی اسے تھوڑ وقت مل ہی جاتا تھا۔

رات گئے سوتی تو فجر کے وقت اٹھ جاتی ٗ اب وہ فجر سے بھی ڈیڑھ دو گھنٹے پہلے ہی اٹھتی تھی اور ٹھیک اسی وقت ایک گھنٹے کے لیے بھی بجلی جاتی ٗ وہ باورچی خانے کے گیس لیمپ کو جلا کر کتاب پکڑ لیتی۔ گیس لیمپ ذرا اونچائی پر لگا تھا اور روشنی کم دیتا تھا تو وہ لیمپ کے عین نیچے جا کر کھڑی ہو کر گھنٹہ بھر پڑھتی رہتی ٗ ساتھ ساتھ لکھتی جاتی ٗ ویسے تو کوئی اس وقت اٹھتا نہیں تھا لیکن اگر اٹھ کر وہاں آجاتا تو اسے اس وقت کھڑے دیکھ کر یقیناً ڈر جاتا ٗ وہ جلدی جلدی ایک ایک کر کے کتابیں پڑھ رہی ہوتی۔ گھنٹے بعد بجلی آتی تو گیس لیمپ بند کر کے کمرے میں آ کر پڑھنے لگتی۔ باقی کمروں میں یو پی ایس کا کنکشن تھا اگر اس کے پاس ایک بیٹری لائٹ بھی ہوتی تو اس کے لیے بہت تھی۔

کالج میں ایک دن اسے اپنی ہم جماعت کی بہن گراؤنڈ میں چھٹی سے ذرا پہلے ریاضی کی مشق کرتی نظر آئی۔ وہ اس کے پاس ہی آ کر بیٹھی تھی اور کتاب سامنے رکھ کر مشق حل کر رہی تھی ٗ رفو نے ایسے ہی اس کے رجسٹر پر نظر ڈالی تو اس سے پین لے کر اسے سمجھانے لگی۔

لڑکی کافی دیر سے ایک ہی سوال حل کرنے کی کوشش کر رہی تھی لیکن اس سے ہو نہیں رہا تھا۔ رفو نے ایک سوال حل کر کے اسے اچھی طرح سے طریقہ سمجھا دیا۔ چھٹی تک لڑکی نے تین سوال خود سے ہی حل کر لیے۔

چند دن گزرے تو اس کی ہم جماعت عنیزہ اس لڑکی کی بہن اس کے پاس آئی کہ وہ اسے ٹیوشن پڑھا دیا کرے۔ رفو کو بہت شرمندگی ہوئی کہ وہ کن الفاظ میں انکار کرے پڑھانے کو وہ اسے کیا سو بچوں کو پڑھا سکتی تھی لیکن پڑھاتی کب اور کہاں؟

اس کے پاس اپنا پڑھنے کا وقت نہیں ہوتا تھا ٗ وہ اگر ان کے گھر آ بھی جاتی تو کون اسے کام چھوڑ کر اسے پڑھانے دیتا۔ شرمندگی کے ساتھ ہی لیکن رفو نے اپنی مجبوری بتا دی ٗ کالج کی لڑکیاں جانتی تو تھیں کہ یہ گڑیا کی پھوپی زاد ہے اس پھوپی زاد پر ایک نظر ڈال کر ہی اس کا سارا احوال معلوم ہو جاتا تھا تو عنیزہ بھی سمجھ گئی۔

"بہت موٹے دماغ کی ہے سدرہ! سر بھی پڑھانے آتے ہیں لیکن اسے جلدی سمجھ نہیں آتی۔ تم سے سوال سمجھ کر گئی تو کہتی ہے انہی سے پڑھ لوں گی۔"

"پر وہ بہت لائق ہے ٗ ذرا طریقے سے سمجھاؤ تو سمجھ جائے۔"

"وہ طریقہ شاید تمہیں ہی آتا ہے۔" عنیزہ بہت مایوس ہوئی۔ رفو الگ شرمندہ ہو رہی تھی ٗ پر کیا کر سکتی تھی۔ اتنا کیا کہ چند دن بعد اس نے سدرہ کی کتاب اور رجسٹر منگوا لیا ٗ سدرہ سے نشان لگوا لیے تھے کہ اسے کون سے کون سے سوال مشکل لگ رہے ہیں اور سمجھ نہیں آ رہے۔

کالج میں ہی اس نے تین سوالوں کو حل کیا اور ہر سوال کا حل اس ترتیب سے لکھا کہ درجہ بہ درجہ اسے ترتیب سے پڑھنے اور ذرا سی کوشش سے کوئی بھی حل کر سکتا تھا پھر آئے دن عنیزہ ایسے ہی کتاب اور رجسٹر ساتھ لے آتی اور وہ اس پر جواب لکھ دیتی سدرہ گھر میں مشق کر لیتی۔

"رافعیہ! ایک دن اتفاق سے یہ رجسٹر پاپا کے ہاتھ آ گیا۔" عنیزہ اسے رجسٹر کھول کر دکھانے لگی اس پر پین سے "ویل ڈن" لکھا تھا ٗ کہہ رہے تھے۔

"کمال کی ترتیب اور طریقے سے جواب حل کیا ہے ٗ کوئی بھی سیکھ جائے۔ مزید یہ کہ تمہاری دوست چھوٹی جماعتوں کی کتابیں بہت کمال سے لکھ سکتی ہے۔" رفو کو اپنی تعریف سن کر بہت خوشی ہوئی۔

"پاپا اخبار میں کام کرتے ہیں ٗ کہہ رہے تھے اپنی دوست سے کوئی مضمون لکھواؤ ٗ یقیناً بہت اچھا لکھے گی۔"

"میں کیسے لکھ سکتی ہوں؟" اس بات پر وہ حیران ہوئی۔

"یہ سدرہ کا کام بھی تو اتنی اچھی ترتیب سے لکھتی ہو ٗ کیا پہلے یہ کام کیا تھا؟" وہ چپ چاپ سوچے گئی۔

"کوئی سا بھی لکھ دو پاپا میگزین میں چھپوا دیں گے۔"

"اچھا۔" رفو کو حیرت یہ تھی کہ کیا وہ کوئی ایسا کام بھی کر سکتی ہے جو کسی کی ضرورت حکم پر نہ ہو بلکہ اس کی قابلیت اور اپنی خوشی کے لیے ہو۔

"کیا تمہارے پاپا مجھے گائیڈ کر سکتے ہیں کہ کیسے لکھتے ہیں؟"

"ہاں! کیوں نہیں۔" اس نے مسکرا کے کہا۔

آنے والے دنوں میں عنیزہ نے اسے مختلف رسائل اور کتابیں لا دیں ٗ ان میں مختلف مضامین تھے وہ یہ سب اٹھا کر گھر لے آئی اور تین راتیں سونے کی بجائے انہیں پڑھتی رہی۔ کالج میں آنکھیں ملتی ٗ جمائی روکتی بار بار منہ دھوتی لیکن ان سب مضامین کو پڑھ کر ہی چھوڑا۔ یہ اس کا پہلا غیر تعلیمی کام تھا اور اسے بہت اچھا لگ رہا تھا۔

اسٹاپ کی طرف پیدل آتے ہوئے بس میں بیٹھتے ہوئے سبزی بناتے ٗ جھاڑ پونچھ کرتے اس نے "تعلیمی اداروں میں غیر تعلیمی سرگرمیوں" پر ایک مضمون تیار کر لیا اور جلد ہی اسے آہستہ آہستہ لکھ بھی دیا۔ ایک ہی مضمون تھا جو وہ فی الحال لکھ سکتی تھی کیونکہ کالج میں وہ لڑکیوں کو تعلیم سے زیادہ مختلف اور دوسری سرگرمیوں میں حصہ لیتے دیکھتی تھی ٗ اس نے مشاہدہ کیا اور اپنے مشاہدات لکھ دیئے۔

اس نے مضمون لکھ کر عنیزہ کو دے دیا اور ٹھیک دو ہفتے بعد عنیزہ نے میگزین اس کے ہاتھ میں پکڑا دیا اور ساتھ ایک ہزار روپے۔

"پاپا نے کہا ہے کہ تم اور بھی ایسے ہی مضمون لکھ لکھ کر دیتی جاؤ ٗ انہیں پسند آیا۔"

میگزین اور پیسے پکڑ کر اسے یقین نہیں آیا کہ ایسا ہو چکا ہے ٗ اسے بہت بار تقریبات میں جانے پر ہزار روپے ملے تھے ٗ عید تہوار پر اسے بھی ماموں پیسے دے دیتے جو وہ اپنے کسی تعلیمی خرچے کے لیے بچا کر رکھ لیتی۔ کالج جو بیگ وہ لے کر آئی تھی وہ زنیرہ کا استعمال شدہ تھا ٗ وردی گڑیا کی تھی جس کی قمیص اسے خاصی اونچی تھی ٗ شلوار کھینچ کر اسے بار بار نیچے کرنی پڑتی ٗ اس کے پاس اپنا کچھ بھی نہیں تھا ٗ اب یہ ہزار روپے اس کے تھے ٗ وہ کینٹین گئی ٗ برگر کھایا ٗ باقی کے پیسے اس نے بچا کر رکھ لیے۔

اگر اس کے پاس وقت ہوتا تو وہ روز ایک مضمون لکھ کر عنیزہ کو دیا کرتی لیکن ایک وقت ہی تو اس کے پاس نہیں تھا۔ وقفے وقفے سے اس نے دو مضمون اور لکھ کر دے دیئے۔

زنیرہ ٗ حسن اور گڑیا کے پاس اپنے لیپ ٹاپ تھے ٗ اکثر اسے بہت ضرورت پیش آتی لیکن اس کی ہمت نہ ہوتی ان سے پوچھ کر استعمال کرنے کی ٗ وہ سب جانتے تھے کہ رفو باجی کام کرنے والی ان کی پھوپی زاد ہے۔ لائق فائق ٗ اول آنے والی ٗ ہر استانی جس کی تعریف کرتی ہے لیکن کیونکہ عزت پیسے سے ہوتی یا خاندان سے یا نام سے تو رفو کے پاس ان میں سے کوئی ایک بھی چیز نہیں تھی۔ اپنے خاندان کا حصہ تو وہ اسے مانتے ہی نہیں تھے ٗ وہ اپنے باپ کا خون تھی ٗ اسی خاندان کا حصہ تھی جس خاندان نے کبھی اس کو پوچھا نہیں تھا کہ وہ کہاں رہ رہی ہے ٗ وہ سب رفو کو جانتے تھے اسے تسلیم نہیں کرتے تھے۔ اسے کسی گنتی میں نہیں لاتے تھے جیسے کہ بانو قدسیہ کہتی ہیں کہ غریب رشتہ دار پی ایچ ڈی ہی کیوں نہ کر لے اس کی حیثیت نہیں بدلتی۔ تو رفو کی بھی حیثیت نہیں بدلی ٗ اس پر کسی کو پیار نہیں آتا تھا ٗ کسی کو ترس بھی نہیں آتا تھا اس کے لیے صرف کام یاد آئے تھے ٗ اس کے کیے کام پیارے تھے۔ تین وقت کا کھانا جو وہ کھاتی تھی اس سے سود در سود وصول کرتے تھے۔

زبیر کا کمرا صاف کرتے اس نے دیکھا کہ اس کا لیپ ٹاپ ہینگ ہو چکا ہے اور وہ اسے بند کرنے کی ناکام کوشش کر رہا ہے ٗ رفو نے چند منٹ لیے اور لیپ ٹاپ ٹھیک کر دیا۔ پہلے وہ منہ اٹھا کر اسے دیکھے گیا پھر ایسے سر کو جھٹکا جیسے کچھ نیا تو نہیں کیا۔ ایسے ہی جیسے وہ اکیلی قالین دھو لیتی ہے ٗ ہیٹر کے پائپ فٹ کر لیتی ہے تو یہ کام بھی سیکھ گئی ٗ بس اس میں کون سی بڑی بات ہے۔

اب وہ تینوں اسے لیپ ٹاپ کے کاموں کے لیے بھی آوازیں دینے لگے۔ زیادہ نہیں لیکن وہ تھوڑے بہت مسئلے حل کر ہی دیتی۔ رجسٹری میں جا کر کچھ سیٹنگ بدل کر یا کریش ہو جانے والے کوڈز کی ریپئرنگ کر کے ٗ وہ کالج کی لائبریری سے کمپیوٹر سے متعلق کتابیں لے لے کر پڑھتی رہتی تھی اس کی معلومات میں خاطر خواہ اضافہ ہوا تھا ٗ ان کے ڈیپارٹمنٹ میں بھی کمپیوٹرز میں چھوٹے موٹے مسئلے ہوتے تو وہ کوشش کر کے ٹھیک کر دیتی تھی۔ مشق کر کر کے ہی انسان سیکھتا ہے اور مشق کے لیے اس کے پاس گھر میں کمپیوٹر نہیں تھا لیکن

دماغ ضرور تھا اور اگر دماغ کو استعمال میں رکھا جائے تو یہ کسی کمپیوٹر سے کم نہیں۔

❀......❀......❀
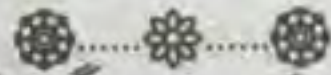
لمبے، کھلے، بدرنگ کپڑے پہنے وہ لگتی ہی نہیں کہ دو لفظ بھی پڑھی لکھی ہوگی، نقش ونگار اچھے تھے لیکن ان نقش ونگار پر فکر اور ڈر کا دباؤ اتنا تھا کہ وہ وحشت زدہ سی لگتی جیسے ہاتھ لگاؤ تو ڈر کے چیخ مار دے گی۔ اسے آئے دن یہی خوف لاحق رہتا کہ عین اس کے امتحانات کے دنوں میں خاندان میں کوئی تقریب نہ آ جائے اور اسے وہاں بھیج دیا جائے کیونکہ اس سے تو پوچھا نہیں جائے گا۔

خیر سے تینوں مامیاں ایک سی ہی تھیں، بازاروں میں خریداری کے لیے جاتیں اور چھ چھ سو کی فرائی مچھلی کھا آتیں، ہزار پانچ سو پر ایک کام والی نہیں رکھ سکتی تھیں کہ جو دن میں ایک بار صفائی ہی کر جاتی۔ وہ نوالے توڑ کر منہ تک جانے کیسے لے جاتی تھیں، جیسی مائیں ویسی اولادیں۔ لڑکیاں وزن کم کرنے کے لیے شام کو ایک گھنٹہ چھت پر تیز تیز چہل قدمی کرتیں اور آوازیں دے دے کر پانی رفو سے منگواتیں۔

رفو کو تو ان سب نے مل کر جن بنا ہی ڈالا تھا، سب کے کپڑے دھلتے ہی استری ہو کر ہینگ کر کے الماری میں لٹکانے ہوتے۔ بجلی کا کیا بھروسہ کب چلی جائے اور کب کس جوڑے کی ضرورت پڑ جائے۔ رفو ساتھ ساتھ کپڑے دھوتی اور خشک ہو جانے والے کپڑوں کو اوپر ہی تخت پر استری کرتی جاتی، کسی کو اتنی توفیق بھی نہ ہوتی کہ استری شدہ کپڑے ہی اٹھا کر لے جائے اور اپنی اپنی الماریوں میں رکھ لے۔ وہ درجنوں ہینگرز اٹھا کر سیڑھیاں اترتی اور ایک ایک کر کے سب کی الماریوں میں رکھتی۔

"میری نیلی سینڈل دیکھی ہے رفو! وہ کپڑے پر کپڑا نچوڑ رہی ہوتی، گرمی میں ہلکان ہو رہی ہوتی پھر بھی کوئی نہ کوئی اپنا کام لے کر آ جاتا۔

"باجی آپ کی الماری کے نچلے خانے میں رکھی ہے۔"

"مجھے تو نظر نہیں آئی آ کر دے دو بھئی۔" وہی اٹھ کر پانی نہ پینے والی عادت، بس سب کام کرے کرائے مل جائیں، وہ سارے کام چھوڑ کر نیچے جاتی الماری کے نچلے خانے سے سینڈل نکال کر دیتی پھر سے اوپر آتی۔

ہر بچے، بڑے، بوڑھے، جوان کے کپڑے، جوتے، بیگ، زیورات، استعمال کی دوسری چیزیں اسے ازبر تھیں حتیٰ کہ بالوں میں لگانے والی پنوں اور جرابوں کا بھی اسے ہی معلوم ہوتا۔ ظاہر ہے رکھتی وہ تھی نکال کر دیتی وہ تھی تو اسے ہی معلوم ہوتا تھا کہ کہاں کیا رکھا ہے کس کا رکھا ہے۔ ہر تقریب میں جانے سے قبل ایسی ہی صورت حال ہوتی۔ لڑکے اور باکمال تھے عین وقت پر شرٹس ہاتھ میں پکڑے، وہ جھٹ پٹ دھو کر جلدی سے استری کرتی۔ اندر سے مسلسل رفو...... رفو کی آوازیں آ رہی ہوتیں۔

"میری فلاں سینڈل...... فلاں بندے فلاں دوپٹہ......"

جاتے جاتے مامی کو یاد آتا کہ چائے ہی پی لی جائے یا تھوڑی بہت روٹی ہی کھا لی جائے نہ جانے وہاں کب تک کھانا ملے۔

تیار ہونے تک وہ اسے خوب نچا کر رکھتے، چلے جاتے تو اسے بہت آرام ملتا، پیچھے صرف ماموں ہی گھر میں رہ جاتے اور اسے ماموؤں کے رات کے کھانے کے لیے ہی گھر چھوڑا جاتا اور خود وہ منگنی، نکاح، سالگرہ کی تقریب میں چلے جاتے۔

وہ جلدی جلدی سب کے کمرے سمیٹتی، سردی ہوتی تو سب کے لحاف کمبل نکال کر ان کے بستروں پر رکھتی، گرمی ہوتی تو صحن میں بستر لگا دیتی، ماموں کھانا کھاتے، سو جاتے اور وہ کتابیں لے کر بیٹھ جاتی، کارٹون دیکھنے کا اسے بہت شوق تھا ٹی وی لگا کر کارٹون دیکھتی۔ جاگنا اس کے لیے مسئلہ نہیں تھا وہ آرام سے جاگ سکتی تھی ایک دو بجے تک وہ ان سب کے آنے تک جاگتی رہتی۔ وہ آتے تو نئے سرے سے ہنگامہ کرتے، چیزیں اتار اتار کر پھینک رہے ہیں، کسی کو پانی چاہیے کسی کو چائے، کسی کو گرم دودھ، سر درد کی گولی...... ساتھ ساتھ وہ ان سب کی چیزیں سمیٹتی جاتی، صبح بھی تو اسے ہی کرنا ہوتا ہے وہ رات کو ہی سب کے کپڑے جوتے سمیٹ لیتی۔

ایک دن منجھلی مامی کی بھانجی ملتان سے دو دن ان کے یہاں رہ کر گئی وہ باورچی خانے میں کھڑی کھیر کے بڑے پتیلے میں کفگیر ہلا رہی تھی وہ چائے بنانے لگی تو رفو نے جھٹ کہا کہ وہ بنا دیتی ہے۔

"نا بھئی! اپنے گھر میں اٹھ کر پانی بھی نہیں پیتی لیکن اب ضرور پیئوں گی۔" وہ مسکرائی۔

"مامی جی ناراض ہوں گی میں چائے بنا کر دیتی ہوں۔"

"تم سے اب چائے بنوائی رفو تو خدا بہت ناراض ہوگا، توبہ رفو! تم کتنا کام کرتی ہو انسان ہو کہ مشین، اپنی آرام دہ

زندگی چہ سر ڈال کر مجھے تو بہت شرمندگی ہوئی، کہاں ہم ناشکرے اور کہاں تم صابر، اتنا کام کر کے بھی نہ تھکنے والی۔"

یہ انسان اور مشین والی بات اس نے چند اور لوگوں کے سامنے بھی کی۔ منجھلی مامی تو بھانجی کا لحاظ کر کے چپ ہوگئیں، باقی دو بُرا مان گئیں۔

"اتنا پڑھایا، لکھایا، کھلایا، تھوڑا کام کر دیتی ہے تو کیا جاتا ہے۔ ہر امتحان میں اول آتی ہے ایسے ہی نہیں آ جاتی، باقی بچے کیوں نہیں آتے؟ اتنا اتنا وقت پڑھتی ہے تو ہی پاس ہوتی ہے نا۔"

بھانجی فاخرہ تو تھوڑی سی شرم دلا کر چلی گئی لیکن الٹا سب نے فاخرہ کو ہی منہ پھٹ اور بدتمیز کہا۔ منجھلی مامی کو غصہ تو آیا لیکن بھانجی تو اپنی ہی تھی نا......

ایسے ہی ایک بار گرمیوں کی چھٹیوں میں چھوٹی مامی کے بھائی کے بچے اور بھاوج مسقط سے رہنے کے لیے آئے۔ ان کا ہفتہ پندرہ دن سب کے یہاں باری باری رہنے کا ارادہ تھا، ان کے تینوں بچے رفو کے دیوانے ہوگئے۔ رفو دن میں انہیں تین تین بار نہلاتی، ان کے لیے پانی ابال کر بوتلوں میں بھر کر رکھتی، ٹوتھ پیسٹ کو برش پر لگا کر دیتی۔ مامی نے ایک بار بتا دیا تھا کہ یہ بچے کیا کیا کھاتے ہیں اور تازہ بنا ہی کھاتے ہیں، وہ جب جس بچے کو بھوک لگتی تب اسے تازہ پکا کر دیتی۔ شام کو رفو باجی کے ساتھ ضد کر کے قریبی پارک میں چلے جاتے، جہاں رفو باجی ان کے ساتھ ہر طرح کے کھیل کھیلتی، باقی گھر والے تو ان سب سے دور ہی تھے۔ بچے شور بہت کرتے تھے تو وہ بچوں کو زیادہ پسند نہیں کرتے تھے۔ رفو انہیں گود میں اٹھا، انگلی پکڑ کر ساتھ لیے گھومتی، وہ بھی ساتھ چپکے رہتے۔

مامی کی بھاوج اگلے گھر جانے لگیں تو رفو کو مانگ لیا کہ جب تک مسقط واپس نہیں جاتیں رفو کو ان کے ساتھ کر دیں۔ چھوٹی مامی تو خوشی خوشی اجازت دے دیتیں پر مسئلہ باقی سب کا تھا پھر بھاوج کے ہاتھوں تحائف دلوائے سب کو اور پھر رفو کو اجازت مل جانے کی، رفو ان کے ساتھ ہوگئی۔ بچوں کے لیے وہ صرف کام کرنے والی نہیں تھی وہ اس سے پیار کرتے تھے اس کے ساتھ خوش رہتے تھے اور انہیں وہ سنبھال بھی بہت اچھے سے لیتی تھی۔

ساہیوال، سانگھڑ، پنڈی، ایبٹ آباد رفو ہر جگہ ان کے ساتھ رہی، ان تین بچوں کے کام ڈیڑھ کنال کے اس اتنے بڑے گھر کے مقابلہ میں کم ہی تھے۔ بچے آئس کریم کھاتے تو پہلے باجی کے منہ میں ڈالتے پھر خود کھاتے، ہر شہر کے بازار سے بھابی نے خریداری کی تو رفو کو بھی ڈھیروں چیزیں لے کر دیں۔ بچے اٹھا اٹھا کر چیزیں رفو کو پکڑاتے کہ "یہ لیں...... لیں" تو بچوں کی ماں نے بھی خندہ پیشانی سے بل دیا۔ واپسی پر ساری خریداری اور ہزار ریال انہوں نے رفو کو دیئے۔ رفو نے حسب عادت آتے ہی سب چھوٹی مامی کو دے دیئے تو چھوٹی مامی نے چیخ ماری کہ ان کی بھابی رفو کو سونے میں تول کر گئی ہے۔ اس کے ناپ کی جو جوتیاں اسے لے کر دی گئی تھیں وہ تک مامی نے اسے نہ دی اور رفو کو افسوس بھی نہیں تو اس نے چند کتابیں لی تھیں اور وہ اسی کے پاس رہنے دی گئیں اس کے لیے یہی بہت تھا۔ کپڑے، جوتے یہ سب اسے بھی اچھے لگتے تھے لیکن ان کے لیے وہ اپنی عزت نفس کو داؤ پر نہیں لگا سکتی تھی اگر اسے نہیں دیئے جا رہے تو ٹھیک ہے وہ لالچی اور خواہشوں کی غلام نہیں بننا چاہتی تھی اسے معلوم تھا کہ اس گھر میں اس کا کسی بھی چیز پر کوئی حق نہیں ہے۔

لیکن اگر ایک شخص مار کھائے جائے تو اس کا مطلب یہ نہیں کہ اسے مارتے ہی جائیں، اگر کوئی چپ رہے تو اسے گونگا ہی سمجھ لیا جائے۔ کوئی حکم مانے تو اسے غلام ہی بنا لیا جائے، اگر کوئی پوچھنے والا نہ ہو تو خدا کی پوچھ پڑتال کو بھی بھلا دیا جائے، اگر فرائض ادا نہ کر سکیں، حقوق بھلا دیئے جائیں تو صرف ایک کام ضرور کرنا چاہیے "خدا کا خوف"۔

یہاں جو پکتا تھا وہ نہیں کھاتی تھی جو بچتا تھا وہ کھاتی تھی۔ بنا پکوڑے کی کڑی، سبزی میں بچے آلو گوشت کے سالن کا شوربہ، کھیر پکتی سب کے حصے الگ الگ نکال کر نام دے کر رکھ دیئے جاتے۔ وہ پتیلا صاف کرتی، مامی کہتی جتنی کھیر پتیلے کے پیندے سے لگی ہوتی ہے اس سے دو بندے سیر ہو جائیں۔ رفو اتنی سیر ہو جاتی تھی کہ فریج میں رکھی کھیر پر ایک نظر بھی نہ ڈالتی۔ وہ تو مامی ہی کہہ دیتی تھیں کہ پتیلا صاف کر لے ورنہ وہ بھی نہ کرتی۔ اس نے اپنے اندر بھوک جاگنے ہی نہیں دی تھی، سردیوں کے خشک میوے، گرمیوں کے پھلوں کے کریٹ، اس نے کبھی زبان سے رال ٹپکنے نہیں دی تھی۔ سب جانتے تھے وہ کوئی پھل نہیں کھاتی۔ اخروٹ کو توڑتے اسے کسی نے کبھی نہ دیکھا۔ عید اور دوسرے تہواروں پر بہت کیک، مٹھائی آتی بعد میں لڑائی ہوتی کہ کہاں گئی اتنی مٹھائی آئی تھی، کون کھا گیا؟

کس نے زیادہ کھائی، کس نے کم کھائی؟ لیکن اس سب میں بھی کوئی اس پر انگلی نہیں اٹھا سکتا تھا کہ بچہ بچہ جانتا تھا کہ وہ مٹھائی نہیں کھاتی۔ اس نے اچھے وقت میں ہی خود کو اس شک سے پرے کر لیا تھا۔

مامیاں اس سے پیسوں کے حساب کرواتیں، الماری میں رکھواتیں، جانتی تھیں رفو مر جائے گی مگر ایک پیسے کا ہیر پھیر نہیں کرے گی۔ وہ جس ماحول میں جیسے بھی رہ رہی تھی اس نے خود کو اکیلے ہی اتنا مضبوط کیا تھا، وہ ہر سبق خود کو ایک بار یاد کروا کر بھولتی نہیں تھی اس پر قائم رہتی تھی۔

❀......❀......❀

منجھلی مامی زنیرہ کی شادی کی تیاری کر رہی تھیں اس کے خالہ زاد کے ساتھ بات طے تھی فی الحال تو سب بہت جوش و خروش سے تیاریاں کر رہے تھے۔ سارا سارا دن بازاروں میں گھوما جاتا، ڈھیروں سامان اٹھا کر وہ گھر لاتی، بازار گھر کے قریب ہی تھا سامان زیادہ ہو جاتا تو اسے سامان دے کر گھر رکھ آنے کے لیے بھیج دیا جاتا، گھر رکھ جاتی پھر ہانپتی کانپتی انہیں بازار میں ڈھونڈ کر جا لیتی، شام تک ایسے ہی چلتا رہتا۔ وہ تو آتے ہی کمرے بند کر کے آرام کرنے لگتیں، رفو دوپٹوں کو ٹانگوں پر باندھ کر باورچی خانے میں آ جاتی، کالج سے آنا پھر بازار جانا پھر بازار سے تین چار چکر اتنا وزن اٹھا کر لانے سے اس کی ٹانگیں ٹوٹنے والی ہو جاتیں، دو ماہ بعد اس کے امتحانات تھے وہ بارہویں میں تھی اور گڑیا تیرہویں میں تو اسے یقین تھا کہ شادی عین اس کے امتحانات کے دنوں میں رکھ دی جائے گی۔ تاریخ رکھتے وہ یہ تھوڑی سوچیں گے کہ رفو کے تو امتحانات ہیں ذرا آگے پیچھے کر لیتے ہیں۔ تیاریاں تو یہی بتا رہی تھیں کہ شادی کسی بھی وقت ہو سکتی ہے۔

وزن اٹھا کر چلتے وہ اتنا نہیں ڈگمگائی تھی جتنا یہ سوچ کر کہ اس کے امتحانات کا کیا ہوگا، خوف سے اسے رات رات بھر نیند نہیں آتی تھی۔ رونا بھی آتا تھا اس بار بھی ہر صورت اسے اول ہی آنا تھا ورنہ کون آگے اس کی فیس بھرتا۔ پوزیشن نہیں لے گی تو آگے کیسے پڑھے گی اور اگر صرف پاس ہی ہوگئی تو مطلب اس کی تعلیم ختم، وہ تو پاس ہونے کے قابل بھی نہیں پڑھ رہی تھی۔ کالج میں وہ ایک لمحہ بھی ضائع نہیں کرتی لیکن اسے لگ رہا تھا کہ وہ مشکل سے ہی پاس ہوگی۔

وہ دو تین مہینے بعد کے خوف میں مبتلا تھی کہ اس پر اس سے بڑی دوسری مصیبت آ گئی، بڑی مامی کے لاڈلے بھانجے کی شادی طے ہوگئی تھی، اس کے امریکہ سے آنے کا ہی انتظار تھا، آ گیا تھا تو شادی فوراً پندرہ دن بعد کی طے کر دی گئی۔ اتنی افراتفری تھی کام کرنے والے دس بھی کم تھے، وہاں سے فون آیا اور مامی نے اسے کپڑے رکھ لینے کے لیے کہا، پہلی بار کپڑے رکھتے وہ رو رہی تھی، مسئلہ کام کرنا نہیں تھا مسئلہ صرف اس کے امتحانات تھے، پندرہ دن پہلے اسے وہاں بھیج رہے تھے یعنی اب پندرہ دن وہ کالج نہیں جا سکے گی۔ روتے ہوئے اس نے کتابیں بھی ساتھ رکھ لیں، اسلام آباد جانا تھا اسے، مامی نے ٹرین میں بٹھا دیا، وہاں سے وہ آ کر لے گئے۔ گھر کافی بڑا تھا کام بھی زیادہ تھا، دوسرے ملکوں سے چند مہمان آئے ہوئے تھے، ان سب کی کنفرم فلائٹس پر ہی شادی کی تاریخ رکھی گئی تھی، دو اور کام والیاں بھی تھیں جو مہمان دبئی، انگلینڈ، امریکہ سے آئے تھے ان کے الگ الگ کام تھے۔ وہ آدھا گھنٹہ ہدایات دیتے کہ کس طرح کا کھانا کھائیں گے، کتنے بجے تک کھائیں گے، کیسی چائے پئیں گے، کیسی کافی...... رفو باقی دو کی نسبت ان کی پسند کے ذرا قریب قریب کام کر دیتی تھی۔ کافی بہت اچھی نہیں بنتی تھی لیکن تھوڑی اچھی بن جاتی تھی وہ شکریہ کہہ کر پی لیتے تھے۔ ان میں سے انگلینڈ سے آئیں ایک خاتون کو شوگر اور بلند فشار خون کا مسئلہ تھا، ان کے کھانے پینے میں خاص احتیاط کرنی پڑتی تھی، وہ صبح سویرے چہل قدمی کے لیے جاتی تھیں، اچھی مشفق خاتون تھیں۔

لاہور سے مامی بھی آ گئیں، دوسرے مہمان بھی آ گئے، پہلی فرصت میں اس نے مامی کے سارے کپڑے نکال کر استری کیے اور انہیں ان کے کمرے کی الماری میں ترتیب سے لٹکا دیا۔ مامی کو عادت تھی واش روم میں جا کر رفو کو تولیہ کے لیے آوازیں دیتی، مایوں کے لیے لڑکی والوں کی طرف جانے کے لیے تیار ہوئیں تو رفو رفو آوازیں دیتی رہیں، ان کے ایک ہاتھ کا پھولوں کا گجرا نہیں مل رہا تھا، وہ کہیں رکھ کر بھول گئی تھیں اور اب رفو بھاگ بھاگ کر وہ گجرا ڈھونڈ رہی تھی۔

"یہ لیں مامی جی......!" وہ مامی کے کمرے کے واش روم سے لے کر آئی۔ مامی نے ہاتھ آگے کیے وہ پہنانے لگی۔

"کیا آپ کی بھانجی ہے؟" انگلینڈ والی خاتون نے حیرت سے مامی کی طرف دیکھا۔ مامی کو ہاں کہنے میں بہت تامل ہوا اٹھ کر اپنا دوپٹہ سیٹ کرنے لگیں۔ رفو گجرے پہنا کر جا چکی تھی،

یہ لڑکی رفو روزان کے ساتھ چہل قدمی کے لیے جاتی تھی اکثر انہیں چکر آ جاتے تھے تو وہ کسی نہ کسی کو ساتھ لے جاتی تھیں اور روز اتنی صبح صرف رفو ہی جاگ رہی ہوتی تھی باقی سارے گھر والے اور دونوں کام والیاں بھی سو رہی ہوتی تھیں انہیں لگا وہ بھی کوئی کام والی ہے۔ وہ رفو کا نام جانتی تھیں اور بس وہ ان کی کوئی رشتہ دار ہے انہیں گمان بھی نہیں تھا۔

اگلی صبح چہل قدمی کے دوران ان کی معلومات میں اور اضافہ ہوا انہیں یقین نہیں آیا کہ مشین کی طرح کام کرتی لڑکی کالج بھی جاتی ہے۔ وہ فجر سے ڈیڑھ دو گھنٹے پہلے اٹھ کر اپنی کتابیں پڑھ لیتی تھی باقی سب تو دس بجے اٹھتے تھے تو وہ اس دوران کافی کچھ پڑھ لیتی تھی۔ ان خاتون جنہیں سب رضیہ بھابی کہتے تھے کے ساتھ چہل قدمی سے واپس آ کر وہ پھر سے پڑھنے بیٹھ جاتی تھی انہوں نے اس کے اماں ابا کے بارے میں پوچھا چند اور سوالات کیے اسی دن شام کو جس کمرے میں وہ تینوں کام کرنے والیاں سوتی تھیں وہ آئیں اور اس کی کتابیں دیکھنے لگیں بہت خوش ہوئیں۔

ان کے دو بیٹے تھے اور دونوں ہی شادی شدہ تھے وہ انگلینڈ سے اکیلی ہی اپنے دیور کے بیٹے کی شادی کے لیے آئی تھیں۔ بڑی مامی ذرا ان سے چڑتی تھیں ایک بار انہوں نے سب کے سامنے کہہ دیا جب وہ سب کو ناشتا کروا رہی تھی۔

"رفو بچے بس بیٹھ کر تم بھی ناشتا کرلو۔"

"میں کر چکی ہوں ناشتا!" ان کے کہنے پر رفو پریشان سی ہوگئی۔

"چلو پھر جا کر آرام کرو کتنا کام کرتی ہو تم تم یہاں شادی میں شرکت کے لیے آئی ہو یا کام کرنے۔" مامی نے گھور کر پہلے رضیہ بھابی کو دیکھا پھر اپنی بہن کی طرف دیکھا بہن الگ پہلو بدل رہی تھی اسی لیے انہیں یہ اپنی جٹھانی ناپسند تھی۔ آگے پیچھے تو کبھی کسی کی شادی میں آئی نہیں اس بار آ گئی۔

اب مامی اور ان کی بہن یہ بھی نہیں کہہ سکتی تھیں کہ یہاں کام کے لیے ہی آئی ہے کیونکہ آخر کو وہ ان کے میاں کی سگی بھانجی تھی۔ ان کی بہن کی پہلی اور آخری اولاد...... مایوں سے ڈھولکی اور ڈھولکی سے مہندی آ گئی رفو کے کاموں میں ذرا سا فرق پڑا رضیہ بھابی اسے اپنے ساتھ بٹھا کر کھانا کھلاتیں تھیں بہت تعریف کرتی تھیں اس کے ہاتھوں کے پکے پھلکوں کی چائے کی۔

رضیہ بھابی کو کم ہی لفٹ کروائی جاتی تھی پہلے تو دو بیٹے تھے جن کی وجہ سے انہیں پوچھ بھی لیا جاتا تھا اب تو وہ دونوں بھی انگلینڈ میں اپنی مرضی سے شادی کر چکے تھے تو اب ان کے آگے پیچھے کیوں رہا جائے؟

وہ گڑیا کے سینڈل صاف کر رہی تھی جب رضیہ بھابی کو یہ دیکھ کر حقیقتاً بہت افسوس ہوا۔

"گڑیا! اپنے جوتے تو کم از کم خود صاف کرو بہن بے تمہاری صبح سے کام میں لگی ہوئی ہے۔" گڑیا قریب ہی بیٹھی نیل پالش لگا رہی تھی انہوں نے اتنے پیار سے کہا کہ گڑیا شرمندہ ہوگئی۔

"رفو! میں خود کر لوں گی۔" لیکن مامی کو بہت غصہ آیا سن کر مشکل سے ہی اپنی زبان اندر رکھی اپنی بہن کا جا کر سر کھایا۔

"ان کی بنی ٹھنی بیٹی کیا اپنے سینڈل خود صاف کرے گی؟"

"میں تو خود بہت عاجز ہوں اس سے آپا۔" بہن نے الٹا شکوہ کیا۔

"اب اگر یہ کچھ بولی تو میں اس کا منہ توڑ دوں گی۔"

"توڑ دینا۔" وہ ہنسنے لگی۔

بارات آ گئی ولیمہ اور چند دن اور گزار کر وہ سب لاہور واپس آ گئے اور ٹھیک ایک ہفتے بعد رضیہ بھابی اپنی دیورانی اور دیور کو لے کر حافظ عبدالرحمٰن کے گھر موجود تھیں۔

"کیوں لائی ہو تم اسے یہاں؟" بڑی مامی کو بہنوئی کو دکھانے کے لیے خاطر مدارت کرنی پڑ رہی تھی۔

"کہہ رہی تھیں لاہور سے خریداری کرنی ہے آنا ہی پڑا۔"

دوپہر میں رفو بھی کالج سے آ گئی آتے ہی اپنے کاموں میں لگ گئی۔ مہمانوں کے لیے جلدی جلدی کھانا میز پر لگایا روٹی بنائی پھر ان کے لیے مامی کے کہنے پر دو الگ الگ کمروں کی اچھی طرح صفائی کی وہ آرام کرنے گئے تو اس نے باقی کام بھی سمیٹ لیا۔ رات تک تینوں ماموں ایک ایک کر کے آگے پیچھے آ گئے۔ رات کا کھانا کھا کر تینوں ماموؤں اور تینوں مامیوں کے ساتھ رضیہ بھابی نے اپنے چھوٹے بیٹے جبران کے لیے رافعیہ کا ہاتھ مانگ لیا۔

ماموؤں کو تو ٹھیک ٹھیک بات سمجھ میں آ گئی بڑی مامی کے کان سائیں سائیں کرنے لگے یہی حال ان کی بہن کا تھا۔

"وہ تو شادی شدہ ہے؟" مامی نے لب کھولے۔

"تھا......" انہوں نے اطمینان سے جواب دیا۔

"علیحدگی کے لیے کیس فائل کیا ہوا تھا اس نے دس دن پہلے ہی باقاعدہ طلاق ہو چکی ہے۔ جذباتی فیصلہ تھا جبران کا شادی نو ماہ بھی نہیں چلی ہر طرح سے کامیاب کرنے کی کوششیں کی لیکن طلاق ہو ہی گئی۔"

ماموں تو سوچ میں گم چپ رہے مامی کو بہت آگ لگی۔

"ایک کو نہیں بسا پایا تو دوسری کو کہاں بسائے گا اب ہماری لڑکی کی زندگی برباد کرنی ہے۔"

"یہ میرے دیور اور آپ کے بہنوئی بیٹھے ہیں ان سے جانچ پڑتال کرلیں کہ جبران کیسا ہے؟"

"میں جبران کی ذمہ داری لیتا ہوں۔" دیور صاحب جھٹ بولے۔ مامی کھول کر رہ گئیں اگر کرنی ہی تھی جبران کی شادی تو اور لڑکیاں مر گئی تھیں ان کی گڑیا بھی تو تھی۔

"ہمیں نہیں اعتبار بھئی کون جانے وہاں کون کیسا ہے اور کیا کرتا ہے۔" مامی نے صاف انکار کر دیا۔

"میں نے جبران کو یہاں آنے کے لیے کہہ دیا ہے آپ لوگ اس سے مل لیجیے گا آپ کیا کہتے ہیں؟" وہ بڑے ماموں سے پوچھ رہی تھیں۔

"آ جائے جبران مل لیتے ہیں اس سے انکار کس بنا پر کریں آپ کو۔" ماموں فوری انکار تو کیا انکار ہی کرنا نہیں چاہتے تھے۔

"کیوں نہ انکار کریں ابھی نہیں کرنی ہمیں اس کی شادی اتنی سی تو ہے۔ دیکھ لیں گے اس کی شادی بھی۔" بڑی مامی کا بس نہیں چل رہا تھا۔

"میرے دیور ذمہ داری لے رہے ہیں کیا آپ کو ان کا بھی اعتبار نہیں؟" انہوں نے صاف اور سیدھا صرف بڑے ماموں سے پوچھا۔

"اعتبار ہے جان پر۔" بڑے ماموں نے جھٹ کہا۔

"بچے سے ایک غلطی ہوگئی اپنی مرضی سے شادی کی اس بار اس نے اختیار مجھے دیا آپ کی بھانجی ہیرا ہے۔ آپ کا احسان ہوگا مجھے یہ ہیرا دے دیں آج کل ایسی بچیاں کہاں ملتی ہیں؟" ماموں کا سینہ فخر سے پھول گیا شادی تو انہیں اس کی کرنی ہی تھی اس طرح بیٹھے بٹھائے رشتہ مل گیا اور انہیں کیا چاہیے تھا۔

"کب آ رہا ہے جبران؟" انہوں نے اپنی بیوی کو صاف نظر انداز کر کے کہا۔

"آج کل میں ہی......"

"بس اس کے آتے ہی نکاح کر دیں گے ہم آپ جب چاہے رفو کو ساتھ لے جائیں وہ آپ کی ہوئی۔"

رضیہ بھابی خوش ہوئیں تینوں مامیاں ایک دوسرے کا منہ دیکھنے لگیں کرنا ہی تھا تو گھر میں آگے پیچھے لڑکیاں ہی لڑکیاں تھیں ایک رفو ہی ضروری تھی۔

رضیہ بھابی رفو کے ہاتھ پر ہزار روپے رکھ کر اگلی صبح ہی اسلام آباد چلی گئیں۔ بڑی مامی نے اپنے شوہر کی خوب خبر لی رفو کو خوب بھڑکایا کہ جا کر ماموں سے صاف صاف کہہ دے کہ نہیں کرنی شادی وادی گڑیا کی کر دیں تجھے میں اپنے پاس رکھوں گی زبیر کی دلہن بناؤں گی۔" لیکن انکار کرنا تو رفو کو سکھایا ہی نہیں گیا تھا اور پھر وہ بڑی مامی اور رضیہ خاتون میں صاف صاف فرق کر سکتی تھی مامی کو اس نے جھجکتے ہوئے بس اتنا ہی کہا۔

"ماموں کا ہر فیصلہ مجھے منظور ہے۔" مامی کو تو آگ ہی لگ گئی۔

ہفتے بعد ماموں جبران سے ملنے اسلام آباد گئے اور ٹھیک دو دن بعد وہ لوگ نکاح کرنے آ گئے رفو کو اپنے ناپ کا اپنا جوڑا ملا جوتے اور زیورات ملے جبران جیسے شاندار لڑکے کو دیکھ کر سب دنگ رہ گئے۔ کسی کو یقین نہیں آ رہا تھا کہ ان کے گھر کی کام والی کو ایسے شاندار لوگ ملے ہیں۔ ایسا شاندار دولہا صرف تینوں ماموں ہی خوش تھے باقی سب کو سانپ سونگھ چکا تھا نہ خود دیتے تھے نہ کسی کو دیتے دیکھ سکتے تھے وہ ایسے لوگ تھے۔

❀......❀......❀

نکاح کروا کر جبران اس کے کاغذات لے کر چلا گیا اور اس کے امتحانات کے لیے رضیہ خاتون پاکستان میں ہی رہ گئیں۔ اس کا نکاح کیا ہوا ماموں نے اس پر جی جان سے کام لاد دیا اس نے ہمیشہ کی طرح خندہ پیشانی سے کام کیا وہ چند دنوں کی مہمان ہے اور پھر وہ چلی جائے گی یہ کسی نے بھی نہ سوچا جیسے تیسے اس نے امتحانات دیے اور رضیہ خاتون اسے دس دن بعد اپنے ساتھ لے کر انگلینڈ چلی گئیں۔

بِھیگی پلکوں پر

اقرا صغیر احمد

دن ہفتے، مہینے گزرے رفو کو اس گھر میں کام والی کے روپ میں ہی یاد کیا جاتا رہا۔ وہاں اس نے یونیورسٹی میں داخلہ لے لیا تھا۔

زنیرہ کی شادی کے لیے اس نے بیس ہزار بھیجے پھر گاہے بگاہے وہ ان کے لیے کوٹ، سویٹر، جوتے، گھڑیاں، پرفیوم بھیجتی رہی۔ پہلے وہ فون کرتی تو ماموں ہی بات کر لیتے اور اس کے بار بار کہنے پر بھی کوئی مامی اس سے بات نہ کرتی۔ کبھی کبھار گڑیا سلام دعا کر لیتی پھر ایک ایک کر کے مامیاں اس سے باتیں کرنے لگیں، اس سے کچھ نہ کچھ منگوا لیتی تھیں وہ بھیج دیتی تھی۔

”برہان انگلینڈ جا کر پڑھنا چاہتا ہے بلو الو گڑیا کے لیے کسی وہیں کی جاننے والی فیملی سے رشتہ درکار تھا۔“

وہ آہستہ آہستہ بھول گئے کہ رفو نامی لڑکی کبھی ہاتھ میں پانی کا گلاس پکڑے خادم بنی کھڑی رہا کرتی تھی۔

جبران کے دوست کی فیملی جو لاہور میں ہی رہتی تھی ان سے رفو نے مامی کی بات کروادی، گڑیا کے رشتے کے لیے۔

چند مہینوں بعد برہان بھی انگلینڈ پڑھنے چلا گیا۔

ہوسٹل میں کمرا ملنے تک رفو نے اسے اپنے پاس رکھا اس کے لیے اپنے گھر میں کمرا سیٹ کیا۔ برہان وہاں دو مہینے رہا اور شرم سے پانی پانی ہو گیا، اس گھر میں سب لوگ اپنے اپنے کام خود کرتے تھے، جبران اپنی پلیٹ اپنا گلاس خود اٹھا کر دھوتا تھا، اپنے جوتے خود پالش کرتا، اپنی شرٹ دھوتا، کمرا اور کچن بھی صاف کر لیتا، رفو نوکری بھی کر رہی تھی۔ شام کی کلاسز بھی لیتی تھی، مقامی اخبار میں اس کے آرٹیکلز بھی چھپتے تھے، رات کو سب فارغ ہو کر ٹی وی دیکھتے۔ جبران کھانا بھی بنا لیتا، میز پر لگا بھی دیتا، رفو دوسرے کام دیکھ لیتی، اس کی بیٹی کی دیکھ بھال اس کی دادی کرتیں۔ بازار کی ساری خریداری جبران کے پاپا کرتے۔ ویک اینڈ پر وہ لوگ گھومنے پھرنے کے لیے جاتے سب نے اپنے اپنے کام بانٹ لیے تھے اور زیادہ اچھی بات یہ تھی کہ وہ اپنے اپنے کام خود کرتے تھے کسی دوسرے کو آواز نہیں دیتے تھے کہ ”آؤ اور آ کر مجھے پانی پلا دو یا میرے کپڑے استری کر دو یا مجھے کھانا نکال کر دے دو“ برہان نے بھی اپنی شرٹ خود استری کرنا سیکھ لی، بکھرے ہوئے کچن کو سمیٹنا بھی، ہوسٹل گیا تو ویک اینڈ پر وہ رفو کے گھر آ جاتا جو جاتے ہوئے اسے طرح طرح کے کھانے پکا کر ساتھ دیتی۔

سال بعد وہ گھر گیا تو سارا دن چلنے والے ٹی وی کو بند کر دیا۔

”ٹی وی صرف رات کو لگے گا وہ بھی صرف دو گھنٹے، سن لو سب۔“ وہ چلایا اور بہن بھائی ڈر گئے۔

سارا سارا دن سوتے والی اپنی ماں، بہن اور تائی چچی کو وہ خوب سناتا۔ رفو کی مثالیں دیتا، اپنے ابا، تایا اور چچا کو بھی خوب اچھی طرح سمجھا دیا۔

”گھر اور گھر کی خواتین پر ذرا توجہ دیں اور سختی کریں۔“

گھر میں تین کام والیاں رکھی تھیں، اس نے دو کو فارغ کروایا۔

”یہ جو اتنی ڈھیر عورتوں کا گھر میں موجود ہے تا یہ کام کرے گھر کے۔ ایف اے، بی اے کر کے گھر بیٹھی ہیں، کھاتی ہیں اور سو جاتی ہیں۔“ تایا چچا نے اس کی خوب حمایت کی، نیلوفر درخشاں کو لے جا کر اس نے کالج میں داخل کروا دیا۔ کہتی تھیں بس اور نہیں پڑھا جاتا، ایک اچھے قابل استاد کو ان کی ٹیوشن کے لیے رکھا۔ سختی سے ان کی اور اپنی ماں کو سمجھایا کہ کسی صورت کوئی پڑھائی نہ چھوڑے۔

اس کا خیال تھا کہ پڑھنے کے مواقع نہیں بھی ہیں تو بھی کیسے بھی کر کے پڑھو اور وہاں رہنے والوں کے پاس کون سی سہولت نہیں تھی پھر بھی میٹرک میں، ایف اے میں، بی اے میں انگریزی، اسلامیات، ریاضی میں فیل ہو جاتے یا فیل ہو کر بس کر کے ہی بیٹھ جاتے کہ کیا کرنا اتنا پڑھ لکھ کر۔ یہ ایک برہان ہی تھا جسے لکھنے پڑھنے کا بہت شوق تھا اور مغربی ملک میں جا کر اسے اندازہ ہوا کہ وہاں کے لوگ تو ایک منٹ بھی ضائع نہیں کرتے۔ ٹرین میں، بس میں...... بس اسٹاپ میں، شاپنگ مال میں، سڑک پر چلتے، جہاں انہیں وقت ملتا ہے کتاب، اخبار، میگزین کھول کر بیٹھ جاتے ہیں یا کام کرتے رہتے ہیں اور ایسے کام کرتے ہیں جیسے آج کام کا آخری دن ہے۔ تو یہ دو چیزیں علم اور عمل...... تعلیم اور کام...... یہی دو چیزیں تبدیلی لائی ہیں۔

انقلاب کی طرف لے جاتی ہیں، ہمارے گھروں میں موجود ہر فرد ان سے کیوں دور ہے؟ جو فرد جو قوم اپنا محاسبہ کر کے اپنی اصلاح کر لیتی ہے، کامیاب رہتی ہے جو نہیں کرتے وہ تباہ ہو کر مٹ جاتے ہیں۔

جب ساز کی لے بدل گئی تھی
وہ رقص کی کون سی گھڑی تھی
اب یاد نہیں کہ زندگی میں
میں آخری بار کب ہنسی تھی

گزشتہ قسط کا خلاصہ

شیری کے حواسوں پر پری اس قدر غالب آجاتی ہے کہ خواب میں بھی ہر طرف اسے وہی دکھائی دیتی ہے اپنی اس کیفیت پر وہ خود بھی بے بسی کا شکار ہوجاتا ہے۔ عائزہ کی رخصتی کے بعد پری کو الماری کی چابیاں صباحت بیگم کے کمرے سے مل جاتی ہیں اور دادی کے استفسار پر وہ صباحت بیگم کا نام لینے کے بجائے بچوں کی شرارت کا ذکر کرتی ہے۔ دوسری طرف عائزہ سسرال سے اپنے گھر آتی ہے اور سارا وقت دادی کے ساتھ ہی گزارتی ہے۔ جس پر صباحت بیگم کچھ خاص خوش نہیں ہوتیں اور عائزہ کے ولیمے کی تیاریوں میں مصروف ہوجاتی ہیں۔ ماہ رخ حالات کے بھنور میں پھنسی اس زندگی سے سمجھوتہ کرلیتی ہے دوسری طرف غفران احمر کی مہربانیاں بھی اس پر بڑھتی جاتی ہیں وہ نہ صرف ہاجرہ کو اپنا شریکِ راز بنالیتی ہے بلکہ ہاجرہ کی زندگی کے بہت سے تاریک گوشوں سے بھی واقفیت حاصل کرلیتی ہے۔ اس کی زندگی میں ہلچل اس وقت مچتی ہے جب ایک بار پھر اس کا سامنا اعوان سے ہوتا ہے اور وہ اس پر الزامات کی بوچھاڑ کردیتا ہے اور اپنی بات کے صادق ہونے پر ساحر کا بھی ذکر کرتا ہے۔ ماضی کے واقعات اعوان کچھ اس طرح دہراتا ہے کہ ماہ رخ اپنے کربناک ماضی سے نگاہیں چراتی ہوش وخرد سے بیگانہ ہوجاتی ہے۔ پری ولیمے میں شرکت سے انکار کرتے مُثنیٰ بیگم کے پاس جانے کا ذکر کرتی ہے۔ جس پر صباحت بیگم بہت خوش نظر آتی ہیں' دوسری طرف وہ بیگم عابدی اور شیری سے ولیمے میں شرکت پر اصرار کرتی ہیں وہ عادلہ کی راہ میں آنے والی ہر رکاوٹ کو دور کردینا چاہتی ہیں۔ مُثنیٰ پری کو دیکھ کر خوش ہوجاتی ہیں وہ چند دن ان کے ساتھ گزارتی ہے تبھی وہ اس کی شادی کا ذکر کرتی ہیں جس پر پری انہیں صاف انکار کردیتی ہے۔ طغرل گھر کے مالی حالات خستہ حال میں دیکھتے غم وغصے کا شکار ہوتا ہے اور دادی سے بھی ذکر کرتا ہے کہ اسے ان حالات سے کیوں بے خبر رکھا گیا جس پر وہ فیاض صاحب کی خودداری کا ذکر کرکے اسے خاموش کرادیتی ہیں۔ پری مُثنیٰ اور صفدر جمال کے ساتھ کافی دن گزارتی ہے اسی دوران طغرل اسے لینے کی غرض سے آجاتا ہے جس پر وہ خاموشی سے اس کے ساتھ واپسی کا ارادہ کرتی ہے۔ راستے میں ہلکی بارش شروع ہوجاتی ہے جس پر وہ گھبراجاتی ہے لیکن طغرل موسم کے انداز سے بے نیاز اپنا حال دل اسے سناتا ہے۔ پری کی لاتعلقی پر وہ اس سے دوٹوک بات کرنے کا ارادہ کرلیتا ہے۔

اب آگے پڑھئے

❁+-✧-+❁
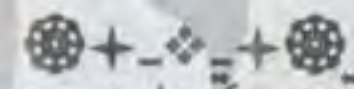
وہ سنجیدہ تھا اس کے لہجے میں سلگتی محبت کی آنچ تھی' ایک لو تھی' ایسی لو جو اس بھیگے موسم میں بھرپور حدت لیے ہوئے تھی' پری کی زبان گنگ ہوگئی۔ دل پر عجیب گرانی سی چھانے لگی کہ دل کا مقفل دروازہ کمزور ہونے لگا تھا اور وہ نہیں چاہتی تھی ایسے ہی کسی کمزور لمحے کی زد میں آکر وہ کمزور پڑجائے۔ پلکوں پر منوں بوجھ پڑ گیا تھا پھر اس کی آنکھیں بھی برسات کا ساتھ دینے لگیں' آنسو اس کے رخساروں سے موتیوں کی مانند پھسلنے لگے۔

''مائی گاڈ......'' طغرل نے کار اسٹارٹ کرتے ہوئے گہری سانس لے کر کہا۔

''مجھے سمجھ نہیں آتی تمہارے پاس میری ہر بات کا جواب آنسوؤں میں کیوں ہوتا ہے...... میں نے ایسی کیا بات کہہ دی جو تم

رونے بیٹھ گئی ہو؟'' اس کے لہجے کی شوخی جھنجلاہٹ میں بدل گئی تھی۔

پری نے کوئی جواب نہیں دیا وہ تواتر سے بہنے والے آنسوؤں کی یلغار سے نبٹنے کی سعی کررہی تھی۔ یہ آنسو کیوں بہہ رہے تھے؟ کیا وجہ تھی وہ خود سمجھ نہیں پائی تھی' بس دل تھا کہ مضطرب تھا۔

''پارس! کیا ہوا ہے؟ آخر میں نے ایسا کیا کہہ دیا جو تم اتنا رو رہی ہو؟'' اس بار اس کے لہجے میں گمبھیر تھکن اتر آئی تھی۔ وہ ہونٹ بھینچے ڈرائیو کررہا تھا' وہ پری سے بہت کچھ کہنے کا سوچ کر آیا تھا۔ پری دو ہفتوں سے گھر سے دور تھی اور یہ دو ہفتے اس نے بڑی بے چینی و بے قراری میں گزارے تھے ہر لمحہ اس کو جذبات کی شدت اور پری کی محبت کے احساس سے مانوس کرتا جارہا تھا۔

آج ان ہی شدتوں سے گھبرا کر وہ دادی کی اجازت کے بنا ہی اس کو لینے پہنچ گیا تھا اور وہ تھی کہ اس کے جذبوں سے ناآشنا آنسو بہائے جارہی تھی۔ اس کا ہر آنسو طغرل کے دل پر بدگمانی کے بوجھ کو بڑھا رہا تھا وہ سوچ رہا تھا کہ محبت میں وہ درد اور اثر نہیں ہے جو پری کی نفرت کو بدل سکے وہ اس سے نفرت کرتی تھی اور کرتی رہے گی۔ دونوں کے درمیان ایک خاموشی حائل ہوگئی تھی پری اپنے من میں ابھرنے والے نوزائیدہ جذبوں کو ختم کرنے کی کوششوں میں منہمک تھی۔ ماں باپ کی ناکام محبت و زندگی اس کے لیے کبھی نہ بھولنے والے صدمات تھے ان کی تمام محرومیاں اس کے حصے میں در آئی تھیں یہ کرب اس کو سہنا پڑتا تھا جو وہ سہنے کی عادی ہوگئی تھی مگر اب کسی کی محبت پر اعتبار کرنا اس کے لیے ممکن نہیں رہا تھا۔ طغرل کی محبت پر بھی اس کو یقین نہیں تھا۔ اس کے چہرے پر اب بھی گہری سنجیدگی تھی گیٹ پر کار روک کر وہ گلاس ڈور سے باہر دیکھنے لگا' پری نے ایک نگاہ اس کی طرف دیکھا اور اس کے سرد وسپاٹ رویے کی خفگی کو محسوس کیا مگر لب خاموش رہے وہ جیسے ہی ڈور کھول کر باہر نکلی طغرل زن سے کار بھگا لے گیا چند لمحے تو یونہی ساکت گزر گئے کہ بارش کی تیزی نے اسے گیٹ کی طرف قدم بڑھانے پر مجبور کردیا چوکیدار گیٹ وا کرچکا تھا۔ پورٹیکو میں کھڑی لینڈ کروزر دیکھ کر وہ سمجھ گئی شہریار اندر موجود ہے اس وقت وہ اس سے ملنے کے موڈ میں نہیں تھی بارش سے بچتی ہوئی کوریڈور کے دوسرے دروازے سے وہ اپنے اور دادی کے مشترکہ کمرے کی طرف بڑھ گئی۔

''بی بی جی! آپ آگئیں۔'' خیرون نے اسے دور سے دیکھتے ہی خوشی سے بھرپور آواز میں کہا اور لمبے لمبے ڈگ بھرتی اس کے قریب آگئی۔

''ہاں میں آگئی' تم کیسی ہو خیرون؟'' اس نے مسکرا کر پوچھا۔

''ایک دم فرسٹ کلاس بی بی جی! بالکل بھلی چنگی ہوں' شکر ہے آپ آگئیں' اب گھر میں رونق ہوگی۔ میں تو جی آپ کے جانے سے بڑی بور ہوگئی تھی' اماں جان بھی خاموش اور اداس رہنے لگی تھیں' عائزہ بی بی بھی بار بار آپ کا پوچھتی تھیں کہ آپ کب آئیں گی اور وہ......'' اس نے دانستہ زبان دانتوں تلے دبا کر بات ادھوری چھوڑی تھی بڑا معنی خیز سا انداز تھا اس کا پری نے چونک کر پوچھا۔

''عائزہ آئی ہوئی ہے......؟''

''ہاں جی عائزہ بی بی آج ہی تو آئی ہیں' ڈرائنگ روم میں شیری صاحب اپنی ممی کے ساتھ بیٹھے ہوئے ہیں سب لوگ وہاں موجود ہیں۔'' خیرون نے اسے تمام تفصیل بتائی تھی۔

''اچھا ابھی تم ان کو میری موجودگی کا مت بتانا میں ابھی ریسٹ کرنا چاہتی ہوں' سر میں درد ہورہا ہے۔'' اس نے آہستگی سے دروازہ کھول کر اندر داخل ہوتے کہا تو وہ اس کا بیگ اٹھا کر اندر رکھتے ہوئے بولی۔

''میں نہیں بتاؤں گی لیکن آپ کا سارا چہرہ کیوں لال ہورہا ہے' درد بہت ہورہا ہے بی بی جی! میں طغرل صاحب کو فون کردوں؟''

''ارے نہیں' طغرل بھائی کو فون کیوں کروگی؟'' وہ بیڈ پر بیٹھ کر سینڈل اتارتی ہوئی عام سے انداز میں گویا ہوئی۔

''طغرل صاحب ہی تو ہیں جو آپ کا سب سے زیادہ خیال رکھتے ہیں' آپ یہاں نہیں تھیں تو وہ بہت پریشان اور کھوئے کھوئے رہتے تھے۔'' خیرون نے سرگوشیانہ لہجے میں مسکرا کر کہا تھا۔

''دماغ درست ہے تمہارا' کیا بکواس کررہی ہو' تم کو احساس ہے؟'' اس کا دل بے ساختہ دھڑک اٹھا تھا وہ نہیں چاہتی تھی

طغرل کی دیوانگی اس کی رسوائی بن جائے اس نے خیر دین کو ڈانٹ کر کمرے سے نکال دیا تھا۔

❁+-❖-+❁

جانے الفت کہاں کھو گئی ہے راستے کی دھول میں
وفا کی خوشبو رہی نہیں اب چاہت کے پھول میں
محبت کی وادی میں کھا آئے ہیں دیوانے دھوکے اکثر
محبت اب رہی نہیں محبت کے اصول میں

اعوان اس کو جلد ہی ہوش میں لے آیا تھا اور ہوش میں آتے ہی اس نے قریب بیٹھے اعوان سے التجائیہ انداز میں کہا تھا۔

''گلفام کیسا ہے..... میرے امی ابو چچا چچی کیسے ہیں؟ میرے اس طرح آنے کے بعد ان پر کیا گزری..... کس طرح سے ان سب نے اس رسوائی کو برداشت کیا؟ وہ غریب تھے مگر عزت میں بہت بڑا مرتبہ رکھتے تھے۔'' اعوان کے سپاٹ چہرے پر اس کی کسی التجا کا اثر نہ ہوا تھا وہ اطمینان سے بیٹھا سگار کا دھواں اڑا رہا تھا۔

''خدا کے واسطے اعوان! مجھے بتاؤ میرے گھر سے جانے کے بعد ان پر کیا گزری..... وہ سب خیریت سے تو ہیں؟'' وہ اس کے پاؤں پکڑ کر گڑگڑانے لگی تو اس نے کراہت آمیز انداز میں اس کے ہاتھوں کو دور جھٹکا اور غرایا۔

''اب کیا فائدہ ان باتوں سے تم ان لوگوں سے مل سکو گی یہ سب تمہاری بھول ہے ماہ رخ! جس ولدل میں تم قدم رکھ چکی ہو اس ولدل سے فرار ناممکن ہے یہاں تم مر جاؤ گی فرار نہیں پاسکو گی۔''

''میں یہاں سے فرار پانا بھی کہاں چاہتی' اب زندگی میرے لیے سزا ہے اور اس سزا کو میں آخری سانس تک بھگتنا چاہتی ہوں۔''

''مجھے کوئی پروا نہیں' بھگتو تم جیسی لالچی و بدکردار لڑکی کو بھگتنا بھی چاہیے' میں تم سے کوئی' ہمدردی کے جذبات نہیں رکھتا بلکہ تم سے اس حد تک گھن آرہی ہے مجھے..... میں تمہیں اس قابل نہیں سمجھتا کہ چند لمحے تمہارے قریب میں گزار سکوں۔'' اس کی زبان سے سنگ باری جاری تھی اس کی روح گھائل ہو رہی تھی اس کا اس قدر ہتک آمیز رویہ اس کے دل کو زخمی کر رہا تھا لیکن وہ سن رہی تھی' گڑگڑا رہی تھی۔ اس سے ہاتھ جوڑ کر التجائیں کر رہی تھی کہ وہ جو چاہے ظلم و ستم کرے مگر اس کے گھر والوں کے مطابق بتادے اس کے منہ سے اپنوں کا ذکر سن کر اس کے اندر الیی اپنائیت کی آگ بھڑکی تھی کہ وہ جاننے کے لیے دیوانہ وار اس کی منتیں کر رہی تھی۔

''میرے سامنے یہ اداکاری نہ کرو' میں جانتا ہوں تم کتنی بڑی اداکارہ ہو مجھ سے زیادہ تم کو کوئی نہیں جان سکتا۔ میں تم کو کچھ نہیں بتاؤں گا' قطعی نہیں بتاؤں گا یہ میں خود سے وعدہ کرتا ہوں۔'' اعوان کے لہجے میں سخت بے رحمی و قطعیت تھی وہ صوفے پر بیٹھا تھا اس کی تمام توجہ اپنے سگار کی طرف تھی۔

ماہ رخ کسی بے قرار پرندے کی مانند کمرے میں چکرا رہی تھی بہت سعی کی اس نے اعوان کو منانے کی' اس کو ساحر خان کا اصل چہرہ دکھانے کی مگر وہ اس سے کچھ اس طرح منحرف و بدظن ہوا تھا کہ اس کی کوئی بات سننے کا روادار نہ تھا۔

''خدا کے لیے مجھ پر ترس کھاؤ اعوان! میں نے جو کیا اس کی سزا مجھے مل رہی ہے میں جس کرب و اذیت میں گرفتار ہوں' اس تکلیف کا احساس تم کسی طرح بھی نہیں کر سکتے' میرے اپنوں کا حال بتا کر میری اس تکلیف میں تم کچھ کمی کر سکتے ہو میرے زخموں پر مرہم رکھ سکتے ہو۔'' وہ پھر مجبوراً اس کی منت سماجت پر اتر آئی تھی اس کے قدموں میں بیٹھ گئی' اعوان نے حقارت سے اس کو ٹھوکر ماری اور پھر وہاں سے چلا گیا۔

❁+-❖-+❁
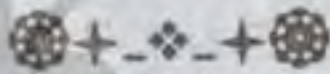
وہ پری کو گھر ڈراپ کر کے بزنس کے سلسلے میں ہونے والی میٹنگ اٹینڈ کرنے کے ارادے سے نکل تو گیا تھا مگر موسم کے تیور بالکل ہی بدل گئے تھے تواتر سے گرنے والی بوندوں نے موسلا دھار بارش کا روپ دھار لیا تھا اور ماحول میں بادلوں کی گھن گرج عروج پر تھی' اس نے کال کر کے میٹنگ کینسل کر دی تھی۔ گھر جانے کو دل پھر بھی آمادہ نہ ہوا تھا وہ بے مقصد سڑکوں پر کار دوڑا تا رہا' وہ ایک عجیب اداسی آمیز اضطراب کا شکار ہو گیا تھا اس کی محبت میں پل پل بے قرار و بے چین رہا تھا عجیب بات یہ تھی کہ وہ نظروں

کے سامنے رہتی تو دل از حد سکون و طمانیت محسوس کرتا تھا وہ نہیں تھی تو اس کا تصور رہتا تھا اس کی یاد کسی چراغ کی مانند دل از دھیرے دھیرے سلگانے لگی تھی اور آج تو بے قراری اتنی بڑھی تھی کہ وہ اسے لینے خود ہی پہنچ گیا تھا۔ دادی جان کا تو صرف بہانہ تھا جب کہ دل کو اس کے قرار نہ تھا اور وہ بڑی بے دردی سے اس کے جذبات کو مجروح کر چکی تھی اسی ادھیڑ بن میں وہ معید کے پاس چلا آیا۔ معید نے بڑی گرم جوشی سے اس کا استقبال کیا تھا۔

''آہا...... آج تو میرے آفس کے نصیب جاگ گئے بڑے لوگوں نے قدم کیسے رکھ دیا یہاں پر؟'' وہ اس سے گلے ملتا شوخی سے گویا ہوا۔

''باتیں مت بناؤ' تم مجھ سے بھی بڑے ہو گئے ہو' تم کو کال تک کرنے کی فرصت نہیں ملتی' تم کو کسی کی پروا ہی نہیں ہے۔'' وہ اس سے علیحدہ ہوتے جتانے والے انداز میں سنجیدہ لہجے میں بولا۔

''اوہ گاڈ! خیریت تو ہے نا؟ اتنے بھیگے بھیگے موسم میں خوب آگ برساتا ہوا لہجہ' پری سے لڑائی وڑائی ہو گئی ہے کیا؟'' وہ مسکراتا ہوا معنی خیز لہجے میں گویا ہوا اور اس کے سامنے چیئر پر بیٹھ گیا اس کی آنکھوں میں شرارت رقصاں تھی۔

''ہونہہ لڑائی...... اس سے دوستی ہی کب ہے جو لڑائی ہو گی۔'' پری کے ذکر پر اس کی پیشانی پر شکنیں نمودار ہوئی تھیں۔

''اوہ تمہارا لہجہ بتا رہا ہے معاملہ کچھ گڑبڑ ہے شیور' پری سے ہی تمہاری کوئی فائٹ ہوئی ہے۔ اس نے ابھی تک تمہارے جذبوں کی پذیرائی نہیں کی ہے...... اس کو تمہاری محبت پر یقین نہیں آیا؟'' معید اس کی سنجیدگی دیکھ کر اپنی شوخی برقرار نہیں رکھ سکا تھا۔

''یقین...... اونہہ لگتا ہے مر کر بھی اس پتھر دل لڑکی کو یقین نہ دلا پاؤں گا' مجھے حیرت ہوتی ہے خود پر میں کس طرح پارس کی محبت میں گرفتار ہو گیا ہوں۔ پارس...... وہ لڑکی جو اس عمر سے مجھے ناپسند تھی جب پسند ناپسند کا سینس بھی نہیں ہوتا ہے۔''

''اور اب یہ حال ہے کہ تم اس کے بغیر رہنا بھی گوارا نہیں کر سکتے' ایسا ہی ہوتا ہے میری جان' جس سے ہم زیادہ ناپسندیدگی و بے اعتنائی برتتے ہیں درحقیقت ہماری پسند و چاہ کی انتہا اسی ہستی سے وابستہ ہوتی ہے میں جانتا ہوں تم نے ہمیشہ پری کو کوئی اہمیت نہیں دی ہے وہ تمہارے مخالف لوگوں میں شامل رہی ہے۔'' معید سنجیدگی سے گویا ہوا۔

''میں جانتا ہوں' مت بتاؤ مجھے' صرف یہ بتاؤ اب میرا لائحہ عمل کیا ہونا چاہیے؟ میں نے کچھ زیادہ ہی اپنی عزت نفس کی توہین کر دی ہے پھر بھی ناکام و نامراد ہی رہا ہوں' میں اس کی بد دماغی و اکڑ زیادہ دن برداشت نہیں کر سکوں گا' حد ہوتی ہے ہر بات کی۔'' نامعلوم وہ معید کو سنا رہا تھا یا خود کو تسلی دے رہا تھا۔ معید نے کچھ سوچتے ہوئے اثبات میں سر ہلا دیا۔

❁ + - ✧ - + ❁
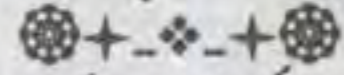
''السلام علیکم دادی جان!'' وہ کمرے میں داخل ہوئیں تو پری دوڑ کر ان سے لپٹ گئی' اماں نے بھی اسے اپنی آغوش میں خاصی دیر دبائے رکھا۔

''ارے تم کب اور کس کے ساتھ آئی ہو بیٹی!'' وہ بیڈ پر بیٹھتی ہوئی مسرت بھرے لہجے میں گویا ہوئیں۔

''کچھ دیر قبل ہی آئی ہوں طغرل بھائی کے ساتھ' آپ نے ہی تو انہیں بھیجا تھا مجھے نانو کے ہاں سے لانے کے لیے۔'' دادی جان کے چہرے پر پھیلتی حیرانی و لاعلمی اس نے شدت سے نوٹ کی تھی وہ ان کو دیکھے گئی۔

''میں نے اس کو نہیں بھیجا پری! ہاں یہ ہو سکتا ہے میں تمہارے لیے اداس بہت تھی یہ دیکھ کر وہ خود تمہیں وہاں لینے پہنچ گیا ہو۔'' حسب عادت دادی نے صاف گوئی اور سچائی سے حقیقت بتائی تھی۔

''اچھا یہ بتاؤ' طغرل کو اپنے گھر بن بلائے دیکھ کر تمہاری ماں اور نانو کو برا تو لگا؟ یہ طغرل نے اچھا نہیں کیا میری اجازت کے بغیر اتنا بڑا قدم کیوں اٹھایا۔'' وہ مضطرب و حواس باختہ ہو رہی تھیں۔

''نہیں...... نانو یا مما نے بالکل بھی مائنڈ نہیں کیا دادی جان۔''

''سچ کہہ رہی ہو پری!'' ان کے لہجے میں بے یقینی تھی۔

''جی دادی جان! میں سچ کہہ رہی ہوں' طغرل بھائی آ جائیں تو آپ خود ان سے پوچھ لیجیے گا بلکہ وہ تو بہت خوش ہوئی تھیں ان

مار یہ زرش

السلام علیکم! سب سے پہلے آنچل کی پوری ٹیم کو میری طرف سے محبت بھرا اسلام' جی مابدولت کو ماریہ زرش کہتے ہیں گھر والے پیار سے چندا کہتے ہیں۔ میں نے پہلی دفعہ آنچل میں انٹری دی ہے' میں 3 مئی 1995ء کو آبائی گاؤں دودھا میں پیدا ہوئی' میں اسٹارز پر یقین نہیں رکھتی ہم ماشاءاللہ نو بہنیں' دو بھائی ہیں۔ اسی وجہ سے گھر میں کافی رونق ہوتی ہے۔ میں نے حال ہی میں ایف ایس سی پارٹ ون کے امتحانات دیئے ہیں' اب رزلٹ کا انتظار ہے آنچل سے میری وابستگی اس وقت ہوئی جب میں آٹھویں کلاس میں تھی۔ دو آپیاں شادی شدہ ہیں' میرے دو بھانجے اور تین بھانجیاں ہیں' ماشاءاللہ بہت کیوٹ ہیں اور میں ان کی فیورٹ آنٹی ہوں۔ میرے دادا' دادی وفات پا چکے ہیں اس کے علاوہ میری ایک کنواری پھوپی بھی تین سال پہلے وفات پا چکی ہیں اب ان کی یاد آتی ہے تو آنکھیں بے ساختہ بھیگ جاتی ہیں۔ اللہ ان کو بھی جنت میں جگہ عنایت فرمائے' میری پسندیدہ شخصیت حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم ہیں' اس کے بعد میرے والدین' اللہ ان کا سایہ تا قیامت ہمارے سروں پر قائم رکھے' آمین' مجھے سب سے اچھی کتاب قرآن پاک لگتی ہے' اللہ سب کو پڑھنے کی توفیق عطا فرمائے' مجھے شاعروں میں وصی شاہ' احمد فراز اور علامہ اقبال بہت پسند ہیں اور آنچل کی رائٹرز میں عمیرہ احمد' عشناء کوثر' سمیرا شریف طور بہت پسند ہیں' مجھے نت نئی ڈشز ٹرائی کرنا بہت اچھا لگتا ہے' کھانے میں بریانی' ٹرائفل' بڑا بہت پسند ہے۔ بارش کے موسم میں آئس کریم کھانا اور آنچل پڑھنا اچھا لگتا ہے' میری بہت زیادہ دوستیں ہیں لیکن ان میں سے چند کا ذکر کروں گی۔ عمارہ' سمیرا ملک' سدرہ' ثمرہ' صبا' عافیہ ہیں۔ مجھے بلیک کلر بہت پسند ہے' خوشبوؤں میں گلاب' موتیا پسند ہے۔ پسندیدہ ناول ''کوہ قراقرم کا تاج محل' یہ چاہتیں یہ شدتیں'' ہے۔ جیولری میں بندے اچھے لگتے ہیں' لباس میں شلوار قمیض اور بڑا سا دوپٹہ بہت پسند ہے۔ مجھے مغرور لوگوں سے نفرت ہے' مجھ میں بری عادت یہ ہے کہ مجھے غصہ بہت جلد آتا ہے۔ اپنی بہن نازیہ سے سب باتیں شیئر کر لیتی ہوں لیکن کبھی کبھار ہلکی پھلکی جھڑپ بھی ہو جاتی ہے۔ رشتوں میں ماں کا رشتہ بہت پسند ہے۔ میں بہت فضول خرچ ہوں جس کی وجہ سے بہت ڈانٹ کھانا پڑتی ہے' آنچل کے تمام قارئین' آنچل اسٹاف اور میری دوستوں کو ڈھیروں پیار' اللہ حافظ۔ قارئین! میرا انٹرویو کیسا لگا رائے ضرور دیجیے گا' اللہ حافظ۔

سے مل کر۔''

''یہ ان کی اعلیٰ ظرفی ہے ورنہ میں ان سے اچھے رویے کی امید نہیں رکھتی تھی خیر تم آ کر اس طرح کمرے کیوں بند ہو گئی ہو' شیری اور اس کی ماں آئے ہوئے تھے' بہت یاد کر رہی تھیں تم کو ان سے مل ہی لیتیں بڑی سلجھی ہوئی پرخلوص عورت ہے وہ۔''

''پھر کبھی وہ آئیں گی تو میں مل لوں گی ان سے۔'' وہ ان کے قریب ہی نیم دراز ہو گئی تھی' دادی نے مسکرا کر اس کے صبیح چہرے کی طرف دیکھا ان کی دھندلی نگاہوں میں گہری سوچ کے عکس بکھرے ہوئے تھے ان کی ملائم انگلیاں اس کے ریشمی بالوں میں سرسرانے لگیں۔

''ہاں' بہت پوچھ رہی تھیں تمہارا' شاید تم سے ہی ملنے آئی تھیں' بار بار تمہارا ذکر کر رہی تھیں۔''

''ہوں' بہت نائس خاتون ہیں وہ' میں عائزہ سے ملنے جا رہی ہوں دادی جان۔'' اس کا انداز لاابالی پن لیے ہوا تھا اس نے ان کے لہجے کی گہرائی میں پہنچنے کی سعی ہرگز نہ کی تھی جب کہ دادی جان مسز عابدی کے منہ سے پری کے لیے والہانہ پن محسوس کر کے کچھ حد تک ان کی خواہشوں سے آشنائی محسوس کر چکی تھیں۔

''ہاں ہاں' جاؤ عائزہ بھی تم کو بے حد یاد کر رہی ہے' گھر سے دور ہوتے ہی اس میں محبت جاگ گئی ہے اب تو کئی چکر میرے پاس بھی لگائی ہے' بالکل بدل گئی ہے وہ۔ نامعلوم کیسا دور آ گیا ہے یہ فاصلے و دوریاں قربتوں کو دوام بخشنے لگے ہیں۔'' ان کے لہجے میں ایک دکھ کی آنچ ابھر آئی تھی۔ پری اٹھ کر اپنا دوپٹہ درست کر رہی تھی تب ہی انہوں نے پوچھا۔

''طغرل تم کو لا کر کہاں چھپ کر بیٹھ گیا ہے؟''

''وہ گھر میں نہیں ہیں دادی جان! مجھے چھوڑ کے وہ پتا نہیں کہاں چلے گئے۔''

''اچھا تم جاؤ عائزہ سے مل کر آؤ اور واپسی میں ایک کپ چائے بنا کر لیتی آنا' بڑا دل چاہ رہا ہے تمہارے ہاتھ کی بنی

چائے پینے کو۔"

"جی بہتر دادی جان!" وہ کہہ کر عائزہ کے کمرے کا جانب آ گئی' عائزہ اس کو دیکھ کر خوشی سے مسکرائی اور لپٹ گئی۔

"اتنے دن لگا دیئے تم نے پری! ان دنوں میں نے تم کو بے حد یاد کیا ہے' میں دعا کررہی تھی تم میرے اسلام آباد جانے سے قبل آ جاؤ تو اچھا ہے۔"

"کب جارہی ہو تم؟" وہ اس کے قریب ہی بیٹھتے ہوئے استفسار کرنے لگی۔

"اسی ہفتے' آنٹی انکل پرسوں روانہ ہوچکے ہیں امریکہ کے لیے' فاخر آفس کے کچھ باقی رہنے والے کاموں کو فائنل ٹچ دے رہے ہیں۔"

"فاخر بھائی گھر پر تنہا ہیں؟" پری نے چونک کر پوچھا۔

"ہوں...... ملازم ہیں وہاں پر' بالکل تنہا تو نہیں ہیں وہ۔"

"لیکن فاخرہ آنٹی کہہ رہی تھیں فاخر بھائی کو تنہا رہنے کی عادت نہیں ہے' کوئی نہ کوئی فیملی ممبران کے ساتھ ضروری رہتا ہے وگرنہ وہ......"

"نامعلوم فاخرہ آنٹی کون سے دیس کی باتیں کرتی ہیں' کم از کم میں نے ان میں ایسی کوئی عادت محسوس نہیں کی' فاخر تو بے حد تنہائی پسند ہیں۔ اس انتہا کے تنہائی پسند کہ ان کو میری موجودگی بھی کھٹکنے لگتی ہے۔" عائزہ کے لہجے میں ایسی بات تھی کہ پری اس کا چہرہ پڑھنے لگی۔

"ایسے کیا دیکھ رہی ہو پری! میں نے سچ کہا ہے فاخر اپنی ذات میں خوش رہنے والے مرد ہیں' دوسروں کی خوشیوں سے ان کو کوئی سروکار نہیں ہے' ان کو میری پرواہ ہی نہیں ہے ان کے کمرے میں میری حیثیت ایک ڈیکوریشن پیس کی سی ہے پھر میں یہاں رہوں یا وہاں ان کو کوئی فرق نہیں پڑتا۔" ہکا بکا بیٹھی پری کے شانے سے سر ٹکا کر وہ گلوگیر لہجے میں کہہ رہی تھی اس کے لہجے میں یاسیت و ٹھکرائے جانے کا دکھ تھا۔

"تم کو یہ تمام باتیں مما سے کہنا چاہیں آخر وہ ایسا کیوں کررہے ہیں؟"

"دوسرے دن ہی میں نے مما کو تمام باتیں بتادی تھیں۔"

"پھر مما نے فاخرہ آنٹی یا فاخر بھائی سے اس مس بی ہیو کی وجہ دریافت کی۔"

"نہیں۔" اس نے سیدھے بیٹھتے ہوئے گہری سانس لے کر کہا۔

"بلکہ مما نے مجھے ہی کلاس دینی شروع کردی کہ کس طرح فاخر کو مٹھی میں کرنا چاہیے اور یہ کہ شروع شروع میں سب مرد ایسے ہی ڈرامہ کرتے ہیں بعد میں خود ہی اپنی اوقات پر آجاتے ہیں۔" اپنی بات کے اختتام پر وہ ناچاہتے ہوئے بھی ہنس پڑی تھی' پری گم صم سی اس کی آنکھوں میں چمکنے والے آنسو دیکھ رہی تھی۔

"میں اسی لیے تم کو بے حد یاد کررہی تھی' تم آؤ تو تم کو یہ سب بتا کر اپنے دل کا بوجھ ہلکا کرسکوں' مما نے ایسی کوئی بات ہی نہیں کی جس سے مجھے حوصلہ ملے۔ وہ کہتی ہیں شادی کے شروع کے دنوں میں پاپا کا رویہ بھی مما کے ساتھ ایسا ہی تھا جو رفتہ رفتہ چینج ہوتا گیا اور آج بھی پاپا ان کے ساتھ ایک چھت تلے رہ رہے ہیں۔"

"ہاں شاید مما ٹھیک کہہ رہی ہیں۔" وہ آہستگی سے تسلی آمیز لہجے میں بولی۔

"نہیں پری! مجھے ایسی زندگی نہیں چاہیے' جس میں صرف تعلق نبھایا جاتا ہو' جہاں رشتہ انسیت و چاہت کی مہکار سے ناآشنا ہوں' میں نے کبھی بھی مما اور پاپا میں وہ محبت و اپنائیت نہیں دیکھی جو شوہر اور بیوی کی زندگی کو حسین تر بناتی ہے۔"

"ڈونٹ وری عائزہ! تم اس قدر حساس مت ہو' ابھی تمہاری شادی کو عرصہ ہی کتنا ہوا ہے ابھی فاخر بھائی اداس ہوں گے' نئی جگہ ٹرانسفر' اچانک شادی ہوجانا اور پھر والدین سے دوری شاید وہ پہلی بار بڑے عرصہ کے لیے دور ہوئے ہیں یہ تمام تبدیلیاں ان کو پریشان کرنے کے لیے کافی ہیں' تم ان کا بہت زیادہ خیال رکھو۔" پری نے نرم لہجے میں اس کو رنجیدگی سے بچانے کی ہر ممکن سعی کی تھی۔

نور سحر شاہ

السلام علیکم! سویٹ سویٹ دوستوں کیسے ہو؟ یقیناً ٹھیک ہوگے۔ میں ہوں آپ کی دوست "زندگی کی آس" ارے حیران نہ ہوں یہ میرا اسٹائل ہے' میں ضلع ہزارہ کے ایک بہت ہی خوب صورت گاؤں سے تعلق رکھتی ہوں۔ ہماری کاسٹ سید ہے اور تمام سید دوستوں سے بہت پیار ہے۔ میں نے ایف اے تک تعلیم حاصل کی ہے اور اس کے بعد شادی ہوگئی۔ ہم پانچ بہنیں اور تین بھائی ہیں' میرا سسرال بہت بڑا ہے ہم جوائنٹ فیملی سسٹم میں رہتے ہیں' مجھے چاکلیٹ اور آئس کریم بہت پسند ہے۔ کھانے میں نخرے نہیں کرتی' ویسے بھی اللہ کی دی ہوئی ہر نعمت کا شکر ادا کرنا چاہیے' خامیاں اور خوبیاں تو دوسرے لوگ ہی بتاسکتے ہیں ویسے میری امی کہتی ہیں کہ میں بہت اچھی بیٹی ہوں کیونکہ میں ان کی ہر بات جو مان لیتی ہوں۔ دوسروں کو ناراض نہیں کرسکتی اگر کوئی ہوجائے تو منانا سب سے مشکل کام لگتا ہے لیکن زیادہ دیر کسی سے ناراض بھی نہیں رہ سکتی۔ خامیاں یہی ہیں کہ جذباتی بہت ہوں' کوئی جھوٹ بولے تو دل کرتا ہے کہ اس کا سر پھوڑ دوں' غصہ بہت جلدی آتا ہے اور اتنی ہی جلدی اتر بھی جاتا ہے۔ دل کی بالکل بھی بری نہیں جو دل میں ہوتا ہے وہی زبان پر بھی ہوتا ہے۔ مصلحت کے تحت جھوٹ بولتی ہوں لیکن زیادہ نہیں۔ دوسروں پر بہت جلد اعتبار کرلیتی ہوں جس کا نقصان بہت ہوتا ہے۔ اپنے تمام بہن بھائیوں سے محبت ہے اسپیشلی باجی صفیہ اور بھائی خالد تو میرے موسٹ فیورٹ ہیں۔ چھوٹی سسٹر نور العین تو میری دوست بھی ہے۔ میری فیورٹ ٹیچر مس صائقہ رانی ہیں جن سے میں بہت پیار کرتی ہوں۔ مجھے سبجیکٹ میں میتھ بہت پسند ہے اور میری فیورٹ کتاب قرآن پاک اور فیورٹ ہستی حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم اور میری ماں ہیں۔ پینٹنگ کرنا بہت پسند ہے اور کھیلوں میں کرکٹ اور بیڈمنٹن کھیلنا بہت پسند ہے اور کتابوں میں تو میری جان ہے یعنی مجھے نیند نہیں آتی جب تک کوئی کتاب پڑھ کر نہ سوؤں اور آنچل تو ہر وقت میرے پاس ہوتا ہے۔ اللہ تعالیٰ آنچل کو دن دگنی رات چوگنی ترقی سے نوازے' ارے آپ لوگ تو بور ہوگئے' میں تمام آنچل ریڈرز سے دوستی کرنا چاہتی ہوں۔ اپنی زندگی میں کبھی کسی کے ساتھ دھوکہ نہ کریں کسی کا دل نہ دکھائیں کیونکہ دلوں میں خدا رہتا ہے' اسی کے ساتھ زندگی کی آس کو اجازت دیں' اللہ حافظ۔

"تم کتنی اچھی ہو پری! افسوس ہے مجھے خود پر خوامخواہ میں تم کو دشمن سمجھتی رہی' زندگی کے وہ حسین دن ایسے فضول ہی تم سے دور رہ کر گزار دیئے۔" وہ اس کا ہاتھ اپنے ہاتھوں میں لے کر دکھ بھرے لہجے میں گویا ہوئی۔

"پرانی باتوں کو یاد کرنے کا فائدہ ہی کیا' مجھے خوشی ہے بہت کم عرصہ میں بہت زیادہ اعتماد کیا ہے تم نے مجھ پر یہ میرے لیے اعزاز کی بات ہے۔"

"اوہو...... بڑی محبتیں جتائی جارہی ہیں بھئی۔" عادلہ وہاں آئی تو ان دونوں کو قریب بیٹھے دیکھ کر طنزاً بولی۔

"تم بھی آجاؤ ہمارے ساتھ محبتوں پر سب کا حق ہے تم کیوں پیچھے رہو۔" عائزہ نے مسکرا کر کہا تو عادلہ منہ بنا کر بولی۔

"معاف کرو یہ محبتیں بانٹنے کی عادت تمہاری ہے تم ہی بانٹو' میں یہ بتانے آئی تھی مما بلارہی ہیں فوراً آجاؤ۔" وہ پری کو نظر کرتی واپس چلی گئی۔

"تم مما کی بات سنو' میں دادی جان کے لیے چائے بنا کر لے جاؤں اگر دیر ہوگئی تو وہ سو جائیں گی۔" پری بھی اس کا گال تھپتھپاتی اٹھ کھڑی ہوئی۔

❁+-✧-+❁
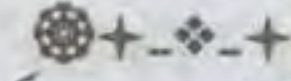
نامعلوم کتنی ساعتیں دبے پاؤں گزر گئی' اشک اس کے رخساروں سے بہہ کر قالین میں جذب ہورہے تھے' اعوان کی ٹھوکر نے اسے زمین بوس کردیا تھا اور وہ بھربھری مٹی کے ڈھیر کی مانند پڑی تھی۔ اعوان کا ٹوٹا لہجہ' بکھرا انداز اس کی سچی محبت کا گواہ تھا وہ اس سے محبت کرتا تھا اس کی بے وفائی نے اس کے اندر شدید نفرت کی آگ بھردی تھی وہ اس سے اس حد تک بدگمان ہوگیا تھا اس کی بات پر یقین کرنا تو در کنار سننے تک کا روادار نہ تھا۔ ساحر خان نے اتنی زبردست پلاننگ کی تھی ان دونوں کو جدا کرنے اور اپنا مقصد پورا کرنے کی کہ آج وہ ایک دوسرے کے مقابل آ کر بھی ایک دوسرے کے قریب نہیں آسکتے تھے۔ اس کے آنسو تھم گئے تھے

دھیمی دھیمی سسکیوں سے کمرے کی ساکن فضا میں ارتعاش پھیلا تھا' معا دروازہ کھلا اور غفران احمر گھبرایا گھبرایا اندر داخل ہوا' قالین پر گری ماہ رخ کو دیکھ کر وہ پھرتی سے نیچے بیٹھا تھا حواس باختگی اس کے چہرے سے مترشح تھی' ماہ رخ کا چہرہ زانوں پر رکھتا ہوا پریشان سا بولا۔

"سویٹ ہارٹ! کیا ہوا ہے' تمہاری طبیعت کیوں خراب ہوگئی ہے؟" وہ پیار سے اس کے رخسار کو تھپتھپاتے ہوئے استفسار کررہا تھا۔

"میں آرام کرنا چاہتی ہوں۔" اس نے گریہ وزاری سے بُری طرح سوجھی ہوئی آنکھوں کو بمشکل کھول کر کمزور لہجے میں کہا۔

"ہاں ہاں' کیوں نہیں۔ تمہاری طبیعت تو مجھے بہتر نہیں لگ رہی ہے یہ اچانک کیا ہوا ہے تم کو' یہاں آتے ہوئے تم بالکل ٹھیک تھیں۔" بے تحاشا رونے سے سرخ ہونے والے چہرے کو وہ بغور دیکھ رہا تھا' ماہ رخ نے کوئی جواب نہیں دیا اس کو کچھ بھی اچھا نہیں لگ رہا تھا۔ وہ آنکھیں بند کرکے پڑی رہی اس کا دل شدت سے چاہ رہا تھا...... کاش! یہ آنکھیں ہمیشہ کے لیے بند ہوجائیں' یہ اذیت دیتیں سانسیں رک جائیں' سینے میں دھڑکتا ہوا زندگی کی علامت بنا دل خاموش ہوجائے' وقت تھم جائے' کائنات بکھر جائے کچھ باقی نہ رہے' سب فنا ہوجائے اور اس کا بھی کوئی نام ونشان باقی نہ رہے۔

❁+-❖-+❁
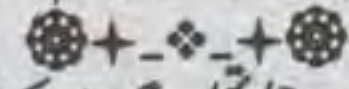
وقت گزرنے کے ساتھ بارش بھی تیز ہوگئی تھی' ہر سو جل تھل ہوگیا تھا وہ کھڑکی سے چہرہ ٹکائے باہر لان میں بہتے پانی کو دیکھ رہی تھی جس میں درختوں سے گرنے والے پتے اور شاخوں سے ٹوٹ کر گرنے والے پھول وپتیاں بہہ رہے تھے۔ اس کا ذہن عائزہ کی باتوں میں الجھا ہوا تھا وہ شادی سے کسی طرح بھی خوش ومطمئن نہیں تھی پھر فاخر کے متعلق جو باتیں اس نے بتائی تھیں وہ بھی حیران کن تھیں وہ فاخر کو جانتی تھی فاخر مہذب' نرم مزاج اور خوش اخلاق طبیعت کا مالک تھا' کبھی اس کے مزاج میں اس نے کوئی جھول محسوس نہیں کیا تھا اس کی عادت ومزاج سے واقف ہونے کے بعد عائزہ کی باتیں اس کو کسی گڑبڑ کا احساس دلانے لگی تھیں' فاخر کا رویہ بدلا تھا اور اس بدلاؤ کے پیچھے عائزہ کی کوئی نادانی محسوس ہونے لگی۔ عائزہ سدا کی جلد باز تھی' ہر کام سوچے سمجھے بنا ہی انجام دینے کی عادی تھی اس عادت نے اس کو ہمیشہ نقصان پہنچایا تھا اور ہر بار وہ غلطیوں سے سبق سیکھنے کے بجائے غلطیاں دہرانے کی عادی بن گئی تھی۔

"اوہ گاڈ! عائزہ نے فاخر بھائی کو راحیل کے بارے میں تو نہیں بتادیا اگر ایسا ہوا تو بہت بُرا ہوجائے گا' کس کس کو ہم اس کی بے گناہی کا یقین دلائیں گے؟ پاپا جو حقیقت نہ جانتے ہوئے اسے معاف کرنے کو تیار نہیں' حقیقت معلوم ہونے پر ان کی کیا حالت ہوگی؟ وہ یہ سب برداشت کرسکیں گے؟" اس کے حساس ذہن میں اضطراب سمندر کی لہروں کی طرح بپھرنے لگا تھا پھر وہ اس گہرائی میں جتنا ڈوبتی گئی اضطراب کی کشمکش رگ وپے میں اس قدر بڑھ گئی کہ وہ عائزہ کے پاس جانے کو بے قراری سے کمرے سے نکلی تھی اور اسی دم اندر داخل ہونے والے طغرل سے بُری طرح ٹکرائی تھی۔

"یا وحشت...... کیا ہوگیا ہے' کیوں اتنی بدحواس ہورہی ہو؟" طغرل نے فوراً جھک کر اسے گرنے سے بچاتے ہوئے بازوؤں میں تھاما۔

"کک...... کچھ نہیں۔" اس نے بلش ہوکر اس کے بازوؤں سے نکلنا چاہا مگر طغرل کی گرفت ڈھیلی نہیں ہوئی تھی۔

وہ اس کے متوحش چہرے کو دیکھ رہا تھا پھر اس کے چہرے کے ملکوتی نقوش میں وحشت کی جگہ سراسیمگی نے لے لی تھی اس کے بدلتے احساسات نے طغرل کے تاثرات بھی چھیڑ دیئے وہ بے ساختگی میں اس کے گرتے وجود کو اپنی گرفت میں جکڑے ہوئے تھا اس کے وجود سے اٹھنے والی دھیمی دھیمی مہک اس کے حواسوں کو محسور کرنے لگی تھی وہ اس کی مسحور کن قربت میں گم ہونے لگا قبل اس کے کوئی وحشی جذبہ اس کو کمزور کردیتا معاً اس کی رگ وپے میں ایک برق سے دوڑی تھی اس نے ایک جھٹکے سے اس کو خود سے علیحدہ کیا تھا' اس کی پیشانی ندامت سے عرق آلود ہوگئی تھی۔

"اینی پرابلم! تم اس طرح بھاگی بھاگی کہاں جارہی تھیں؟" سرعت سے اس نے اپنے جذبات واحساسات پر قابو پاکر نارمل انداز میں پوچھا' اس اثناء میں وہ بھی اپنی دھڑکنوں پر گرفت حاصل کرچکی تھی۔

"میں عائزہ کے پاس جارہی تھی میرا پاؤں سلپ ہوگیا تھا۔"

"ہوں' سنبھل کر چلا کرو ذرا بھی میں نہ ہوتا تو تمہارے دانت ٹوٹ چکے ہوتے اور مجھے ایسی لڑکیاں بالکل پسند نہیں ہیں۔" وہ مسکراتا ہوا دادی کے کمرے میں جانے لگا تو وہ رک کر بولی۔

"دادی جان سورہی ہیں' بہت فکر مند ہورہی تھیں آپ کی طرف سے آپ بھی اتنے خراب موسم میں اتنی دیر تک باہر تھے' اوپر سے اپنا سیل بھی آف کررکھا تھا۔"

"دادی جان پریشان ہورہی تھیں' تم کو کوئی فرق نہیں پڑتا میرے آنے یا نہ آنے سے...... ہیں نا؟" اس کے بھاری لہجے میں سلگتا ہوا سا شکوہ در آیا تھا۔ قبل اس کے وہ جواباً کچھ کہتی وہ شانے اچکا کر سنجیدگی سے گویا ہوا۔

"ہاں بالکل' تم کو کوئی فرق نہیں پڑتا' تم سے تمہارے والدین نے محبت نہیں کی' اس کا انتقام تم اس سے لوگی جو تم سے محبت کرے گا' میں ٹھیک کہہ رہا ہوں نا؟" اس نے مسکراتے ہوئے پری کی طرف دیکھا جس کا چہرہ دھواں دھواں ہورہا تھا۔ "میں پاگل ہوں جو تم جیسے پتھر سے سر پھوڑ رہا ہوں۔" اس نے غصے سے کہا اور دھپ دھپ کرتا چلا گیا۔ پری کے اندر بے چینی سرائیت کرگئی وہ کہاں جارہی تھی اور کیوں جارہی تھی' ذہن سے یکلخت ہی مٹ گیا تھا وہ گم صم انداز میں جاتے ہوئے طغرل کی پشت دیکھ رہی تھی اور اس کا ہر اٹھتا قدم وہ اپنے دل پر محسوس کررہی تھی نظروں سے اوجھل ہونے تک وہ اس کو دیکھتی رہی تھی۔

"چچ چچ چچ...... اتنا ظلم کیوں کررہی ہو اس بے چارے پر' اس کی محبت کا جواب محبت سے دوگی تو کیا بگڑ جائے گا تمہارا پری!" عادلہ جو تمام منظر لاؤنج کی کھڑکی سے دیکھ رہی تھی طغرل کے جانے کے بعد وہاں آکر اس سے اپنے مخصوص انداز میں گویا ہوئی۔

"چھپ چھپ کر دوسروں کی باتیں سننے کی تمہاری عادت جائے گی نہیں۔" وہ تیوری چڑھا کر سخت ناگواری سے گویا ہوئی۔

"ارے میں نے تو کچھ نہیں کہا' جب تم دونوں ہی سرعام تماشا دکھانے کی بے شرمی کرتے ہو تو میں کیوں اپنے کان اور آنکھیں بند کرلوں' یہ سب تو تم کو اور طغرل کو چھپ چھپ کر کرنا چاہیے۔"

"کیا کیا ہے ہم نے ایسا جو تم الزام لگارہی ہو؟"

"اور کیا کسر باقی رہ گئی ہے' تم اسی طرح پاپا کی عزت کو مٹی میں ملاتی رہو اور پھر پارسائی ومعصومیت کا ڈھونگ رچاتی رہو' دادی ہمارے اوپر تو بہت انگلیاں اٹھاتی ہیں مگر ان کو اپنی ناک کے نیچے کچھ دکھائی ہی نہیں دیتا ہے۔"

"کیا ہورہا ہے عادلہ! کس بات کا شور ہے؟" صباحت بیگم تیز تیز قدموں سے چلتی ہوئی اس طرف آئی تھیں۔

"مما دیکھیں نا چوری اور سینہ زوری' بے ہودہ پن ان کے اندر موجود ہے اور تہذیب کے سبق مجھے سکھائے جارہے ہیں۔" صباحت کی غیر متوقع آمد اور کشیدہ تیوروں نے پری کے رہے سہے اوسان خطا کردیئے تھے مارے خوف وگھبراہٹ کے اس کا جسم بے جان سا ہونے لگا کہ بات کو کچھ سے کچھ رنگ دینے میں وہ عادلہ سے بھی زیادہ ایکسپرٹ تھیں اور اس وقت تو موقع بھی نازک تھا۔

"ہوا کیا ہے آخر بتاؤ تو سہی؟" وہ گم صم پری کو گھورتے ہوئے بولیں۔

"آپ کو معلوم ہے نا پری اور طغرل کی لو اسٹوری کا' بس میں نے اتفاق سے ان کو ایک دوسرے کے قریب دیکھ لیا تو ان کو اعتراض ہونے لگا اور مجھے مشورہ دیا جارہا ہے میں چھپ چھپ کر ایسی حرکتیں نہ کروں۔"

"مما ایسی بات نہیں تھی۔" وہ بے بسی سے رونے لگی۔

"ہونہہ' جھوٹے لوگوں کی یہی نشانی ہے وہ رو کر اپنے جھوٹ کو چھپانے کی کوشش کرتے ہیں' بہت ہوگیا ہے اب میں اس اسٹوری کو زیادہ دن تک چلنے نہیں دوں گی' فیاض آجائیں کرتی ہوں ان سے بات۔" صباحت کا انداز عادلہ سے بھی زیادہ زہر خند تھا۔

"مما پلیز میری بات پر یقین کریں ایسا کچھ نہیں ہے۔" اس نے ان کا ہاتھ تھام کر التجائیہ انداز میں یقین دلانے کی کوشش کی' اس کا بدن کانپ رہا تھا' پاپا کا نام اس کو نیم مردہ کرگیا جب کہ وہ اس کی بات کو قطع کرکے نفرت بھرے لہجے میں کہہ رہی تھیں۔

"جس طرح تمہاری ماں مردوں کو اپنا دیوانہ بنانے میں ماہر تھی' بالکل اسی طرح تم بھی اس کے نقش قدم پر چل رہی ہو' فیاض

بڑے غیرت مند بنتے ہیں بڑی اونچی ناک رکھتے ہیں اب معلوم ہوگا ان کو عزت کس طرح نیلام ہوتی ہے۔ میری عائزہ کو جس طرح سنگدلی سے انہوں نے دھتکارا ہے اس سے کہیں زیادہ تم کو حقارت سے اس گھر سے نہیں نکالیں گے تب تک میں بھی سکون سے رہنے والی نہیں ہوں یاد رکھنا تم۔“

”ممی! آپ جو کہیں گی میں کرنے کو تیار ہوں لیکن پلیز پاپا کو اس معاملے سے دور ہی رکھیں وہ پہلے ہی بے حد پریشان ہیں۔“ وہ روتے ہوئے مسلسل ان کی غلط فہمی دور کرنے کی کوشش کررہی تھی' ان دونوں ماں بیٹی کی آنکھوں میں فاتحانہ چمک ابھری گویا وہ ایسا ہی کمزور پوائنٹ حاصل کرنا چاہ رہی تھیں۔

”اچھا' اس بات کی کیا گارنٹی ہے جو ہم کہیں گے وہ تم کروگی؟“ عادلہ نے مسکرا کر کاٹ دار لہجے میں کہا۔

”قسم سے۔“ وہ مجرم نہ ہوتے ہوئے بھی مجرم بن گئی تھی۔

”عادلہ اس معاملے میں مت بولو' کل کو کوئی ایسی ویسی بات ہوگئی تو مجھے ہی جوابدہ ہونا پڑے گا' تم تو جانتی ہو اپنے پاپا کے غصے کو وہ ابھی تک مجھ سے سیدھے منہ بات نہیں کرتے ہیں۔“

”ایک بار معاف کرہی دیں ممی۔“ وہ طنزاً مسکرا کر گویا ہوئی۔

❁+-✧-+❁
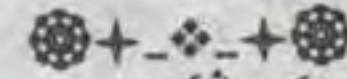
ہاجرہ بڑی نفاست سے سرخ سیب کی قاشیں کاٹ کر کانچ کی سنہری پلیٹ میں رکھ رہی تھی' اس کی نگاہیں ماہ رخ کے حسین چہرے پر تھیں وہ پچھلے ایک ہفتے سے نڈھال ہوکر بستر دراز تھی' احمر غفران نے اس کے علاج معالجے میں کوئی کسر نہ چھوڑی تھی' بہترین ڈاکٹرز سے رجوع کیا تھا اور سب نے ہی اس کو صحت مند قرار دیا تھا بظاہر تو کوئی بیماری نہ تھی' احمر غفران کی حیثیت و مرتبے کے باعث طاقت کے ٹانک اور کثرت سے پھلوں کے استعمال کا مشورہ دے کر ڈاکٹرز فرض ادا کرکے جاچکے تھے۔ احمر غفران نے یہ ذمہ داری ہاجرہ اور دلربا کو سونپی تھی دلربا اس کے سامنے دل میں بغض چھپائے محبت جتاتے ہوئے اپنی ڈیوٹی ادا کرتی تھی' آج احمر غفران اپنی بیٹی کی شادی کے سلسلے میں کچھ دنوں کے لیے آبائی شہر روانہ ہوا تھا اس کے جانے کے بعد از خود ہاجرہ اس کا بہت خیال رکھ رہی تھی' ویسے بھی وہ اعوان سے ملاقات کی تمام باتیں اس کو بتا چکی تھی ہاجرہ اس کی حالت سے واقف تھی۔

”ہاجرہ! میرا دل نہیں چاہ رہا ہے یہ سیب تم کھالو۔“ اس نے تکیوں کے سہارے نیم دراز ہوتے ہوئے نقاہت بھرے لہجے میں کہا۔

”اس طرح مت کرو رخ! میں نے رئیس سے وعدہ کیا ہے میں تمہارا خیال اپنی جان سے بھی بڑھ کر رکھوں گی' تم نے اس طرح کیا تو میں اپنا وعدہ کس طرح وفا کرسکوں گی؟“ اس نے رسانیت سے سمجھایا تھا۔

”کوئی فائدہ نہیں ہے تم اپنا وقت مجھ پر برباد مت کرو۔“

”مایوسی گناہ ہے ماہ رخ! کیوں مایوس ہوتی ہو بیماریاں آتی ہیں اور چلی جاتی ہیں' یہ سب ہماری زندگی کا حصہ ہیں۔“

”مایوسی گناہ؟“ ایک تلخ مسکراہٹ اس کے زرد چہرے پر لرزی تھی۔

”جہاں ساری زندگی گناہ بن کر رہ گئی ہو وہاں امید کی کرن نمودار نہیں ہوتی اور تم کس بیماری کی بات کرتی ہو ہاجرہ! میرا جسم نہیں روح بیمار ہے' میری روح کو میرے گناہوں کا کوڑھ لگ چکا ہے۔“ ہاجرہ نے پلیٹ ٹرالی میں رکھی تھی اور بڑی محبت سے اس کے سر پر ہاتھ رکھ کر تسلی آمیز لہجے میں بولی۔

”میں تمہارے دکھ سے آشنا ہوں تم پر دوہری قیامت ٹوٹی ہے' بڑا دکھ تمہیں اعوان کی بداعتمادی کا ملا ہے اور ساحر خان کے مکروہ فریب سے گہرا صدمہ ہوا ہے پھر اعوان نے تمہارے گھر والوں کے ذکر سے جو تمہارے زخموں سے کھرنڈ نوچ ڈالے ہیں' ان زخموں سے رستا ہوا خون میری نظروں سے اوجھل نہیں ہے۔“ ہاجرہ پورے خلوص سے اس کی دلجوئی میں مصروف تھی۔

”مجھے نہ ساحر کی مکاری پر غصہ ہے نہ ہی اعوان کے رویے کا دکھ ہے۔ مردوں کی فطرت میں جان گئی ہوں' بہت بے صبرے اور ضدی ہوتے ہیں یہ لوگ' اپنے مقصد کے حصول کے پیار اور محبت کا ڈھونگ رچاتے ہیں' پھر مطلب پورا ہونے کے بعد ٹھوکر مار دیتے ہیں۔“

غزل

آنچل ہم سب مل کر اک کام کرتے ہیں
پہ ستاروں سے اپنا نام لکھتے ہیں
سرگوشیاں' حمد و نعت اور درجواب آں سے
اپنے ذہنوں کو شاداب کرتے ہیں
دانش کدہ ہمارا آنچل اور سروے میں
گھس کر کچھ سیکھتے اور مسکراتے ہیں
”بھیگی پلکوں پر“ سے اقراء کے آنسو ہٹاتے ہیں
”اور کچھ خواب“ عشنا کوثر کو بھی دکھاتے ہیں
کہیں ناراض نہ ہوجائیں باقی بہنیں
سب کو باری باری لکھنے اکستاتے ہیں
روحانی مسائل کی کھڑکی سے ہوکر کے ایس
پاس جاتے ہیں ہاشم مرزا کے ٹانک آزماتے ہیں
چپکے سے طلعت کے دستر خوان پر بیٹھ جاتے ہیں
ہو کوئی فنکشن تو روبین احمد سے فشل کرواتے ہیں
نظمیں' غزلیں' بیاض دل' یادگار لمحے سے
گزری یادوں کو واپس دل میں بساتے ہیں

مدیحہ نورین...... برنالی

”ٹھیک کہہ رہی ہو تم رخ! مرد ذات شاید کسی سے محبت کرنا جانتی ہی نہیں' دھوکہ و فریب ان کی سرشت میں شامل ہے۔“

”میں سارے مردوں کو نہیں کہہ رہی' تمام مرد ایسے نہیں ہوتے کچھ مرد عورتوں کی بے حد عزت کرتے ہیں' میں نے اپنے باپ کو امی کی محبت و عزت کرتے دیکھا' چچا بھی چچی سے پیار کرتے تھے گھر میں امی اور چچی کی حکمرانی تھی' ابو اور چچا نے کبھی ان کو نیچا دکھانے کی سعی نہیں کی' وہ کبھی اونچی آواز میں بات تک نہیں کرتے تھے۔“ اس کے دل میں پھر یادوں کے گلاب مہکنے لگے تھے۔

”وہ سیاہ فام...... گلفام...... کیسی چاہت تھی اس کی بادلوں میں چھپے چاند کی مانند وہ جب بھی مجھ سے بات کرتا تھا اس کے لہجے میں انوکھی مہک بسی ہوتی تھی وہ کبھی نگاہیں اٹھا کر بات نہیں کرتا تھا اور اس کی جھکی نگاہیں مجھے طیش دلاتی تھیں' میں نہ جانے کیا کچھ اس کو کہہ دیتی تھی مگر وہ برا نہیں مانتا تھا' اکثر میں پردے کے معاملے میں بے پروائی سے کام لیتی تھی اور کبھی میں اس کے سامنے آجاتی تو وہ اسے مخصوص انداز میں نرمی سے کہتا تھا...... ماہ رخ! عورت کے معنی چھپی ہوئی چیز ہے اور حقیقتاً عورت پردے میں چھپی ہوئی ہی معتبر لگتی ہے۔“

”بالکل درست کہتا تھا گلفام! آج اپنی بے پردگی کی قیمت جس طرح ہم ادا کررہے ہیں وہ ہم ہی جانتے ہیں' خیر تم ان باتوں کو بھول جاؤ تو بہتر ہے اور تم کو ایک خاص بات بتاؤں اعوان یہاں گیسٹ ہاؤس میں موجود ہے' مجھے رئیس نے اس کی خدمت پر مامور کیا ہے میں اس کو ساحر خان کا اصل چہرہ ضرور دکھاؤں گی۔“

❁+-✧-+❁

”ارے کیا ہوا کس کا فون ہے' کیوں اس قدر اداس لگ رہی ہو؟ یہ تمہارے چہرے کا رنگ کیوں اڑ گیا ہے؟“ صباحت لاؤنج میں موبائل پکڑے پریشان سی بیٹھی عائزہ کو دیکھ کر حیرت سے کہتی اس کے پاس آگئی تھیں۔

”کیا ہوا ہے اب بتا بھی دو' کیوں خوف زدہ کررہی ہو؟“ وہ اس کے قریب بیٹھ کر بے قراری سے بولیں۔

"فاخر اسلام آباد جاچکے ہیں ممی!" وہ گم صم انداز میں گویا ہوئی۔
"کیا...... یہ کیا کہہ رہی ہو عائزہ؟" وہ دم بخود تھیں۔
"وہ تنہا کس طرح جاسکتا ہے؟ پھر اس طرح چوروں کی مانند کیوں گیا ہے وہ؟ تم کو تو ساتھ لے جانا تھا نا اسے لاؤ مجھے سیل دو میں خود پوچھتی ہوں اس سے اس حرکت کا مطلب کیا ہے؟" انہوں نے غصے سے جھپٹ کر اس سے موبائل لیا تھا۔
"انہوں نے اطلاع دے کر سیل آف کردیا ہے۔" صباحت کو دیکھ کر وہ آہستگی سے گویا ہوئی۔
"السلام علیکم آپی!" زینب وہاں آئی تھی اور سلام کرتی ان کے گلے لگ گئی۔ صباحت نے پریشان انداز میں اس کو گلے لگایا۔
"خیریت تو ہے آپی! بہت ڈپریسڈ لگ رہی ہو؟" وہ علیحدہ ہو کر عائزہ کی طرف بڑھتے ہوئے استفسار کرنے لگی عائزہ اس سے لپٹ کر شدت سے رونے لگی تھی۔
"خیریت کہاں ہے زینی! آخر کار جلد ہی بھابی صاحبہ نے اپنا اثر دکھانا شروع کردیا ہے۔" وہ بدگمانی سے بولیں۔
"پلیز عائزہ مت رو معلوم تو ہو کیا ہوا ہے؟" وہ ٹشو سے اس کے آنسو صاف کرتی ہوئی استعجابیہ لہجے میں پوچھ رہی تھی عائزہ نے کچھ نہیں کہا وہ سر جھکائے روتی رہی تھی۔
"وہ بھگوڑا بھاگ گیا اسلام آباد میری بچی کو چھوڑ کر بنا بتائے اور وہاں پہنچ کر جانے کی اطلاع دے رہا ہے اور ہٹ دھری دیکھو اس کی سیل بھی بند کرر کھا ہے اس نے۔"
"فاخر کو میں جانتی ہوں وہ اس غیر ذمہ داری کا مظاہرہ نہیں کرسکتا پھر اس نے شادی اسی لیے کی تھی کہ عائزہ کو بھی ساتھ لے کر جائے گا وہ تنہا رہنا پسند کہاں کرتا ہے۔" زینب کے لہجے میں بے یقینی تھی۔
"اب مجھے کیا معلوم اس نے یہ حرکت کیوں کی ہے میری بچی کا کیا ہوگا میں فیاض اور اماں کو کیا بتاؤں گی؟"
"عائزہ تم بتاؤ فاخر اس طرح کیوں گیا ہے تم دونوں کا جھگڑا ہوا ہے؟" زینب سنجیدگی سے پوچھنے لگی تو اس نے انکار میں سر ہلا دیا۔
"میں نہیں مان سکتی' کچھ نہ کچھ تو تم لوگوں کے درمیان ہوا ہے جو فاخر اس طرح تم سے ملے بنا ہی چلا گیا ہے بتاؤ سچ کیا ہے؟"
"میں تو اس وقت ہی کھٹک گئی تھی جب وہ چڑیل اتنے دن اپنی ماں کے پاس ٹھہر کر آئی تھی' ان ماں بیٹی کا کیا ہوا سحر ہے یہ سارا جو میری بچی کی ازدواجی زندگی میں رکاوٹیں پیدا کررہا ہے۔" صباحت گویا نیند سے بیدار ہوئی تھیں۔
"ممی اللہ کے واسطے پری اور اس کی مما کا پیچھا چھوڑ دیجیے' یہ جادو نہیں ہے بلکہ آپ کی ان زیادتیوں کی سزا ہے' جو آپ اس کے ساتھ روا رکھتی ہیں ہمارے آگے آتا ہے۔" اس نے روتے ہوئے ہاتھ جوڑ کر کہا تھا۔
"میں غلط نہیں کہہ رہی' میں قسم کھا کر کہتی ہوں یہ کام پری اور مثنیٰ کا ہی ہے انہوں نے ہی سحر......"
"کیسی عجیب باتیں کررہی ہیں آپی! آپ نے تو ان پڑھ جاہل عورتوں کو بھی مات دے دی ہے کوئی اس طرح بھی بدگمان ہوتا ہے۔" وہ ان کی بات قطع کرکے افسردگی سے گویا ہوئی۔
"جو بھگتتا ہے وہ ہی جانتا ہے زینی! تم کو کیا معلوم وہ کیسی جادوگرنیاں ہیں' فیاض بائیس سال بعد بھی اس کے سحر سے آزاد نہیں ہو پائے ہیں' وہ آج بھی ان کے دل میں موجود ہے۔"
"دل کا حال اللہ جانتا ہے' ہم باخبر نہیں ہیں محض اپنی وہمی طبیعت کی وجہ سے ان پر تہمت رکھ کر گناہ گار مت ہوں آپی۔"
"تم اسی طرح دل جلانے والی باتیں کرتی ہو' تم تو اپنے میاں پر حکمرانی کررہی ہو' تم بھلا میرے دکھ کو کس طرح محسوس کرسکتی ہو؟"
"سراج کی مثال مت دیا کریں آپ' ہر چمکنے والی چیز سونا نہیں ہوتی' کسی نے کہا ہے نا دور کے ڈھول سہانے لگتے ہیں۔" بڑی آزردہ سی مسکراہٹ زینب کے لبوں پر آگئی تھی۔
"تم ایسی باتیں کرنے کی عادی ہوگئی ہو زینی! سراج نے تم کو کیا کچھ نہیں دے رکھا' دولت' آزادی' دنیا کی عیش و آسائشات سے بھرپور زندگی گزارنے کے باوجود تم ایسی باتیں کرتی ہو۔"

"آنٹی! ممی کی نظر میں سب سے زیادہ ویلیو ایبل پیسہ ہے، یہ کبھی بھی دل میں جھانکنے کی کوشش نہیں کرتی ہیں ان کی نگاہیں ہمیشہ پیسے پر ہوتی ہیں اگر ممی ان کاغذ کے ٹکڑوں سے زیادہ رشتوں کو اہمیت دیتیں تو آج ہم بھی بہت مختلف ہوتے۔" عائزہ نے آنسو صاف کرتے ہوئے یاسیت بھرے لہجے میں کہا۔

"مجھ سے تو تم سب کو شکایتیں ہی رہتی ہیں جس دن میں تم لوگوں کے درمیان نہیں ہوں گی اس دن معلوم ہوگا تم کو میری حیثیت کا۔" ان کے لہجے میں سخت خفگی در آئی تھی اور وہ ان کے منانے کے باوجود وہاں سے چلی آئی تھیں۔ زینی ان کا موڈ آف دیکھ کر شرمندہ ہوگئی۔

"ڈونٹ وری آنٹی! ابھی کچھ دیر میں ہی ممی کا موڈ ٹھیک ہوجائے گا۔"

"ہوں، میں جانتی ہوں میری جان! آپی کی عادت ہے ہر بات کو از حد لائٹ انداز میں لینے کی وہ کبھی بھی سنجیدگی سے معاملہ کی تہہ تک پہنچنے کی کوشش نہیں کرتی ہیں اور ایک ماں ہونے کی حیثیت سے ان کو اس قدر کم فہم اور لاابالی نہیں ہونا چاہیے اپنی ذمہ داری کا احساس کرنا چاہیے وہ تمہارے بارے میں نہیں سوچیں گی تو پھر کون اس حق کو ادا کرے گا اور اب سچ سچ بتاؤ تم نے راحیل والا افیئر فاخر کو بتایا تو نہیں ہے۔" وہ آہستگی سے اس کی طرف دیکھتے ہوئے گویا ہوئیں تو عائزہ کے چہرے پر یکلخت ایک درد کی لہر ابھری تھی۔

"اوہ یہ کیا بے وقوفی کردی ہے تم نے عائزہ! تم کو منع بھی کیا تھا کبھی خواب میں بھی فاخر کو اس قصے کا علم نہیں ہونا چاہیے اور تم نے اس کو سب بتادیا۔" اس کے چہرے سے سچائی ہویدا تھی زینب گھبرا گئی تھی بہت خوفناک وسوسوں کا شکار ہو رہی تھیں۔

"کیوں کیا تم نے ایسا عائزہ! مرد اس معاملے میں کٹھور ہوتے ہیں خود کتنے برائیوں میں لتھڑے ہوں مگر اپنے سے وابستہ رشتے پر وہ ایک بھی رسوائی کا دھبہ برداشت کرنے کی ہمت نہیں رکھتے۔"

"میں نے پہلی رات کو ہی پوری دیانت داری سے ایک ایک بات فاخر کو بتادی تھی، میں اپنی نئی زندگی کی ابتداء جھوٹی و کھوکھلی بنیاد پر نہیں رکھنا چاہتی تھی ویسے بھی وہ بار بار مجھ سے یہی پوچھ رہے تھے، میں اتنی خاموش اور غم زدہ کیوں لگ رہی تھی...... میرے چہرے پر دلہنوں والی خوشی و امنگ کیوں نہیں تھی؟" اس نے ٹشو سے چہرہ صاف کرتے ہوئے مطمئن دکھائی دینے کی سعی کی۔

"احمق لڑکی! شادی والے دن تمام لڑکیاں ہی خاموش و افسردہ ہوتی ہیں اس میں نئی بات کیا تھی، اپنوں سے بچھڑنے کا دکھ ہر لڑکی کو ہوتا ہے تم یہ بھی تو کہہ سکتی تھیں۔" وہ بے حد پریشان تھی۔

"اب جو ہوگا دیکھا جائے گا آنٹی! میں نے ہمیشہ غلط اور جلد بازی میں فیصلے کیے ہیں یہ پہلا فیصلہ ہے جو میں نے بہت سوچ سمجھ کر کیا ہے۔"

"دیکھ رہی ہو اپنے دانش مندانہ فیصلے کا انجام؟"

"میں فاخر کو کچھ نہ بتاتی اور ان کو کسی نہ کسی طرح معلوم ہوجاتا پھر اس سے بھی زیادہ برا ہوتا پھر نا معلوم کتنی زندگیاں تباہ ہوجاتیں۔"

"کچھ سمجھ نہیں آرہا ہے یہ سب کیا ہے؟" وہ دونوں ہاتھوں سے سر تھام کر بیٹھ گئی تب ہی ملازمہ کے ہمراہ صباحت وہاں داخل ہوئیں تھیں، ساتھ عادلہ بھی تھی۔

❁+-✧-+❁

کبھی کبھی مضبوط اعصاب کا انسان بھی اپنے منہ زور جذبوں کے آگے کمزور پڑ جاتا ہے پھر نہ اس میں پیچھے پلٹنے کی سکت رہتی ہے نہ وہ الٹے قدم چل پاتا ہے اور وہ وہیں رک جاتا ہے، ٹھہر جاتا ہے۔ طغرل کا بھی یہی معاملہ تھا وہ جس قدر اس سے دور ہونے کی سعی کر رہا تھا وہ کسی آسیب کی مانند اس کو اپنی گرفت میں لے چکی تھی۔ وہ ہر بار خود کو مضبوط کرتا، دل کو سمجھاتا کہ پارس کی بے رخی کا جواب بے رخی سے دے جذبوں کو رسوا ہرگز نہیں کرے مگر اس کا چہرہ دیکھتے ہی تمام عہد برف کی مانند پگھل جاتے۔

"صاحب! اماں جان یاد فرما رہی ہیں آپ کو۔" وہ ان الجھنوں میں معلوم کب تک الجھا رہتا کہ خیرون نے آکر اطلاع دی تھی۔

"اچھا آتا ہوں تم چلو۔" اس نے کہا۔

"صاحب! کافی لاؤں؟"

"نہیں۔" اس نے بنا رخ بدلے جواب دیا۔

"صاحب! کسی اور چیز کی ضرورت تو نہیں ہے آپ کو؟" خیرون کے لہجے میں عجیب سا اصرار تھا۔ طغرل اس کے لہجے کی بے چینی بھانپ گیا تھا اس نے مڑ کر دیکھا گہرے جامنی رنگ کے سوٹ میں اس کے سانولے چہرے پر بڑا تجسس تھا وہ درمیانی عمر کی عورت تھی بڑے اضطرابی انداز میں وہ اپنے ہاتھوں کو جنبش دے رہی تھی۔

"نہیں شکریہ خیرون! بہت خیال رکھتی ہو میرا۔" جیب سے ہرا نوٹ نکال کر اس نے اس کی طرف بڑھاتے ہوئے کہا۔

"یہ رکھ لو کام آئیں گے تمہارے۔"

"نہیں صاحب! اللہ آپ کو اور دے آپ پہلے ہی بے حد احسان کرچکے ہیں مجھ پر۔"

"کوئی احسان وحسان نہیں کرتا میں تم پر رکھ لو شاباش۔" اس کے اصرار پر خیرون نے نوٹ لے لیا اور خشک ہونٹوں پر زبان پھیرتی ہوئی رازدارانہ لہجے میں گویا ہوئی۔

"صاحب ایک بات کہنی ہے آپ سے پری بیگم صاحبہ کے متعلق۔" وہ جو اس کو منع کرنے والا تھا اس کے منہ سے اس دشمن جاں کا نام سن کر انکار نہ کرسکا پھر بھی تنبیہ کرتے ہوئے سخت لہجے میں بولا۔

"مجھے ملازموں کا اس طرح گھر کے معاملات میں دلچسپی لینا قطعی پسند نہیں ہے، تم کو صرف اپنے کام سے کام رکھنا چاہیے۔"

"آپ غلط مت سمجھیں صاحب! میری ماں نے اور میں نے بچپن سے اس گھر کا نمک کھایا ہے۔ میں کبھی یہاں کسی کو شکایت کا موقع نہیں دوں گی۔" اپنی وفاؤں کا یقین دلانے کے لیے وہ اس کے قدموں میں بیٹھ گئی۔

"وہ جی کل رات کو آپ پری بی بی سے ٹکرا گئے تھے وہ عادلہ بی بی نے دیکھ لیا تھا آپ کے جانے کے بعد وہ پری بی بی پر غصہ ہونے لگی تھیں اس وقت ان کی آواز سن کر بیگم صاحبہ بھی آگئیں اور......" خیرون اس وقت اسٹور روم میں تھی وہاں اس نے سب دیکھا اور سنا تھا، کل رات سے ہی وہ طغرل کو بتانے کے لیے موقع کی تلاش میں تھی کیونکہ وہ ان دونوں کو اچھے اخلاق و ملنسار طبیعت کے باعث پسند کرتی تھی پھر وہ طغرل کی پری سے کی جانے والی محبت سے بھی آگاہ ہوچکی تھی، سو آج موقع ملتے ہی وہ ساری بات اس کو من و عن سنا چکی تھی، طغرل ساکت بیٹھا رہ گیا تھا۔

"بیگم صاحبہ اور عادلہ بی بی کے ارادے مجھے اچھے محسوس نہیں ہو رہے ہیں، وہ خدا جانے کیا کریں گی ان کے ساتھ؟" پری بی بی تو جی بہت نرم دل عزت والی ہیں، میں جانتی ہوں ان کی عادت، وہ اماں جان کو بھی کچھ نہیں بتائیں گی، اندر ہی اندر گھٹ گھٹ کر خود کو روگ لگالیں گی، میں جانتی ہوں وہ کسی کو اپنا دکھ بتانے والی نہیں ہیں۔ ان کو بچپن سے دیکھ رہی ہوں اسی طرح سب سے چھپ چھپ کر روتے ہوئے کسی سے شکایت نہیں کرتی وہ۔" خیرون دلگداز انداز میں اس کی وکالت کررہی تھی۔

"میں کیا کرسکتا ہوں، جب اس کو خود اپنی اہمیت منوانی نہیں آتی، اس دنیا میں جینے کے لیے اپنا حق چھیننا پڑتا ہے، خود کو منوانا پڑتا ہے، جب وہ سب برداشت کرنے کا حوصلہ رکھتی ہے پھر کرتی رہے۔" وہ بمشکل اپنی اشتعال انگیزی پر قابو پاتا بے پروائی سے بولا۔

"آپ...... آپ کچھ نہیں کرسکتے صاحب جی!" خیرون اس کے بے پروا انداز پر سخت رنجیدہ دکھائی دی۔

"نہیں، میں کیا کرسکتا ہوں؟" وہ سرد مہری سے کہتا ہوا کمرے سے نکل گیا۔

❁+-✧-+❁

اماں جان کے دل و دماغ شدید جھٹکوں کی زد میں تھے ہاجرہ رات کھانے کے برتن لینے آئی تو دوسری ملازمہ کے ہاتھ برتن بھجوا کر خود اس کو قہوہ سرو کرنے کے بہانے سے وہیں رک گئی تھی کیونکہ وہ گزشتہ ایک ہفتے سے وہیں مقیم تھا اس دوران ہاجرہ سے خوب اس کی شناسائی ہوگئی تھی اور وہ بخوبی جانتا تھا کہ اس کے رخ سے اچھے مراسم ہیں۔ ہاجرہ نے ماہ رخ سے پکی دوستی کی تھی اور اس نے جب یہ سنا تھا کہ وہ ماہ رخ کو ہی مجرم سمجھ رہا ہے وہ اس تگ و دو میں تھی کہ موقع ملتے ہی وہ تمام حقیقت اس کے سامنے بیان کرے

گی لیکن احمر غفران کی موجودگی میں ایسا ممکن نہ تھا۔ اس کی روانگی کے تیسرے دن اس کی دلی مراد بر آئی تھی۔ اعوان اسے تنہا مل گیا تھا اور اچھے موڈ میں تھا پھر اس نے بھی کوئی لمحہ ضائع کیے بنا اس کو تمام حقیقت حرف حرف سنادی تھی پہلے وہ بے یقینی سے گردن ہلاتا رہا مگر ہاجرہ کے لہجے میں جو سوز و گداز تھا وہ اس کے دل میں نرم گوشہ پیدا کر گیا اور جب بدگمانی و رنجشوں کی الجھی ہوئی ڈور سلجھنا شروع ہوئی تو وہ ششدر رہ گیا ایک کے بعد ایک شدید ضرب اس کے حواسوں کو لگ رہی تھی اور وہ گھائل ہوتا جارہا تھا۔

''اتنا بڑا دھوکہ...... اتنا بڑا فریب...... میں کبھی سوچ بھی نہیں سکتا تھا وہ اس طرح ڈبل کراس کرے گا؟ ساحر خان...... میں تمہیں جان سے ماردوں گا۔'' وہ زخمی شیر کی مانند اِدھر اُدھر ٹہلنے لگا تھا اس کے چہرے پر غصے کی سرخی تھی رگ رگ میں گویا درد اتر گیا تھا۔

''اس نے آپ کے بھروسے و اعتماد کا قتل کیا اور ماہ رخ کی زندگی ہی تباہ کردی وہ نہ مرسکتی ہے اور نہ ہی زندگی میں کوئی کشش رہی ہے۔ اس پر مزید آپ کی نفرت اور بے رحمی نے ان کو بستر سے لگادیا ہے۔''

''مجھے کیا معلوم تھا میں اپنی آستین میں دوستی کے نام پر سانپ پالتا رہا ہوں مجھے تو بے حد اعتماد تھا اس پر اسی اعتماد کے سہارے میں اس کو پوری ایمانداری کے ساتھ ماہ رخ کا خیال رکھنے کا وعدہ لے کر گیا تھا شروع شروع میں سب ٹھیک رہا تھا ماہ رخ سے بات ہوتی رہی پھر آہستہ آہستہ کالز آنا کم ہوتی گئیں اور کچھ عرصہ بعد ہی رابطہ ایسا ختم ہوا جو پھر جڑ ہی نہ پایا ساحر سے میں رابطے میں تھا۔'' اتنا کہہ کر وہ خاموش ہوگیا۔ آنسو تیزی سے پلکوں کے بند توڑ کر بہہ نکلے وہ ہاجرہ کی پروا کیے بنا ہی بلند آواز سے رونے لگا۔

''اللہ کے واسطے اعوان صاحب! خود پر قابو پائیں خدانخواستہ یہاں کوئی اس حقیقت سے باخبر ہوگیا کہ آپ کے اور ماہ رخ کے پہلے سے مراسم ہیں تو ماہ رخ کے لیے مشکل ہوجائے گی رئیس بھی بھی اس کو معاف نہیں کریں گے۔'' اس کو روتے دیکھ کر ہاجرہ بھاگ کر باہر نکلی تھی اور ہر جگہ یہ دیکھ کر کسی کی موجودگی کا شبہ نہیں ہے وہ واپس آکر گویا ہوئی۔

''تم میرے جذبات نہیں سمجھ سکتی ہو ہاجرہ! میں کتنا عرصہ ماہ رخ کی تلاش میں بھٹکتا رہا ہوں ملک ملک شہر شہر گاؤں گاؤں بھٹکتا پھرا ہوں میرا ایک ہی جنون تھا صرف ایک بار وہ مجھے مل جائے تو اپنے ریوالور کی تمام گولیاں اس کے دل میں پیوست کرکے خود سے کی گئی بے وفائی کا بدلہ لوں ان دنوں میرا کام ہی دربدر بھٹکنا تھا اس کو نہ ملنا تھا نہ ملی اور گزرتے وقت کے ساتھ ساتھ میرے جنون میں کچھ کمی بھی آئی لیکن میرے اندر صنف نازک سے نفرت و عداوت کی ایسی آگ بھڑکی۔'' وہ بے اختیار روتا ہوا کہہ رہا تھا۔

''پھر عورت میرے لیے کھلونا بن کر رہ گئی ہر عورت میں مجھے ماہ رخ کا چہرہ نظر آتا تھا ہر عورت اس کی طرح بے وفا دھوکے باز محسوس ہوتی تھی عورت کی محبت اور نفرت دونوں ہی مرد کو بدل دیتی ہے۔ عورت محبت کرتی ہے تو ٹوٹ کر اور نفرت کرے تو مرد کو توڑ دیتی ہے۔ سمجھ رہی ہو نا میری بات تم ہاجرہ۔'' وہ سخت تکلیف میں تھا۔ ہاجرہ خود اپنے آنسوؤں پر قابو نہ پاسکی وہ بھی محبت میں کیے گئے دھوکے اور دکھوں سے گزری تھی کچھ فرق سے ان سب کی کہانیوں کا عنوان ایک ہی تھا ''دھوکہ و فریب'' کمرے کی فضا خاموش و نم تھی۔

❁+-✣-+❁

اگست کا مہینہ تھا موسم زیادہ تر ابر آلود رہتا تھا کبھی کبھی بادل کھل کر برستے تھے عموماً ہلکی ہلکی بوندا باندی یا پھوار پڑتی تھی۔ موسم کے تیور آج بھی خاصے بگڑے ہوئے لگ رہے تھے گہرا ابر ہر سو اندھیرا پھیلائے ہوئے تھا ہوا ساکت تھی جس سے حبس ہورہا تھا۔ پری بیڈ پر بیٹھی دادی کی ٹانگیں دبا رہی تھی ان کو ایسے موسم میں عموماً ٹانگوں میں درد مزید بڑھ جانے کی شکایت ہوجاتی تھی۔

''پری میں دیکھ رہی ہوں اپنے نانو کے گھر سے واپس آنے کے بعد تم بہت چپ چپ رہنے لگی ہو کہیں ثمنی کی فکر تو نہیں ہے تجھے اس کی طبیعت تو ٹھیک ہے نا؟'' وہ بند ہوتی آنکھوں کو کھول کر نقاہت بھرے لہجے میں بولیں۔

''ممی کی طبیعت ٹھیک ہے دادی جان! وہ آج رات کی فلائٹ سے جدہ جارہی ہیں نانو اور انکل کے ہمراہ عمرے کی ادائیگی کے لیے۔''

بختاور نقی

السلام علیکم! کیوٹ کیوٹ اور سو سویٹ بہنوں اور دوستو! کیا حال چال ہیں؟ میں بھی ہمیشہ کی طرح اے ون ہوں۔ آپ سوچ رہے ہوں گے کہ یہ باتونی کون ہے تو جی ہم اپنا تعارف کروا دیتے ہیں۔ میرا نام بختاور نقی ہے۔ 23 دسمبر کو ضلع شیخوپورہ میں پیدا ہوئی ہم چار بہن بھائی ہیں میں سب سے بڑی ہوں میں 10th کلاس کی طالبہ ہوں ایک نارمل اسٹوڈنٹ ہوں۔ اب آتے ہیں پسند کی طرف مجھے امی کے ساتھ کھانا بنانا بہت پسند ہے لیکن کبھی کبھی امی کی ہاتھ کی ہر چیز شوق سے کھاتی ہوں۔ مجھے چٹ پٹی چیزیں بھی اچھی لگتی ہیں۔ کلر میں سفید اور پنک بہت پسند ہے۔ لباس میں لمبی قمیص اور ٹراؤزر پہننا اچھا لگتا ہے۔ خوشبو میں گیلی مٹی اور پھولوں کی خوشبو بہت اچھی لگتی ہے۔ سردی کا موسم بہت پسند ہے پھل میں آم اور انار بے حد پسند ہے۔ شعر و شاعری کرنا کتابیں پڑھنا اور باغبانی کرنا میرا مشغلہ ہے۔ پسندیدہ شاعر وصی شاہ علامہ اقبال اور مرزا غالب ہیں۔ پسندیدہ رائٹر نازیہ کنول نازی ہیں۔ پسندیدہ شہروں میں کاغان مری سوات کشمیر اور اسلام آباد ہے۔ بارش میں بھیگنا بہت اچھا لگتا ہے۔ اب اپنی خامیوں اور خوبیوں کے بارے میں بتاتی ہوں۔ خامیاں مجھے غصہ بہت آتا ہے لیکن جلد ختم ہوجاتا ہے بے پروا بہت زیادہ ہوں۔ خوبیاں مجھے میری دوست مائدہ کہتی ہے کہ بختاور تم مشورے بہت کمال کے دیتی ہو کرن کہتی ہے کہ تم باتیں بہت اچھی کرتی ہوں سب یہ ہی ہیں۔ آگئے آپ سمجھ جائیں (ہاہاہا) جو قارئین میرے اس انٹرویو سے بور ہوئی ہوں گی ان سے سوری کہ میں نے آپ کا قیمتی وقت ضائع کیا اب اجازت چاہوں گی اللہ حافظ۔

''اچھا پھر تم ملنے کیوں نہیں گئیں ان سے؟ تم کو جانا چاہیے تھا۔'' دادی ایک دم ہی حیرانی سے کہتی ہوئیں اٹھ بیٹھی تھیں۔

''کس کے ساتھ جاتی دادی جان شوفر تو پاپا کے ساتھ گیا ہے۔''

''میں طغرل کو کہہ دیتی ہوں وہ لے جائے گا تم کو ابھی تو ٹائم ہے ان کی فلائٹ میں مل کر آ جانا دل خوش ہوجائے گا ان کا۔'' کدورتوں کی دھول جب ذہن سے صاف ہوجاتی ہے تو دل پھر آئینہ کی طرح صاف و شفاف ہوجاتا ہے جہاں ہر چیز واضح نظر آنے لگتی ہے اماں جان کا دل بھی ثمنی کی طرف سے صاف ہوچکا تھا۔

''ممی اور نانو کی ہی یہی خواہش تھی میں ان سے ملنے جاؤں ان کا شوفر بھی چھٹیاں لے کر جاچکا ہے ورنہ میں ان کے ساتھ چلی جاتی اسی لیے میں نے معذرت کرلی ہے۔'' اس نے مسکراتے ہوئے کہا۔

''ارے نہیں ایسے مبارک موقع پر تم کو ان سے ملنے کے لیے ضرور جانا چاہیے میں ابھی طغرل کو فون کرتی ہوں۔'' انہوں نے ٹیک لگاتے ہوئے تکیے کے نزدیک رکھا موبائل اٹھاتے ہوئے کہا پری نے ان کا ہاتھ تھامتے ہوئے تیزی سے کہا۔

''کوئی بات نہیں میں عمرے سے واپسی پر ان سے ملنے چلی جاؤں گی آپ طغرل بھائی کو مت بلائیں دادی جان!'' انہوں نے اس کے گریز کو بڑی ناپسندیدہ نظروں سے دیکھا اور غصے بھرے لہجے میں جتانے والے انداز میں گویا ہوئیں۔

''تم نے اس سے بیر باندھ لیے ہیں میں دیکھ رہی ہوں ہر گزرتے دن کے ساتھ تمہارا رویہ اس کے ساتھ بد سے بدتر ہوتا جارہا ہے وہ بچہ جتنا اس گھر اور گھر میں بسنے والوں کی خیر خواہی میں رہتا ہے اتنا ہی تم برا سلوک کرنے لگی ہو اس کے ساتھ۔''

''میں کیا برا سلوک کررہی ہوں ان کے ساتھ...... ہر ضرورت کا خیال رکھتی ہوں اور کیا کروں؟'' وہ حقیقت سے ان کو کس طرح باخبر کرتی اپنے دل پر لگے صباحت بیگم و عادلہ کی زبان کے زخم کس طرح دکھاتی؟

''ہاں میرا بچہ اب تو ملازموں کے رحم و کرم پر ہوگیا ہے کس سے کہوں میں اس کا خیال رکھنے کو صباحت کو اپنی فضول سی مصروفیات سے فرصت نہیں ہے اور اس نگوڑی عادلہ کو ڈھنگ سے چائے بھی بنانی نہیں آتی ہے اس کو صرف فیشن کرنے آتے ہیں نا معلوم کیا ہوگا اس کام چور اور پھوہڑ لڑکی کا؟''

''اوہ...... دادی جان! ایسی کوئی بات نہیں ہے میں طغرل بھائی کا خیال رکھتی ہوں ملازماؤں کا صرف نام ہوتا ہے تمام کام میں اپنی نگرانی میں کراتی ہوں آپ بددل ہرگز مت ہوں۔''

''آج کل تو وہ اپنے کام میں اتنا مصروف ہے کہ رات گئے گھر واپس آتا ہے رات کے کھانے پر ہوتا نہیں ہے نا معلوم کہاں

کھاتا ہے اور کھاتا بھی ہے یا مجھے بہلانے کے لیے بہانے کرتا ہے۔"

"ارے دادی جان آپ فکر کیوں کرتی ہیں نہ وہ بچے ہیں اور نہ ہی ان کے پاس پیسوں کی کمی ہے جہاں دل چاہتا ہوگا وہیں ڈنر کرتے ہوں گے اپنی پسند کا۔" وہ بے پروائی سے گویا ہوئی۔

"یہی تو فرق ہوتا ہے پری! تم کتنے مزے سے کہہ رہی ہو اگر اس کی ماں اور بہن ہوتی تو کبھی بھی اس کا روز روز گھر سے باہر کھانا برداشت نہیں کرتیں اور اسے گھر کا کھانے پر ہی مجبور کرتیں۔" دادی اپنے موقف سے ذرا ہٹنے کو تیار نہیں تھیں۔

"سب تو کہتے ہیں ان سے آپ' پاپا' ممی وہ کسی کی مانتے ہی کب ہیں' ہمیشہ ان کے پاس بزنس اور کاموں کا بہانہ ہوتا ہے۔"

"ارے بس رہنے دو بی بی! سب جانتی ہوں میں منوانے والے تو بات منوا کر چھوڑتے ہیں' فیاض تو کاروبار میں ایسا گم ہوا ہے کہ اسے کسی کی خبر نہیں ہے رات گئے آتا ہے منہ اندھیرے نکل جاتا ہے تم نے دیکھا گھر کے حالات کتنے بہتر ہو گئے ہیں؟ کئی ملازم بڑھ گئے ہیں گھر میں یہ سب تمہارے خیال میں کس نے کیا ہے؟" ایک عرصہ بعد ان کو پوتے کی محبت کا خمار چڑھا تھا اور ایسے میں وہ ہمیشہ سے دو دھاری تلوار بن جایا کرتی تھیں۔

"کس نے دادی جان؟" اس کا دل بے ہنگم انداز میں دھڑکا۔ "یہ سب تو پاپا ہی کر سکتے ہیں نا؟" انہوں نے انکار میں گردن ہلائی۔

"کیا پھر طغرل بھائی نے؟ ان کو ہمارے حالات کا معلوم ہو گیا؟" وہ خوددار باپ کی بیٹی تھی ان کے صاف انداز نے اس کو مضطرب کر دیا تھا اس کی اڑی اڑی رنگت و سرخ ہوتا چہرہ دیکھ کر دادی کو بھی اپنی جذباتیت کا احساس ہوا۔

"ہاں ہاں اسے معلوم کیوں نہ ہوتا بھلا وہ بھی اس گھر کا فرد ہے پھر عقل رکھتا ہے ذی شعور ہے' سمجھ گیا سب کچھ ناراض ہونے لگا مجھ پر کہ چچا جان اتنی پریشانیوں میں گھرے ہوئے ہیں اور اس کو خبر تک نہیں ہے وہ اداس و پریشان ہو گیا تھا۔"

"ایسا نہیں ہونا چاہیے تھا دادی جان! یہ بہت برا ہوا ہے۔" وہ جو تہیہ کر چکی تھی طغرل سے کہنے کا کہ وہ اس گھر سے چلا جائے وہ کب تک اس کی وجہ سے صباحت و عادلہ کو صفائیاں دیتی رہے گی' ان کی نگاہیں کیمرے کی مانند ان دونوں پر ہی فوکس رہتی تھیں اور ایسے میں معمولی بات بھی بہت اہم ہو جاتی تھی۔

"کیا برا ہوا ہے بھلا طغرل کوئی غیر نہیں ہے میرا اپنا ہی خون ہے' برے حالات میں اس نے سہارا دے کر اپنے ہونے کا ثبوت دیا ہے۔" ان کے لہجے میں نرمی در آئی تھی۔

"دادی جان! یہ سب اتنا سیدھا نہیں ہے جتنا دکھائی دے رہا ہے' کل کو تائی جان کو معلوم ہوگا وہ شاید اتنا برا نہ منائیں مگر فرح آپی یہ سب بالکل برداشت نہیں کریں گی' آپ جانتی ہیں ان کے مزاج کو وہ نامعلوم کون کون سے الزامات لگائیں گی اور لوگوں میں بدنام الگ کریں گی۔" وہ سخت مضطرب تھی۔

"ہونہہ! ارے فرح کی فکر کرتی ہے میری جوتی' وہ یہاں آ کر ذرا زبان کھول کر تو دکھائے اپنی چپل سے دماغ درست کر دوں گی اس کا' کسی سے ڈرنے کی ضرورت نہیں ہے...... ہاں۔" انہوں نے بڑی بے پروائی سے اس کو تسلی دی تھی۔

"وہ عائزہ ابھی تک اسلام آباد کیوں نہیں گئی' فاخر میاں بھی دو مرتبہ ہی یہاں آئے پھر وہ بھی نہیں آئے۔ میرا دل تو کسی گڑبڑ کی خبر دے رہا ہے اوپر سے عائزہ میں وہ نئی نویلی دلہنوں والی چوبات ہی نہیں ہے' اللہ خیر کرے مجھے وہ خوش دکھائی نہیں دیتی ہے' تم کو اس نے کچھ بتایا ہے؟" بہت خوب صورتی سے انہوں نے موضوع بدلا تھا' غصے میں وہ تمام وہ باتیں کہہ گئی تھیں جو اس کی حساس و خوددار طبیعت کو جانتے ہوئے وہ اس سے چھپا رہی تھیں اب اس کی اڑی رنگت اور ملول لہجہ دیکھ کر ان کو اپنی غلطی کا شدت سے احساس ہوا تھا۔

"نہیں دادی جان! ایسی تو کوئی بات نہیں ہے۔"

"وہ اپنی باتیں کر رہی تھیں ایسی کوئی بات نہیں تھی۔" ان کی پریشانی کے خیال سے وہ حقیقت ان کو بتانے سے گریز کر رہی تھی جو زینب اس کو عائزہ کی بے وقوفی کے بارے میں بتا چکی تھیں۔

"بہت نیک و ملنسار ہے زینب بیٹی! صباحت کے مزاج سے بالکل ہی مختلف ہے' لگتا ہی نہیں ہے دونوں سگی بہنیں ہیں۔"

غزل

وہ جو غیروں کے ساتھ منائے عید اسے عید مبارک
وہ جو چھوڑ گیا ہمیں اسے عید مبارک
وہ جو ہمیں برباد کر گیا اسے عید مبارک
وہ جو ہمیں تنہا چھوڑ گیا اسے عید مبارک
وہ جس نے ہمارا دل توڑ دیا اسے عید مبارک
وہ جو غیروں کے ساتھ خوش ہے اسے عید مبارک
ہمارا کیا ہم پہلے بھی تنہا تھے اب بھی تنہا ہیں
وہ جو چھوڑ گیا ہمیں اکیلا اسے عید مبارک

ثناء کنول...... لودھراں

"چائے لاؤں آپ کے لیے؟"

"پری...... میری بچی!" انہوں نے جھٹ اس کو سینے سے لگا لیا۔

"معاف کر دے اپنی بوڑھی دادی کو' غصے میں نامعلوم کیا کیا اول فول بک گئی ہوں' تیرا دل دکھا دیا ہے میں نے۔" شدت دکھ سے ان کی آواز بھی بھرا گئی تھی۔

"پلیز ایسے مت کہیں دادی جان! مجھے آپ سے نہیں اپنے مقدر سے شکایت ہے' یہ ہمیشہ میرے ساتھ وہ کرتا ہے جو مجھے کسی طور بھی پسند نہیں ہے آخر آرزوؤں کے رد ہونے کی بھی ایک حد ہوتی ہے' حرماں نصیبی کی طوالت کبھی تو ختم ہوتی ہوگی' مجھے نصیب سے وہ ہی کیوں ملتا ہے جو میں لینا نہیں چاہتی' وہ دن کب آئے گا دادی جان! جب میری مٹھی میں بھی خواہشوں کے جگنو جگمگا کر آسودگی کی روشنی پھیلا رہے ہوں گے۔" وہ ان کے سینے سے لگ کر پھوٹ پھوٹ کر رونے لگی' دادی نے بھی فراخدلی سے اس کا ساتھ دیا تھا۔

خاصی دیر تک دونوں روتی رہیں' جب دل کا غم آنسوؤں میں بہہ گیا تو دونوں نے ایک دوسرے کے آنسو صاف کیے تھے۔

"مایوس نہیں ہوتے میری بچی! ہر سیاہ رات کی آغوش میں روشن سویرا ضرور ہوتا ہے' برا وقت چیونٹی کی رفتار سے گزرتا ہے پر گزر جاتا ہے۔ یہ سیاہ رات بھی جلد ختم ہو جائے گی۔" اپنے شفقت بھرے لہجے میں وہ اس کو سمجھا رہی تھیں۔

"کاش کہ میں اتنی لمبی نیند سو جاؤں کہ جب صبح جاگوں تو میرے ہر سو خوشیاں ہی خوشیاں ہوں کاش......!" وہ یاسیت سے کہتی پلکیں موند گئی۔

❁ + - ❖ - + ❁

وہ آفس سے آج پھر خاصا لیٹ ہو گیا تھا۔ بارش آج بھی خاصی ہو رہی تھی دادی جان کے روم میں کھڑکی سے آتی نائٹ بلب کی روشنی دیکھ کر سمجھ گیا وہ سو چکی ہیں وہ پھر سیدھا اپنے روم میں آ گیا تھا جوتے اتار کر بیڈ پر لیٹ گیا اعصاب پر اتنی تھکن سوار تھی کہ اس نے کوٹ اتار کر سائیڈ میں رکھا اور آنکھیں موند لیں۔

دروازے پر دھیرے سے دستک ہوئی تھی خیرون اس کو دودھ کا گلاس دے کر پھر اپنے کوارٹر میں جاتی تھی۔

"یس کم ان۔" اس نے آنکھیں موندے موندے ہی جواب دیا تھا' دروازہ کھلا اور وہ اندر آ گئی تھی۔

"دودھ واپس لے جاؤ خیرون! میرا دل نہیں چاہ رہا ہے۔" ایک' دو' تین سیکنڈ گزر گئے تھے خیرون کی "جی اچھا صاحب جی" کی آواز آئی نہ جانے کی آہٹ ابھری تو اس نے آنکھیں کھول کر دیکھا بیڈ سے خاصے فاصلے پر وہ کھڑی تھی۔

گلابی سوٹ میں منہ بند گلاب کی کلی کی مانند' نوخیز و شگفتہ' گھبرائی گھبرائی حسین ہرنی کی طرح کچھ کچھ خوف زدہ سی' اس کا یہ روپ کم کم ہی نظر آتا تھا ورنہ وہ شعلہ جوالہ تھی' خود بھی جلنا دوسروں کو بھی جلانا اس کا کام تھا' یہ تو اس کا خوابوں کے دیس جیسا روپ تھا

وہ خواب ناک آنکھوں سے دیکھے گیا۔

"طغرل بھائی......" اس کا سپاٹ لہجہ اس کو خیالوں وخوابوں کی حسین دنیا سے باہر کھینچ لایا وہ ہڑبڑا کر گویا ہوا۔

"اوہ سوری یہ تم ہو پارس! میں سمجھا خیرون آئی ہے۔"

"جی...... خیرون کو میں نے کچھ دیر میں آنے کو کہا ہے۔"

"اوکے...... تم اس وقت یہاں کوئی کام ہے...... دادی جان کی طبیعت ٹھیک ہے؟" وہ چونک کر استفسار کرنے لگا۔

"دادی جان بالکل ٹھیک ہیں اور سو رہی ہیں۔"

"پھر تم کو کچھ کام ہے بیٹھ جاؤ۔"

"جی کام ہے۔" وہ سمجھ نہیں پا رہی تھی کس طرح مدعا بیان کرے۔

"اچھا...... ایسا کام ہے جو کھڑے ہی بتایا جاتا ہے۔" اس کے وجیہہ چہرے پر شوخ مسکراہٹ ابھری۔

"جی...... میرے اکاؤنٹ میں مما نے خاصی خطیر رقم جمع کرائی ہے۔"

"ہوں پھر تو بھاری رقم کی مالک ہو تم، لیکن مجھے یہ سب کیوں بتا رہی ہو تم؟" وہ حیرانی سے گویا ہوا۔

"پاپا اور دادی جان مجھے وہ رقم استعمال کرنے کی اجازت نہیں دیتے ہیں...... میں چاہتی ہوں وہ رقم آپ لے لیں۔"

"میں لے لوں تمہاری رقم، کس خوشی میں؟" وہ جتنا حیران ہوا تھا پری اتنی ہی بوکھلا رہی تھی اسے سمجھ نہیں آ رہی تھی کہ وہ کس طرح اس کو چیک پکڑا کر یہاں سے رفو چکر ہو جائے۔

"آپ نے گھر کی تمام ذمہ داری اٹھائی ہے نوکروں کو بھی تنخواہ آپ دے رہے ہیں اس سے آپ کو سپورٹ مل جائے گی۔" اس کی بات پر طغرل کے لبوں سے مسکراہٹ فوراً غائب ہوگئی مسکراتے چہرے کی شوخی سرخی میں بدلنے لگی تھی۔

"اچھا تم سے کس نے کہا مجھے تمہارے پیسے کی سپورٹ چاہیے؟" وہ سینے پر ہاتھ باندھے اس کے مقابل آ کھڑا ہوا تھا۔

"تم نے کیا سوچ کر ایسی اسٹوپڈ بات کی ہے پاگل لڑکی! میں جو کچھ بھی کر رہا ہوں اپنے گھر اپنے لوگوں کے لیے کر رہا ہوں اس گھر پر جتنا حق تمہارا ہے اتنا ہی میرا بھی ہے انڈر اسٹینڈ!" وہ ایک دم ہی غصے سے آگ بگولہ ہو گیا تھا۔

"آپ اس گھر کو چھوڑ کر سالوں قبل جا چکے ہیں آپ کے اپنے گھر ہیں دولت و جائیدادیں ہیں آپ کو اس مخدوش حالت گھر سے اب کوئی سروکار نہیں ہونا چاہیے۔" وہ بھی زیادہ دیر اپنی زبان پر قابو نہ رکھ سکی تھی۔

"میرا اس گھر سے تعلق ہے اور رہے گا تمہارے کہنے سے میں اس گھر کو نہیں چھوڑ سکتا کان کھول کر سن لو اور اگلی دفعہ مجھے ایسے بے کار مشورے دینے سے گریز کرنا تمہارے لیے بہتر ہوگا۔" ساری محبت تمام اخلاق و لحاظ بالائے طاق رکھ کر وہ غرایا تھا۔

"آپ بھی کسی خیال میں نہ رہیے گا یہاں سے ایک کمرا بھی آپ کو ملنے والا نہیں ہے اس گھر سے اپنا حصہ لینے کا خیال دل سے نکال دیں۔"

"کیا کہا تم نے...... میں گھر سے حصہ لینا چاہتا ہوں نان سینس!" وہ بپھرے ہوئے طوفان کی طرح بڑھا اور اگلے ہی لمحے کمرا زوردار تھپڑ کی آواز سے گونج اٹھا تھا۔

(ان شاء اللہ باقی آئندہ ماہ)

تیرے خیالوں سے دامن بچا کے دیکھا ہے
دل و نظر کو بہت آزما کے دیکھا ہے
نشاطِ جاں کی قسم' تو نہیں تو کچھ بھی نہیں
بہت دنوں تجھے ہم نے بھلا کے دیکھا ہے

سامنے عجیب سا ملغوبہ نما سالن دھرا تھا۔ قیمہ انڈے جانے کیا تھا۔

"یہ کیا پکا ہے؟" عمیر جو بھوک سے بے تاب تھا' جھلا کر بولا اور پلیٹ میں رکھے ملغوبہ نما سالن کو ہلانے لگا۔

"سرکار یہ چائنیز ڈش سمجھیں' چیونگ' میونگ' شیونگ۔"

"یہ مونگ کی دال' بینگن اور ایک انڈے کی وفات کے بعد وجود میں آنے والی دنیا کی واحد ڈش ہے جو آج سے پہلے کسی نے نہیں بنائی' کھانی ہے تو کھاؤ ورنہ پی سی ہوٹل میں جا کر ڈنر کرو۔" ہاشم بھی تاؤ کھا کر بولا اور پلیٹ سے پاپڑ نما روٹی کو اٹھانے لگا۔

"یار میرا مطلب یہ تھوڑی تھا' کھاؤں گا کیوں نہیں آخر تُو نے اتنی محنت سے دنیا کا یہ اعلیٰ ترین کھانا بنایا ہے' کھانا تو پڑے گا ورنہ ساری رات چوہوں کے ساتھ چڑیا گھر کے تمام جانور میرے پیٹ میں بریک ڈانس کریں گے۔" عمیر نہ چاہتے ہوئے بھی کھانے لگا۔ نمک نہ ہونے کے برابر تھا' اب اٹھ کر ڈالنے کا موڈ بھی نہ تھا' بس زہر مار کیا۔

"اور ہاں برتن سمیٹ لینا' پلیٹ دھو کر رکھنا' رومال اپنی جگہ پر ہو۔" ہاشم حسب عادت ہدایات دیتا ہوا واش روم کی طرف بڑھ گیا۔ عمیر کو آج آنے میں دیر ہوگئی تھی اور ہاشم کھانا کھا چکا تھا۔ دونوں کی متضاد طبیعت کے باوجود اکٹھے رہنا مجبوری تھی۔ کھانا کھا کر ہاشم کی ہدایات پر عمل کر کے وہ واپس اکلوتے کمرے میں آ گیا۔

"بالکنی میں مت کھڑے ہونا آج۔" عمیر ایک قدم بڑھا ہی تھا کہ ہاشم کا ہدایت نامہ جاری ہوا۔

"کیوں آج کیا وہاں ڈینگی وائرس پھیلا ہوا ہے۔" وہ تلملا کر بولا۔

"آج ہمارے مالک مکان شریف صاحب کی فیملی آچکی ہے اور ان کی دو عدد پردہ دار نیک شریف صاحبزادیاں بھی بہ نفس نفیس موجود ہیں' سو الزامات کے نوکیلے پتھر کھانے سے پہلے تمہیں آگاہ کرنا ضروری ہے۔"

"اوہ!" عمیر کے لبوں پر ایک دم مسکراہٹ اتر آئی۔

"کیا مطلب اس "اوہ" کا۔ تمہاری انہی حرکتوں کی وجہ سے ماسی چار سو بیس نے ہمیں پچھلے مکان سے نکلوایا تھا۔" ہاشم کی سوئی ایک ہی جگہ پر اٹکی تھی' وہ باز نہ آتا تھا۔

"کیا مطلب' شرم کر یار! میں کوئی لچا' لفنگا یا اٹھائی گیرا ہوں وہ تو اس کی بیٹی خود ہی چھچھل پیری بن کے مجھ سے چپک رہی تھی ورنہ تُو تو جانتا ہے کہ میرا ٹیسٹ اتنا بُرا نہیں کہ اس کوئل جیسی رنگت والی لڑکی پر مر مٹوں آخر میرے بھی کچھ جذبات ہیں۔"

"بکواس بند کر' رہنا ہے تو شرافت سے رہ ورنہ مجھے بھی اپنے ساتھ ذلیل کروائے گا۔"

"چل اب سو جا' صبح اٹھنے میں بھی دو گھنٹے لگاتا ہے' ایک گھنٹہ تجھے بجنے سنورنے کے لیے چاہیے ہوتا ہے۔"

"اچھا' بس کر دے یار اب' کیا سارے قصیدے آج سنائے گا' کچھ کل کے لیے بچا لے۔" عمیر اس کے کندھے پر ہاتھ رکھ کر مسکرا کر بولا تو ہاشم بھی مسکرا دیا اور دونوں اپنی اپنی چارپائی پر آ گئے۔

❁.....☾.....❁

عمیر اور ہاشم دونوں ہی غریب گھرانے کے نوجوان تھے۔ عمیر کے والدین بچپن میں ہی انتقال کر گئے تھے' وہ چچا کے ساتھ رہتا تھا' چچی کی آئے دن کی جھڑکیاں' نفرت انگیز رویہ' اسے بمشکل رہنے پر مجبور کیے ہوئے تھے۔ چچا کون سا لینڈ لارڈ تھے' سو جیسے تیسے اس نے ایف اے کیا پھر دوسرے شہر آ گیا' یہاں محنت مزدوری کرنے کے ساتھ ساتھ بی اے کر لیا۔ کبھی کبھار چچا سے ملنے چلا جاتا تا دو ماہ پہلے چچا بھی وفات پا گئے تو وہ ہمیشہ کے لیے اسی شہر کا ہو گیا۔ یہیں پر اس کی ملاقات ہاشم سے ہوئی' ہاشم کا بوڑھا باپ اور ایک بھائی تھا۔ جو دور کسی گاؤں میں رہتے تھے' بیمار باپ نے بہت شوق سے پڑھایا' اب وہ ان کے لیے کچھ کرنا چاہتا تھا' اتفاق سے دونوں کو ایک پرائیوٹ ادارے میں نوکری مل گئی' عمیر چھڑا چھانٹ' کچھ شوخ' لاابالی سا تھا۔ اپنے دکھوں کو ہنسی میں اڑانے والا' اس کے برعکس ہاشم بے حد سنجیدہ مزاج تھا۔ جانتا تھا کہ زندگی تلخیوں کا مجموعہ ہے' باپ بھائی بھی پیسے بھجواتا تھا' یہاں رہائش کا بہت مشکل سے انتظام ہوا تھا' پہلے ماسی صابراں عرف چار سو بیس کے ہاں چھ ماہ رہے' ایڈوانس بھی خاصا زیادہ تھا' ہر ماہ کرایہ بڑھانے لگی تو وہ دونوں پریشان ہو گئے پھر اس کی بیٹی بلاوجہ عمیر پر ڈورے ڈالنے لگی' کاجل کی لمبی لمبی دھاریاں ڈالے جب اپنی سانولی رنگت پر سفیدہ مل کر بلا مقصد ان کے پاس آتی تو عمیر کے ساتھ ہاشم کو بھی تاؤ آ جاتا۔

"ذرا فیروی لولی (فیئر اینڈ لولی) تو لا دیں' بیس روپے کم ہیں' اپنی جیب سے ڈال لینا۔" عمیر نے لمحہ بھر کو ہاشم کی طرف دیکھا' اس کا اشارہ پا کر لانے کی حامی بھر لی۔

یوں وہ بہانے بہانے سے کبھی کچھ تو کبھی کچھ بٹورنے لگی۔

"تنگ آ گیا ہوں میں۔ اوپر سے اس کی چھاپے کٹنی ماں! آج پھر کرایہ بڑھانے کی بات کر رہی تھی۔ بس بہت ہو گیا۔" عمیر پھٹ ہی پڑا۔

"ہاں کوئی اور گھر دیکھتا ہوں' کہتا ہوں ایک دو سے۔" ہاشم بھی اس کی بات سے اتفاق کرنے لگا۔ کافی تلاش و بسیار کے بعد وہ شریف صاحب کو اپنی شرافت کا ثبوت دے کر یہاں آ گئے۔ ورنہ دو کنوارے لڑکوں کو کون رکھتا ہے' مناسب کرایہ اور ضرورت کی تمام چیزیں موجود تھیں' آنے جانے کا راستہ الگ تھا' ایک بڑا کمرا' کچن' باتھ روم اور بالکنی پر مشتمل تھا۔ بالکنی سے شریف الدین صاحب کا صحن اور گھر صاف دکھائی دیتا تھا۔

ان کا اپنا جنرل اسٹور تھا' جو بے حد کامیابی سے چل رہا تھا' دو بیٹیاں اور بیوی کے ہمراہ وہ نیچے والے حصے میں قیام پذیر تھے۔ ان دونوں کو یہ جگہ پسند آئی' مناسب کرایہ' دفاتر بھی قریب تھے اور کیا چاہیے تھا' بس شرافت سے رہنا تھا ورنہ بات بگڑتے کون سی دیر لگنی تھی۔

❁.....☾.....❁

آج چھٹی کا دن تھا۔ عمیر دھلے ہوئے کپڑے بالکنی کے ساتھ لگی رسی پر ڈالنے لگا تو دزدیدہ نظروں سے نیچے کے آنگن میں یونہی جھانکا' پہلے یہ یقین کر لیا کہ ہاشم باورچی خانے میں ہی ہے۔

قدرے ادھیڑ عمر خاتون برآمدے میں بچھے تخت پر بیٹھی کچنار کی سبزی صاف کر رہی تھیں' اتنے میں گلابی رنگ کے لباس میں ملبوس دوشیزہ برآمد ہوئی۔

عمیر ذرا پیچھے ہٹا مگر نگاہیں بدستور وہیں اٹکی تھیں ساتھ ساتھ شرٹ بھی نچوڑ رہا تھا۔ لڑکی حسن و خوب صورتی کا مجموعہ تھی' اسے دیکھتے ہی ذہن میں فوراً مطلوبہ نام در آیا "قلوپطرہ یا خوابوں کی شہزادی" تبھی اس سے ملتی جلتی ایک اور دوشیزہ فیروزی لباس میں اندر سے آئی اور قلوپطرہ کے برابر کھڑی ہو گئی' وہ قدرے نمکین رنگت کی لڑکی تھی "مونالیزا" ہاں یہ نام ٹھیک ہے۔

گلابی لباس والی کے گالوں کا تل دور ہی سے بہار دکھا رہا تھا۔ جانے وہ کس بات پر مسکرائی کہ گالوں پر پڑنے والے ڈمپل عمیر کو اپنے دل میں اترتے ہوئے محسوس ہوئے' آخری پتلون تار پر ڈال کر فوراً ہٹ گیا' تاہم ذہن میں گلابوں کی رانی کی شبیہ چپک کر رہ گئی۔

"میں مارکیٹ جا رہا ہوں راشن لینے۔" ہاشم نے والٹ چیک کرتے اسے آگاہ کیا۔

"یہ لے پیسے۔ یار بیکری سے وہ کریم والی ٹھنڈی پیسٹری تو لے آنا' بڑا دل چاہ رہا ہے چائے کے ساتھ کھائیں گے۔" عمیر نے بچوں والی ضد کی تو ہاشم نے اسے گھور کر دیکھا۔

"پورے پچاس روپے کی ہے' ہاشم تو آنا' آنا ٹکہ بھی سنبھال کر خرچ کرتا تھا کجا پچاس روپے کی عیاشی۔"

"آدھی آدھی کھا لیں گے' منہ کا ذائقہ تو بدلے' روز یہ دال سبزی آلو کھا کھا کر دل اوبھ سا گیا ہے۔" عمیر نے لاڈ سے کہا تو ہاشم مسکراتا ہوا باہر چلا گیا۔

.......☆☆☆.......

عمیر بستر پر لیٹا تو گلابوں کی ملکہ نیند کی جگہ سپنے سجانے آ گئی۔ شام کو آنکھ کھلی تو کمرے کی لائٹ جل رہی تھی' ہاشم زمین پر کپڑا بچھائے استری کر رہا تھا۔

"کب آئے تم؟" عمیر نیم دراز ہوتے ہوئے بولا۔

"جب تم ستر میل فی گھنٹہ کی رفتار سے خراٹے لے رہے تھے۔" ہاشم شرٹ ہینگر کرتے ہوئے بولا۔

"اچھا، مجھے تو پتا ہی نہیں چلا۔" عمر ہنس کر بولا۔
"تم نے کپڑے پریس کرنے ہیں تو کرلو بجلی کا کوئی اعتبار نہیں۔" ہاشم نے سوئچ آف کرتے ہوئے کہا۔
"اچھا یار کرلیتا ہوں' پہلے ذرا ہاتھ لے کر فریش ہو جاؤں۔" عمیر کہتا ہوا باتھ روم کی طرف چلا گیا۔ ٹونٹی کھولی تو پانی ندارد۔
"یار پانی نہیں آ رہا۔" بنیان پہن کر وہ پھر باہر آ گیا۔
"کیوں کیا ہوا؟" ہاشم خود تصدیق کرنے واش روم چلا آیا۔
"پتا کرتا ہوں شاید وہ کھولنا بھول گئے ہوں۔" ہاشم سیڑھیاں اترتے ہوئے بولا۔
"کاش میں چلا جاتا" عمیر کو یک دم افسوس نے آ گھیرا۔
دستک پر آنٹی نما خاتون نے دروازہ کھولا تو انتہائی ادب و شائستگی کے ساتھ سلام کر کے مدعا بیان کیا۔
"اچھا اچھا' تو تم ہو بیٹا اوپر والے کرایہ دار' ماہ جبیں بیٹا! یہ وال نیچے کردو۔"
"جی اچھا امی!" مہین آواز آئی۔
"شکریہ آنٹی!" ہاشم نگاہیں جھکائے بولا تو عصمت اس کی شرافت کی دل و جان سے قائل ہو گئیں۔
وہ اوپر آیا' کچن میں آ کر دو کپ چائے تیار کی' ساتھ میں عمیر کی پسندیدہ پیسٹری پلیٹ میں رکھی۔
"واہ جیو میرے یار!" گرم چائے مع پیسٹری دیکھ کر عمیر کے دل سے صدا ابھری۔ "کون ملا تھا؟" عمیر کا تجسس برقرار تھا۔
"میرا خیال ہے مسز شریف الدین تھیں' سلجھی ہوئی خاتون لگ رہی تھیں۔" ہاشم کے لہجے میں احترام تھا۔
"ابے تُو ان کی بیٹیوں کو دیکھ' دیکھتا ہی رہ جائے گا۔" عمیر نے من کی آواز دبالی۔ مبادا کہیں ہاشم سے مار ہی نہ پڑ جائے۔
رات گئے عمیر آفس ورک کرتا تھا' ساتھ ایف ایم کے مزیدار پروگرام بھی ہلکی آواز میں چل رہے تھے' تیز آواز کرنے پر ہاشم نے سختی سے منع کر رکھا تھا۔ یوں چھٹی کا دن خوش گوار انداز میں ختم ہوا۔

❁.....◐.....❁

صبح صبح افراتفری کا عالم ہوتا ہے مگر شریف الدین کے گھر امن و سکون ہوا کرتا تھا' سلیقہ ترتیب سب کچھ بدرجہ اتم موجود تھا۔ نگین بی اے فائنل اور ماہ جبین ایف اے کی طالبات تھیں۔ دونوں اس وقت کالج جانے کے لیے تیار تھیں باپردہ حجاب لیے' عصمت کو سلام کر کے دونوں آگے پیچھے گھر سے باہر نکلیں۔ عصمت نے آیۃ الکرسی پڑھ کر دونوں پر پھونک ماری۔
شریف الدین کچھ دیر پہلے ناشتا کر کے اپنے جنرل اسٹور جا چکے تھے۔ وہ رکشے میں بیٹھ رہی تھیں جب عمیر بھی آفس جانے کے لیے روڈ پر آ گیا' کالے حجاب میں ماہ جبیں کی دودھیا رنگت اس کے حسن کا پتا دے رہی تھی۔
دوبارہ دیکھنے کے بعد اسے ماہ جبیں (قلوپطرہ) کی اچھی طرح پہچان ہو گئی تھی' دونوں بہنوں کی رنگت میں واضح فرق تھا۔ وہ آفس میں سارا دن کام میں الجھا رہا' پانچ بجے چھٹی ہوئی۔ ہاشم چار بجے آ جاتا تھا اور سگھڑ بیویوں کی طرح کھانا تیار رکھتا' عمیر روٹیاں لیتا آیا' کدو اور چنے کی دال کا سالن تھا دونوں نے مل کر کھانا کھایا اور لمبی تان کر سو گئے۔
باتوں کی آواز پر عمیر کی آنکھ کھلی' شریف الدین اور ہاشم گفتگو فرما رہے تھے۔ ہاشم تابعدار بنا' ہوں' ہاں کر رہا تھا۔ ان کے جاتے ہی عمیر اٹھ بیٹھا' ہاشم بالکنی کا جائزہ لے رہا تھا۔
"کل یہاں چھتیں لگیں گی' شریف الدین صاحب کا بندہ آ کر لگا جائے گا' بے پردگی ہوتی ہے۔"
"اوکے' ان کا گھر ہے جیسے مرضی کریں' بس ذرا ہوا کم ہو جائے گی۔" عمیر نے وضاحت دی۔
"کچھ بھی ہو ہم پابند ہیں۔ یار گزارا تو کرنا ہے۔"
مہینہ ختم ہونے میں آ رہا تھا' بچت کرتے کرتے بھی آخری دنوں میں فاقوں تک نوبت آ جاتی۔ آج بھی دونوں کے پاس پیسے نہ تھے کہ رات کا کھانا کھا سکتے۔ صبح کا ناشتا ہی ہو سکتا تھا۔ نیچے سے گوبھی گوشت کی اشتہا انگیز خوشبو آ رہی تھی' دونوں ایک دوسرے سے بنا بات کیے لیٹے رہے' یاد نہیں کب گھر کا کھانا کھایا تھا۔ حال کا یہ حال تھا اور مستقبل میں بھی کسی خاتون کا ساتھ مقدر میں ہے کہ نہیں یا یونہی جذبات کو تھپک تھپک کر سلانے میں عمر گزر جائے گی۔ اب ماں' بہنیں تو تھیں نہیں' بیوی کی آس رکھنے میں ہی سب کچھ مضمر تھا' دونوں کا دماغ ایک ہی نہج پر سوچ رہا تھا۔ جانے کب تک سوچتے دونوں نیند کی آغوش میں گم ہو گئے۔
صبح ناشتے میں دو کیک پیس اور پتلی کالی چائے پی کر شکر ادا کرتے ہوئے اپنے اپنے کام پر روانہ ہو گئے یہ سب بھی غنیمت تھا۔ ہاشم نے پتلی مسور کی دال بنائی تھی' واپسی پر عمیر تمباکو کھیرا لیتا آیا۔ سفید زیرے اور لہسن کے بگھار نے دال کے ذائقے اور خوشبو میں اضافہ کر دیا۔

"آپی! کیسے مزے کی مہک آ رہی ہے۔" ماہ جبیں کے کہنے پر نگین نے بھی خوشبو کو محسوس کیا۔ دونوں کبھی کبھار ان دالوں کے بارے میں سوچنے پر مجبور ہو جاتیں۔ ماہ جبیں عصمت کی آواز پر ہاتھ دھو کر اندر چلی گئی' عصمت کو رات گئے سے ٹمپریچر تھا۔
"رات کے لیے دال' چاول بنالو بیٹا! ساتھ میں پودینے کی چٹنی لازمی ہو تمہارے ابا اس کے بنا نہیں کھائیں گے۔"
وہ دال چاول بھگو کر کل کے ٹیسٹ کی تیاری کرنے لگی کہ دروازے پر دستک ہوئی' برابر والی آنٹی زہرہ عصمت کی مزاج پرسی کو آئی تھیں۔ انہیں ماں کے پاس چھوڑ کر وہ چائے بنانے لگی۔
"بس بہن کیا بتاؤں' کوئی مناسب رشتہ نہیں مل رہا۔" عصمت سوالوں کے جوابات دیتے دیتے تھک سی گئی تھیں۔ "پچھلے دو سالوں سے کئی لوگ آئے گئے مگر نگین کی قسمت نہ کھل پائی۔" عصمت کی آواز میں بے چارگی رچی تھی۔ ماہ جبیں چائے کے کپ رکھ کر واپس باہر آ گئی۔
"ہاں دو لڑکے ہیں' کنوارے ہی ہیں' چھان بین کروائی ہے آج بیس بائیس روز ہو گئے ہیں۔ نیک' شریف لڑکے ہیں کوئی بات سننے میں نہیں آئی۔" عصمت چائے کا گھونٹ بھرتے ہوئے بولیں۔
"ہاں شکل سے بھی بھلے ہیں دونوں' ایک تو بڑا ہی بھلا ہے' اونچا لمبا میں گزری تو مجھے ادب سے سلام کیا۔ اس کی عادت اچھی لگی' نواز بھی بہت تعریف کر رہے تھے' سر جھکا کر گزرتے ہیں دونوں۔" زہرہ بھی ان کی تعریفیں کیے جا رہی تھیں۔

❁.....◐.....❁

دوپہر کے بعد ایک دم آسمان پر کالی گھٹا چھا گئی' جو لمحہ بہ لمحہ بارش کی صورت اختیار کرتی جا رہی تھی' عمیر کا دل موسم کے تیور دیکھ کر مچل اٹھا۔ ایسا موسم کبھی کبھار ہی تو آتا تھا۔
"یار موسم بڑا اچھا ہو رہا ہے' پکوڑے ہونے چاہئیں اس سہانے موسم میں۔" بادلوں کی اٹھکیلیاں دیکھ کر عمیر کی رال ٹپک پڑی۔
"ہاں ہاں' کچن میں تیری دادی بنا رہی ہے' میرے لیے بھی لیتے آنا۔" ہاشم نے فائل سے سر اٹھا کر طنزیہ انداز میں کہا۔
"ہماری بھی کیا قسمت ہے۔" عمیر ہنوز بد دل ہو رہا تھا کہ یک دم دروازے پر دستک ہوئی۔ دروازہ کھولا تو سامنے نواز صاحب کا بیٹا سجاد بڑی سی پلیٹ لیے کھڑا تھا۔ تیرہ چودہ سالہ سجاد بہت ہی پیارا لڑکا تھا' دونوں سے اکثر گلی میں سلام دعا ہو جاتی' آٹھویں جماعت میں پڑھتا تھا۔
"کیا حال ہے بھائی جان!" وہ اندر آ کر بے تکلفی سے بولا۔ عمیر کی نظریں بدستور پلیٹ پر تھیں' جو خاصی بڑی دکھائی دے رہی تھی۔
"یہ امی نے دیئے ہیں پکوڑے اور چٹنی' مجھے برتن خالی کر دیں' بارش شروع نہ ہو جائے۔" وہ تفصیلاً بولتا عمیر کے دل کی کلی کھلا گیا۔
"واہ یار! مزا آ گیا' کیا سواد ہے آنٹی کے ہاتھ میں۔" ایک مدت کے بعد کوئی ڈھنگ کی چیز نصیب ہوئی تھی' اچھے ہمسائے بھی ایک نعمت ہوتے ہیں۔
دونوں ہی اگلے روز نواز صاحب کا شکریہ ادا کر رہے تھے۔ وہ ایک سرکاری محکمے میں اچھے عہدے پر فائز تھے' دو ہی بچے تھے سجاد اور بیٹی آمنہ' جو پانچویں کلاس میں پڑھتی تھی۔
"یار تم سے اک کام تھا' اس نکمے کو حساب پڑھا دیا کرو' میں اس کے موجودہ ٹیوٹر سے مطمئن نہیں ہوں' بورڈ کے امتحان سر پر ہیں' ذرا اچھی تیار ہو جائے گی۔" نواز صاحب کے اصرار پر عمیر نے ہامی بھرلی' اس کا میتھس ویسے بھی بہت اچھا تھا' چلو جی اس طرح محلے والوں سے تعلقات بھی رہیں گے یوں دفتر سے آنے کے بعد وہ نواز صاحب کی بیٹھک میں چلا جاتا' آمنہ بھی عمیر سے پڑھنے لگی۔
زہرہ آنٹی چائے کے ساتھ کبھی نمکو' حلوہ' بسکٹ سے اس کی خاطر کرتیں' عمیر کو خاصی شرمندگی ہوتی' وہ منع بھی کرتا پر وہ نہ مانتیں۔ ہر شام کو کبھی کبھار سجاد انہیں سالن' چاول' بریانی دے جاتا۔ عمیر نے فیس نہ لینے کا عزم کرلیا' مگر ایک ماہ بعد نواز صاحب نے پانچ سو روپے اس کی مٹھی میں تھما دیئے۔ عمیر نے لاکھ انکار کیا مگر وہ نہ مانے تو اسے لیتے ہی بنی۔
ادھر شریف الدین کی طبیعت اچانک بگڑ گئی' بخار تھا کہ اترنے کا نام نہ لے رہا تھا۔ ایک ہفتہ ہو گیا تھا نواز صاحب کی زبانی معلوم ہوا تو دونوں نے عیادت کرنے کی ٹھانی۔ دستک دینے پر عصمت دروازے پر آئیں' سلام کے بعد وہ انہیں اندر آنے کا کہنے لگیں اس سے پہلے بیٹیوں کو آواز دے کر پردے کا کہہ دیا۔
دونوں نظریں اور سر جھکا کر شریف الدین صاحب کے

کرے میں آگئے۔ گھر نفاست صفائی اور سادگی کا امتزاج تھا' صاف ستھرے بستر پر نحیف و نزار انداز میں نقاہت لیے وہ لیٹے تھے دونوں ان کے قریب رکھی کرسیوں پر آبیٹھے عصمت بھی ذرا فاصلے پر رکھے صوفے پر بیٹھ گئیں۔
بخار قدرے کم تھا مگر کمزوری بے حد تھی۔ عصمت غور سے آج ان کا جائزہ لے رہی تھیں۔ شرافت آنکھوں سے ظاہر تھی' حلیے غریبانہ بلکہ قدرے مسکین اور ساتھ ہی وہ خاندانی پس منظر بھی کنگھال رہی تھیں۔ ساتھ میں افسوس بھی کہ یہاں ان کا کوئی بھی نہیں۔ نہ کرایہ دینے کے معاملے میں ستایا نہ محلے والوں کو شکایت کا موقع دیا' تھوڑی دیر رکنے کے بعد وہ شریف صاحب سے ہاتھ ملا کر نظریں جھکائے باہر آگئے۔ دزدیدہ نگاہوں سے عمیر نے ادھر اُدھر دیکھا' جانے وہ پری وش کہاں چھپی تھی' چلو اس کے دولت کدے پر تو آنے کا موقع ملا' دل میں بھی گھر کرلوں گا' وہ دل ہی دل میں مسکرایا۔
"یار بڑے ہی وضع دار اور نفیس لوگ ہیں۔" ہاشم ان کے رکھ رکھاؤ اور رہن سہن میں رطب اللسان تھا۔
"ہاں' کافی مہذب اور باپردہ ہیں۔" عمیر کو پریوں کے نظر نہ آنے کا قلق تھا۔
"کیا مطلب؟" ہاشم چونکا۔
"مطلب یار بیٹیاں تو سامنے ہی نہیں آئیں ناں؟" عمیر شرٹ کو کھونٹی پر لٹکاتا ہوا بولا۔
"تُو ان کے باپ کی مزاج پرسی کرنے گیا تھا یا لڑکیوں سے ملنے۔" ہاشم کے لہجے میں قدرے غصے کا عنصر تھا۔
"ہمیں یار! میں تو یونہی کہہ رہا تھا' پردہ بہت اچھی چیز ہے۔" عمیر گڑبڑا کر بولا۔

❁......☾......❁
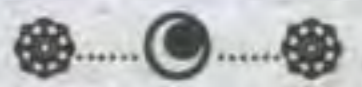
عمیر سجاد اور آمنہ کو حسب معمول پڑھا رہا تھا' دونوں اپنی اپنی کاپیوں پر جوابات تحریر کررہے تھے' خاموشی کا ماحول تھا' یک دم گھبرائی ہوئی آواز پر وہ چونکا' سجاد بھی بوکھلا گیا۔
"یہ تو ماہ جبیں آپی ہیں' بھیا میں دیکھ کر آؤں۔" سجاد بے چین ہوکر بولا۔
"ہاں جاؤ' پر جلدی آنا۔"
عمیر بھی متجسس ہوا' قدرے رونے کی آواز سن کر وہ بھی گھبرا گیا۔
"بیٹا تم ذرا میرے ساتھ چلو گے۔" تشویش زہرہ بیگم کے انداز سے ظاہر تھی۔
"کیا ہوا؟" عمیر ایک دم کھڑا ہوا۔
"وہ شریف بھائی کی طبیعت اچانک بگڑ گئی ہے کوئی [illegible] نہیں' سجاد کے والد بھی دیر سے آتے ہیں۔ بچیاں اکیلی ہیں۔"
"ٹھیک ہے میں چلتا ہوں۔" سجاد فوراً ٹیکسی لینے گیا' خود وہ زہرہ آنٹی کے ساتھ شریف الدین صاحب کے [illegible] آگیا۔ اندر عصمت بے آواز رو رہی تھیں جب کہ شریف الدین ساکت لیٹے تھے' پاس ہی ماہ جبیں اور نگین اشک بار آنکھوں سے باپ کا سینہ سہلا رہی تھیں۔
آپ ذرا ہٹیے میں دیکھتا ہوں۔" عمیر سمجھ رہا تھا کہ ان کو ہارٹ اٹیک ہوا ہے' تاہم سانس بہت آہستہ آرہی تھی۔
اتنے میں سجاد نے ٹیکسی آنے کی اطلاع دی' تو عمیر [illegible] عصمت اور ماہ جبیں کی مدد سے انہیں باہر لے آیا۔
"آپ اندر ہی رہیے۔" باپردہ' باحیا ماہ جبیں آج بالکل سامنے تھی۔ کھلا ہوا چہرہ' متورم آنکھیں' افسردہ حسن پر نگاہ ڈا[illegible] احترام سے بولا۔
ڈرائیور اور سجاد کی مدد سے انہیں پچھلی سیٹ پر لٹا[illegible] عصمت ساتھ بیٹھ گئیں۔ زہرہ اپنے بچوں کے ساتھ شریف الدین کے گھر آگئیں۔ عمیر انہیں قریبی ہسپتال میں لے [illegible] شریف صاحب پر مسلسل غشی طاری تھی۔ ڈاکٹر نے فوراً انہیں آکسیجن لگادی۔
"آپ ان کے؟" ڈاکٹر نے فارم پُر کرتے ہوئے پوچھا۔
"جی' بیٹا ہوں۔" عمیر بغیر کسی ہچکچاہٹ کے بولا۔ ڈا[illegible] اپنی سی کوششیں کررہے تھے' وہ عصمت کو آکر تسلی دینے لگا ساتھ ہی ہاشم کو کال کرکے ساری صورت حال سے آگاہ کیا۔ عصمت شکر گزار نظروں سے اس اونچے لمبے' خوش شکل نوجوان کو دیکھنے لگیں جو اس مشکل گھڑی میں فرشتہ بن کر ان کے ہمراہ آیا تھا' ورنہ وہ تینوں اکیلی کیا کرتیں۔ یہ سب خدا پاک کی مہربانی ہی تو تھی' پون گھنٹے کے بعد ڈاکٹر نے حالت خطرے سے باہر ہونے کا مژدہ سنایا تو جیسے جان میں جان آئی۔
"بیٹا میں تمہارا کس طرح شکریہ ادا کروں۔" وہ نم آنکھوں سے بولیں۔
"بیٹا بھی کہتی ہیں اور...... شرمندہ نہ کریں آنٹی!" عمیر حقیقت میں شرمسار لہجے میں بولا۔
رات آٹھ بجے ڈاکٹر نے سب بہتر ہونے کا کہا مگر آج [illegible] رات انہیں یہیں رکنا تھا' عصمت ذرا پریشان ہوگئیں۔
"آپ فکر نہ کریں آنٹی میں رہ لوں گا' آپ بے فکر ہوجائیں۔" عصمت نے ایک بار پھر اسے شکر گزار نظروں سے دیکھا تھا۔ کچھ دیر بعد نواز صاحب آگئے انہوں نے بے حد پیارے عمیر کو دیکھا۔ دو ماہ میں ہی انہیں اندازہ ہوگیا تھا کہ وہ کتنے شریف اور سلجھے ہوئے ہیں۔ نواز صاحب نے نگین کا دیا ہوا کھانے کا ٹفن عمیر کے حوالے کیا اور ڈاکٹر سے مل کر عصمت کو گھر لے جانے لگے۔
"آپ نے کیوں تکلیف کی' میں یہیں سے کچھ لے کر کھا لیتا۔" عمیر ان کی بارعب شخصیت سے بے حد متاثر تھا۔
"یار ایسے کیسے ہوسکتا ہے' بس تمہاری مہربانی کہ تم رات یہیں رکو گے' ایسی قربانیاں تو اپنے بھی نہیں دیتے۔" نواز صاحب نے اس کا کندھا تھپتھپا کر کہا اور عصمت کو لے کر چلے گئے۔
عمیر ہاتھ منہ دھوکر بینچ پر آبیٹھا۔ آلو قیمہ کا سالن تھا گھر کی بنی ہوئی نرم روٹیاں' کیا ذائقہ دار کھانا تھا۔ کہیں ماہ جبیں نے نہ بنایا ہو؟ وہ سوچتا مزے لے کر کھانے لگا۔ کھانا کھا کر اس نے ہاشم کو کال کی اور ساری بات تفصیلاً بتائی۔
ہسپتال میں دن اور رات کا کوئی فرق نہ تھا' نہ نیند آنے کا سوال' ہر گھنٹے بعد وہ ڈاکٹر سے معلومات لیتا۔ اب شریف الدین ہوش میں تھے' رات کے دو بجے ان سے ملاقات کا کہا گیا۔
ان کے چہرے پر زردی تھی' نقاہت اور کمزوری الگ تھی' عمیر کو دیکھ کر حیران ہوئے تب اس نے ان کے ہاتھ تھام کر انہیں تسلی دی۔ ہلکا سا دورہ پڑا تھا تاہم بروقت علاج سے آپ کی حالت سنبھل گئی' انہیں تسلی دے کر عمیر باہر آگیا۔
جانے اس ہسپتال کا بل کتنا ہوگا' مہنگا لگتا ہے کافی' عمیر حساب کتاب میں الجھا ہوا تھا کہ بیٹھے بیٹھے آنکھیں بند ہونے لگیں۔ وہ کروٹ بدل کر لیٹ گیا' وقفے وقفے سے شور و ہلچل سے آنکھ کھلتی بند ہوتی رہی۔ انہی بھول بھلیوں میں صبح کے آثار نمودار ہونے لگے کہ اس کا سیل فون بج اٹھا۔ نواز صاحب تھے' عمیر نے انہیں اچھی خبر سنائی تو انہیں تسلی ہوئی۔
"ٹھیک ہے میں دس بجے تک آجاؤں گا۔" انہوں نے فون بند کیا اور زہرہ کے ساتھ عصمت کے پاس آگئے وہ ابھی تک سرخ آنکھیں لیے بیٹھی تھیں۔
"اگر بروقت طبی امداد نہ ملتی تو......؟" آگے اندھیرا ہی اندھیرا تھا' دو جوان بیٹیاں' تنہا اکیلی آخر کہاں تک وہ حالات کا مقابلہ کرتیں پھر ابھی تک دونوں کے مناسب بر نہیں مل پائے تھے' رشتہ دار خود غرض تھے۔ ان حالات میں شریف الدین کی باتیں انہیں حوصلہ دیتی تھیں' جو صرف اور صرف خدائے واحد پر توکل رکھتے تھے۔
دس بجے نواز صاحب ہسپتال آگئے' ہسپتال کے واجبات ادا کیے' عمیر سامان سنبھالے اور نواز صاحب کے ساتھ شریف الدین کو سہارا دے کر گاڑی تک لایا اب وہ کافی بہتر تھے' عمیر ان کی آنکھوں میں تشکر کے الفاظ پڑھ سکتا تھا۔
انہیں گھر پہنچا کر وہ جانے لگا تو عصمت نے اسے ٹرے تھمادی' عمیر لیتے ہوئے ہچکچانے لگا۔
"نہیں بیٹا! ناشتا تو تمہیں کرنا ہی ہے' تم نے جو احسان کیا ہے' ہم اس کا بدلہ تو نہیں چکا سکتے۔"
"پلیز آنٹی! شرمسار نہ کریں۔" مزید رکے بنا ٹرے تھامے وہ اوپر آگیا' ہاشم صبح ہی جاچکا تھا۔ ہاتھ منہ دھوکر اس نے دسترخوان ہٹایا تو دو پراٹھے آملیٹ اور کٹوری میں مکھن تھا۔
"واہ میرے مولا! ہم تیری کون کون سی نعمتوں کو جھٹلائیں گے۔" اللہ کا شکر ادا کرتے ہوئے وہ برتن دھوکر واپس کرنے آگیا۔
"آنٹی نسخہ دے دیں' دوائیاں لے آؤں۔" شریف صاحب سوئے ہوئے تھے' کچن سے کھٹ پٹ کی آوازیں آرہی تھیں مگر وہ دیکھنے سے قاصر تھا' عصمت نے اسے نسخہ اور رقم تھمائی۔ قریبی میڈیکل اسٹور سے دوائیاں لے کر عصمت کے حوالے کیں اور خود اوپر آگیا' تھکن سے برا حال تھا' ابھی بارہ بجے تھے' ہاشم نے چار بجے آنا تھا' سو بے فکر ہوکر سو گیا۔
آنکھ کھلی تو ساڑھے تین بج رہے تھے' ہاتھ لے کر وہ فریش ہوگیا' دو آلو اور ایک ٹماٹر موجود تھا' پیاز کاٹ کر وہ اپنے طریقے سے سالن بنانے لگا' ہاشم کے آنے تک سالن دم پر تھا' بن تو گیا تھا مگر وہ اتنا ماہر نہ تھا۔
"اوئے ہوئے آج تُو نے سگھڑ بیویوں والا کام کر دکھایا۔" ہاشم خوش ہوکر بولا' روٹیاں ہمراہ تھیں۔
جتنی دیر میں ہاشم فریش ہوا' عمیر نے کھانا لگادیا۔
"یار دوست ہو تو تیرے جیسا۔" ہاشم کو بھوک بھی خوب لگی

ہوئی تھی۔ کھانا اچھا بنا تھا مگر مرچیں ذرا تیز ہوگئیں۔ ہاشم ساتھ ساتھ اس سے روداد بھی سن رہا تھا۔

''تو جانا شام کو ان کا حال پوچھنے۔'' عمیر برتن سمیٹتے ہوئے بولا۔

''ہاں کیوں نہیں' کچھ دیر آرام کرلوں۔'' تھوڑی دیر گزری تو نواز صاحب آ گئے۔

''آیئے نواز صاحب۔'' ہاشم اٹھ کر فوراً انہیں ملا۔

''آج سجاد اور آمنہ کی چھٹی ہے' میں نے سوچا بتا آؤں۔ یار عمیر! تم نے بڑا اہمت والا کام کیا' واقعی قابل ستائش ہو تم۔'' نواز صاحب کی بات پر عمیر سر جھکا کر رہ گیا۔

''شریف بھائی بے چارے بہت دکھی ہو رہے ہیں' کم بخت ناصر نے سارا کام چوپٹ کر کے رکھا ہوا ہے' حساب کتاب جو لگانے لگے تو کوئی ہزار کا گھپلا نکلا۔ ایک بات کرنی تھی تم سے۔'' نواز صاحب نے باری باری دونوں کو دیکھتے ہوئے سوالیہ انداز اختیار کیا۔

''جی۔'' وہ بہ یک وقت بولے۔

''بات یہ ہے کہ شریف بھائی کو کسی ایمان دار بندے کی تلاش ہے' عمیر کو دیکھا تو مجھے خیال آیا اگر وہ ان کا اسٹور سنبھال لے تو......'' وہ ہاشم اور عمیر کی طرف سوالیہ نظروں سے دیکھتے ہوئے جواب کے منتظر تھے۔ عمیر حقیقت میں حیرت کے سمندر میں غوطے کھا رہا تھا۔

''عمیر تو نوکری کرتا ہے' دکان پر کیسے......؟'' ہاشم ذرا تحمل سے بولا۔

''لیکن پرائیوٹ نوکری کا کیا بھروسہ' عمیر نے اکنامکس پڑھی ہے' حساب کتاب جانتا ہے شریف اور سب سے بڑھ کر ایمان دار ہے۔ تم سوچ لو میں چلتا ہوں۔'' نواز صاحب انہیں حیرت میں ڈال کر چلے گئے۔

''یار یہ کیسے ممکن ہے؟'' عمیر ہکا بکا بیٹھا تھا۔

''کیوں ناممکن کیا ہے' خوب سے خوب تر کی تلاش اور کیا؟'' ہاشم دونوں ہاتھ سر کے پیچھے رکھ کر بولا۔ اطمینان اس کے انداز واطوار سے جھلک رہا تھا۔

''مگر......'' عمیر ابھی تک الجھن کا شکار تھا۔

''اگر مگر رہنے دے' نوکری چھوڑ اور دکانداری کر۔'' ہاشم نے رسانیت سے کہا۔

''پتا نہیں یار میں یہ سب کر بھی پاؤں گا کہ نہیں۔'' پریشانی عمیر کے لہجے سے عیاں تھی۔

''چھوڑ یار! ابھی سے کیا پریشان ہونا' سر پر پڑے گی تو سب سمجھ جائے گا۔ چل شریف صاحب کا حال پوچھ آئیں پھر جو ہوگا دیکھا جائے گا۔'' ہاشم نے اسے تسلی دی اور وہ نیچے آ گئے۔

خاموشی کا سکون بھرا احساس آنگن کا مکین تھا' دستک پر دروازہ عصمت نے کھولا۔

''آ جاؤ بچو! یہ جاگ رہے ہیں۔'' عصمت کے کہنے پر ... کی تقلید میں کمرے میں آ گئے' تبھی ایک گلابی آنچل دوسرے کمرے میں گم ہوتا دکھائی دیا۔ عمیر کے لبوں پر مسکراہٹ آ گئی۔ ہاشم شریف صاحب کے قریب بیٹھ کر ان کا حال احوال پوچھنے لگا۔ کچھ دیر بیٹھ کر وہ دونوں اوپر آ گئے۔

❁......◉......❁

''میں نے بات کی ہے' لڑکا ایماندار اور شریف ہے۔ امید ہے کہ سنبھال لے گا پھر بات کروں گا آپ فکر نہ کریں۔'' نواز صاحب انہیں تسلی دے رہے تھے۔

''کیا کروں' دونوں کی کہیں بات نہیں بن رہی' عصمت ... درجہ پریشان تھیں' فیاض نے بھی انکار کر دیا ہے' ابھی صفدر ... چار رہا ہے' دو سال انتظار کریں تو ٹھیک ورنہ کہیں اور دیکھ لیں' ... کروں میں؟'' ان کی آواز گلوگیر تھی۔

''صبر وحوصلہ سے کام لیں' اللہ بہتر کرے گا' نواز ان کے شوہر کا پھوپی زاد تھا اور زہرہ بھی دور کی رشتہ دار تھیں۔ ان ... کوئی بات پوشیدہ نہ تھی۔ آپ بس بھائی صاحب کی درازی عمر و صحت کی دعا کریں' نواز نے ان کا دھیان بٹانا چاہا۔

''امی جی سوپ تیار ہے۔'' نماز کے بعد وہ باورچی خانہ ... آئیں تو نگین نے کہا۔

نگین' ماہ جبیں سے تین سال بڑی تھی' نمکین رنگت' دراز ... متناسب سراپا' لمبے گھنیرے بال' پر دیکھنے والوں کو سانولی لگتی' اس کے مقابلے میں ماہ جبیں واقعی چاند کا ٹکڑا تھی۔

جانے کیوں عصمت کا دھیان بار بار ہاشم کی طرف ... تھا' بہت سلجھا ہوا لگتا تھا۔ عصمت اور شریف صاحب دونوں اس بات پر متفق تھے۔

ادھر عمیر اس ماہ کے آخر تک فیصلہ کر چکا تھا' شریف صاحب براہ راست اس سے بات کر چکے تھے وہ انکار نہ کر سکا' ان کی حالت ایسی نہ تھی کہ وہ دکانداری کر سکتے۔ آخر کار اس نے نوکری کو خیرباد کہہ دیا۔

آج اس کا پہلا دن تھا' اچھی خاصی سر دردی تھی اس لڑکے کو تو عمیر نے فارغ کر دیا' اس کی جگہ ایک اور ملازم رکھ لیا تاہم اب سب کچھ عمیر کے کنٹرول میں تھا' شریف صاحب آ کے بس بیٹھ کر اسے گائیڈ کرتے رہتے' عمیر کو بھی ان کی رہنمائی کی اشد ضرورت تھی یوں چند دنوں میں ہی وہ سب کچھ سمجھ گیا۔ شریف صاحب مطمئن ہو گئے پھر تو وہ جیسے دکان کا ہی ہو کر رہ گیا۔

صبح دس بجے جاتا' رات دس بجے تک واپسی ہوتی' ہاشم اس سے بات کرنے کو ترس گیا۔ اسی دوران گاؤں میں ہاشم کا بیمار باپ فوت ہو گیا' ہفتے بعد وہ آیا تو اس کا چھوٹا بھائی عاصم اس کے ساتھ تھا' جسے اس نے کالج کے ہوسٹل میں داخل کروا دیا۔

❁......◉......❁

ایک بار پھر دونوں میاں بیوی اسی بات کو فائنل کر رہے تھے۔

''تم ٹھیک کہتی ہو' باپ بھی گزر گیا' اکیلا ہے' سبزہ زار کالونی والا گھر ویسے بھی نگین کے نام ہے وہیں شفٹ ہو جائیں گے شادی کے بعد اور یہ گھر ماہ جبیں کے نام کر دوں گا۔'' شریف صاحب سب کچھ سوچے بیٹھے تھے' اگلے ہی ہفتے انہوں نے اس گھر کو ماہ جبیں کے نام منتقل کر دیا۔ دکان میں دونوں بہنوں کا برابر حصہ ہے۔

جب نواز صاحب نے آ کر رشتے کی بات ڈالی' ہاشم تو سنتے ہی ششدر رہ گیا اور سر جھکا لیا۔ ابھی کیا جواب دیتا اور عمیر تو مارے خوشی کے ناچنے لگا نہ صرف خود بلکہ ہاشم کو بھی گھما ڈالا۔

''بس یار اب تُو دلہا بننے کی تیاری کر لے۔'' عمیر مسکرا کر بولا۔

''اور تُو اکیلا......''

''یار میں اکیلا کب ہوں۔'' عمیر مسکرا رہا تھا اور تصور میں ماہ جبیں کی چاندنی صورت ابھر آئی جو فقط ایک ہی بار دیکھی تھی تب سے ذہن میں رچ بس گئی تھی دونوں مستقبل کے پلان کرنے لگے۔ اگلے چند دنوں میں نکاح متوقع تھا۔ نکاح کی تقریب میں عمیر پیش پیش تھا یہاں تک کہ ماہ جبیں پوری طرح اس کے حواسوں پر چھا گئی' بات یک طرفہ نہ تھی ماہ جبیں خود کو عمیر کے بنا ادھورا سمجھنے لگی تھی۔ نکاح کے روز دونوں کی نگاہیں ملیں۔ سج سنور کر وہ اچانک سامنے سے گزری تو عمیر کا قرار لوٹ کر لے گئی' عمیر سامان رکھوانے باورچی خانے میں آیا نگاہیں چار ہوئیں تو عمیر کے لبوں کو مسکراہٹ نے چھو لیا۔

''یہ چیزیں چیک کر لیجیے۔'' عمیر نظریں چرا کر بولا۔ اٹھتی گرتی مسکارے کے بوجھ سے لرزتی پلکیں...... آدھا چہرہ آنچل میں چھپائے' دو کاجل بھرے نین' عمیر کا رہا سہا قرار بھی لوٹ کر لے گئے۔

''جی...... اچھا......'' مہین آواز نے اور بے کل کیا۔

اب جھجک کم ہو گئی تھی' انداز بظاہر شریفانہ تھا مگر انداز واطوار پکے عاشقانہ تھے۔

''سنیے۔'' وہ جاتے جاتے مڑا' شیلف کے قریب کھڑی انگلیاں مروڑتی' ماہ جبیں نے لمحہ بھر کے لیے پلکوں کا پردہ اٹھایا۔

''جی......!'' آواز میں لرزش واضح تھی۔

''آپ کی آنکھیں بہت خوب صورت ہیں۔'' عمیر نے بلا جھجک کہا تو اس نے رخ موڑ لیا۔

''میں اتنا گیا گزرا تو نہیں اک نگاہ کرم تو کیجیے۔'' عمیر دھیمی آواز میں بوجھل انداز لیے بولا۔

''پلیز آپ جایئے۔'' وہ قدرے سامنے آ کر بولی۔

''مجھے آپ کا ساتھ چاہیے انکار نہ کیجیے گا۔'' بے باک نگاہ ڈالتا وہ تیز تیز قدم اٹھاتا باہر آ گیا۔ جانتا تھا کہ ماہ جبیں بھی اس سے پیار کرتی ہے مگر مشرقی لڑکی ہے پردہ دارانہ ماحول کی پیداوار۔ اسے خود لڑکیوں کا یہ انداز بھاتا تھا۔ نکاح کی تقریب بہت شاندار رہی' نواز صاحب اور ان کی بیگم نے پورا پورا ساتھ دیا۔ نواز نے اس موقع پر عمیر کا بغور مشاہدہ کیا اس کی نگاہوں میں شرافت تھی بے باکی اور ہوس نہ تھی۔ ایجاب وقبول کے بعد ہاشم اور نگین کو ایک کر دیا گیا' تاہم وضع دار لوگ تھے' اکیلے میں ملنا ملانا پسند نہیں کرتے تھے نہ ہی ہاشم خود اس بات کو پسند کرتا تھا۔ دستور کے مطابق دونوں میں پردہ حائل تھا' ہاشم بھی اس جھجک کو توڑنا نہ چاہتا تھا۔ اسے یقین تھا کہ نگین بھی اسے چاہتی ہوگی' جو اس کی خاموش محبت کا تقاضا تھا۔

❁......◉......❁

نگین کے نکاح میں اس کی کئی سہیلیاں آئی تھیں' انہی میں ایک حوریہ بھی تھی اسے ماہ جبیں کے معصوم حسن نے بے حد متاثر کیا' چند دن ہی گزرے کہ وہ اپنی ماں کے ساتھ آن موجود ہوئی' اپنے بھائی عثمان کا رشتہ لے کر' عصمت تو خدا کی مہربانی اور قسمت پر شکر گزار ہوئیں' ماہ جبیں دل پر پتھر رکھ کر ان کے

سامنے آ گئی۔

حوریہ اور اس کی والدہ زبیدہ بیگم کو ماہ جبیں بے حد پسند آئی' گھرانہ ان کے ہم پلہ نہ تھا مگر انہیں ماہ جبیں سے غرض تھی۔

''میں آپ کو مشورہ کر کے سوچ کے جواب دوں گی۔'' رسانیت بھرے جواب پر زبیدہ مطمئن ہو کر چلی گئیں۔

ماہ جبیں کی سمجھ میں نہ آ رہا تھا کی کیا کرے' دل تھا کہ غم کی اتھاہ گہرائیوں میں ڈوبے چلا جا رہا تھا' کسی کو کچھ بتا بھی نہ سکتی تھی۔

''کیا ضرورت تھی آپ کو کہیں جانے کی' جب میں نے کہہ دیا کہ میں کسی ایسی دقیانوسی لڑکی سے ہرگز شادی نہیں کروں گا' جانتی بھی ہیں آپ کہ میری نگار سے کمٹمنٹ ہے پھر بھی آپ......'' عثمان ہتھے سے اکھڑ گیا۔

''مت نام لو میرے سامنے اس بے ہودہ لڑکی کا' ہم شریف لوگ ہیں' نگار جیسی لڑکیاں شوپیس تو بن سکتی ہیں' بیوی نہیں۔'' زبیدہ بھی اس کی ماں تھیں۔

''میں اگلے ہفتے بات پکی کر آؤں گی۔'' انہوں نے بھی دو ٹوک فیصلہ سنا دیا تب وہ تن فن کرتا گھر سے نکل گیا۔ نگار امیر ترین سیٹھ شیخ مصطفیٰ کی اکلوتی بیٹی تھی' بے باک' بے حجاب اپنی اداؤں سے عثمان کو پاگل بنا رکھا تھا۔ یونیورسٹی کے زمانے سے اس کی دوست تھی خود شیخ مصطفیٰ بھی عثمان کو پسند کرتے تھے مگر زبیدہ گھریلو عورت تھیں' پچھلے سال بیوہ ہوئیں تو عثمان نے باپ کا سارا کاروبار سنبھال لیا۔ اس کی بس ایک ہی ضد تھی کہ وہ نگار سے شادی کرے گا اور زبیدہ بیگم نے اس کی ضد کے آگے ہتھیار نہیں باندھے تھے وہ اسے پیار' غصے سے سمجھا چکی تھیں مگر نتیجہ بے سود۔

عثمان کے گھنے بالوں میں اپنی نازک انگلیاں پھیرتے ہوئے نگار اس سے لاڈ کر رہی تھی۔

''آخر تمہاری ممی کب آئیں گی' میں ڈیڈی کو اور کتنا ٹائم دوں۔ اُدھر میری آنٹی نے ایک واویلا مچا رکھا ہے' اپنے بیٹے شہاب کے لیے مگر ڈیڈی میری پسند کو ترجیح دیں گے۔'' نگار اٹھلا کر بولی تو عثمان جھنجلا کر رہ گیا' یہاں لڑکی کی پسند کو مانا جاتا ہے اور میری ماں مجھے اہمیت ہی نہیں دے رہی۔

''کیا کروں آخر میں۔'' نگار کو ساری بات بتا کر بھی پریشان تھا۔

''اس کا تو ایک ہی حل ہے پھر......'' نگار ابرو اچکا کر بولی۔

کیا......؟'' عثمان پوری طرح متوجہ تھا۔

''تم گھر داماد بن جاؤ' مسئلہ حل۔'' وہ چٹکی بجا کر بولی۔

''نہیں' نہیں یہ ممکن نہیں۔ ممی کی طبیعت بہت خراب ہو[illegible] ہے میرے انکار اور بحث سے۔ فی الحال اس لڑکی سے نام [illegible] منگنی کر لیتا ہوں' اس کے بعد تم سے شادی۔ یہ یاد رکھنا میں [illegible] صورت اس لڑکی سے شادی نہیں کروں گا۔ چاہے مجھے خود[illegible] ہی کیوں نہ کرنی پڑ جائے۔'' نگار اس کی فطرت سے واقف [illegible] سو اس کے فیصلے سے متفق ہو گئی۔ عثمان نے ماں کو ہاں کیا ک[illegible] گویا ایسے ہو گئیں جیسے بیمار تھیں ہی نہیں۔ منگنی کی تاریخ رکھ کر [illegible] بھرپور تیاریوں میں لگ گئیں۔

❁......☾......❁
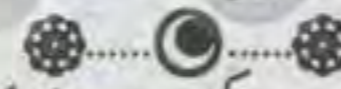
سپنے یوں بھی اجڑتے' بکھرتے ہیں' عمیر کو پہلی بار پتا چلا' وہ دل کے معاملات میں اس طرح بے بس ہوگا' یہ تو گمان میں بھی نہ تھا۔ کسی پل چین نہ آ رہا تھا' جب سے اسے پتا چلا کہ [illegible] جبیں کی بات طے ہو رہی ہے تب سے اسے ایسا لگا کہ جیسے [illegible] کی دنیا میں ماتم ہی تو برپا ہو گیا تھا' اس کے بے حد قریب ر[illegible] والا ہاشم بھی اس کی اداسی کا سبب نہ جان سکا' اچھا ہی تھا ورنہ م[illegible] کی کھانی پڑتی۔ ماہ جبیں الگ بدنام ہوتی' اپنی محبت کو دل کے نہاں خانوں میں دفن کر کے وہ اس کی یاد کا دیا جلا کر رات د[illegible] پوجا تو کر سکتا تھا مگر یہ کب گوارا تھا کہ اپنی اور اس کی توہین کرواتا۔ محبت کو سرِ عام رسوا کرتا۔

مگر اسے کسی اور کا ہوتا دیکھنا بھی تو جان لیوا تھا۔

پھر وہ دن بھی آ گیا جب انگوٹھیوں کے تبادلے ہوئے [illegible] ماہ جبیں عثمان کے نام کی انگوٹھی پہن کر والدین کے سر کو او[illegible] کر گئی۔

اس رات وہ ایک پل کو بھی نہ سو سکی' عمیر کی بولتی آنکھیں اس کی بے چارگی میں اضافہ کر دیتیں۔ عثمان کے نام اور انگو[illegible] نے اس کے اندر کوئی ہلچل نہ مچائی' جذبات سرد پڑ گئے تھے۔ نو[illegible] صاحب نے واضح طور پر عمیر کی خاموشی اور اداسی کو محسوس ک[illegible] انہیں دکھ تو ہوا مگر شریف الدین نے اپنی بچی کے لیے بہتر [illegible] سوچا تھا۔

''کیا بات ہے' کافی دنوں سے بہت چپ ہو تم؟'' [illegible] نے دو تین دن کے بعد اس سے پوچھ ہی لیا جو اداس نظریں [illegible] پنکھے پر جمائے صبر کا پیکر لگ رہا تھا۔

''کچھ نہیں یار! بس تھکاوٹ ہو جاتی ہے۔''

دن رات اپنی مخصوص رفتار سے گزر رہے تھے' عمیر نے خود کو اور مصروف کر لیا۔ شریف الدین نے اس کی تنخواہ میں مزید اضافہ کر دیا۔ زندگی ایک دم پھیکی اور بے معنی لگنے لگی تھی۔ بھلا اس کی حیثیت ہی کیا تھی کہ وہ اونچے اونچے خواب دیکھتا اپنی اوقات سے بڑھ کر۔

عصمت کا ارادہ دونوں بہنوں کو ایک ساتھ رخصت کرنے کا تھا سو وہ جہیز کی تیاریاں کر رہی تھیں' کبھی زہرہ' کبھی بیٹیوں کو ساتھ لے جاتیں۔ عثمان نے سیٹھ مصطفیٰ کو اعتماد میں لے کر ان سے بات کی اور وہ متفق ہو گئے۔

یوں ایک دن انہوں نے نگار اور عثمان کی شادی کرا دی' جس طبقے سے وہ تعلق رکھتے تھے' وہاں رسم و رواج جیسی چیزوں کو فرسودہ خیال کیا جاتا تھا۔ دونوں اپنی دنیا میں مست و مگن ہو گئے' بزنس ٹور کا بہانہ کر کے وہ ہنی مون بھی منا آئے۔ کسی کو کان و کان خبر نہ ہوئی۔ دونوں گھرانے شادی کی تیاریاں کر رہے تھے جو چند ماہ تک متوقع تھی مگر شریف الدین اور عصمت نے یہ دکھ بھرے دن بھی دیکھنے تھے' جب نواز کے ایک دوست نے انہیں آ کر بتایا کہ عثمان اپنی بیوی کے ساتھ فلاں ہوٹل میں ملا ہے' نواز تو حیرت زدہ ہو گئے۔ تحقیق کی تو بات درست نکلی۔

زہرہ الگ ان کی بات سن کر حواس باختہ ہو گئیں' دونوں میاں بیوی عثمان کی موجودگی میں زبیدہ بیگم سے بات کرنے گئے وہ تو خود بیٹے کے کارنامے سن کر ششدر رہ گئیں۔ انہیں عثمان سے اس قدر ڈھٹائی کی امید نہ تھی۔

نواز اور زہرہ سر جھکائے واپس آ گئے' شریف الدین اور عصمت نے سنا تو زمین پیروں تلے سے نکل گئی۔

''شکر کریں ابھی شادی نہیں ہوئی تھی اگر اس کے کرتوت بعد میں کھلتے' ہماری ماہ جبیں تو کہیں کی نہ رہتی۔ ایسے مردوں کی عادت کبھی نہیں بدلتی' آپ فکر نہ کریں رب نے اس کے لیے بہت اچھا سوچا ہوگا۔'' زہرہ' عصمت کے کندھے تھام کر تسلی آمیز لہجے میں بولیں تو وہ سسک اٹھیں۔

کئی دن اسی طرح گزر گئے' عمیر کو اس کی منگنی ٹوٹنے کی خبر اور عثمان کے بارے میں پتا چلا تو نہ خوشی ہوئی نہ دکھ' بس یہ دعا کی کہ خدایا ماہ جبیں کو بے حد خوش رکھے' اپنے بارے میں اسے کوئی خوش فہمی نہ تھی۔

مگر نواز صاحب اور زہرہ اس کے بارے میں کیا سوچ رہے تھے' کاتب تقدیر کیا لکھ رہا ہے اسے کچھ پتا نہ تھا۔ شریف

انمول موتی

❖ کسی کو اتنا بھی نہ چاہو کہ اس کی جدائی آپ کے لیے کسک بن جائے

❖ دل اسے دینا چاہیے جو اس کی قدر کرے کیونکہ ہیرے کی قدر جوہری کو ہوتی ہے۔

❖ کسی کی عزت سے کھیلنے سے پہلے سوچ لو کہ تم بھی کسی کی عزت کے رکھوالے ہو۔

❖ وفائیں مانگنا تو سبھی کو آتا ہے مگر وفائیں دینا کسی کو نہیں آتا۔

❖ ذلت کی زندگی سے عزت کی موت اچھی ہے۔

❖ عورت کی محبت انسان کے لیے سب سے بڑی فتح ہے اور اس کی نفرت سب سے بڑی شکست ہے۔

مسرت جبین راجپوت...... جنجوعہ

الدین اور عصمت کے سامنے جب انہوں نے عمیر کا نام رکھا تو وہ حیران رہ گئے۔ زہرہ عمیر کی تعریف میں رطب اللسان تھیں۔

''ہاں زہرہ! مجھے کب اعتراض ہے' یہ باپ ہیں جو فیصلہ کریں گے مجھے قبول ہوگا۔'' عصمت اندرونی خوشی چھپا کر بولی۔

''ٹھیک ہے میاں میرا کیا بھروسہ' کب سانس کی ڈوری ٹوٹ جائے اپنی زندگی میں ہی بچیوں کو اپنے گھر کا دیکھ لوں۔'' شریف الدین افسردگی سے مسکرا کر بولے تو نواز نے ان کے ہاتھ تھام لیے تو زہرہ' نگین اور ماہ جبیں کے پاس آ گئیں۔

''چلو بچیو! منہ میٹھا کراؤ۔'' زہرہ مسکرا کر بولیں۔

''کس سلسلے میں آنٹی؟'' نگین مسکرا کر بولی۔ ''ابھی تو آپ نے اتنی مٹھائیاں کھائی ہیں۔'' نگین نے بہن کی افسردگی کو محسوس کر کے کہا اور چپ ہو گئی۔

''اب ماہ جبیں کی مٹھائی کھانی ہے۔'' زہرہ اٹھلا کر بولیں تو نگین کے ساتھ ماہ جبیں بھی چونک اٹھی۔

''کب......اب کس کے ساتھ؟'' نگین متجسس تھی جب کہ ماہ جبیں بے یقینی کا شکار۔

''اپنا عمیر اور کون......بس یوں سمجھو بات پکی۔'' زہرہ خوشی سے بولی۔ زہرہ نے ماہ جبیں کو پیار سے گلے لگایا تو اسے یوں لگا جیسے اس کی خاموش محبت کو مقام مل گیا ہو۔ اس کے چہرے پر

گلابیاں اتری ہوئی تھیں۔

"بی بنو! عید کے بعد تم دونوں کی رخصتی ہے تیاری کرلو۔"

❁......☾......❁

"کیا......؟" عمیر کے ہاتھ سے نوالہ چھوٹنے سے بچ گیا۔

"ہاں میرے یار!" ہاشم نے اس کا رکا ہوا ہاتھ منہ کے اندر کیا۔

"یہ کیسے ہوگیا؟" اس نے کھانے کی ٹرے ذرا پرے کی تو ہاشم مسکرا کر اسے تفصیل بتانے لگا۔

"اب نہ دیکھنا اسے چھپ چھپ کر پردے کی اوٹ سے۔" ہاشم اس کی حرکتوں سے واقف تھا۔

"تُو بھی نہ یار!" عمیر جھینپا۔

"یار واقعی نصیب بدلتے دیر نہیں لگتی' اب دیکھنا گلے ماہ میری ترقی کے آرڈرز آرہے ہیں۔" عمیر نے بھی اثبات میں سر ہلادیا۔

اس شب عمیر ایک پل بھی نہ سوسکا' اس کے پاس ماہ جبیں کو سوائے پیار بھرا دل دینے کے کچھ نہ تھا۔ یہ شریف الدین کی نگاہِ عنایت تھی کہ انہوں نے اس قابل سمجھا۔

اگلے ہفتے تمام معاملات طے پاگئے' شریف الدین اس قدر ڈرے ہوئے تھے کہ انہوں نے ماہ جبیں کا بھی نکاح کردیا۔ عمیر کو یقین نہیں آرہا تھا وہ اس کا شرمیلا مکھڑا دیکھنا چاہتا تھا مگر ایسا ہونا ناممکن تھا۔

"یار اب تو نکاح ہوگیا ہے' دیکھنے پر پابندی' ملنے پر......"

"بس' بند کر اپنی بکواس! شرافت سے دن گزار۔" ہاشم نے اس کی بے باکی پر اسے لتاڑا۔

"تُو گزار ایسے پھیکے سڑے ہوئے دن' میں تو کسی دن اسے ضرور ملوں گا۔" عمیر جھنجلا کر بولا۔

"کیا؟ ایسی حرکت کی تو دو جھانپڑ لگاؤں گا۔ کبھی مجھے بھی دیکھا ہے۔" ہاشم کو اپنی مضبوط قوتِ ارادی پر فخر تھا۔

"تیرا دل میں تو پتھر کا ہے' نہ جذبات نہ احساسات۔" عمیر مسلسل تلخ ہو رہا تھا۔

"پاگل نہ بن یار! میں سنگدل ہوں نہ بے حس' اس وقت کا منتظر ہوں جب وہ خود دلہن بن کر آئے گی۔" ہاشم نے نرمی سے اسے سمجھایا تو عمیر منہ پھلا کر اونہہ کرکے رہ گیا۔

اگلے دن وہ سرشار سا تیار ہوکر جانے ہی والا تھا کہ عصمت نے آواز دے ڈالی۔

"جی آنٹی!" وہ انتہائی ادب سے بولا۔

"یہ لو بیٹا! رات کو دکان سے سامان لیتے آنا۔" انہوں نے کچن کے متعلق سامان کی لسٹ اسے تھمائی۔

"جی بہتر۔" وہ شریف الدین کا احوال معلوم کر کے دکان پر آگیا۔

❁......☾......❁

کبھی عصمت' کبھی زہرہ' نگین' ماہ جبیں کو ساتھ لے خریداری کرنے چلی جاتیں۔ آج شریف الدین کی طبیعت کافی بہتر تھی تو وہ بھی زیورات کا آرڈر دینے کی غرض سے ان کے ساتھ آگئے۔ ماہ جبیں ٹیسٹ یاد کرنے کی وجہ سے گھر رہ گئی' ابھی سب کو بیس پچیس منٹ ہی ہوئے تھے کہ دروازے پر دستک ہوئی۔ پڑھتے پڑھتے وہ چونک سی گئی۔

"کون؟" قدرے دھیمی آواز میں ماہ جبیں گویا ہوئی۔

"آج وہ صبح سے ہی بخار محسوس کررہا تھا اس لیے جلدی آگیا' دروازہ کھولیے اور سامان لے لیجیے۔" عمیر نے کہا تو دروازہ کھولتے ہی بنی۔ آنچل میں آدھا چہرہ چھپائے وہ ہاتھ آگے بڑھا کے سامان لینے کو کھڑی تھی کہ عمیر نے اس کا ہاتھ تھام لیا' ماہ جبیں جی جان سے لرز اٹھی۔

"چھوڑیئے۔" وہ ڈرے ڈرے لہجے میں بولی تو وہ محظوظ ہوا۔

"مجھے بخار ہے پلیز ایک کپ چائے بنادیں۔"

"جی اچھا!" وہ اب بھی بداعتمادی کا شکار تھی۔

"سنو! ڈرتی کیوں ہو۔" ذرا پیش قدمی کرتا وہ آگے بڑھا تو یک دم وہ ہاتھ چھڑا کر بھاگی۔

"اوہ یار! یہ سامان تو لے لو۔" مسکراتا ہوا وہ وہیں رک کر بولا۔ "اور ہاں چائے سیڑھیوں پر رکھ دینا۔" عمیر قدرے بولتا ہوا اوپر آگیا۔ آج تو جیسے دل کی مراد کسی حد تک بر آئی تھی۔ دس منٹ بعد کھٹ پٹ ہوئی اور چائے کا نعرہ بلند ہوا۔

جب تک وہ آتا شکریہ کہتا وہ غائب تھی' چائے کا مگ اور ساتھ پلیٹ میں دو بخار کی گولیاں۔

"واہ جیو میری مستقبل کی بیگم! تم سے مل کر آدھا بخار تو ہی گیا تھا۔" تھوڑی دیر بعد وہ نیند کی آغوش میں تھا۔

دو گھنٹے بعد آنکھ کھلی' ساڑھے چھ کا ٹائم تھا' پورا جسم بخار میں ڈوبا ہوا تھا' ہاشم ابھی تک نہ آیا تھا' آج کل اس کا کام بھی بڑھ گیا تھا۔ وہ جیسے تیسے لڑکھڑاتا ہوا نیچے آیا تو ہاشم آ چکا تھا۔

"کیسی طبیعت ہے جناب؟" ہاشم اس کا ماتھا چھو کر بولا۔

"کافی بہتر ہوں یار!" عمیر اب خود کو ٹھیک محسوس کررہا تھا۔

"تم ایسا کرو شریف صاحب کو جا کر بتا آؤ' اب قدرے بہتر ہوں۔" عمیر نے اسے بال بناتے دیکھ کر کہا۔

"ہاں جاتا ہوں' کل انہوں نے بلایا بھی تھا' پتا نہیں کیا بات کہنی ہے۔"

دستک دینے پر عصمت آئیں' سلام دعا کے بعد اس کو ساتھ لے کر شریف صاحب کے پاس لے گئیں۔ ہاشم ان سے باتیں کرنے لگا اتنے میں نواز صاحب بھی آگئے۔

"آج زیورات کا آرڈر دے دیا ہے' باقی تیاریاں بھی ہورہی ہیں' میں چاہتا ہوں کہ عید کے بعد رخصتی ہوجائے۔ ابھی دو ماہ ہیں' بچیاں اپنی اپنی پڑھائی سے فراغت بھی پالیں گی' دونوں کی رخصتی ایک ہی دن ہوگی۔ مجھے فخر ہے کہ تم دونوں میرے داماد بنو گے۔ میرا سب کچھ تم سب کا ہے' تم سبزہ زار والی کوٹھی میں نگین کے ساتھ رہو گے اور عمیر یہیں ہمارے ساتھ رہے گا۔" شریف صاحب سر جھکائے آہستہ آہستہ بول رہے تھے۔

ہاشم جی ہاں' جیسے آپ کہیں...... بس یہی کہہ سکا۔ تمام معاملات طے ہوجانے کے بعد ہاشم اوپر چلا آیا اور عمیر کو صورت حال سے آگاہ کیا۔

......☆☆☆......

اس روز موسم بے حد دلفریب تھا۔ ہلکی ہلکی بارش صبح سے ہی ہورہی تھی کہ یک دم عمیر کا موبائل بج اٹھا' شریف صاحب اور عصمت کسی قریبی عزیز کے انتقال پر گاؤں گئے ہوئے تھے' اس نے موبائل آن کیا تو دوسری جانب نگین تھی۔

"جی کہیے کیا ہوا؟" عمیر قدرے تشویش سے بولا۔

"وہ دراصل ماہ جبین نے کالج سے آنا ہے جب کہ اس کی بس خراب ہوگئی ہے' پلیز بھائی! آپ اسے لینے چلے جائیں۔" نگین کی آواز میں اصرار تھا۔

"ارے آپ فکر نہ کریں' میں جارہا ہوں۔" وہ اپنی خوش قسمتی پر ناز کرتے ہوئے دکان میں موجود لڑکے کو ضروری ہدایات دے کر بائیک نکالنے لگا۔

کالج پہنچا تو ماہ جبیں انتظار گاہ میں شیڈ کے نیچے بنے بینچ پر بیٹھی تھی۔ نگین نے اسے بتادیا تھا جبھی تو وہ جز بز پریشان نظر آرہی تھی۔

خوشی سے چُور آواز میں عمیر اس ماہ وش کے پاس آکر بولا۔

"السلام علیکم! آیئے موسم کے انداز ٹھیک نہیں' کہیں بارش تیز نہ ہوجائے۔" وہ بائیک کی چابی دوسری انگلی میں منتقل کرتے ہوئے اسے مسلسل نظروں کے حصار میں لیے ہوئے بولا۔

تو ماہ جبیں ہولے ہولے قدم اٹھاتی' جھجکتی بیٹھ گئی۔ بیگ سنبھالے دھڑکتے دل کے ساتھ آیات کا ورد کرتی رہی۔

"کچھ کھائیں گی؟" وہ رفتار آہستہ کرکے بولا۔

"نہ......نہ......نہیں......" اس کے ارادے جان کے وہ مزید بوکھلاہٹ کا شکار ہوئی۔

"جی ہاں......جی نہیں......' اس سے زیادہ الفاظ نہیں آتے آپ کو؟ خیر مجھے بہت بھوک لگی ہے اور آج ہم مل کر کھائیں گے۔" عمیر نے حتمی فیصلہ سنادیا۔

"جی نہیں' مجھے بھوک نہیں ہے' مجھے گھر جانا ہے۔" وہ انتہائی لجاجت سے بولی۔

"تو مت کھایئے گا' مجھے کھلا دیجیے گا۔" وہ حد سے زیادہ باکی پر اترا ہوا تھا۔ ماہ جبیں سمجھ گئی کہ اب کچھ کہنا بے کار ہے۔

جانے کس ہوٹل کے آگے رکا' بے جان چلتی وہ اس کی تقلید میں اندر آگئی۔ اس کے آرڈر پر ویٹر کھانا سرو کرکے جاچکا تھا۔

"نقاب ہٹائیں گی تو کھانا کھایا جائے گا۔"

"مجھے نہیں کھانا۔" نیچے دیکھتے ہوئے وہ قدرے تلخی سے بولی تھی۔

"پلیز غصہ نہ کریں مانا کہ سب آپ کی مرضی کے خلاف ہوا ہے' ایسا ظلم نہ کریں۔ کتنا ترسائیں گی' کب سے دل بے قرار تھا آپ کو دیکھنے کو' باتیں کرنے کو' ایسی سنگدل تو نہ بنیں۔" ایکا ایکی عمیر نے اس کے ہاتھ تھام لیے۔ وہ اب منت سماجت پر اتر آیا تھا۔

نہ چاہتے ہوئے بھی ماہ جبیں نے نقاب ہٹادیا' چاند گویا بادلوں کی اوٹ سے نکل آیا تھا' عجیب اندازِ معصومانہ' لرزتی پلکیں' کپکپاتے ہونٹ' شرمیلی ادا' سارے وجود کا احاطہ کیے ہوئے تھی۔

"ماہ جبیں میں آپ کو بہت خوش رکھوں گا۔"

❁......☾......❁

ایک ماہ پلک جھپکتے گزر گیا۔

دونوں کے امتحانات شروع ہوگئے' فراغت ملی ہی تھی کہ ماہِ رمضان المبارک کا آغاز ہوگیا' عصمت نے عمیر اور ہاشم کو کہہ دیا کہ سحری اور افطاری ان کے ہاں سے آئے گی۔

''واہ کیا مزے کے روزے گزریں گے۔'' دونوں ایک دوسرے کو دیکھ کر بولے۔

عید کے چار دن کے بعد شادی تھی' گھروں میں شادی کی تیاریاں مکمل تھیں۔ ہاشم اور عمیر نے اپنی اپنی استطاعت کے مطابق تیاری کرلی۔

''یار تُو بھابی کو رونمائی میں کیا دے گا۔'' ہاشم' عمیر کی بات پر مسکرایا' وہ آج کل مصروف بھی بہت تھا۔

''ابھی کچھ نہیں سوچا یار! تُو نے کیا دینے کا ارادہ کیا ہے؟'' ہاشم نے سوال کیا تو عمیر کے چہرے پر رنگ بکھر گئے۔

''کچھ تو دوں گا ہی' آخر پہلی اور آخری شادی کر رہا ہوں۔'' عمیر مزاحیہ انداز اختیار کرتے ہوئے بولا تو ہاشم کے لب بھی مسکرا دیئے۔

انتیسواں روزہ تھا شاید آج چاندرات ہو' عمیر کا دل صبح سے مچل رہا تھا کہ کاش یہ لمحے امر ہو جائیں اور ماہ جبیں سے ملاقات ہو جائے کہ چاندرات کا حسن دوبالا ہو جائے مگر جہاں دیکھنے پر بات کرنے پر پابندی لگی ہو' وہاں ملاقات تو دور کی بات ہے۔ چند منٹوں بعد ہی چاند نظر آنے کا شور مچ گیا۔ ہاشم کو ہلکا ہلکا بخار تھا' نماز کے بعد وہ لیٹ گیا۔

''یار کیا بوریت ہے' چل ناں میری ٹائی اور کچھ چیزیں رہتی ہیں لے آئیں' تُو نے آج کا کہا تھا پھر تو مارکیٹیں بند رہیں گی۔'' عمیر کو اس پر خاصا غصہ آ رہا تھا مگر ہاشم نقاہت کی وجہ سے جا نہیں پا رہا تھا۔ اس نے کھانا بھی نہ کھایا تھا۔

''نواز صاحب کے ساتھ چلا جا ناں۔'' وہ بے چارگی سے بولا۔

''تُو دوائی لے لے' میں چائے بنا رہا ہوں۔ صبح تک ٹھیک ہو جائے گا تُو۔'' دوائی لے کر ہاشم سو گیا اور وہ بازار جانے کی غرض سے نیچے اتر آیا۔ گیٹ پر نواز صاحب کھڑے تھے' اسے اکیلا دیکھ کر ہاشم کا پوچھا۔

''اوہ! چلو اسے سونے دو' تم ہمارے ساتھ چلو' ہم بازار ہی جا رہے ہیں۔ خواتین کی جو خریداری رہتی ہے آج ہی ممکن ہے۔ تم اپنی بائیک ہمارے ساتھ رکھنا۔'' زہرہ آنٹی گھر سے نکلیں تو ان کے ہمراہ نگین اور ماہ جبیں بھی تھیں۔ عمیر کا دل بلیوں اچھلنے لگا' اس نے ادب سے سلام کیا اور سب گاڑی میں آ بیٹھے۔

عمیر نے بے چین ہو کر پہلو بدلا' اس کا بس نہیں چل رہا تھا کہ وہ ماہ جبیں کو ساتھ لے کر اس رنگ و نور کی وادی میں کھو جائے جہاں صرف وہ دونوں ہوں۔

بازار میں اس قدر گہما گہمی اور رش تھا کہ خدا کی پناہ۔ گاڑیاں پارک کرکے وہ مطلوبہ دکان میں آ گئے' خواتین جوتوں کی دکان میں جا گھسیں تو عمر نے ہمت کر ہی ڈالی۔

''کوئی مسئلہ نہیں یار! جیسا تم چاہو بس دیر نہ ہو۔'' نواز صاحب خوش دلی سے بولے تو ایسے میں عمیر کو نواز صاحب پر بہت پیار آیا' جنہوں نے اس کے دل کی بات مان لی تھی۔ نواز صاحب ماہ جبین کو مخاطب کرکے بولے۔

''بیٹا جاؤ چوڑیاں لے لو عمیر کے ساتھ جا کر۔'' ماہ جبیں بُری پھنسی تھی۔

''جاؤ جاؤ' ہم یہیں ہوں گے۔'' زہرہ مسکرا کر بولیں' ایسے میں نگین کو ہاشم کی کمی بہت محسوس ہوئی' جس کی طبیعت بھی خراب تھی وہ اس کے لیے دعا گو تھی۔

عید کے رش میں وہ ماہ جبیں کا ہاتھ تھامے چوڑیوں کے اسٹال پر آ گیا۔ کئی رنگوں کے سیٹ لیے جیولری لی۔ اس کا ہاتھ بدستور تھامے ہوئے تھے اور ماہ جبیں بھی خود کو محفوظ تصور کر رہی تھی۔ یہ چند لمحے یادگار بن گئے تھے' ماہ جبیں کے شرمیلے نین اب محبت کے فسوں سے جگمگا رہے تھے۔

عمیر کے لیے یہ آنے والی عید زندگی کی سب سے یادگار عید تھی۔ دل میں خوشی کے جذبات موجزن تھے اور زندگی کی خوشیوں میں عید کی مسرتوں میں نہائی ہوئی تھی۔ دوری چند روزہ تھی اس کے بعد خوشیوں کی راہوں پر دائمی ملن تھا۔

اب ہوچکی ہے جرم سے زائد سزائے دل
جانے دو، بس معاف بھی کردو خطائے دل
ہر ہر ادا بتوں کی ہے قاتل برائے دل
آخر کوئی بچائے تو کیونکر بچائے دل

سائرہ نے اپنی گزری زندگی سے بہت کچھ سیکھا تھا اور اب اس کا ارادہ یہی تھا کہ باقی زندگی کو وہ گزشتہ سے پیوستہ رہ کر گزارے گی۔

کسی کے مشورے پر نہیں چلے گی، اپنی ازدواجی زندگی کو کسی کی نظر نہ لگنے دے گی اور نہ ہی وہ یہ چاہے گی کہ بڑی تینوں بہنوں کی طرح اس کی زندگی میں بھی بک بک، چخ چخ ہو، اس کے اندر کینہ توزی جنم لے اس کے دل سے محبت کے رشتے ختم ہوجائیں، سسرال والوں کا احترام اور محبت ختم ہوجائے۔

سسرال والے تھے ہی کون...... دھیرے سے مسکرا کر اپنے پہلو میں سوئے عبداللہ کو دیکھا، کیسی مطمئن اور آسودہ نیند سو رہا تھا۔

میں تمہیں زندگی میں اتنا ہی مطمئن دیکھنا چاہوں گی، عبداللہ میں نہیں چاہوں گی کہ تمہاری اس فراخ پیشانی پر شکنوں اور پریشانیوں کا جال ہو۔

میں یہ بھی نہیں چاہوں گی کہ گزرتے وقت کے ساتھ ہمارے درمیان سے محبت کم ہو...... اور...... تمہیں مجھ سے شکایت ہو۔ تم!...... سائرہ کا دل چاہا دھیرے سے ہاتھ بڑھائے اور اس سوئے ہوئے بھرپور زندہ جاوید وجیہہ حسن کو چھولے۔

وہ کب سے اپنے اس شریک سفر کو دیکھ رہی تھی، جس سے جڑے تعلق کو انگلیوں پر گن سکتی تھی، مگر محسوس کرتی تو یوں لگتا جیسے یہ تعلق صدیوں سے بندھا ہے، محبت کے گیت دل کے ایوانوں میں گنگناتے رہیں گے۔

حالانکہ......! نکاح کل شام کو چھ بجے ہوا تھا۔ رخصتی گیارہ بجے ہوئی تھی۔ سسرال میں آ کر رسمیں دو بجے تک ختم ہوئی تھیں اور بیڈ روم میں آ کر نفاست سے سجے موتیا کی کلیوں سے سنورے اس حجلہ عروسی میں طلوع سحر تک ان پر محبتوں کی بارش ہوئی تھی۔ گلاب کے پھول بکھرے تھے، عشق پیچاں کی پھول پتیوں نے نئے عہد کیے تھے۔

عبداللہ کا دیا ہوا تحفہ مہندی لگی انگلی میں جگمگا رہا تھا تو محبت سائرہ کے رخسار کو گلال کر رہی تھی۔

گیلے بالوں کو جھٹک کر پیچھے کیا، فضا میں محبت، موتیا، روم اسپرے اور مردانہ کلون کی مہک۔ نئے دنوں کا پیام دے رہی تھی۔

اس محبت اور خوشی کو ہمیشہ قائم رکھنا تھا۔

چار سالہ اس منگنی کو بڑی مشکل سے منزل ملی تھی۔ خدشے واہمے، خوف، اندیشے ڈراتے تھے۔

پھپھو اس منگنی کو توڑ دینا چاہتی تھیں، صائمہ کو عبداللہ کے لیے اپنی دوست پسند تھی، بڑی نندآپا کو سائرہ ایک آنکھ نہ بھاتی تھی۔

اور......!

عبداللہ کی خاموشی اس کے دل کا خوف اور اس کی بہنوں کی معنی خیز نگاہیں......!

اور سائرہ دعاؤں سے اپنی محبت کو بچالینا چاہتی تھی۔ دعائیں جو شاید یکطرفہ تھیں۔

اسے جھرجھری سی آ گئی۔

اگر عبداللہ اسے نہ ملتا تو...... دہل کر اپنا حنائی ہاتھ سینے پر رکھا...... اللہ نہ کرے......!

محو خواب عبداللہ کو دیکھا کسی شرارت، کسی خیال سے اس کے ہونٹ مسکرا رہے تھے۔

اب تو مل گیا ہے نا...... آسودگی دل کی زمین پر اتری......! ہاں! اس کے لب مسکرا دیے۔

رکا ہوا سانس چل پڑا...... طمانیت کی خوشبو دل میں اترنے لگی۔ اب نہیں اب اپنے کسی بھی فعل، عمل، کردار سے اس خوشی کو کھونے نہیں دوں گی۔ تمہارے صدقے میں سب جاؤں گی، عبداللہ......! اسے دیکھتے ہوئے سائرہ دل ہی دل میں خود سے عہد و پیمان باندھ رہی تھی۔

گیلے بالوں کی چند بوندوں نے عبداللہ کے چہرے کو چھولیا۔

دھیرے سے کسمسا کر اس نے آنکھیں کھول دیں۔

"ارے......!" جاتی ہوئی سائرہ کو پکارا......

شیشے میں اس کا عکس جھلملا رہا تھا۔ سائرہ نے گھوم کر دیکھا، اور مسکرا دی۔

"اٹھ گئے......!"

"ہوں۔" اس کی جانب ہاتھ بڑھایا۔

سائرہ نے چند قدم واپس پلٹ کر ہاتھ تھام لیا۔ اس کا ہاتھ اپنی ہتھیلی میں دبا کر پھر سے سونے لگا۔

"سب ناشتہ لے کر آنے والے ہیں عبداللہ۔"

"آئے تو نہیں نا......" کمبل اوپر تک کھینچ لیا۔

"فریش ہوجائیں۔"

"اچھا......" وہ ہنس دیا۔

"پلیز عبداللہ...... وہ سب......" شرمیلی سی جھجک ابھری۔

عبداللہ نے آنکھیں کھول دیں۔

"ہمارے درمیان "وہ سب" کی گنجائش نہیں ہے سائرہ۔ وہ سب، ان سب، کے خدشوں میں محبت، وصل کے ان لمحوں کو برباد مت کرنا سائرہ، محبت جو زندگی میں بہت مشکل سے آتی ہے، جائے تو دیر نہیں لگاتی۔" عبداللہ سنجیدہ تھا۔

عبداللہ کو اس سے محبت ہے سائرہ ورطہ حیرت میں ابھری۔ وگرنہ تو وہ سمجھ رہی تھی عبداللہ اپنے مرحوم باپ اور اس کے پھوپا کے طے کیے رشتے کو نبھا رہا ہے۔

"ان سیاہ آنکھوں کے کاجل اور ناک کی اس ننھی سی لونگ نے مجھے ہمیشہ باندھے رکھا......! وگرنہ صائمہ کی دوست ودآپا کی نند اتنی بری بھی نہ تھی۔" شرارت سے ہنسا۔

سائرہ کو غش آنے لگا۔ چار سالہ منگنی کے اس تعلق کو عبداللہ کی خاموشی کو گریز اور فرار سے تشبیہہ دیتی رہی۔ سہیلیاں دہلاتی رہتیں کہ اسے تم سے کون سی محبت ہے اگر ہوتی تو باہر جا کر پریم پتر لکھتا، فون کرتا، محبت کے ایس ایم ایس بھیجتا۔ چیٹنگ کرتا...... خواہ مخواہ سوکھے دھانوں سے تیل نکال رہی ہے۔ اور اسے یقین نہ آتا۔ وہ محبت کے تعلق کو نبھا دینا چاہتی تھی۔ عبداللہ کو اس سے محبت تھی، تبھی تو...... تبھی تو...... مسکراہٹ نے ہونٹوں کا احاطہ کر لیا۔

❁......❁......❁

عبداللہ کے اظہار نے سائرہ کے اندر فخر اتار دیا تھا۔ اس فخر کو بحال رکھنا تھا۔

زندگی بار بار ملتی ہے اور نہ ہی گزرا ہوا لمحہ واپس پلٹ سکتا ہے آپا کی تیکھی نظریں اور صائمہ کا گریز اسے نظر آ رہا تھا۔

وہ اس ہفتے گھر آئی تو باجی آئی ہوئی تھیں اسے لے کر چھت پر آ گئیں۔

"جی۔" حیرانی سے ان کی رازداری کو نوٹ کیا۔

"تجھے عبداللہ مل گیا ہے، پھپو اور ان کی بیٹیاں بڑی شاطر اور چالاک ہیں ان سے بچ کر رہنا۔ اور خبردار جو ان کے سامنے ڈری۔" انگلی اٹھا کر تنبیہہ کی۔

"میں ہوں تیرے ساتھ تو بس عبداللہ کو مٹھی میں کر...... اس نے چلے جانا ہے۔" سائرہ...... دھانی آنچل ہاتھ میں لیے دیکھتی رہ گئی۔

"ڈٹ کر ان کی زبان درازی کا مقابلہ کرنا...... خبردار جو تو صائمہ کے ساتھ گھلی ملی...... اور اپنی چیزیں انہیں دیں، انہیں تو پاؤں کی جوتی بنا کر رکھنا۔"

"باجی......!"

"تجھے نہیں پتہ ان رشتوں میں گھل مل جاؤ تو پیس کر رکھ دیتے ہیں۔"

سائرہ نے سر جھکا لیا۔

ایک ماں کی اولاد...... اس کی اور اس کی بہنوں کی کیمسٹری کس قدر مختلف ہے۔

"امی امی...... پاپا کا فون ہے۔" نیچے سے طلحہ آوازیں دے رہا تھا۔

"تو رک میں آتی ہوں۔"

باجی میاں کا فون سننے نیچے بھاگیں۔

سائرہ نے اپنی مٹھی کھولی، بند کی، پھر کھولی۔

محبت ہو، خوشبو ہو یا رشتے بھلا انہیں قید کیا جاسکتا ہے۔ بند مٹھی میں تو پھول بھی مرجھا جاتا ہے۔ مجھے عبداللہ ہمیشہ کے لیے چاہیے باجی، بھرپور محبت، چاہت اور یقین کے ساتھ۔

بھرپور انداز میں مسکرائی اور عبداللہ کی محبت کی قندیلیں

روشن ہوگئیں۔

آپ کا اور میرا نظریہ محبت بہت مختلف ہے باجی۔

......☆☆☆......

وہ دوپٹہ شانوں پر برابر کرکے کمرے سے باہر نکلی۔ سامنے ہی صوفے پر پھپو بیٹھی تھیں۔

"تمہارے آرام کرنے کی عادت گئی نہیں ابھی......" بھالا دے مارا۔

"پھپو میں آرام نہیں کررہی تھی' عبداللہ کے کپڑے استری کررہی تھی۔" رسان سے کہہ کر کچن کی جانب بڑھی۔

"کیوں...... پھر دعوت میں جانا ہے کیا؟"

صائمہ نے نظروں ہی نظروں میں ماں کو اشارہ کیا۔ سائرہ کو شیشے میں نظر آ گیا۔

"جی......!"

"یہ اچھی رہی نکل جاتی ہیں بی بنو میاں کے ساتھ گھر میں بھی رہنا سیکھو۔" ان کے چتون تیکھے ہی تھے۔

سائرہ رک کر واپس پلٹی۔ اور ان کے پہلو میں بیٹھی' اور مسکرا کر ان کے گھٹنے پر ہاتھ رکھا۔

"دعوت میں...... میں ان کے ساتھ نہیں جارہی' عبداللہ کے دوستوں نے پروگرام بنایا ہے' وہی جارہے ہیں اکیلے۔"

صائمہ نے سر تھما لیا۔ اور پھپو نے نظریں چرالیں۔

"میں یہ پوچھنے آئی تھی کہ شام میں کیا بنایا جائے۔"

"اونہہ......!" صائمہ سر جھٹک کر باہر نکل گئی۔

"ابھی رات میں بہت دیر ہے بتادوں گی۔"

"کل فریدہ اور طلعت آئیں گی' ان کے لیے اہتمام ہوگا' ذرا ڈھنگ سے پکانا' ان کے شوہر ذرا بھی نقص ہو تو کھانا نہیں کھاتے۔ صائمہ کو ساتھ لگالینا۔"

"میرے پاس ٹائم نہیں ہے امی' پرسوں میرا ٹیسٹ ہے۔" صائمہ اندر آ گئی۔

"میں کرلوں گی پھپو کام سے نہیں گھبراتی' ویسے بھی عبداللہ کو کل کہیں جانا ہے' شام تک آئیں گے میں صبح سے شروع ہوجاؤں گی۔"

"پھپو ساس بن کر کیسی عجیب ہوگئی ہیں' میں ان کی بہو ہی تو نہیں بھتیجی بھی تو ہوں۔ مگر کیا فائدہ...... انہیں بھتیجی سے کب پیار تھا' اگر ہوتا تو اتنی کٹھنائیاں سہنی پڑتی۔ وہ کچن کے کام نمٹاتے ہوئے سوچتی رہی۔

اور اگر عبداللہ کے جانے کے بعد معاملات زیادہ بگڑ گئے دل کی زمین پر خدشے نے سر اٹھایا۔

جائیں گے تو آئیں گے بھی نا...... حل بھی مل گیا تھا۔

"یہ کس بات پر مسکرایا جارہا ہے۔"

باڈی اسپرے اور مخصوص کلون کی مہک اس کے گرد پھیلنے لگی۔

"آپ......!" اس کی آنکھیں چمکنے لگیں۔

"چائے پی لی؟"

"نہیں' بنادو۔ اور امی کے کمرے میں ہی لے آؤ۔"

"چائے کے ساتھ کچھ اور لیں گے؟"

کچھ اور کا سن کر شرارت سے بھرپور نظر اس پر ڈالی اور سر ہلا دیا۔

چاہت کے ساتھ...... سمٹی ہوئی لٹ کو انگلی سے بکھیر دیا۔ لمحہ بھر کو وہ گلال سی ہوگئی۔

"بھائی...... امی بلارہی ہیں۔" صائمہ کی کراری آواز ابھری۔

"آرہا ہوں۔"

اسے شرارت سے دیکھتے ہوئے ادھر ہی شیلف سے پشت ٹکا کر کھڑا ہوگیا۔

"پلیز...... عبداللہ...... سائرہ محجوب سی ہونے لگی۔ رخ پھیر کر ٹرے میں کپ رکھ کر کیتل نکالنے لگی۔

عبداللہ نے ہاتھ بڑھا کر کیچر کھینچ لیا۔ سلکی بال شانوں پر بکھر گئے۔

مڑ کر مصنوعی خفگی سے گھورا۔

"پھپو بلارہی ہیں۔"

"تم جانے کب دے رہی ہو۔" وہ مسکراتا رہا۔

"میں...... لیکن میں تو......؟"

"یہ کلر میرا فیورٹ ہے اور تم پر بہت سوٹ کررہا ہے۔" سینے پر ہاتھ باندھ لیے۔

"اندر آؤ...... تمہاری کچھ تصویریں کھینچ لوں۔"

دراز بالوں کو چھوا......

"بس کریں......!" وہ اس اظہار پر اندر تک سرشار ہوگئی۔

"ابھی سے...... ابھی تو شروعات ہے یار......!"

"بھائی......" صائمہ کی آواز ابھری۔

"سنو...... اس وقت چاہ چھوڑو چائے کے ساتھ والے

لے آؤ...... کچھ رہتی تم ہر وقت اس طرح سے ہو کہ بندہ ہر وقت بس چاہ کے موڈ میں رہے۔"

دھیرے سے کمر پر ہاتھ رکھ کر شوخ ہوا۔

"پلیز...... عبداللہ...... کوئی آسکتا ہے۔"

"چوری ہے نا چورا ہا ہے...... میرا گھر ہے' اور تم میری نئی نویلی دلہن۔"

دلیری سے جھک کر پیشانی چوم لی۔

"ہمیں کسی کا ڈر نہیں۔" دھیرے سے اسے چھوڑ کر رخسار پر چٹکی بھری اور ٹرے اٹھا کر اندر بڑھ گیا۔

عبداللہ بھی نا...... مسکراہٹ گہری ہو کر رخساروں میں ڈمپل ڈالنے لگی اور باہر کی جانب پیش قدمی کی۔

"اب تم یہ کام کرو گے؟"

لاؤنج کے باہر ہی پھپو کی آواز سنائی دی۔

"بیوی کہاں ہے تمہاری؟"

"امی اس کے ہاتھ میں دوسرا ٹرے تھا اس لیے یہ میں اٹھا لایا۔ آپ اتنی سی باتوں کو محسوس نہ کیا کریں۔"

"پھر بھی اتنا سر چڑھانے کی ضرورت نہیں ہے بیوی کو۔" پھپو کا وہی کرارہ لہجہ تھا۔

وہ اندر کی جانب بڑھ گئی۔

نیم دراز عبداللہ...... کیک کا پیس کتر رہے تھے۔ سہل سے انداز میں وہ پھپو کے پہلو میں جا بیٹھی۔

اور مسکرا کر کپوں میں چائے ڈالنے لگی۔

"آؤ صائمہ یہ چائے اور کیک لو۔"

"جی بھائی......!" عبداللہ کے برابر میں جا بیٹھی۔

"چائے میں چینی کم ہے۔" پھپو کا نقص فوراً حاضر تھا۔

"مجھے تو بالکل نہیں لگ رہی۔"

عبداللہ کا لہجہ خوشبو اور نگاہ رسیلی تھی۔

محجوب سی ہو کر سائرہ نے کپ ہونٹوں سے لگالیا۔

❁......❁......❁

"آپ کے جانے میں کتنے دن ہیں......؟"

وہ جو بڑے رومینٹک موڈ میں غزل گنگنا رہا تھا' سائرہ کی بات سن کر خاموش ہوگیا۔

"تخلیے کی باتوں میں' یہ باتیں اضافی ہیں۔" دھیرے سے ہاتھ تھامتے ہوئے کہا۔

"اہم بھی تو ہیں۔"

"کیوں جدائی کے آنسو ابھی سے بہانے شروع کرنے ہیں؟"

"آنسو کیوں...... اللہ نہ کرے جو میں کبھی آنسو بہاؤں۔"

"پھر فکر مندی سے اپنی نیندیں اڑا کر میرا موڈ غارت کروگی۔"

"ٹھیک ہے میں سوجاتی ہوں......" اس نے آنکھیں موندلیں۔

"ارے!" دھیرے سے بال کھینچے۔

"میرا رت جگا آپ کا موڈ جو غارت کرتا ہے۔" لبوں پر ہنسی اور بند آنکھوں کے پیچھے شرارت تھی۔

"یہ محبت بھرا رت جگا ہی تو میرے دن رات امر کررہا ہے۔ وہاں یہ محبت کی خوشبو مجھے زندہ رکھے گی۔ روح تمہارے پاس ہوگی۔ جان جگر۔" بے حد قریب ہوا۔

"بس میں یہ چاہتا ہوں کہ......" اس کی بند پلکوں کو چھوا۔

موتیا کی خوشبو دریچے سے اندر بھاگی چلی آئی۔

عشق پیچاں کی پھول پتیوں کو اپنی مٹھیوں میں بند کرنے لگی۔

......☆☆☆......

"تم دیکھنا میں اس کا پتہ کیسے کاٹتی ہوں۔"

راحت آپا کو اب تک قرار نہ آیا تھا۔ سائرہ کو دیکھتے ہی ان کا خون ابلنے لگتا۔

کیا تھا اگر عبداللہ ان کی نند کو پسند کرلیتا۔ جان دیتی تھی اس پر خوبصورتی میں یکتا' لمبے سنہری بال...... جانے اس پھیکے سفید شلجم میں کیا نظر آیا' آج میکے آئی ہوئی تھیں اور صائمہ کے ساتھ بیٹھی دل کے پھپھولے پھوڑ رہی تھیں۔

"ایسے کان بھروں گی عبداللہ کے وہیں سے دو حرف بھیج دے گا۔ بی بنو کا سارا غرور خاک میں مل جائے گا۔"

سسرال میں اپنا سر بلند کرنے کے لیے وہ ہر چال چلنے کے لیے تیار تھیں۔ شوہر روز طعنے مارتا تھا' بس یہ تھی تمہاری کوشش' میری بہن کے لیے رشتوں کی کمی نہیں۔

شوہر کی نظروں میں بھی سرخرو ہونا چاہتی تھیں۔

"کتنے دن ہیں عبداللہ کے جانے میں۔"

"یہ تو انہوں نے راز میں رکھا ہوا ہے بتاتے ہی نہیں۔"

"ڈیڑھ ماہ تو ہوگیا ہے شادی کو...... بس تھوڑے دن اور ہیں۔"

"حنا بہت خوبصورت ہے اسے حمید کے لیے لے لیتے ہیں۔"

"رہنے دیں آپا اس نے اپنے لیے لڑکی پسند کرلی ہے۔ امی کو بتا رہا تھا۔"

"کوشش تو کر خوبیاں گنوا۔"

"گاہے بگاہے کان میں بات ڈالتی رہتی ہوں، مگر وہ بھی بڑا اپکا ہے، جانے کیا گھول کر پلا دیتی ہیں یہ لڑکیاں کاٹھ کے الو بن جاتے ہیں۔ ہمیں تو ایسی اداکاریاں نہیں آتیں۔"

"ارے ہم شریف زادیاں ہیں، ہمیں کاہے کو آنے لگیں اداکاریاں یہ تو انہی بے حیاؤں کا کام ہے۔"

راحت آپا نے بھی لقمہ دیا۔

"بس آپا میں نے کہہ دیا ہے حمید کو من مانی نہیں کرنے دیتی، بھائی نے کرنا تھا جو کرلیا۔" صائمہ ٹھنکی۔

"ارے عبداللہ کا نشہ تو ٹوٹنے دو، پھر دیکھو میں کیسی چال چلتی ہوں۔"

"آپا آجائیں کھانا لگادیا ہے۔" سائرہ اندر آئی۔ دونوں گڑبڑا گئیں۔

کہیں سائرہ نے کچھ سنا تو نہیں۔ مگر اس کے چہرے پر معصوم سی مسکراہٹ تھی۔

"تم کسی کام کو ہاتھ مت لگایا کرو، کرنے دیا کرو اسے اکیلے، ہاتھ خراب ہوجائیں گے۔" کانوں میں سرگوشی کی۔

"ارے مجھ سے اتنی گرمی میں کام نہیں ہوتا۔ امی بھی بہانے سے بلوا لیتی ہیں۔ لگی رہتی ہے اکیلی۔" صائمہ کمینگی سے ہنسی۔

راحت آپا نے بھرپور ساتھ دیا۔

(ہم بہوؤں سے توقعات لگا کر بیٹیوں کو سکھانا بھول جاتے ہیں، انہیں بھی اگلے گھر جانا ہے، کیسی دوغلی اور منافقت بھری زندگی ہم گزارتے ہیں۔ اور جب اپنی بیٹیاں دکھ کی کڑاہی میں گرتی ہیں تو کیسے روح زخمی ہوتی ہے...... مگر یہ سوچتا کون ہے؟

بہو بیٹی کا فرق...... نظر ہی نہیں آتا۔

بیٹی بیٹی ہوتی ہے۔ بہو...... بہو رہتی ہے جتنا بھی من مارے جتنا بھی سفر کرلے۔)

❁......❁......❁

"تمہیں معلوم ہے میرے جانے کے دن قریب آرہے ہیں، اور تم اتنا ہی خود کو مصروف کررہی ہو، میرے لیے تو تمہارے پاس ٹائم ہی نہیں ہے۔" غصے میں بھرا عبداللہ اس کے سر پر کھڑا تھا۔

"پلیز...... کیا ہوا...... یہ میری ذمے داری ہے۔"

"جب تم نہیں تھیں تو جب بھی تو یہ کام ہوتے تھے نا۔" گھورا۔

"اچھا بس آئی...... بریانی دم دے رہی تھی۔" مسکرا کر غصہ کم کیا۔

"میں جو اکیلا ادھر بیٹھا تھا۔"

"تو امی کے پاس چلے جاتے۔" شرارت سے ہنسی۔ "کسی کو بلوا لیتے۔"

"تم کانوں میں روئی اور آنکھوں میں شہد ڈال کر بیٹھ جاؤ۔"

سائرہ ہنس دی۔ "کام تم سے ہے مجھے۔"

"آرہی ہوں۔"

"نہیں آجاؤ۔" اس پر نگاہ کی۔

بریانی دم لگا کر سرعت سے کچن سمیٹ رہی تھی، ایک چولہے پر جانے کیا رکھا تھا، سنک صاف ستھرا پڑا تھا۔ کاؤنٹر سمٹا ہوا تھا۔ لمبی چوٹی شاید آج بندھی نہیں تھی۔ جوڑے کی شکل میں لپٹی تھی۔ کپڑے بھی صبح والے پہنے ہوئے تھے۔

دھیرے سے اس پر نگاہ ڈال کر باہر نکلا اور پھر گھر سے باہر نکل آیا۔ اس نے فی الحال کچن سے نکلنا نہیں تھا، جلتے چولہے بتا رہے تھے۔ گہرا سانس لے کر روڈ پر چلنے لگا۔ خطرے کی بو محسوس ہورہی تھی۔ امی کی ناپسندیدگی، صائمہ کا گریز، سلمٰی کے کالج کی پڑھائی کی مصروفیت، سائرہ اچھی بہو بننے کے چکر میں گھن چکر بنی ہوئی تھی۔

عبداللہ نے گہرا سانس لیا اور پارک میں داخل ہوگیا۔

ناپسندیدہ لڑکی، اچھی بہو کے معیار کے پیمانے طے کرسکتی ہے بھلا۔ وہ یہی سوچتے ہوئے بینچ پر بیٹھ گیا۔

جب میں چلا جاؤں گا تو سائرہ کی مصروفیت میں اضافہ ہوجائے گا۔ کام، کام صرف کام۔

امی تو نوکرانی کا درجہ دے لیں گی۔

نہیں...... یہ نہیں ہوسکتا امی کو میری پسند کا علم ہے، انہیں مجھ سے محبت ہے اس ناطے...... عبداللہ کے دل میں یقین

[illegible] اچھی نہیں، بہترین لڑکی ہے۔

عبداللہ بیٹھے بیٹھے مسکرا دیا۔

سائرہ کی ہنسی، خوشی، شرارت، شوخ انداز اور خدمت گزاری سب اسے نظر آتا تھا، مگر امی کے ماتھے کے بل نہیں جاتے تھے

دو سال بعد اس نے واپس آنا تھا اور......!

"یہ دو سال کیسے گزارے گی وہ میرے بغیر، اس روکھے پھیکے ماحول میں۔ اپنے گھر والوں کے انداز، رویے، سلوک نظر آرہے تھے۔

عصر اور مغرب کا وقت تھا پرندے گھونسلوں کی جانب محو پرواز تھے، دو سال...... تمہاری زندگی کے لیے ہی نہیں میری زندگی کے لیے بھی اہم ہیں۔

صبر و استقامت، حوصلے کی ہم دونوں کو ضرورت ہوگی۔

ابھی تو میری توجہ، میری محبت، میرا خیال و دھیان اسے کسی اور جانب دیکھنے نہیں دیتا، میرے بعد......!

عبداللہ کے دل پر فکر و تفکر کے گہرے بادل اترنے لگے۔

صائمہ اور سلمٰی سے دوستی ندارد تھی، یہ اسے نظر آرہا تھا، مگر کچھ کہہ نہیں سکتا تھا۔

چار سال اس کی منگنی ٹوٹ ٹوٹ کر قائم ہوئی تھی، امی، آپا، بہنوں کو سائرہ کے علاوہ ہر لڑکی اچھی لگتی تھی۔

اور اسے سائرہ کے سوا کوئی لڑکی اچھی نہیں لگتی تھی۔

غضب کی ٹکر تھی گھر میں اور جیت اس کی ہوئی تھی۔ اب جیت کر ہارنے کا حوصلہ نہیں تھا اس میں۔

مغرب کی اذانیں ہورہی تھیں گھر جانے کی بجائے مسجد کی جانب رخ کیا، دعاؤں میں بڑی طاقت ہوتی ہے، موجودگی اور غیر موجودگی دونوں میں کام آتی ہیں۔

ارے آپ کہاں چلے گئے تھے، آپ کے انتظار میں چائے نہیں پی۔"

نک سک سے تیار لائیٹ ڈارک اسکائی بلو کنٹراس میں ہاتھوں میں چوڑیاں، آدھے کھلے آدھے بندھے بال، غزالی آنکھوں میں کاجل اور ہلکی سی لپ اسٹک...... بڑی پیاری لگ رہی تھی، نظر لگ جانے کی حد تک۔

"لے آؤ۔" سنجیدگی سے کہتا لاؤنج کی جانب بڑھا۔

"مگر اب تو کھانے کا ٹائم ہونے والا ہے۔"

"تو کھانے کے بعد لے آنا۔" سنجیدگی میں فرق نہیں آیا۔

"کیا ہوا طبیعت تو ٹھیک ہے۔" اس کے پاس آبیٹھی۔

"ٹھیک ہوں۔"

"پھر ناراض ہیں۔"

"کس بات پر۔" تیکھی نگاہ اس پر ڈالی، اور ریموٹ سے ٹیلی ویژن آن کیا۔

"بات......" لمحہ بھر کو سوچا۔

"یہ تو آپ بتائیں نا۔" معصومیت سے چھیڑا۔
اس کا مسکراتا چہرہ دیکھ کر پھر نگاہ چرالی۔
"سائرہ.....سائرہ..... آج سلاد نہیں بنا..... باہر سے پھپھو کی آواز آئی۔
"امی..... میٹھا بھی کم ہے۔" سلمٰی کی آواز تھی۔
"کہاں ہے یا آواز نہیں آئی۔"
"مصروف ہوں گی بیڈروم میں رانی صاحبہ....." آپا کی آواز ابھری۔
"ارے آپا آئیں ہیں۔" اچھل کر کھڑی ہوئی۔
عبداللہ نے ہاتھ پکڑ لیا۔ جھٹکا کھا کر گری۔
"مہمان آئے ہیں آپا اور جمال بھائی۔"
"روز آتے ہیں۔" نگاہ چرالی' تاہم کلائی پر گرفت برقرار تھی۔
"عبداللہ۔"
"تبھی سب اندر آگئے' سائرہ کھڑی ہو کر اخلاقیات نبھانے لگی۔
عبداللہ سنجیدگی سے سب سے ملا اور آپا کے چھوٹو موٹو کو گود میں چڑھا کر نکل گیا۔
"لو ہم ان سے ملنے آئے ہیں موصوف باہر نکل گئے۔"
جمال بھائی نے نظر بھر کر سائرہ کو دیکھا۔
"میں بلاتی ہوں انہیں۔" جلدی سے باہر نکل گئی۔
"اب یہ بلائیں گی تو ہم ملیں گے ورنہ ملنے کے امکان نہیں جاناں۔" جمال بھائی کا ذومعنی جملہ کانوں میں پڑا۔ لمحہ بھر کو قدم ٹھٹکے اور پھر رواں ہوگئے۔
"عبداللہ بھی بس نا..... اک تو نامعلوم ان کا موڈ کس بات پر خراب ہے' مہمانوں سے ملنا چاہیے تھا نا۔" اپنے روم میں داخل ہوئی۔
"آپ کو جمال بھائی بلا رہے ہیں کیا ضرورت تھی اٹھ کر آنے کی۔" ڈریسنگ ٹیبل کے سامنے کھڑے ہو کر بال باندھے قرینے سے دوپٹہ لیا۔ پلٹ کر اسے دیکھا' اور ذومعنی انداز میں مسکرائی۔
ہاتھ میں پکڑا پرفیوم اس پر اسپرے کیا' چھوٹو کھلکھلا کر ہنس دیا۔
"چلیں آئیں۔"
مہمان نوازی نبھانے باہر کی جانب بڑھی..... گہرا سانس لے کر باہر نکل گیا۔
پہلے ناشتہ' پھر کھانا' چائے' برتنوں کی دھلائی' کچن سمیٹا
سلمٰی نے کھانا لگنے کی حد تک برتن لگائے' صائمہ نے رسم نبھائی' عبداللہ نوٹ کرتا رہا۔ امی کے ماتھے کے تیور ویسے ہی رہے۔ ایک شخص نے بولنا ہی نہیں ہے تو کیا فائدہ اتنی خدمت گزاریوں کا۔
عبداللہ کی سوچ منصفانہ تھی' دودھ کا دودھ اور پانی کا پانی نظر آرہا تھا۔
بعد میں کیا ہوگا؟ اک سوالیہ نشان تھا۔
"اگر اب آپ نہیں بولے نا تو میں.....!"
بیڈروم میں عبداللہ کی مسلسل خاموشی کو دیکھ کر کشن مار کر دھمکی دی۔
"تو..... کیا.....!"
ورنہ میں رو دوں گی..... منہ سے کچھ نہ کہوں گی
اپنی جاں دے دوں گی۔
روٹھے ہو تم..... تم کو کیسے مناؤں پیا.......
بولو نا..... بولو نا!
آنکھیں بھرنے لگیں۔
عبداللہ نے اسے دیکھا' اور پھر ہاتھ بڑھا کر اپنے شانے سے لگالیا۔
"میں ناراض نہیں ہوں۔" مہکتے ہوئے بالوں کا بوسہ لیا۔
"سائرہ.....! تم نوکرانی نہیں' باندی نہیں' زرخرید نہیں' ملازمہ نہیں' پھر اتنی خدمت گزاریاں..... کیوں..... تمہیں اپنی لمٹ کا اندازہ ہونا چاہیے گھر میں' دو ماسیاں آتی ہیں اور تم"......
سائرہ کی نظریں جھکی رہ گئیں۔
"یہ میرا گھر ہے' آپ کا گھر ہے' مجھے یہاں کام کرنا اچھا لگتا ہے' بڑی دعاؤں اور منتوں کے بعد یہ گھر مجھے ملا ہے۔"
"سائرہ یہ گھر تم سے کوئی نہیں چھینے گا' جب تک میں نہ چاہوں' خود کو اتنا ہلکان مت کرو۔"
"میرے بعد..... میرے بعد کیا کرو گی؟"
"آپ کی یاد' آپ کی باتیں' آپ کے کام' آپ کے گھر والے۔" اس کے انداز میں محبت ہی محبت تھی۔
کیسے سمجھاتا اسے..... یا تو سمجھ گئی تھی اور گریز کر رہی تھی یا پھر.....؟ سمجھنا نہیں چاہتی تھی۔
ساری صورت حال تمہارے علم میں ہے.....!

"ہاں..... ساری صورت حال میرے علم میں ہے......
بھیگی پلکوں سے مسکرائی۔ بھیگے آبگینوں کو عبداللہ نے پوروں پر چن لیا۔
"آپ مجھے ہمیشہ ایسا ہی پائیں گے' بس ایک وعدہ کریں کہ کبھی مجھ سے بدلیے گا نہیں آپ کی خاطر پل صراط سے بھی گزر جاؤں گی۔"
عبداللہ نے اس کی ہتھیلی اپنی ہتھیلی میں چھپالی۔
"میں نے بدلنے کے لیے تم سے شادی نہیں کی۔"
"اور نہ میں نے......" شرارت سے اسے دیکھا۔ "ورنہ رشتے بہت......"
"اچھا.....!" اس کے انداز پر ہنسا۔
"کمی تو ہم میں بھی نہیں تھی گلفام ہیں پر کیا کریں دل پری پر آگیا تھا۔" چمکتی آنکھوں سے مسکراتی آنکھوں کو دیکھا۔
"دل ہار بیٹھے تھے......" مسکان گہری ہوگئی۔
"کچھ حال ادھر کا بھی ایسا ہی ہے۔" شانے سے ایک بار پھر سر ٹکادیا۔

❁......❁......❁

پاؤں رکھتی کہیں تھی پڑتا کہیں تھا' کہتی کچھ اور تھی منہ سے نکلتا کچھ اور تھا۔ روٹیاں پکاتے ہوئے ہاتھ جلالیا۔ سبزیاں کاٹتے ہوئے کتنی بار انگلیاں کٹیں۔
کتنی بار گرم چائے سے ہاتھ جلا۔
حواس گم تھے خیال...... خیال و دھیان تو عبداللہ کے ساتھ ہی رخصت ہوگئے تھے۔
عبداللہ کو گئے آج دوسرا دن تھا۔
کسی چیز میں دل نہیں لگ رہا تھا۔
آنکھیں بار بار دھندلا رہی تھیں۔
میں تو کتنا آسان سمجھ رہی تھی آپ کی جدائی عبداللہ' مگر..... صبر کے باوجود اشک رخسار پر گر گئے۔
مشکل ہے' بہت مشکل...... تصویر سینے سے لگالی۔
دن گزر جائے گا' پر رات...... سیاہ طویل کالی رات' آپ کی خوشبو' آپ کی مہک' آپ کا عکس ہوگا مگر آپ نہیں ہوں گے۔ اپنے بیڈروم میں نظر گھمائی۔
لائیٹ ڈارک میرون میچنگ کے ساتھ سجاوٹ بالکل تازہ تھی۔
سنو..... کمرے کی سیٹنگ یہی رکھنا' تازگی یہی رکھنا' اور خوشبو بھی' یہی رکھنا۔ میں اچانک آؤں گا بالکل ایسے جیسے اچانک جارہا ہوں۔ کسی بھی وقت آسکتا ہوں' سر جھاڑ' منہ پھاڑ مت ملنا...... شرارت سے ہنسا تھا۔
سائرہ پھر رو دی۔
عبداللہ کی باتیں' سرگوشیاں' لمس' احساس' سب' سب اس کے اردگرد تھے...... بس......! عبداللہ نہیں تھے۔
آنسو تھے کہ تھم نہیں رہے تھے۔
"اتنی مرچیں.....! شوہر چلا گیا تو کیا ذائقہ بھی لے گیا۔"
پھپھو نے آلو گوشت کی پلیٹ پیچھے کردی۔
"امی.....! سلاد میں نمک دیکھیں۔" سلمٰی کیوں پیچھے رہتی۔
"آپ تو لگتا ہے صرف بھائی کی موجودگی میں اچھا پکاتی تھیں انہیں مٹھی میں کرنے کے لیے۔"
صائمہ کیوں پیچھے رہتی۔
"یار! تم لوگ بھی بس نا...... حمید نے پلیٹ آگے کرلی۔ اتنے مزے کا بنایا ہے' سائرہ نے۔" رغبت سے کھانے لگا۔
سائرہ ٹکر ٹکر سب کی صورت دیکھ رہی تھی۔ لفظ سائرہ اور حمید کے منہ سے نکلا تھا چونک گئی۔
یہ تو بھابی کہتا تھا۔
"حمید بازار سے کچھ لے لاؤ......" پھپھو کا حکم نامہ تھا۔
سر جھکا کر سائرہ ڈھیرے ڈھیرے کھاتی رہی' اگرچہ بھوک پیاس تو عبداللہ ساتھ لے گئے تھے۔
پھر یہ ہوا کہ اپنے گھر میں غیر محفوظ ہوگئی۔
گھر کی ساری ذمہ داریاں اس پر آگئیں' صبح ناشتے سے لے کر رات گئے تک' کچن کی صفائی تک
درمیان میں مہمان داری الگ۔
صائمہ' سلمٰی مدد نہیں کرواتیں' ان کی پڑھائی عروج پر تھی۔
کام کے بہانے پھپھو کی طنزیہ باتوں سے بچی رہتی' تاہم اس چکر میں سارا دن گھن چکر بنی رہتی۔
اوپر سے حمید نے نیا انداز اختیار کرلیا تھا۔
ہر وقت اس کی کمپنی مانگتا تھا' ہر چیز سائرہ کے ہاتھ کی چاہیے ہوتی تھی' صبح ناشتہ' شام کی چائے' رات کا کھانا' بہنیں تو پڑھائی کے نام پر کمرے میں دبک جاتیں۔
حمید اس کی جان ہلکان کیے رکھتا۔
اسے عبداللہ عزیز تھا' اس سے منسلک ہر چیز عزیز تھی۔ اس

سے بڑھ کر اپنی عزت‘ عزت نفس عزیز تھی۔
اس کا الگ کٹیا بنانے کا کوئی ارادہ نہیں تھا۔ عبداللہ کو اپنے گھر والوں سے دور کرنے کا سوچ بھی نہیں سکتی تھی۔ اس لیے وہ سب ٹھیک ہے‘ کا سلوگن عبداللہ کے سامنے گاتی تھی۔
”اچھا......!“ وہ فون پر حیران ہوتا۔
اپنے گھر والوں کو زیادہ جانتا تھا‘ ٹوہ لینا کینہ پروری کرنا‘ دوسروں کی ذات میں کیڑے نکالنا...... اسے سخت ناپسند تھا۔
مگر اس کے گھر والے ایسی ہی منافقانہ زندگی گزار رہے تھے۔ گزارتے تھے۔
اور سائرہ سنا رہی تھی کہ سب ٹھیک تھا۔
”اللہ کرے سب ٹھیک رہے“ دل سے دعا کی۔
”اور تم کیسی ہو......؟“ گہری سرگوشی دل سے نکل کر دل تک پہنچی۔
”روز جیسی......!“ آنکھ بھیگ گئی۔
”خدا تمہیں روز جیسا رکھے۔ یہ بتاؤ کہ روز ریڈ ہے یا پنک۔“
سائرہ نے ہنس کر خود پر نگاہ کی۔
”یلو......!“
”میں بھی روزے سے ہوں۔“ ذومعنی سرگوشی کی۔
اور وہ ہنس دی۔
”کتنی دیر ہے روزہ کھلنے میں۔“
”دوسال......!“ بے ساختگی سے کہا۔
”ہاں تمہیں دوسال بعد دیکھوں گا۔“
سائرہ کی آنکھ کے آنسو رخسار پر پھسل گئے۔ ضبط بھی کرنا تھا۔ عبداللہ کو سب ٹھیک ہے کا سگنل بھی دینا تھا اور...... اور اپنے بھرے گلے کو سنبھالنا بھی تھا۔
”میں بھی تو آپ کے ساتھ ہوں نا۔“
”ہیں...... کہاں...... کدھر!......“ شرارت سے گہرا سانس لیا۔
”جھوٹی......! اتنی دور ہو کہ ہاتھ بڑھا کر چھو بھی نہیں سکتا۔“
”گردن جھکا کر دیکھو تو سکتے ہیں نا......“ بے ساختہ کہا۔
”ہا...... ہا...... وہ اس جنگلی پر ہنس دیا۔ اور اس کی ہنسی کا ساتھ دینے میں وہ ذرا بھی دیر نہیں لگاتی تھی۔

❁......❁......❁

”تم مجھے بھائی کہا کرو یہ کیا سائرہ سائرہ کرتے ہو۔“ پھپھو کے سامنے ٹوک دیا۔
”پہلے بھی تو سائرہ کہتا تھا۔“ ہنسا
”اب بھابی بن گئی ہوں لحاظ تمیز کیا کرو۔“
”نہ کروں تو......؟“ آنکھ دبائی۔
”کزن ہو...... بھائی ہو ڈیور ہو‘ شرم کرو۔“
”جس نے کی شرم اس کے پھوٹے کرم......“ ماں کے سامنے ڈھٹائی دکھا رہا تھا۔ پھپھو اس کے ساتھ ہنس رہی تھیں۔
سائرہ برداشت کر رہی تھی گویا ماں کی شہ پر اتنا پھیل رہا تھا ورگرنہ اتنا بدتمیز تو کبھی نہیں تھا۔
”بھابی...... بھابی میں بھی فرق ہوتا ہے۔“ صائمہ نے ٹکڑا جوڑا۔
”کیسا فرق......؟“ کمال استقامت سے اسے دیکھا۔
”یہ تو آپ کو معلوم ہوگا......“ سلمیٰ بھی لطف لینے آ گئی۔
”چلو یہ تم بتاؤ‘ بلکہ تم تینوں بتاؤ کہ میں کیسی بھابی ہوں۔“ فیصلہ ان پر چھوڑ دیا۔
تینوں ایک دوسرے کو دیکھ کر رہ گئے۔
”ایک دم فضول سوال۔“ سلمیٰ اٹھ گئی۔
”لگتا ہے ایس‘ ایم‘ ایس زیادہ آ رہے ہیں آج کل۔“ صائمہ نے ذومعنی انداز میں کہا۔
”جس میں سوالنامہ ہوتا ہے خودستائشی کا“...... حمید بھی ان کے ساتھ مل گیا۔
”نہیں ایک بات ہو رہی تھی‘ تو پوچھ لیا میری زیادہ دوستیاں نہیں ہیں۔“ سائرہ کچن میں جانے کے لیے کھڑی ہوگئی۔ ”مگر تم لوگ بہت اچھے‘ مہربان اور پولائیٹ ہو بالکل ایسے جیسے میرے سگے بہن بھائی ہیں۔“ باہر نکل گئی۔ تینوں اپنا سا منہ لے کر رہ گئے۔
”میسنی‘ گھنی‘ کمینی......“ پھپھو کو تاؤ چڑھنے لگا۔
”یہ طنز تھا یا تعریف......؟ حمید ہنسا۔
”تعریف...... ہم نے ایسا کیا کیا ہے جو طنز ہوگا۔“ صائمہ شرارت سے ہنسی۔
”اور کیا......“ سلمیٰ بھی دوبارہ بیٹھ گئی۔

❁......❁......❁

بڑی آپا آئی ہوئی تھیں۔ حسب معمول‘ اتوار کا چکر...... وہ کچن میں مصروف تھی۔

”ابھی مصروف ہوگی ہمارے لیے ٹائم ہی نہیں ہے۔“
پیچھے آواز سن کر پلٹی اور بے ساختہ اپنا دوپٹہ پھیلایا۔ فریج کے پاس جمال بھائی کھڑے تھے۔
”آپ تو سلام کر کے غائب ہوگئیں سوچا ہیلو ہائے کرلوں۔“ اسے جمال بھائی کا انداز ان کی نگاہیں کبھی اچھی نہیں لگی تھیں۔
”میں ٹھیک ہوں۔“ کنی کترائی۔
”عبداللہ کتنا یاد آتا ہوگا۔“ فریج کھول کر کچھ نکالنے لگے۔
”نئی دلہن کو چھوڑ کر جانا بڑے دل گردے کا کام ہے۔“
ان کی آمد ناگوار گزر رہی تھی۔
رخ موڑ کر کباب تلنے لگی‘ کمال ڈھٹائی سے وہ کباب اٹھا کر کھانے لگے۔ اسی وقت آپا آ گئیں۔
”آؤ ریحانہ بڑے مزے کے کباب بنے ہیں۔ سائرہ کہہ رہی تھی کہ ببیسی کے ساتھ ٹرائی کریں۔“
سائرہ اس سفید جھوٹ پر بے ساختہ مڑی...... ان کے چہرے پر بڑی کمینی سی مسکراہٹ تھی۔
”لاؤ میں بھی دیکھوں......“ انہوں نے پلیٹ میں کیچپ نکالا ساتھ ہی دو کباب رکھ لیے۔ ”آئیے۔“ مڑ مڑ کر اسے دیکھتے باہر نکل گیا۔
سائرہ کو بڑا عجیب لگا۔

❁......❁......❁

اس روز نہا کر نکلی لمبے بال سوکھنے کے انتظار میں پشت پر پڑے تھے۔ ویسے ہی لان کی سیڑھیوں پر بیٹھی تھی کہ گیٹ کھول کر فرحت آپی اور ان کے شوہر اندر آ گئے۔ ساتھ دونوں بچے تھے۔
اخلاقیات نبھانے کو کھڑی ہوئی۔
”امی کہاں ہیں؟“
”اپنے بیڈروم میں۔“
”اور حمید......؟“
”آفس سے نہیں آیا۔“
”ذرا چائے بنالو...... میں امی کے کمرے میں ہوں۔“
”جی......!“
انہیں اندر جاتے دیکھتی رہی۔
اور جب چائے لے کر اندر گئی تو اندر گرما گرم بحث چھڑی ہوئی تھی۔ چائے سرو کر کے واپس باہر نکلی تو قدم رک گئے۔
”عبداللہ کی پسند نے کون سے چار چاند چڑھا دیئے ہیں جو حمید کی پسند پر چل رہی ہیں۔“
”میں کیا کروں‘ تمہارے بھائیوں کی پسند ہے سائرہ کی دفعہ میں نے کتنے ہاتھ پاؤں مارے کہ نہ ہو مگر......!“ لمحہ بھر کی خاموشی نے اسے ساکت کر دیا۔
”یہ بلا لے کر رہی عبداللہ کو۔“
بلا...... بہو...... بلا......؟
اس کے حواسوں پر بجلی گری۔
اتنی اجنبیت‘ اتنی غیریت‘ اتنی نفرت۔
اس لیے تو کہہ رہی ہوں کہ حمید کو لگام ڈالیں‘ اور حنا یا مریم سے بات پکی کردیں‘ دونوں ہی دیکھی بھالی لڑکیاں ہیں نہیں تو میری نندرباب کو بھی دیکھ لیں۔“
اسے کچھ اور نہیں سننا تھا جو سن لیا تھا‘ اتفاقیہ وہی بہت تھا‘ پلٹ کر اپنے روم میں بھاگی اور اندر آتے حمید سے ٹکرائی۔
اس نے پوری گرفت میں لے لیا۔
”حمید!“ وہ مچلی۔
”تم گرجاتیں......“ بے حد قریب سرگوشی ہوئی۔
جھٹکے سے خود کو چھڑایا۔
”اتنی بھی کمزور نہیں ہوں کہ کانٹوں پر گروں......“ منہ سے کف نکلنے لگا۔
”اچھا......! کتنی بہادر ہو“ بالوں کی لٹ کو چھوتے ہوئے کہا۔
”اتنی کہ...... تمہارے منہ پر تھپڑ مار سکوں......“ ہاتھ اٹھایا۔
”انجام بھی دیکھ لینا۔“ حمید کی آنکھوں میں کمینگی اتر آئی۔
اندر تک لرز گئی۔ خون آشام نظروں سے دیکھتی اپنے روم میں آ گئی۔
”اف...... اتنی ذلت‘ اتنی توہین‘ پھوپی زاد بھائی ہو کر۔“
احساس توہین سے جھلس رہی تھی۔
دل چاہے کہ ابھی جائے اور حمید کو مار دے...... مگر......!
اور پھپھو......!
اف! وہ مجھے اتنا ناپسند کرتی ہیں‘ ہمارا رشتہ نہ ہوتا تو بہتر تھا۔ عبداللہ آپ کو تو پھپھو کی ناپسندی کا اندازہ تھا۔ دلگیر سے انداز میں سوچا۔ میں کیسے پتھر کو موم کرنے کے لیے چلی ہوں‘

کولہو کے بیل کی طرح..... دن کو دن سمجھتی ہوں نہ رات کو رات۔ دکھ اذیت ایک ساتھ ہو رہی تھی دل دکھ کے بوجھ سے بھر بھر آ رہا تھا۔

تو..... تو اپنی اپنی گھریلو ازدواجی زندگیوں کو بچانے کے لیے اس کی بڑی بہنوں کا طرزِ عمل ٹھیک ہے۔ باجی نے ٹھیک کیا جو اپنے شوہر کو لے کر الگ ہو گئیں۔

آپی کولہو کا بیل نہیں بنی اور اپنا کچن الگ کر لیا..... اور ثنا ٹھیک اپنے سسرال میں زبان چلاتی ہے اپنا حق چیخ چیخ کر لے لیتی ہے۔

جبکہ اس کی ذات تو بہت امن پسند تھی اس کے اندر کینہ توزی کمینگی ذلالت منافقت نہیں تھی۔

وہ تو سسرال میں بھی گھر جیسا ماحول رکھنا چاہتی تھی۔ وہ تو ان سب سے ٹکر لینا ہی نہیں چاہتی تھی عبداللہ اسے بہت عزیز تھا وہ کیسے عبداللہ کو ذہنی اذیت دے سکتی تھی اس کے گھر والوں سے لڑ جھگڑ کر۔ اس کی سوچ غلط تھی کیا..... اسے تاسف و ملال ہو رہا تھا۔

ناپسندیدگی اور نفرت میں کتنا فرق ہوتا ہے ناپسندیدگی سامنے والے کے مثبت عمل سے پسندیدگی میں ڈھل سکتی ہے مگر ایک چیز سرے سے پسند ہی نہ ہو تو.....!!

اس کا دل بیٹھنے لگا پھپو کا سلوک سب کا رویہ اور..... اور حمید کا انداز..... اس کا دل بیٹھ گیا۔

گھر میں اس کے ساتھ کچھ بھی ہو سکتا ہے حمید کچھ بھی کر سکتا ہے صائمہ سلمیٰ زبان درازی کر سکتی ہیں سب ٹھیک ہو گا اور اس کی سائیڈ کون لے گا؟

کوئی بھی نہیں.....

صبح تک دل و دماغ میں جنگ کے بعد ایک فیصلہ ہو گیا۔

وہ آخری وقت تک اپنی جگہ نہیں چھوڑے گی اپنی محبت اپنے خیال اپنے عمل سے ثابت کر دے گی صرف بہو ہی غلط نہیں ہوتی۔

عبداللہ کا فون آ گیا وہ بھی دل کا امین تھا۔

"طبیعت ٹھیک ہے تمہاری؟"

"ہاں..... نا....."

"کچھ ہوا ہے گھر میں؟"

"نہیں..... تو..... کیا ہونا تھا۔"

"کچھ بھی....." سنبھل کر پوچھا۔

"مثلاً..... کیا! شرارتی لہجے میں ہنسی۔

"مثلاً ساس بہو کے جھگڑے نند بھاوج کی لڑائی بھابی کی چپقلش....." چڑ کر کہا۔

"آپ مجھے ایسا سمجھتے ہیں آنکھ بھر آئی۔

"نہیں..... مگر پھر بھی تم سسرال میں رہتی ہو..... کہ جانم مجھے اپنے گھر والوں کا علم ہے۔

"ایسا کچھ نہیں ہے صائمہ سلمیٰ حمید امی آپا سب عزیز رکھتے ہیں۔"

آنسو رخسار پر گرے۔

"اچھا.....!" متحیر زدہ تھا۔

"یہ تو بڑی خوش آئند بات ہے کہ اتنا اچھا ماحول ہے۔"

"ہوں....." انگلی کی پور سے آنسو سمیٹا۔

دو چار باتوں کے بعد عبداللہ نے فون بند کر دیا۔ ساتھ کتنے ہی آنسو نکل پڑے۔

عبداللہ مجھ سے آپ کو شکایت نہیں ہو گی میں اپنے سے ثابت کر دوں گی اور ہر زیادتی سہہ جاؤں گی۔"

ادھر عبداللہ سائرہ کے جھوٹ پر دم بخود تھا امی سے بات کرو تو ان کے پاس شکایتوں کے ڈھیر ہوتے ہیں۔

تمہاری بیوی یہ تمہاری بیوی وہ..... اسے تمہاری فکر نہیں بہت آزاد پھرتی ہے ہر وقت تیار شیار رہتی ہے میکے جانے کے لیے۔ بس تمہارے سامنے ہی جو پکا لیا پکا لیا اب تو صائمہ سلمیٰ ہی لگی رہتی ہیں۔ اسے تو اپنی پھپو کی بھی فکر نہیں ہے کے پاس الگ شکایتوں کا رجسٹر تھا۔

جبکہ سائرہ کے پاس نہ کھاتے تھے نہ رجسٹر۔ وہی دھیما لہجہ محبت بھری مسکراہٹ اور..... اور وہی سب ٹھیک ہے سلوگن۔"

اور کچھ ٹھیک نہیں تھا۔ عبداللہ کو احساس ہو رہا تھا ابھی تو سال گزرنے میں پندرہ ماہ تھے۔ سائرہ نے اسے کچھ نہیں بتانا تھا سہہ لے گی مگر حرفِ شکایت نہیں لائے گی۔

عبداللہ کو یقین تھا اسے ادھر بیٹھے ہی کچھ کرنا تھا۔

اور.....!

اس نے جو کچھ کیا بر وقت کیا بالکل ٹھیک کیا۔

❁..... ❁..... ❁

"تم اس وقت ادھر!"

رات کے بارہ بجے حمید کو اپنے روم میں دیکھ کر حیران

"کیوں کیا میں نہیں آ سکتا۔ تمہارا کزن لگتی ہوں اور دیور ..... بھی ..... سے ..... بیٹھا۔ ..... تھی۔ ..... تھی۔ ..... رنگ ..... تھی ذومعنی انداز میں کہا۔

"آؤ کوئی ..... گئے ہیں ذرا ..... لڈو یا جو کچھ تم چاہو۔"

"پلیز حمید جاؤ تم۔ عبداللہ کا فون آنے والا ہے اور میں اس وقت تنہائی چاہتی ہوں صائمہ سلمیٰ جاگ رہی ہوں گی ..... بے رخی سے کہا۔

"مگر میرا دل تو تمہارے ساتھ کی خواہش کر رہا ہے۔"

"میں پھپو سے تمہاری شکایت کروں گی۔"

"وہ تو دوا کھا کر سو رہی ہیں۔"

سائرہ اٹھی اور باہر نکلنے لگی۔ حمید نے ہاتھ تھام لیا۔ جھٹک کر ہاتھ چھڑایا۔

"یہ کیا بدتمیزی ہے..... چہرہ سرخ ہو گیا۔

"وہی جس کے لیے تم مجھے مجبور کر رہی ہو۔" وہ بھی کھڑا ہو گیا۔

"تم جاؤ ادھر سے۔"

"نہ جاؤں تو.....؟"

"ارے بھائی ادھر ہیں فون بج رہا تھا۔" سلمیٰ اندر آ گئی۔ اندر کا منظر دیکھ بھی لیا تھا جملے سن بھی لیے تھے۔

"ہاں سائرہ کو کوئی کام تھا اس لیے بلوایا تھا اب کہہ رہی ہے بھول گئی۔"

سلمیٰ نے معنی خیزی سے اسے دیکھا۔

"جب یاد آ جائے تو بتا دینا میں حاضر ہو جاؤں گا۔" اسے دیکھتا موبائل آن آف کرتا باہر نکل گیا۔

اس کے پیچھے سلمیٰ بھی نکل گئی۔ مگر یہ کیسی نظریں تھیں جس نے اس کی چھٹی حس کو ڈسٹرب کر دیا تھا۔

"اف میرے خدا..... تو..... تو کیا میں اپنے گھر میں غیر محفوظ ہوں۔" سر ہاتھوں میں تھام لیا۔

❁..... ❁..... ❁

"تم ذرا جمال کے سامنے ڈھنگ سے دوپٹہ لیا کرو۔ جمال شکایت کر رہے تھے تمہاری۔"

اس بار آپا آئیں تو بآواز بلند تاک کر جملہ مارا..... پھوپو چونکی ہو کر اسے دیکھنے لگیں۔

سائرہ اس سنتے اور اچانک ..... پر بھٹک کر رہ گئی۔

"کہہ رہے تھے کہ سائرہ پہلے تو ایسی نہیں تھی عبداللہ کے سامنے تو بات بھی نہیں کرتی تھی اور اب....." اسے دیکھتے ہوئے جملہ ادھورا چھوڑا۔

"اب کوئی اور مصروفیت جو نہیں ہے۔"

اگلا جملہ چپس کھاتے ہوئے صائمہ نے پورا کیا۔

"ایسی بات نہیں ہے آپا اتفاقاً کبھی سر سے دوپٹہ گر بھی جاتا ہے۔"

"دوپٹہ گرنے اور گرانے میں فرق ہوتا ہے بی بی سنبھل کر رہو۔ یہ چھپن یہاں نہیں چلیں گے۔" پھپو نے آپا کی سائیڈ لی۔

"آپا انہیں غلط فہمی ہوئی ہے ایسی کوئی بات نہیں پھر بھی آئندہ خیال رکھوں گی۔" دھیرے سے انہیں دیکھ کر کہا اور باہر نکل گئی۔

کشن پر چہرہ رکھ لیا کتنے ہی آنسو بے آواز گرتے چلے گئے۔

"نہ چھڑا سکو گے دامن"

حمید نے جاتی ہوئی سائرہ کا دامن پکڑ لیا۔

"یہ کیا حرکت ہے....."

"تم مجھے بہت اچھی لگتی ہو کیا کروں....."

"میں تمہاری بھابی ہوں....." وہ ہکا بکا رہ ہوئی۔

"یہی تو دکھ ہے بھائی نے میرے حق پر ڈاکا ڈالا ہے خیر ابھی بھی میں تمہیں حاصل کر سکتا ہوں اگر تم چاہو تو۔"

"بکواس بند کرو....." لہجہ چیخ گیا۔ "شرم آنی چاہیے۔"

"عشق و محبت میں کیسی شرم۔" ڈھٹائی سے کہتے ہوئے ہاتھ تھام لیا۔ اتنی دیدہ دلیری اس کا خون کھول گیا۔

"آئندہ اگر اس قسم کی حرکت کی تو میں اس گھر میں خاندان کی پنچائیت بٹھا دوں گی جہاں میری عزت محفوظ نہیں وہاں کسی کی بھی عزت محفوظ نہیں ہو گی بدتمیز آدمی۔"

"ہیں ہیں..... یہ کس کی بات ہو رہی ہے۔" پھپو اندر آ گئیں۔

"دیکھیں امی آپ کے شریف بیٹے پر کیسے ڈورے ڈال رہی ہیں آپ کی بہو صاحبہ پہلے خود ہی کام کے بہانے بلواتی ہیں اور پھر بھول جاتی ہیں۔"

"بکواس بند کرو اپنی۔" وہ زور سے چیخی۔

"بکواس تم بند کرو شرم نہیں آتی میرے بیٹے کو پھنساتے ہوئے یہ حرکتیں تمہاری ابھی بھی ہیں عبداللہ کو پھانس کر چین نہیں ملا۔"

"یہ جھوٹ بول رہا ہے پھپو۔ اس سے پوچھیں کہ کیا ضرورت پڑی ہے کیا چاہتا ہے یہ......؟" سائرہ کا لہجہ کھول رہا تھا۔

"آئندہ اس نے ایسی ویسی حرکت کی تو اس کی جان لے لوں گی۔"

"بی بی...... بی بی اپنے حواسوں میں رہو۔ ہم جانتے ہیں تم کتنے پانی میں ہو خیریت چاہتی ہو تو اپنے جامے میں رہو۔ عبداللہ کو تو میں بتاتی ہوں کہ تمہاری بیوی تیار شیار ہو کر کیا گل کھلاتی ہے۔ جمال پر زور نہیں چلا تو حمید پر طبع آزمائی کرنے لگی۔ آوارہ بدچلن بدکردار۔"

"پھپو......" سائرہ اس بوچھاڑ پر ساکت رہ گئی۔ اتنے گھٹیا الزامات۔

"دیکھ سچ بولا ہے نا کیسی زبان بند ہوئی ہے سچ کڑوا ہوتا ہے۔"

"آپ جھوٹ بول رہی ہیں پھپو۔ ایسا نہیں ہے۔"

"چل جا یہاں سے ہم نے تو آنکھوں دیکھی مکھی نگلی ہے۔ اپنے بیٹے کے ہاتھوں تیرا پتہ عبداللہ کے ہاتھوں نہ کٹوایا تو میرا نام نہیں ہے۔ مجھے جھوٹا کہتی ہے۔"

وہ گنگ کھڑی رہ گئی۔ پھپو اندر چلی گئیں حمید اس کے پاس رکا بڑا ہی لوفرانہ انداز تھا۔ آنکھ دبائی۔ "سچ مجھ سے مک مکا کر لو کسی کو خبر بھی نہیں ہوگی۔ میں بھی خوش تم بھی خوش۔ ہر شرط پر تیار ہوں۔" چہرے پر پھسلتی لٹ کو چھوا۔

"کون آوارہ ہے کون بدچلن یہ وقت ثابت کردے گا حمید۔" اس کا ہاتھ نفرت سے جھٹکا۔

حمید ہنستا ہوا اندر چلا گیا۔

وہ چیئر پر گر گئی۔ یہ اس کے سگے رشتے ہیں خاندانی خون ہے کہاں جا کر شکایت کرے کون ان کی باتوں پر یقین کرے گا۔ اتنے رکیک الزامات پر اس کے حواس گم ہو رہے تھے۔

پھپو...... عبداللہ کے کان بھریں گی عبداللہ اس سے باز پرس کریں گے اف ہتک کے احساس نے فشار خون بڑھا دیا۔ کیا صفائی دے گی اور صفائی پیش کرنے کی ضرورت کیوں؟ عبداللہ اس سے گواہی مانگیں گے کیا؟ سر ہاتھوں میں گرالیا۔

"ملا عبداللہ کو فون......" اندر سے آواز ابھری۔ "اس کے لچھن بتاؤں کیسی مومن لڑکیاں چھوڑ کر بدچلن کے پاگل ہوا ہے تیرا بھائی۔ آنکھیں کھولوں اس کی۔"

"اف! ڈوب مرنے کو دل چاہا۔

عبداللہ اتنے گندے الزامات سنے گا تو کیا سوچے گا۔

"پھپو پھپو ایسا مت کریں مت کریں ایسا کچھ نہیں مت انہیں کچھ کہیں وہ پردیس میں ہیں ان سے نوکری نہیں ہوگی۔" ہاتھ جوڑے۔

"دیکھ دیکھ جھوٹی عورت کیسی صفائی پیش کر رہی ہے۔"

"میں جھوٹی نہیں ہوں۔"

حمید ذومعنی انداز میں ہنس رہا تھا۔ نمبر ملایا رکھا ملایا۔ "بھائی سو رہے ہوں گے یا پھر مصروف ہوں گے۔"

حمید سائرہ کی حالت سے حظ اٹھا رہا تھا۔

"تجھے تو چھوڑنا نہیں ہے اسی طرح تجھ سے پیچھا چھوٹے گا۔" خشمگیں نگاہوں سے گھورا۔

"پھپو مجھے جان سے مار دیں مگر عبداللہ کو بدظن مت کریں۔"

"اسے تو میں سچائی بتاؤں گی۔ میں یہ کھیل نہیں کھیلنے دوں گی۔ چل جا ادھر سے۔" نخوت بھرے انداز میں کہا۔

پھپو نے عبداللہ کے سامنے اسے جی بھر کر ذلیل کیا کوئی کسر بل نہیں چھوڑا جتنا گندہ ثابت کرسکتی تھیں کیا۔

صائمہ سلمٰی آپا سارے گھر کی نگاہیں اس پر لگی تھیں اور وہ یوں تھی زمین پھٹے اور اس میں سما جائے۔

"اوہو تو اندر اندر یہ گل کھلائے جارہے ہیں۔" صائمہ طنز سے اسے دیکھا۔

"شکل مموناں کرتوت کافراں......" آپا نے کانوں کو ہاتھ لگایا۔

"امی کیسا قبیح خاندان ہے ماموں کا ایک سے جی نہیں بھرا تھا جو دوسرے پر ڈورے ڈالنے لگی تف ہے سائرہ تجھ پر۔" حقارت سے اسے دیکھا تھا آپا نے۔

"آپا میری بھی تو سنیں۔ حمید خود ہی......"

"کیا سنوں تمہاری میرے بھائی پر الزام لگا رہی ہو ناک کے نیچے چھپ چھپ کر تمہیں شرم نہیں آئی۔"

"ایسا نہیں ہے پھپو۔" اس کا دل ڈوبا۔

"شکایت تو تمہاری جمال نے کی تھی میرا ماتھا تو تب ہی ٹھنکا تھا۔"

"آپا میرا یقین کریں......" اس کا لہجہ کمزور ہوگیا دل ڈوب رہا تھا۔ عبداللہ عبداللہ کیا سوچ رہے ہوں گے اس کے لیے...... عبداللہ کا فون نہیں آیا۔

تو انہوں نے اپنے گھر والوں کی باتوں پر یقین کرلیا میرا اعتبار نہیں تھا۔ آنکھوں میں پانی بھل بھل آرہا تھا۔

حمید کی لن ترانیاں اور بڑھ گئیں کوئی موقع کوئی لمحہ ہاتھ سے جانے نہیں دیتا تھا۔

گھر کی ذمہ داریوں میں اور اضافہ ہوگیا الماری سے گنتی کے چند کپڑے نکال کر دیئے اور لاک لگا دیا گیا۔

عبداللہ کا فون نہیں آیا...... دل چاہا خود کرلے مگر ہمت نہیں ہوئی۔ حسرت و یاس کی تصویر بن کر رہ گئی تھی۔

بنا جرم کے سزا مل رہی تھی اور مجرم دندناتا پھر رہا تھا۔

انہی دنوں میکے سے فون آگیا۔ گھر آجاؤں کتنے دن ہوگئے تم نہیں آئیں سلمان کی منگنی طے ہوگئی ہے۔"

"جی...... امی آؤں گی۔"

"سلمان کو لینے بھیج دوں؟"

"ہاں......! ایک دو دن بعد بھیج دیجیے گا۔" گہرا سانس لیا۔

"تمہاری طبیعت ٹھیک ہے۔"

"جی۔" تبھی آہٹ پر سر اٹھایا۔ حمید بے حد قریب کھڑا تھا۔

فون کے قریب سے ہٹ کر باہر جانے لگی بے پناہ نفرت کا احساس ہوا۔

"آ...... ں...... آں گھبراؤ مت صائمہ سلمٰی بازار گئی ہیں اور امی سو رہی ہیں۔" بڑا ذومعنی لہجہ تھا۔

"دیکھو تم نے میرا ساتھ نہیں دیا مجھے خوش نہیں کیا کتنی دکھی ہو چچ...... چچ......" تاسف سے اس کا چہرہ چھوا۔

"دفعہ ہو جاؤ۔" ہاتھ جھٹکا۔

"ڈائن بھی سات گھر چھوڑ دیتی ہے تم نے میرے ساتھ اچھا نہیں کیا۔" نفرت سے اسے دیکھا۔

"دوہرے رشتے تھے میرے ساتھ کزن بھی بھابھی بھی اس کی نہیں تو اپنے بھائی کی عزت کی لاج رکھ لیتے۔"

"ہا...... ہا...... ہا کیا کروں جان من تم مجھے بہت اچھی لگتی ہو دل تمہاری طرف سے ہٹتا ہی نہیں ہے۔" ایک دم سے اس کی کلائی پکڑ کر اپنی طرف گھمایا...... سنبھلتے سنبھلتے بھی وہ لڑکھڑا گئی۔ حمید نے تھام لیا۔

"کیا بدتمیزی ہے......" بازوؤں کا حصار اس کے گرد تھا۔

"بدتمیزی نہیں محبت......"

چٹاخ...... اس کے منہ پر تھپڑ مار دیا۔ "میں نا کمزور ہوں اور نہ بے بس ہوں ابھی میری عزت نفس زندہ ہے۔ اور مجھے اپنی عزت بہت پیاری ہے۔" وہ ہتک عزت کے احساس سے کانپ رہی تھی۔

"یہ تھپڑ بہت مہنگا پڑے گا۔" حمید کی آنکھیں سرخ ہونے لگیں۔

"کچھ بھی ہو لعنت ہو تم پر تمہارے کردار پر تمہارے خون پر اگر ذرا سی عزت کا احساس ہے نا تو آئندہ میرے سامنے نہیں آنا۔"

"میں تمہارا وہ حشر کروں گا کسی کو تو کیا خود کو بھی منہ دکھانے کے قابل نہیں چھوڑوں گا۔"

اس نے دوسرے ہاتھ سے حمید کا منہ نوچ ڈالا۔

حمید دست درازی پر اتر آیا۔ وہ چیختی چلاتی مدد کے لیے بلاتی رہی۔

اس کی بے بسی سے حظ اٹھاتا حمید آگے بڑھتا جا رہا تھا۔

پھپو نیند کی دوا کے زیر اثر سو رہی تھیں۔

"یا اللہ...... مدد...... مدد۔"

اور مدد آپہنچی۔

بیل زور سے بجی...... اور بجتی چلی گئی۔

حمید گھبرا کر پیچھے ہٹا۔ آج تو بچ گئی ہو...... آئندہ...... دیکھنا...... وہ باہر نکل گیا۔

"آئندہ" نفرت سے تھوکا۔

اس بے غیرتی کی قیمت پر عبداللہ کا ساتھ بھی منظور نہیں تھا۔ بیل بج رہی تھی اسے گیٹ تک جانا تھا۔

دل ٹوٹ کر ریزہ ریزہ ہوگیا تھا۔ بھاگ کر اپنے کمرے میں آگئی۔ کسی نیکی کا اجر تھا جو رذیل کے ہاتھوں بچ گئی۔ گیٹ پر صائمہ سلمٰی تھیں۔ شاور کے نیچے کپڑوں سمیت کھڑی ہوگئی۔

مگر اب نہیں...... اب نہیں یہاں رہنا۔ وہ اس گھر کو

جنت کا ٹکڑا بنانے کے خیال سے آئی تھی' سب کو اپنائیت' محبت کے بندھن میں باندھنا چاہتی تھی' مگر کیا ملا......؟ آنسو آہیں' تکلیفیں' آنسو پانی کے ساتھ ساتھ بہہ رہے تھے۔

اس گھر میں تو اس کی عزت اس کی حرمت کا ہی تحفظ نہیں تھا' کیسے رہتی یہاں۔ عبداللہ نے خیریت تو کیا' باز پرس کے لیے بھی فون نہیں کیا تھا۔ رو رو کر ہر ہر سو جل تھل ہوگیا۔ کیا فائدہ اس قفس میں رہنے کا؟ آخر دل ہار ہی گیا۔

❁......❁......❁

''امی کہہ رہی ہیں بریانی بنالیں' ساتھ کھیر اور کباب۔'' تکیوں میں منہ چھپائے لیٹی تھی کہ سلمیٰ اندر آگئی۔

''میری طبیعت ٹھیک نہیں ہے۔ تم اور سلمیٰ مل کر بنالو...... تمہاری بہنیں آرہی ہیں۔''

''کیوں آپ کس مرض کی دوا ہیں۔'' طنز سے دیکھا۔

''کم سے کم بیگار میں نہیں آئی۔'' نفرت سے کہا۔

''سلمیٰ...... بھابی کو بولنا ڈرائنگ روم کی صفائی اور لان کی دھلائی بھی ہوگی۔'' باہر سے صائمہ کی آواز آئی۔

''میں نے کہا نا میری طبیعت ٹھیک نہیں ہے۔ میں زر خرید نہیں ہوں۔'' اس کی جانب دیکھا۔

''بھائی تو ہمارے ہیں نا۔''

''نہیں...... تم میرے شوہر کا دیا کھاتی ہو ابھی یہ رشتہ سلامت ہے۔''

''ٹوٹنے کے موڑ پر کھڑا ہے۔''

''مگر ٹوٹے گا نہیں۔ یہ میرا یقین ہے۔''

''انہہ......! امی کو بھیجتی ہوں۔''

''کیا بکواس کررہی ہے تو۔ چل جاکر کچن دیکھ۔'' پھپو کا انداز حقیرانہ تھا۔

''ابو کا فون آیا تھا میں میکے جارہی ہوں۔ کل سلمان کی منگنی ہے۔'' اس نے رسان سے کہا۔

''عبداللہ سے پوچھا۔''

''یہاں آپ رہتی ہیں' آپ کا حکم سر آنکھوں پر' آپ کو بتایا ہے' ان کا فون بند جارہا ہے۔ آئے تو بتادیجیے گا۔'' وہ ساتھ ہی الماری سے کپڑے نکالنے لگی۔

''میرے منہ آتی ہے۔ نہ طلاق دلوائی تو میرا نام نہیں۔''

''اپنے بیٹے کا گھر برباد کریں گی' بیٹا جو اس گھر کو سپورٹ کرتا ہے' آپ کی بیٹیوں کی عیاشی کے لیے رقمیں بھیجتا ہے۔ کرکے دکھائیں ذرا حمید کی تنخواہ میں گزارہ۔''

''عبداللہ میرے ہیرے جیسا بیٹا تجھے منہ کب لگا ہے۔'' ہتک آمیز انداز میں کہتے وہ باہر نکل گئیں۔

یہ اس کا اپنا فیصلہ تھا اب چاہے کچھ ہوجائے حمید کے اس اقدام کے بعد تو اس گھر میں رہنے کے لیے سوچ بھی نہیں سکتی تھی۔ یہ لوگ اپنے بیٹے کو اس کی پسند کی شادی کرنے کی بہت بڑی سزا دے رہے تھے۔

سلمان اسے لینے آگیا۔ پھپو نے منع کیا' روکا' غصہ دکھایا مگر وہ کچھ سننے کے موڈ میں نہیں تھی۔ سو سلمان کے ساتھ چلی گئی۔

''آئندہ منہ نہ دکھانا۔'' پھپو نے تنبیہہ کی۔

''نہیں دکھاؤں گی۔'' اس کا انداز بھی وہی تھا۔

اس کا فیصلہ غلط تھا یا ٹھیک ہوگیا تھا اور ابھی اس تک محدود تھا۔

''یہ پھپو کو کیا ہوا؟''

''پھپو ساس بن گئی ہیں' اور ساس کب چاہتی ہے کہ کام والی بہو بیٹھ جائیں۔'' سنجیدگی سے کہا۔

''ہوں...... معاملہ ٹھیک نہیں لگ رہا' عبداللہ بھائی کب آئیں گے؟''

''آجائیں گے' تم بتاؤ خوش ہو' تاریخ کب تک رکھو گے؟'' اس نے سلمان کو ٹال دیا۔ سلمان کو ٹالنا آسان تھا' امی ابو کو نہیں۔

منگنی کے اگلے دن ہی ابو نے پوچھ لیا تھا۔

''سائرہ' زاہدہ کیوں نہیں آئی منگنی میں۔''

''ان کی طبیعت ٹھیک نہیں ہے۔''

''اور کوئی آجاتا۔''

''پھپو نے اپنی کسی اولاد کو رواداری اور اخلاقیات کے ساتھ رشتے داریاں نبھانی نہیں سکھائیں۔'' دونوں اسے دیکھ کر رہ گئے۔

''کوئی بات ہوئی ہے گھر میں......'' امی نے پوچھا۔

''نہیں تو۔''

''پھر تمہارا لہجہ ایسا کیوں ہے' تم تو بہت شائستہ اطوار ہو۔''

''امی میں بہت نرم مزاج ہوں مگر بعض اوقات انسان ہار جاتا ہے' اپنے ہی قائم کردہ اصول و ضوابط سے اس دنیا میں قائم کیے ہوئے رشتوں کو انہی کے مطابق ڈیل کرنا چاہیے۔''

سلمان کے آنے پر باتوں کا رخ کہیں اور مڑ گیا۔ مگر ہفتے بھر بعد ہی امی پوچھ رہی تھیں۔

''سائرہ' گھر نہیں جانا۔''

''امی میں یہاں کچھ دن رہنا چاہتی ہوں۔''

''تمہاری پھپو کی طبیعت بھی ٹھیک نہیں ہے۔''

''ان کی بیٹیاں ہیں نا تیمار داری کے لیے۔''

ابو خاموشی سے اندر چلے گئے۔ انہیں دال میں کالا لگ رہا تھا۔ کوئی ایسی بات جس نے سائرہ کے اعصاب تنا دیئے تھے۔ اس کا لہجہ بدل دیا تھا' اس کی ہنسی چھین لی تھی' شگفتگی اور رعنائی میں فرق آگیا تھا۔ تھکاوٹ اور بیزاری نے جگہ لے لی تھی۔

کچھ دن بعد ابو نے اسے کمرے میں بلوالیا۔

''کتنے دن ہوگئے ہیں عبداللہ کا فون نہیں آیا۔'' (اس نے انگلیوں پر حساب لگایا۔ دو ماہ) مگر ابو کو کہنا اچھا نہیں لگا۔

''کچھ دن ہوگئے ہیں۔''

''تم لوگوں میں لڑائی ہوئی ہے؟''

کاش...... ہم لوگوں میں لڑائی ہوجاتی......! ''نہیں تو۔''

''گھر میں!؟'' سائرہ خاموش ہوگئی۔

''ناپسندیدہ لوگوں کے ساتھ رہنا بہت مشکل ہوتا ہے' پھپو نہیں چاہتیں میں عبداللہ کے ساتھ رہوں۔ اور ان کے بچے......'' اس کا لہجہ بھر آیا۔

''اب تو شادی ہوچکی ہے۔''

''یہ شادی وہ غلط فہمیوں کی وجہ سے توڑ دیں گی۔ آپ اس خبر کے لیے تیار رہیے گا۔''

ابو یک ٹک اس کو دیکھے گئے۔

''عبداللہ کیا کہتا ہے؟''

''معلوم نہیں' انہوں نے اپنی امی کی باتوں کا یقین کرلیا ہے شاید۔''

(بہت ساری باتیں خاموشی کی زبان بھی ادا کردیتی ہے)

''پھر گھر نہیں جانا؟''

''وہ گھر میرے لیے محفوظ نہیں ہے ابو۔ عزت سے زیادہ کچھ اہم نہیں ہے میرے لیے' لیکن آپ جانتے ہیں کہ میں یہاں نہ رہوں تو میں چلی جاؤں گی۔'' وہ بمشکل اپنے آنسو روک پائی۔

''تم نے ایسے کیسے سوچ لیا؟''

"شادی سے پہلے باپ کا گھر اور شادی کے بعد شوہر کا گھر محفوظ ہوتا ہے۔ آج بھی تمہارے لیے تمہارے باپ کا گھر محفوظ پناہ گاہ ہے۔ جب تک رہنا چاہو رہو، حتمی فیصلہ کرنے سے پہلے مجھے آگاہ ضرور کر دینا، بیٹیوں کے گھر بنے رہیں تو اچھا ہوتا ہے۔ والدین کے دل میں سکون رہتا ہے ورنہ ان کا نصیب......"

"ابو! آپ کی بہن مجھے بسنے نہیں دیں گی۔" آنسو رخساروں پر بہہ نکلے۔ دھیرے دھیرے وہ سب کہتی گئی۔

دکھ صدمے سے وہ گنگ سنتے چلے گئے۔

ان کی بیٹی غلط نہیں ہو سکتی، اس بات کا انہیں یقین تھا۔

❁......❁......❁

دن بہت روکھے پھیکے گزر رہے تھے۔ اس کے رہنے کو سب نے قبول کر لیا تھا۔

پھپھو کے گھر سے کوئی نہیں آیا اور نہ عبداللہ کا فون آیا۔

عبداللہ...... اس احساس کے ساتھ ہی آنکھ بھر آئی، آپ بھی مجھے غلط سمجھ رہے ہیں۔ بھول گئے ہیں مجھے...... میری یاد، میرا احساس، میرے ہونے کا خیال، میں تو محبت تھی آپ کی۔

"تھی" ہوں تو نہیں نا...... اس کا مذاق اس کا عکس اڑاتا تھا۔ کتنے آنسو نکل جاتے تھے۔

اپنی مصروفیت کے لیے اس نے اسکول میں جاب کر لی۔ کتنا وقت گزر گیا۔ اس روز انگلیوں پر حساب لگایا تو احساس ہوا عبداللہ کو گئے دو سال ہونے والے ہیں۔ اس کے آنے کے دن تھے، معلوم نہیں آئے یا نہیں آئے۔ انہی دنوں سلمان کی شادی کی تیاریاں ہونے لگیں۔

امی اس کو دیکھ دیکھ کر ہلکان ہوتیں، کیسی سر جھاڑ منہ پھاڑ رہتی تھی۔ آہستہ آہستہ خاندان میں چہ میگوئیاں ہونے لگیں، اس کے متعلق باجی، ثنا سب اس سے پوچھتے کیوں میکے میں بیٹھی ہے جا کیوں نہیں رہی اس کا ایک ہی جواب ہوتا، عبداللہ آئیں گے تو سوچوں گی۔

انہی دنوں اس نے سنا صائمہ کی منگنی ہو گئی ہے۔ پھر اس نے سنا عبداللہ آ گیا ہے۔ اور...... اور...... عبداللہ کو آئے دس بارہ دن ہو گئے وہ نہیں آیا۔ اس کا سینہ فگار اور آنکھیں اندھی ہو گئیں انتظار میں۔ عبداللہ ضرور آئے گا، دل کو امید تھی۔

پھر صائمہ کی شادی ہو گئی۔ باہر سے آنے والوں کے لیے گنتی کے چند دن ہی ہوتے ہیں۔ انہیں کمانے کے لیے پردیس جانا ہوتا ہے۔ عبداللہ کے پاس بھی اب یہاں چند ہی دن تھے۔ دل اڑ کر اس کے پاس جانے کو مچل رہا تھا۔ وہ اس سے پوچھے، اسے بتائے کہ اس پر کیا گزری، اس کے بھائی نے اسے کیا سمجھا...... اس کے گھر والوں نے کیسے الزامات لگائے۔

اگر وہ ملے بغیر واپس چلا گیا...... تو...... دل دھڑکتا اور ملنے کے بعد اگر الزامات کی فہرست سنا دی اور اک طویل سزا دی...... پھر...... آنکھیں سرخ ہونے لگتیں۔ چپ چاپ خاموش، کمرے میں رہتی یا پھر اوپر چھت پر جا کر تخت کے کونے پر ٹک جاتی۔

آنسو گرتے اور ناقدری سے رلتے رہتے۔

ابو بھی چپ تھے امی کو ہول اٹھتے تھے۔

اپنی قسمت کا فیصلہ قسمت پر چھوڑ دیا۔

عبداللہ کے جانے میں چار دن نہیں دو دن رہ گئے ہیں۔

اس روز چھت پر بیٹھ کر انگلیوں پر حساب کیا۔ اس سے ملے بغیر، فیصلہ کیے بغیر چلا جائے گا یعنی وہ جھوٹی اور اس کے گھر والے سچے ہیں۔ عبداللہ نے اس فیصلے پر مہر لگا دی ہے۔

اشک تھے کہ آج تھم ہی نہیں رہے تھے۔

"خالہ...... چائے لے لیں۔"

بھانجا، مگ رکھ کر چلا گیا، نیچے شاید سلمان کے سسرال والے آئے ہوئے تھے ہلکا ہلکا شور ہو رہا تھا۔

عبداللہ چلا جائے گا، یہ سوچ کر اس کا کہیں دل نہیں لگ رہا تھا۔

اب محبت اور اعتبار دونوں کی حد دیکھنی تھی۔

اگر یونہی چلا جاتا...... تو......!

تو اس کی زندگی سے بھی چلا جاتا۔ پھر...... زندگی کو از سر نو لے کر چلنا تھا، نئے سرے سے، نئی زندگی، عبداللہ کے بغیر...... اور...... کیا وہ عبداللہ کے بغیر جی پائے گی۔

نہیں...... نہیں...... اس کا دل سسک اٹھا۔

اس کا بس نہیں چل رہا تھا کہ کیا کرے؟

چائے ٹھنڈی ہونے لگی، عصر کی اذان کب کی ہو چکی تھی، وقت تیزی سے مغرب کی جانب بھاگ رہا تھا۔

اسے معلوم نہیں ہوا...... کوئی...... کب سے کھڑا اس کی بے قراری اس کے آنسو اور بے چینی دیکھ کر خود بھی پرملال ہو رہا تھا۔

سیاہ کھلے بال جانے کب سے نہیں سلجھے تھے۔

ہاتھ بڑھا کر نیم گرم چائے کا کپ اٹھا لیا۔

"کپ لے جاؤ محسن......" آہٹ پر گھٹنوں سے سر اٹھایا۔

اور اٹھ کر منڈیر سے باہر جھانکنے لگی۔ نہیں چاہتی تھی کہ اس کا بھیگا ہوا چہرہ محسن دیکھے اور ابو امی سے جا کر کہے۔ آنکھیں دھندلا رہی تھیں۔ پلٹ آئی اور ساکت ہو گئی۔

سینے پر ہاتھ باندھے سیڑھی کی دیوار سے ٹیک لگائے عبداللہ کھڑا تھا۔ آنکھوں کی دھند کو آنچل سے صاف کیا۔

نہیں وہ عبداللہ ہی تھا۔ گہری سنجیدگی سے اسے دیکھتا۔

پاؤں میں چلنے کی طاقت نہیں رہی "...... آ...... پ" بمشکل گھسیٹ کر قریب آئی۔

"اتنے دنوں بعد...... جاتے سمے...... اب......؟" پھر آنسو تیرنے لگے۔

عبداللہ...... زرد، مضمحل، اداس سائرہ کو دیکھے گیا۔

"میں غلط نہیں ہوں عبداللہ، مجھے غلط مت سمجھیں، اس طرح سے مت دیکھیں کہ میں اپنی نگاہوں میں گر جاؤں۔"

"تم سچی ہو یا جھوٹی...... میں جانتا ہوں۔" ایک قدم چل کر آگے آیا۔ "ایک طویل مسافت طے کر کے آنے والے شوہر کا استقبال کیسے کرتے ہیں یہ دیکھ رہا ہوں۔"

"شوہر نے بیوی کے مرتبے ورتبے پر کب رکھا ہے جو بیوی کو استقبال کرنا آئے۔"

"میں سکھا دیتا ہوں۔" ہاتھ بڑھایا اور اسے اپنے شانے سے لگا کر بازوؤں کا حصار باندھ لیا۔

"آئندہ...... اتنی اجنبیت سے نہیں اس اپنائیت سے میرا استقبال کرنا، دل میں جتنا بھی درد، شکایت، دکھ، تکلیف ہو ملنے کے بعد کہہ دینا۔"

"عبداللہ......!" بے یقینی سے سر اٹھایا۔

عبداللہ کی آنکھیں بھیگ رہی تھیں، دوسرے لمحے اس کے سینے پر سر رکھے رو رہی تھی پھوٹ پھوٹ کر۔

عبداللہ کو اس پر یقین تھا، اس کا عمل، اس کا اظہار اس کا لمس بتا رہا تھا۔

دونوں ایک دوسرے کی تسلی بنے رو رہے تھے۔ جانے کتنا وقت گزر گیا۔

دونوں کو ہوش آیا اسے لے کر تخت پر بیٹھ گیا۔

"کیسی ہو......؟" چاہ سے دیکھا۔

سر جھکا لیا۔

"کیا حال بنا لیا ہے اپنا؟"

"آپ نے بنایا ہے نہ خیال رکھا نہ فون کیا۔ مجھ پر کیا گزری ہے؟" شاکی سے انداز میں دیکھا۔

"میں جانتا تھا، لمحہ لمحہ کی خبر تھی، دکھ...... گہرا دکھ تھا، گھر والوں کے سلوک پر، تم سے شرمندہ تھا، کیا فون کرتا...... تمہیں اور دکھی کرتا، اچھا ہوا تم ماموں کے گھر ادھر آ گئیں۔ میں سوچ بھی نہیں سکتا تھا کہ امی اس حد تک جائیں گی۔ صائمہ، سلمیٰ آپا اور حمید اس طرح سے سزا دیں گے مجھے، انہیں میرا ابھی خیال نہیں آیا۔" اس کا ہاتھ تھامے دھیرے دھیرے کہہ رہا تھا۔

گہری سنجیدگی اس کے چہرے پر تھی۔ دکھ سے سائرہ کا دل بھی بوجھل ہو رہا تھا۔

"میں سوچتا رہا امی کو میرا خیال ہوگا، ان کا بیٹا ہوں میں، پردیس کاٹ رہا ہوں، وہ میرے حوالے سے سہی، تمہارا خیال رکھیں گی...... مگر......" شدت ضبط سے ہونٹ کاٹے۔

"امی نے میرا مان توڑ دیا۔"

"میں ایک فیصلہ کر کے آیا تھا۔" دھیرے سے اسے رخ موڑ کر دیکھا، سائرہ کا دل اچھل کر حلق میں آ گیا۔

جانے کونسا فیصلہ تھا۔

"مگر تمہیں دیکھ کر میں نے فیصلہ بدل دیا...... تم شاید میرے ساتھ رہنا نہ چاہو...... میں......" اشکبار آنکھوں سے دیکھا۔

"نہیں عبداللہ......" اس کے شانے سے سر ٹکا کر رو دی۔ "ایسا سوچیے گا بھی مت۔ مجھے ہر حال میں آپ کا ساتھ منظور ہے، میں کیسی ہوں، آپ جانتے ہیں۔ پھر...... پھر!"

"میں جانتا ہوں۔" اس کے شانے پر ہاتھ دراز کر کے گہرا سانس لیا۔ دل دونوں کے دکھی ہو رہے تھے۔

"امی کی ایک ہی مرضی ہے تمہیں طلاق دے دوں...... میں ایسا نہیں کر سکتا، کسی بھی قیمت پر...... بنا قصور کے میں تمہیں نہیں چھوڑ سکتا...... سائرہ......! اس لیے میں نے فیصلہ کیا ہے اب میں پاکستان نہیں آؤں گا، باقی زندگی امی حمید کے ساتھ گزاریں گی، میں جس طرح سے آیا ہوں اسی طرح سے
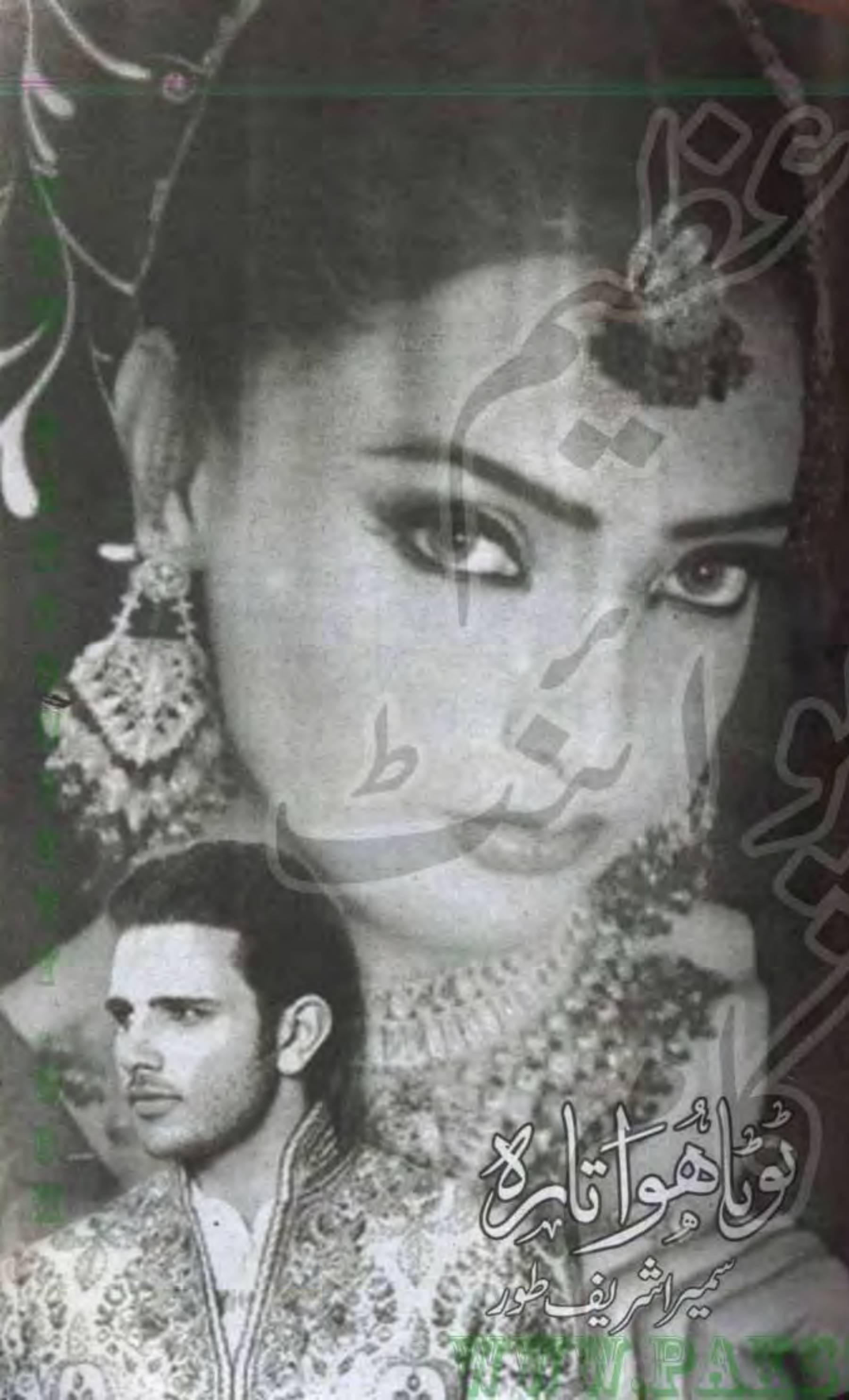
چلا جاؤں گا' اپنے فیصلے کے متعلق انہیں کچھ نہیں بتاؤں گا' اپنے فرض ادا کرتا رہوں گا۔ صائمہ کی شادی کردی ہے سلمٰی کا فرض بھی ادا ہو جائے گا' سلمٰی اور حمید کی اگلے سال ایک ساتھ کردیں گے' انہیں برابر رقم بھیجتا رہوں گا۔'' گہرا سانس لے کر رکا۔

''باقی ماندہ زندگی اسی طرح سے گزاروں گا۔''

سائرہ سانس روکے سن رہی تھی۔

اس ساری پلاننگ' اس ساری گفتگو میں اس کا حصہ' اس کا قصہ' اس کا کردار نہیں تھا...... تو...... تو......!

دل میں خدشے نے سر اٹھایا۔

''عبداللہ...... اور ...... میں' میں...... آپ کی زندگی میں کہاں ہوں......؟''

''تم!'' سر گھما کر بھیگی' سوجی آنکھیں لیے سائرہ کو دیکھا' اترا ہوا چہرہ' زرد رنگت' ملول' اداس' اور رنجیدہ۔

''تمہارے اندر اتنا حوصلہ ہے کہ میرے قصور معاف کردو۔''

''مگر آپ نے تو کچھ نہیں کیا......'' تحیر سے دیکھا۔

''میں نے اپنے گھر والوں پر تمہارے لیے اعتبار کیا۔''

''عبداللہ...... مجھے تنہا' اکیلا مت کریں' میں اکیلی زندگی نہیں گزار سکتی۔ مجھے اپنے گھر والوں کے رحم و کرم پر مت چھوڑیں۔ مجھے آپ کی عزت اور عزت نفس بہت عزیز ہے۔ میں آپ کے خاطر آپ کے لیے سات خون معاف کردوں گی پلیز۔'' ملتجی و بے بس انداز میں کہا۔

عبداللہ کو اس پر ترس آ گیا۔

''اتنی اچھی لڑکی کو میں چھوڑنے کا تصور بھی نہیں کرسکتا۔ اس لیے میں نے اور ماموں نے مل کر فیصلہ کیا ہے کہ میں تمہیں اپنے ساتھ لے کر جاؤں گا۔''

سائرہ دم بخود تھی۔

''ہم دونوں اب اکیلے اکیلے نہیں ایک ساتھ زندگی گزاریں گے۔''

ایک اور انکشاف......!

''امی کو پیسہ چاہیے' عبداللہ نہیں' اس کی خوشیاں نہیں' اب میں یہی کروں گا' میں انہیں آئینہ دکھا کر شرمندہ نہیں کرسکتا' ماں ہیں وہ میری۔''

''تمہیں ساتھ رکھ کر تلافی کرسکتا ہوں' حمید سے سارے تعلق توڑ لوں گا۔''

ایسی بخشش' ایسا انعام' جتنا شکر کرتی کم تھا' آنسو تھم نہیں رہے تھے' کیسے صبر کا اجر تھا۔

کچھ حرف شکایت نہیں کیا تھا' مگر ساری تلافیاں تھیں۔

''اس لیے تو میرا تم سے شادی کرنے کا فیصلہ تھا۔'' پیار سے اس کے بکھرے بالوں کو سمیٹا۔

''تمہارے رہنے کا سب انتظام کرکے آیا ہوں' ماموں نے میرا بہت ساتھ دیا۔''

''ابو......!'' اسے حیرانگی ہوئی۔

ابو نے تو اس سے کوئی ذکر نہیں کیا تھا۔

''ماموں اور میں مسلسل رابطے میں تھے۔'' انکشاف کیا۔

''اف...... میرے خدا......'' منہ پر ہاتھ رکھے۔

''اگر ایسا نہ کرتا تو تمہارے ساتھ ان کا بھی گناہ ہوتا۔ تم ایک بار مجھے فون تو کرتیں؟'' گلہ آمیز انداز دیکھا۔

''میں پردیس میں آپ کو کیا پریشان کرتی' انسان ہی تنہائی اور اکیلے پن کا مارا ہوتا ہے' اوپر سے میں بھی کرتی اور کیوں کرتی۔ آپ پر یقین اور اعتبار جو تھا آپ سے بہتر کون جانتا ہے۔''

''اچھا......!'' محبت سے دیکھتے ہوئے ہنسا۔

عبداللہ نے ایک بار پھر اس کے شانے پر بازو کردیا۔

''ہم کل کی فلائٹ سے جارہے ہیں' نئے دیس بسانے...... تم خوش ہونا۔''

''سو فیصد...... سچ اور اپنے پن کے ساتھ محبت بھی جنگل میں بھی رہنا منظور ہے۔'' اس کے شانے سے ٹکا دیا۔

اور اس محبت بھری سپردگی پر محبت سے اسے عبداللہ ہنس دیا۔ اور اس کے ساتھ ہنسنے میں سائرہ نے دیر نہ کی۔

تحلیل کر کے شدت احساسِ رنگ میں
بن جائے گر تو ایک ہی تصویر ہے بہت
بیٹھا رہا وہ پاس تو میں سوچتی رہی
خاموشیوں کی اپنی بھی تاثیر ہے بہت

گزشتہ قسط کا خلاصہ

بابا صاحب کی طبیعت سنبھلی تو وہ حویلی شفٹ ہوگئے۔ شہوار تابندہ بوا کے پاس رات ٹھہری تو اس نے گفتگو کے دوران [illegible] سے متعلق تمام واقعات انہیں کہہ سنائے۔ شہوار نے تابندہ بوا کے سامنے واضح الفاظ میں کہہ دیا کہ اگر اس سب کے باوجود مصطفیٰ کے ساتھ رشتے کے لیے مجبور کیا گیا تو وہ شہر چھوڑ کر حویلی آجائے گی۔

روشانے اور ولید کے درمیان انا کے دن بدن بدلتے موڈ کو لے کر تفصیلی بات ہوتی ہے۔ جس کے دوران روشانے ولید کو [illegible] کے متعلق ایک حتمی فیصلہ کرلینے کی رائے دیتی ہے اور ولید کو انا کے حوالے سے چھیڑتی ہے۔ شاہزیب صاحب، بابا صاحب [illegible] طبیعت سنبھلنے کے بعد شہوار اور مہر النساء کو لے کر واپس آجاتے ہیں۔ وہ چند دن بعد اپنے آفس آتے ہیں تو انہیں فاروقی صاحب [illegible] سے رابعہ اور عباس کے درمیان ہونے والی تلخ کلامی کی اطلاع ملتی ہے وہ عباس کو بلوا کر اسے ڈانٹتے ہیں اور ساتھ ہی رابعہ کا [illegible] ہادیہ سے لے کر اس سے رابطہ قائم کرکے اسے آج ہی آفس جوائن کرنے کو کہتے ہیں۔ شہوار کالج سے لوٹتی ہے تو لائبہ اور صبا [illegible] رات ڈنر پر چلنے کا کہتی ہیں۔ یہ سرپرائز ڈنر ہوتا ہے۔ شہوار عائشہ اور صبا کی زبردستی پر تیار ہوجاتی ہے۔ مصطفیٰ اسے یوں [illegible] سے ہٹ کر سجا سنورا دیکھ کر خوشگوار تاثر کا شکار ہوتا ہے۔ ہوٹل جاکر شہوار کو علم ہوتا ہے کہ یہ ڈنر مصطفیٰ اور اس کی طرف سے دونوں [illegible] رشتہ طے پاجانے کی خوشی میں سب کو دیا جارہا ہے۔ شہوار ایک دم شدید کوفت کا شکار ہوتی ہے۔ تبھی آفاق کو کھانا کھلاتے اس [illegible] کپڑوں پر کیک گرجاتا ہے۔ لائبہ اسے واش روم میں چل کر دامن دھونے کا کہتی ہیں۔ ہادیہ فیضان ماموں کو اپنی جاب کا [illegible] ہے اور فیضان صاحب سے عباس کے گھریلو تنازع کا بھی ذکر کرتی ہے۔ جس پر وہ دوسروں کے معاملات سے دور رہنے کا [illegible] ہیں۔ تبھی فیضان صاحب شاہزیب صاحب اور ان کے باقی بھائیوں کے بارے میں بھی استفسار کرتے ہیں۔ شہوار واش روم [illegible] طرف جاتے ہوئے ہوٹل کے ہال میں ایاز کو بیٹھے دیکھ کر ٹھٹک جاتی ہے۔ ایاز بھی اسے دیکھ کر پہچان جاتا ہے۔ وہ گھبرا کر بھابی [illegible] لے کر فوراً زنانہ واش روم میں آجاتی ہے تبھی ایاز بھی وہاں آجاتا ہے اور دروازہ لاک کردیتا ہے بھابی سے آفاق کو چھین کر شہوار [illegible] بھابی کو ہراساں کرتا ہے۔ ایاز پسٹل والا ہاتھ شہوار کے منہ پر مارتا ہے اور اسے دیوار کی طرف دھکا دیتا ہے۔ بھابی کے ہاتھ [illegible] شہوار کا موبائل ہوتا ہے جس سے وہ مصطفیٰ کے نمبر پر کال کرتی ہیں۔ اس دوران ایاز آفاق کو یرغمال بنا کر بھابی کو ہراساں کر [illegible] شہوار کو پسٹل کی زد پر باہر لے جانے والا ہوتا ہے کہ اچانک وہاں مصطفیٰ، عباس اور سجاد دھاوا بول دیتے ہیں۔ ایاز اشتعال [illegible] آکر ایک دم گولیاں چلادیتا ہے۔

اب آگے پڑھیے

❀......☆☆......❀
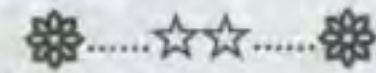
پسٹل سے کئی شعلے نکلے تھے لائبہ نے چیخ کر اپنے ہی بازوؤں میں منہ چھپالیا تھا۔ شہوار یا ہر زمین پر گر کر سسک اٹھی تھی [illegible] باہر سے کئی چیخیں بلند ہوئی تھیں جن میں عائشہ اور صبا کی واضح تھی۔ مصطفیٰ اور عباس ایاز پر پل پڑے تھے۔ مصطفیٰ نے اس [illegible] ہاتھ سے پسٹل چھین لیا تھا۔ سجاد بھائی نے ایک دم آگے بڑھ کر چہرہ منہ میں چھپائے اپنی بیوی کو دیکھا۔

کائنات اشفاق

السلام علیکم! آنچل کی پوری ٹیم کو اپنی طرف سے دعائیں پیش کرتی ہوں۔ میری بہت خواہش تھی کہ آنچل میں اپنا تعارف کرواؤں۔ آنچل کے ساتھ رشتہ تین سال پرانا ہے لیکن لکھنے کا آج موقع ملا ہے اب میں اپنا تعارف کرواتی ہوں، میرا نام کائنات ہے خوشاب شہر سے تعلق رکھتی ہوں، ہم دو بہنیں اور ایک بھائی ہے۔ میں 23 جون کو پیدا ہوئی رنگوں میں لال اور گلابی رنگ بہت پسند ہے۔ کھانے میں چاول بہت پسند ہیں، پینے میں پیپسی اور سویٹ ڈش میں کھیر بہت پسند ہے۔ سردیوں میں آئس کریم کھانا بہت اچھا لگتا ہے۔ لباس میں شلوار قمیص کے ساتھ بڑا سا دوپٹہ پسند ہے۔ پاکستانی ڈرامے بہت اچھے لگتے ہیں۔ فیورٹ چینل ہم ٹی وی ہے ڈرامہ "ہم سفر" بہت پسند ہے۔ میری پسندیدہ رائٹر فرحت اشتیاق ہیں، کرکٹ سے بہت زیادہ لگاؤ ہے۔ پسندیدہ کھلاڑی شاہد آفریدی اور محمد حفیظ ہیں۔ میرا اسٹار کینسر ہے مجھے دوسروں کی مدد کرنا اچھا لگتا ہے۔ فارغ وقت میں میوزک سننا اچھا لگتا ہے۔ بارش ہر موسم کی بہت اچھی لگتی ہے شاعری سے زیادہ لگاؤ نہیں ہے۔ میری بہت زیادہ دوستیں ہیں کس کس کا نام لوں، آمنہ، شفقت، ثناء، اقراء، اقصیٰ، فیصل، عائشہ، حمیرا۔ ہم سب بہت اچھی فرینڈز ہیں۔ میں ایل ایل بی کرنا چاہتی ہوں، میری خواہش ہے کہ میں اپنی ساری فیملی کے ساتھ حج ادا کروں، مجھے گیلی مٹی کی خوشبو بہت اچھی لگتی ہے۔ میں اپنے گھر میں سب کی لاڈلی ہوں، میرے پاپا مجھ سے بہت پیار کرتے ہیں اور میں بھی ان سے بہت پیار کرتی ہوں، مجھے اپنی ٹیچرز میں ٹیچر ثمین، ٹیچر عاصمہ بہت زیادہ اچھی لگتی تھیں، مجھے اپنی نانی اماں کے ہاتھ کا بنا کھانا بہت پسند ہے۔ پرفیوم میں Every One اور باڈی اسپرے میں Do It بہت پسند ہے۔ جیولری میں کانچ کی چوڑیاں اور رنگز بہت پسند ہیں۔ پسندیدہ کتاب قرآن پاک ہے جس کو پڑھ کر بہت زیادہ سکون ملتا ہے۔ تعارف خاصا لمبا ہوگیا ہے آخر میں اپنی تمام کزنز کے نام لینا چاہوں گی ماہین، زینب، ملائکہ، سلیمان، عمر یہ سب اپنے نام پڑھ کر بہت خوش ہوں گے اب آپ کو زیادہ بور نہیں کروں گی، اللہ تعالیٰ آنچل کو بہت زیادہ ترقی دے آمین، اللہ حافظ۔

"لائبہ۔" سب کو یہی لگا تھا کہ پسٹل سے نکلنے والی گولیاں بھابی کو لگی ہیں۔ مگر سجاد بھائی کے پکارنے پر خوفزدہ بھابی فوراً سیدھا ہوتے ان کے ساتھ لپٹ گئی تھیں۔ گولیاں بس ہوائی فائر تھے شکر تھا کہ کسی کو لگی نہ تھیں۔

"ریلیکس۔" سجاد بھائی نے عباس اور مصطفیٰ کی ٹھوکروں کی زد پر آئے وجود کو دیکھا۔ پسٹل اس کے ہاتھ سے نکل چکا تھا۔ اب وہ بے بس انسان تھا۔ جس کی ساری بہادری صرف ایک پسٹل تک ہی تھی۔ اب وہ بری طرح پٹ رہا تھا۔ عائشہ نے گری ہوئی شہوار کو سیدھا کیا تو صبا نے فوراً آگے بڑھ کر زمین پر گرے آفاق کو تھام لیا۔ گرنے سے آفاق کے سر سے خون بہہ رہا تھا۔ صبا نے اپنی چادر کا پلو اس کے سر پر رکھ کر دبا ڈالا۔

شور کی آواز سن کر ہوٹل کی انتظامیہ اور گارڈ بھی آگئے تھے۔ اس دوران عباس بھائی اور مصطفیٰ ایاز کی اچھی خاصی درگت بنا چکے تھے۔ اب ہوٹل کا عملہ ایاز کو قابو میں کررہا تھا۔ مصطفیٰ اور عباس کا بس نہیں چل رہا تھا کہ وہ اس شخص کے ٹکڑے ٹکڑے کرڈالیں۔ ہوٹل کے عملے نے بمشکل دونوں کو قابو کیا اور ان کو ایاز سے دور ہٹایا تھا۔ مصطفیٰ نے بھابی کو دیکھا وہ بھائی کے حصار میں سسک رہی تھیں پھر آفاق کی حالت دیکھی تو اس کے اندر پھر طیش ابل پڑا۔ اس نے ایک دفعہ پھر ایاز کو مکوں کی زد پر رکھ لیا۔

"پلیز کول ڈاؤن، ہمیں دیکھنے دیں کیا صورت حال ہے؟" ہوٹل کا منیجر آگے بڑھا تھا۔ عباس بھائی نے انتہائی طیش سے اسے دیکھا۔

"آپ خاک کریں گے کچھ، یہ سیکیورٹی ہے آپ کے ہوٹل کی۔ کہیں بھی، کسی بھی وقت کوئی بھی بدمعاش اسلحہ کے زور پر اندر گھس کر کسی کو بھی ہراساں کرنے کی جرأت کرے اور آپ کو علم تک نہ ہو۔" آفاق کا خون آلود سر دیکھ کر اور شہوار کو گرنے سے جو چوٹیں آئی تھیں ان کو دیکھ کر ان کا بس نہیں چل رہا تھا کہ ایاز کو مار ہی ڈالیں۔

"آئی ایم سوری، باہر کیا ہوتا ہے ہر طرف کیمرے فٹ ہیں ہمیں خبر رہتی ہے صرف واش روم میں کیمرے فٹ نہیں ہیں۔ سو ہمیں خبر نہیں ہوئی۔" منیجر معذرت کررہا تھا۔

مصطفیٰ فون نکال کر اب کسی کو کال کررہا تھا۔ وہ اب تک اس معاملے کو ٹالے ہوئے تھا مگر اب ایاز کی اس حرکت کے بعد وہ اس کو چھوڑنے والا نہیں تھا۔ عائشہ شہوار کو سنبھالے ہوئے تھی جبکہ ہوٹل کا عملہ ایاز کو لے کر ایک کمرے کی طرف چلا آیا۔ آفاق کا خون بہت تیزی سے بہہ رہا تھا۔ مصطفیٰ نے عباس بھائی کو فوراً اسے اسپتال لے جانے کو کہا تو صبا آفاق کو لیے ان کے ساتھ فوراً

نکال گئی تھی۔ سجاد بھائی نے واش روم کے فرش سے شہوار کی چادر اٹھا کر اسے تھمائی تھی جسے عائشہ نے اس کے گرد لپیٹ دیا
کا بیگ ہینڈ واش اٹھا کر انہوں نے بیگ تھام لیا تھا۔ عائشہ اسے اور سجاد لائبہ کو سنبھالے ہوئے تھے جو اس ناگہانی مصیبت
بھی حواس باختہ تھیں۔ وہ انہیں لے کر منیجر کے روم میں آ گئے تھے۔

"اگر آپ کہیں تو ہم پولیس کو کال کر دیتے ہیں وہ ابھی پہنچ جائے گی۔ ایسے کرمنل کو اب ایسے نہیں چھوڑ سکتے۔" مصطفیٰ
پر مختلف جگہوں پر رابطہ کر رہا تھا اس کا انداز دیکھتے منیجر نے کہا تو مصطفیٰ نے بغیر اسے ایک لفظ کہے اپنی جیب سے اپنا سیکیورٹی
نکال کر اس کے سامنے کیا تو منیجر ایک دم مؤدب ہو گیا۔

"کسی کو بھی یہاں اس وقت بلانے کی ضرورت نہیں۔ میں خود ہینڈل کر لوں گا۔ میں بھی اب ایسے کرمنل کو آسانی سے
چھوڑوں گا۔ اس لیے چاہتا ہوں کہ آپ ہمارے معاملے میں انٹرفیئر مت کریں پلیز۔" مصطفیٰ نے ان کی مار پیٹ سے
سوئے ہوئے ایاز پر ایک نفرت بھری نگاہ ڈالی جو سیکیورٹی فورس کی گرفت میں جکڑا ہوا تھا۔

"اور اگر آپ لوگوں کو کوئی مسئلہ ہے تو مجھے ابھی بتا دیں۔ میں خود اس معاملے کو ہینڈل کروں گا۔" اس نے منیجر کو دیکھا۔
"آپ ہمارے معاملے میں انٹرفیئر مت کیجیے گا۔ آپ لوگوں سے ہمیں بس یہی تعاون درکار ہے۔"

"تو سر ہم ہر طرح کی خدمت کے لیے تیار ہیں بس اتنی سی گزارش ہے کہ ہمارے ہوٹل کی بدنامی نہ ہو۔ یہ شہر کا سب سے
مہنگا اور اعلیٰ سطح کا ہوٹل ہے اگر ایک دفعہ اس کے متعلق کوئی خبر باہر نکل گئی تو ہماری ساکھ کو بہت نقصان پہنچے گا۔ ہمارے مخالفین
ہماری ساکھ خراب کرنے کا موقع مل جائے گا۔ آپ نے جو بھی معاملہ طے کرنا ہے ہوٹل کے اندر ہی طے کر لیں۔" منیجر کا انداز
خوشامدی تھا۔ مصطفیٰ نے انتہائی غصے سے اسے دیکھا اور ایک لفظ بھی کہے بغیر اس طرف چلا آیا جہاں سجاد بھائی اور عائشہ لائبہ شہوار
کے ساتھ موجود تھے۔ عائشہ شہوار کو زبردستی جوس پلا رہی تھی جو ہوٹل کی انتظامیہ نے فراہم کیا تھا۔

اس کی آنکھوں سے بڑی تیزی سے آنسو بہہ رہے تھے۔ جبکہ سجاد بھائی اور لائبہ تمام صورتحال کو ڈسکس کر رہے تھے۔
کے ہاتھوں میں ابھی بھی شہوار کا موبائل موجود تھا۔ مصطفیٰ نے لائبہ اور سجاد کو شہوار سے قدرے فاصلے پر لا کر پوچھا۔

"آپ دونوں میں سے کسی کو کوئی چوٹ تو نہیں لگی۔" شہوار کے آنسوؤں سے مصطفیٰ کے اندر ایک بڑی تکلیف دہ اذیت
اتری تھی۔ اس نے بھابی سے پوچھا تو انہوں نے نفی میں سر ہلا دیا۔ مصطفیٰ نے پھر شہوار کی طرف دیکھا تو اس کے چہرے
بائیں طرف گہرا نیلا زخم تھا۔

"مجھے تو کچھ نہیں ہوا اس بدبخت نے شہوار کو بڑی زور سے زمین پر دھکا دیا تھا اور پھر جب آپ تینوں اندر داخل ہوئے
آپ تینوں نے اسے باہر دھکیلا تھا اسے چوٹیں لگی ہیں مگر بتا نہیں رہی اور اس نے پسٹل سے شہوار کے منہ پر زوردار ضرب لگائی
تھی۔ اتنا گہرا نیل پڑ گیا ہے۔"

"یہ سب کیسے ہوا؟ مجھے تفصیلاً بتائیں۔" شہوار تو سر جھکائے اب بھی نہ بولنے والے انداز میں بیٹھی ہوئی تھی۔ اس سے
پوچھنے کا ابھی وہ رسک نہیں لے سکتا تھا۔ گاہے بگاہے اس کی طرف دیکھتے اس کے روانی سے بہتے آنسوؤں پر شدید تکلیف محسوس
کرتے لب دانتوں تلے دبائے وہ بھابی کی بتائی تمام باتیں سن رہا تھا۔ جو مکمل تفصیل سے بتا رہی تھیں۔

"میں سوچ بھی نہیں سکتا کہ یہ شخص اس وقت ادھر ہوگا۔" مصطفیٰ کا تاسف سے برا حال تھا۔ اسے رہ رہ کر گزرے لمحے
آ رہے تھے۔ جب بھابی نے کال کی تھی اور......اور......

اگر خدانخواستہ بھابی کے پاس موبائل نہ ہوتا تو پھر ان لوگوں کو کیسے علم ہوتا کہ یہاں کیا صورتحال رونما ہوئی تھی۔ جس طرح
اس کے پاس پسٹل تھا اگر چلا دیتا تو......اور اگر فائر بھابی کو لگ جاتا تو؟ اس سے آگے مصطفیٰ کچھ بھی نہیں سوچنا چاہتا تھا۔

"ہمیں اندازہ نہیں تھا کہ یہ شخص اس حد تک پہنچ جائے گا۔ اس دن عادلہ بھابی اس کا شہوار کے لیے پروپوزل لے کر آئیں
کچھ سنا کر گئیں ہم سب چپ ہو گئے اور آج اس شخص نے یہ حرکت کر ڈالی۔" ان کی آواز بہت دھیمی تھی وہ نہیں چاہتی تھیں کہ شہوار
کی یہ بات سنے۔ ویسے بھی ماں جی نے اس سے ذکر کرنے سے منع کیا تھا۔ بھابی مزید کہہ رہی تھیں مصطفیٰ اور سجاد دونوں چونکے
"یہ کیا کہہ رہی ہیں آپ؟" سجاد بھائی حیرت زدہ ہوئے۔

"کیا مطلب پروپوزل والا کیا معاملہ ہے؟" مصطفیٰ نے بڑی بے تابی سے پوچھا تھا۔
"بند وہ ہوا کے شہر آنے سے ایک دن پہلے عادلہ بھابی اپنی والدہ کے ہمراہ ماں جی کے پاس شہوار کے لیے ایاز کا پروپوزل
لے کر آئی تھیں۔ اس دن وہ بہت کچھ سنا کر گئی تھیں۔ شہوار سے متعلق اتنی غلط باتیں کیں کہ حد نہیں۔ "گندہ خون" وغیرہ کے طعنے
دیے۔ ایاز کے ساتھ شہوار کے کردار کو ایچ کرنے کی کوشش کی گئی۔ کیا بتاؤں اس دن بہت غلط انداز میں انہوں نے بہت کچھ کہا
تھا۔" وہ اس قدر آہستہ آواز میں مخاطب تھیں کہ وہ دونوں بمشکل سن پا رہے تھے۔
"شہوار کو علم ہے؟" مصطفیٰ نے بھی بہت آہستگی سے پوچھا۔
"نہیں اس وقت میں صبا اور عائشہ ماں جی کے پاس تھیں۔ شہوار اپنے روم میں تھی۔ بھابی نے بہت بڑی زیادتی کی شہوار
کے ساتھ۔ کہنے سننے کی آخری حد ہے۔ ماں جی نے بابا جان سے ذکر کیا تو انہوں نے لڑکوں سے ذکر کرنے سے منع کر دیا تھا۔
خوامخواہ عباس بھائی تک بات پہنچتی تو ان کی اپنی زندگی متاثر ہوتی۔ بابا جان اس بات کو ایشو بنا کر بات بڑھانا نہیں چاہتے تھے سو
چپ کر گئے اور ماں جی نے ہمیں بھی شہوار سے ذکر کرنے سے سختی سے منع کر دیا تھا۔" لائبہ بھابی بہت آہستگی سے سب بتا رہی
تھیں ان سے تھوڑے فاصلے پر عائشہ بہت دھیمے انداز میں شہوار سے کچھ کہتے اس کے آنسو بھی ساتھ ساتھ صاف کر رہی تھی مگر
اس کے آنسو تھے کہ رکنے کا نام ہی نہیں لے رہے تھے۔
جوں جوں مصطفیٰ کی اس کے چہرے کے نیل پر نگاہ پڑ رہی تھی اندر کہیں اذیت بڑھتی جا رہی تھی۔
"حد ہوتی ہے اتنا کچھ ہو گیا اور ہمیں بتایا تک نہیں۔" مصطفیٰ دھیمے انداز میں خفا ہوا تو لائبہ نے ایک دم اس کا ہاتھ تھام کر پر
سکون کرنا چاہا۔
"مصطفیٰ پلیز......آہستہ۔ اس بات سے متعلق شہوار کے سامنے کچھ بھی کہنے سننے سے پرہیز کرنا پلیز۔" مصطفیٰ نے
لب بھینچ لیے۔
"اب اس شخص کا کیا کرنا ہے؟" سجاد پوچھ رہا تھا۔
"میں نے بابا صاحب کو کال کی ہے وہ بس پہنچتے ہی ہوں گے۔ دراصل یہ معاملہ اگر شہوار کا ہوتا تو میں اس کو یہیں دفن کر دیتا
مگر اب بات بھابی اور آفاق کی بھی ہے۔ اس شخص نے شہوار کے ساتھ ساتھ ان دونوں کو بھی یرغمال بنانے کی کوشش کی ہے اور
خاندانی عزت کے معاملے میں بابا جان بہت حساس ہیں۔ میں نہیں چاہتا کہ کوئی ایسا قدم اٹھاؤں کہ بعد میں پریشانی کا سامنا
کرنا پڑے۔ بہرحال اس شخص نے پسٹل کے زور پر بھابی اور آفاق کو یرغمال بناتے شہوار کو کڈنیپ کرنے کی کوشش کی ہے اور اس
کا یہ جرم ناقابل معافی ہے۔ اتنی جلدی چھوڑوں گا نہیں۔" مصطفیٰ کا انداز بڑا طیش آمیز تھا۔
"کول ڈاؤن یار......کول ڈاؤن۔" سجاد بھائی نے اس کا کندھا تھپتھپایا۔
کچھ دیر میں بابا جان آ گئے اور دوسری طرف مصطفیٰ کا ماتحت امجد خان بھی اپنے ساتھیوں سمیت آ چکا تھا۔ بابا جان کو ساری
صورتحال کا علم ہوا تو سخت حیرت کے عالم میں سب سنتے گئے۔ ایاز کی گزشتہ بہت سی حرکات تھیں جنہیں اب بابا جان سے چھپانا
محض حماقت ہی تھی۔ وہ اب مزید کچھ بھی نہیں چھپانا چاہتا تھا۔ بابا جان نے یہ سب بہت تحمل سے سنا تھا۔
"اس شخص نے ہماری بچیوں پر ہاتھ اٹھایا ہے۔ اس کا جرم تو ناقابل معافی ہے سزا تو ہم ضرور دیں گے مگر سوچ سمجھ کر تم امجد
خان کو کہو اس کو حوالات میں لے جائے۔ جتنے کیس اس پر ڈال سکتا ہے ڈال دے۔ پرانے نئے جو بھی کھاتے ہیں سب کھولے۔
میں نے بڑا عرصہ رشتہ داری کا لحاظ کر لیا اب نہیں، مگر امجد خان کو باور کروا دو کہ ہماری بچیوں کا نام کہیں بھی نہیں آئے گا۔ یہ شخص
کیوں گرفتار ہوا ہے یہ فائل امجد بنائے گا۔ سچے جھوٹے جو بھی گواہ ہیں وہ نکال لے گا اور ہاں اس ہوٹل کے عملے کو اس میں ملوث
کرنے کی ضرورت نہیں۔ یوں سمجھ لو آج جو بھی ہوا اس کا کہیں کوئی وجود نہیں۔ یہ شخص کیوں گرفتار ہوا یہ کیس امجد خود تیار کرے گا وہ
ایسے کرمنلز کو ہینڈل کرنے میں بہت قابل ہے۔ بچیوں کو اتنی دیر یہاں ٹھہرائے رکھنے کی کیا ضرورت تھی۔ تمہیں چاہیے تھا کہ سجاد
کے ساتھ ان تینوں کو گھر بھیج دیتے۔" انہوں نے اپنے مخصوص انداز میں کہا تو مصطفیٰ فوراً سر ہلا گیا۔
"میں ابھی امجد خان کو بریف کر دیتا ہوں۔ کچھ دیر بعد میں گھر آ جاؤں گا۔ آپ ان لوگوں کو لے کر چلے جائیں۔" بابا جان کا

سلوشن مصطفیٰ کی سوچ کے مطابق تھا۔ وہ اب اپنے جذبات پر قابو پاچکا تھا اور بہت سوچ سمجھ کر کوئی قدم اٹھانا چاہتا تھا۔ ان
کے جانے کے بعد ہوٹل کے عملے سے بات کر کے اس کیس کو غیر اہم گردانتے اس شخص کو چھوڑ دینے کی بات کرتے وہ
کے ہمراہ اسے لے کر اس شخص کی گاڑی نکلوا کر وہاں سے نکل آیا تھا آگے اسے ابھی بڑی لمبی چوڑی پلاننگ کرنی تھی۔

❁......☆☆......❁
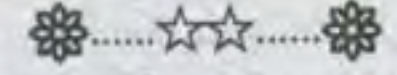
آفاق اس سارے حادثے سے خاصا سہم گیا تھا۔ بچہ تھا اس کے سامنے فائر کیے گئے تھے اور ایاز کا وحشی انداز اور
گرفت نے اس معصوم کو سہا کر رکھ دیا تھا اور اوپر سے گرنے سے جو چوٹ لگی تھی اس سے خون اچھا خاصا بہا تھا اس سے بھی
نڈھال ہو گیا تھا۔

عباس بھائی اور صبا آفاق کی مرہم پٹی کروا کر گھر آئے تو اتنی دیر میں بابا جان اور سب بھی آچکی تھیں۔ ماں جی جو
بچوں کا انتظار کر رہی تھیں اور پھر بابا جان ایک ضروری کام کا کہہ کر فوراً نکل گئے تھے اب ان کے ساتھ سب کو دیکھ کر ٹھٹک گئی تھیں
صورتحال سب کے سامنے تھی خصوصاً آفاق کی حالت اور شہوار کے چہرے پر پڑنے والے نیل دیکھ کر وہ دہل گئی تھیں۔
جان نے رسانیت سے انہیں ساری صورتحال بتائی تو ششدر رہ گئیں۔

"میرے اللہ! اتنا کچھ ہو گیا میری بچیوں کے ساتھ اور اس ننھی سی جان کا بھلا کیا قصور تھا؟ اپنا خون تھا اس کا کوئی ایسا
القلب ہوتا ہے لے کے بچے کا یہ حال کر ڈالا۔" وہ تو ایک دم آبدیدہ ہو گئی تھیں۔ دوائیوں کے زیر اثر نڈھال سے آفاق کو خوب
سینے سے لگالیا۔

"دیکھو ذرا بھی انسانیت نہ تھی۔ منہ پر بھی کوئی مارتا ہے؟" اب کے انہوں نے شہوار کو بازو کے حصار میں لے لیا۔ اس کے
بائیں رخسار پر پڑ جانے والا گہرا نیل انہیں سخت تکلیف دے رہا تھا۔ چہرہ اب سوجن کا شکار ہو چکا تھا۔

"ان لوگوں کا خاندان اتنا نیچ اور گھٹیا ہو سکتا ہے آج اچھی طرح اندازہ ہو رہا ہے۔ ماں جی اور بابا جان صرف آپ دونوں کے
کہنے پر ابھی تک عادلہ جیسی عورت کو برداشت کر رہا ہوں۔ بس یہ آخری بار تھا۔ اب میں کسی کی بھی بات نہیں مانوں گا۔ میں اسے
چھوڑ رہا ہوں۔ یہ اب فائنل ہے۔" اس سارے عمل میں عباس بھائی کا طیش سے برا حال تھا۔

"آرام و سکون سے ادھر بیٹھو۔ عائشہ بھائی کو پانی پلاؤ۔ آج کی حرکت کے بعد میرا ذہن بہت متاثر ہوا ہے اس سے پہلے میں
سمجھتا تھا کہ شاید دونوں خاندانوں میں پھر سے ایک ہونے کے لیے شاید کہیں گنجائش نکل آئے مگر عادلہ تو ایک طرف اس کی
تک اس حد تک گزر جائے گی ان بلیو ایبل۔" انہوں نے بپھرے ہوئے بیٹے کو پاس بٹھا کر اس کا کندھا تھپتھپاتے اس کا طیش
کرنا چاہا تو وہ لب بھینچ گیا۔ عائشہ نے فوراً پانی لا کر اسے دیا تو وہ چپ چاپ پی گیا۔

"اب ہم بھی ایک حتمی فیصلہ ضرور کریں گے۔ تم فکر مت کرو اب ہم خود اس مسئلے کو حل کریں گے۔ واقعی اب ایک فیصلہ ضرور
ہو جانا چاہیے۔" بابا جان کا انداز فیصلہ کن تھا۔ عباس کی حالت جوں کی توں تھی۔

"آفاق کے بارے میں بھی تو کچھ سوچیں نا؟ اس سارے عمل میں سب سے زیادہ نقصان تو میرے بچے کا ہی ہوگا۔ اس
عورت کو کیا پروا؟" ماں جی نے دونوں کی باتوں سے دہل کر کہا تو عباس نے خاصے خفا انداز میں کہا۔

"آفاق میرا بیٹا ہے اور ہمیشہ میرے پاس ہی رہا ہے اور آئندہ بھی رہے گا۔ آفاق کی خاطر بھی اب میں اس عورت کو دوبارہ
اپنی زندگی میں برداشت نہیں کر سکتا اور یہ طے شدہ بات ہے۔"

"ہم بھی اب تک آفاق اور اس خاندان کی عزت کی خاطر ہی چپ تھے مگر جس طرح یہ لوگ ہمارے خاندان کی عزت سے
کھیلیں ہیں۔ اب ہم بھی بتائیں گے کہ ہم کیا ہیں۔ ہم کوئی بے حیثیت تو دو ٹکے کے انسان نہیں۔ شہوار بیٹا غم نہ کرو ابھی ہم زندہ ہیں
اور ہمارے ہوتے ہوئے ہماری بچیوں کو کوئی میلی آنکھ سے بھی دیکھے یہ ہو نہیں سکتا؟ اس ناعاقبت اندیش انسان نے ہماری بہو
بیٹی پر ہاتھ اٹھایا ہے۔ اب اس کی سزا بھی بھگتے گا۔ اب اس کا باپ جتنا بھی پیسا ضائع کر لے ہم بھی تمام زور اس کو سزا دلوانے
میں لگا دیں گے۔" بابا جان کا انداز بہت سنجیدہ تھا۔ ماں جی پریشان ہو کر دونوں کے چہرے دیکھنے لگیں۔

"یہ تو دشمنی ہو جائے گی۔ اس کے باپ سے بات کریں اس طرح الجھنے کا کوئی فائدہ؟" ماں جی ہمیشہ ایسے معاملات میں گھبرا

...نہیں اب بھی پریشان ہو کر کہا۔

"پریشان نہیں ہو ماں جی! ہم براہ راست اس کیس کو ہینڈل نہیں کریں گے۔ آپ بس دیکھیے گا مصطفیٰ کیسے اس شخص کو ذلیل کرتا
ہے۔" سجاد بھائی نے ماں جی کو حوصلہ دینا چاہا۔

"اللہ خیر کرے مجھے تو ہول اٹھ رہے ہیں۔ مصطفیٰ کب یہاں کے طور طریقے سے باخبر ہے۔ ساری عمر باہر ہوسٹلوں میں گزار
دی اس نے تو؟" ماں جی نے نیا نکتہ اٹھایا۔

"ماں جی آپ اس کی فکر مت کریں وہ ہم سے بلکہ بابا جان سے بھی زیادہ ان معاملات کو ہینڈل کرنے کی صلاحیت رکھتا ہے
وہ بہت اچھا فائٹر ہے۔ کسی کو سبق سکھانے کے لیے اس کا بس ایک پنچ ہی کافی ہے۔ امریکا میں رہ کر ساری زندگی اس نے یہی کام
تو کیا ہے وہاں کے مقابلوں میں حصہ لیتا تھا تو ہمیشہ اول آتا تھا۔ اس کی فکر مت کریں۔" سجاد نے مسکرا کر بھائی کی تعریفیں کرتے
ماحول کو تھوڑا سا نارمل کرنا چاہا۔ مگر ماں جی کے چہرے کے تاثرات ہنوز تھے۔

"عائشہ! بہن کو کمرے میں لے جاؤ اس کے چہرے پر کوئی مرہم لگاؤ۔ دیکھو کیسا گہرا نیل پڑ گیا ہے۔ درد ہو رہا ہے نا؟" ماں
جی نے اپنے بازو کے حصار میں مقید شہوار کا چہرہ دیکھتے محبت سے پوچھا تو وہ بغیر کوئی تاثر دیے اسی طرح بیٹھی رہی۔
عائشہ اپنی بیٹی کو گھر پر ہی ماں جی کے پاس چھوڑ گئی تھی۔ جواب سو رہی تھی۔ وہ بابا جان کے اشارہ کرنے پر شہوار کا بازو تھام کر
اٹھاتے اسے اس کے کمرے میں لے آئی تھی۔

"بہت برا ہوا بچی کے ساتھ۔ دیکھا کیسے گم صم ہو کر رہ گئی ہے۔ پہلے ہی عادلہ کو لے کر خاصی پریشان تھی اب تو کسر ہی پوری
ہو گئی ہے۔" شہوار کے جانے کے بعد ماں جی نے تاسف سے کہا۔

"اب ہم مصطفیٰ اور شہوار کے رشتے کو مزید نہیں لٹکانا چاہتے۔" تابندہ کی کال آئے تو ان سے بات کیجیے گا آج کل ہی کی کوئی
تاریخ دیں نکاح کی۔ ہم جتنی جلدی ہو یہ نکاح کر دینا چاہتے ہیں۔" بابا جان نے کہا تو ماں جی نے انہیں دیکھا۔

"اور جو بات شہوار کی مرضی کے متعلق تابندہ کہہ رہی تھیں اس کا بھی تو سوچیں کچھ؟" انہوں نے دھیمی آواز میں شوہر سے کہا۔
آواز صرف اتنی ہی تھی کہ باقی افراد تک نہیں پہنچ پائی تھی۔

"ہم تابندہ اور شہوار سے خود ہی بات کر لیں گے۔ اب یہ اقدام ناگزیر ہو چکا ہے۔ جتنی جلدی ہو سکے اتنا ہی اچھا ہے۔ آپ
تابندہ لوگوں سے آج کے واقعے کا ذکر نہیں کریں گی اور شہوار کو بھی منع کر دیجیے گا۔" انہوں نے فیصلہ کن انداز میں کہا تو مہر النساء بیگم
خاموش ہو گئیں کہ ان کے ایسے انداز پر مزید بحث کی گنجائش باقی نہیں رہتی تھی۔

"میں ذرا مصطفیٰ کو کال کر کے پتا کر لوں وہ کہاں ہے؟" اپنی بات ختم کر کے بابا جان کہتے ہوئے اپنے کمرے کی طرف چلے
گئے تو ماں جی اٹھ کر شہوار کے کمرے کی طرف چل آئیں۔

❁......☆☆......❁

"السلام علیکم!" آج اس کی آنکھ ذرا دیر سے کھلی تھی۔ سو تیار ہو کر جب ڈائننگ ٹیبل پر آئی تو تقریباً تمام افراد ناشتا کر چکے تھے۔
"وعلیکم السلام مجھے لگا تھا کہ تم آج کالج نہیں جا رہی۔" ماما نے کہا تو وہ مسکرا کر روشانے کے ساتھ والی کرسی گھسیٹ کر بیٹھ گئی۔
"بس رات دیر سے آنکھ لگی تو صبح فجر کی نماز پڑھ کر سو گئی تھی مگر اب لیٹ ہو گئی ہوں۔" ماما نے ٹیبل پر رکھے ناشتے کے تمام
لوازمات انا کی طرف بڑھائے تو اس نے اپنی طرف رکھ لیے۔

"حسن بھائی اور ولی چلے گئے ہیں کیا؟" ٹیبل پر دونوں کو نہ پا کر اس نے پوچھا جبکہ ماموں اور پاپا یہیں تھے اخبار دیکھ رہے تھے۔
"دونوں نے ناشتا کر لیا ہے اپنے اپنے روم میں ہیں۔" روشانے نے چائے پیتے جواب دیا۔
"دیکھو آج بھی کیسا دور آ گیا ہے کہ اچھے گھرانوں کے لڑکے محض تھرل کے نام پر چوریاں ڈکیتیاں کرتے پائے جا رہے
ہیں۔" ماموں اخبار میں کوئی خبر پڑھ رہے تھے۔ اخبار پاپا کے سامنے کرتے انہوں نے افسوسناک تبصرہ کیا۔
"ہاں پڑھ لی ہے میں نے یہ خبر' تقریباً تمام نیوز پیپرز میں ہی درج ہے یہ واردات' کیا کیا جائے۔ آج کل والدین اولاد کی
تربیت پر دھیان کب دیتے ہیں؟ محض بچوں کے ہاتھ میں پیسا تھما کر بری الذمہ ہو جاتے ہیں۔" پاپا نے بھی اس خبر پر تبصرہ کیا تو

ناشتا کرتی انا نے توجہ دی۔

"کوئی خاص خبر ہے کیا؟" اس نے باپ کو دیکھا۔

"نہیں یہ تو عام روٹین کی خبر ہے۔ روز بروز ایسی وارداتیں ہوتی رہتی ہیں۔" پاپا کندھے اچکاتے اخبار ایک طرف رکھ کر اٹھ کھڑے ہوئے اور ان کے ساتھ ماموں بھی وہاں سے نکل گئے تھے۔

روشانے ناشتا کر چکی تھی اب وہ بھی نیوز پیپر اٹھا کر دیکھنے لگی تھی۔ وہ انا کے ساتھ ہی براجمان تھی۔ سو ناشتا کرتے انا بھی گردن موڑ کر کوئی نہ کوئی ہیڈ لائن دیکھ رہی تھی۔

"ایک منٹ......!" ایک ہیڈ لائن پر نگاہ پڑتے ہی وہ فوراً چونکی تھی ہاتھ میں تھاما دودھ کا گلاس فوراً ٹیبل پر رکھتے اس نے روشانے کے ہاتھ سے اخبار لیا۔

"شہر کے مشہور مایہ ناز بزنس مین عبدالقیوم کا اکلوتا بیٹا ایاز عبدالقیوم کل رات گاڑی اغوا کرنے کی واردات کرتے ہوئے گرفتار۔" نیچے ہتھکڑیوں میں جکڑے ایاز کی تصویر بھی تھی۔ ہیڈ لائن ایسی تھی کہ انا کا ذہن فوراً اپنے کالج میں پائے جانے والے ایاز عبدالقیوم کی طرف گیا تھا۔ وہ ایک بہت بڑے بزنس مین کا بیٹا تھا یہ تو سبھی جانتے تھے۔ اس کی جو شہرت اور ریپوٹیشن تھی ایسی غلط حرکات میں ملوث ہونا عام سی بات تھی۔ اب تصویر دیکھ کر کوئی شک وشبہ کی گنجائش باقی نہ رہی تھی۔ انا نے مزید تفصیل جاننے کے لیے متعلقہ خبر تفصیلاً پڑھنا شروع کر دی تھی۔

"رات بارہ بجے کے قریب ایاز عبدالقیوم نے اپنے ایک اور ساتھی کی مدد سے صدر تھانہ کی طرف جاتی شاہراہ پر اپنی گاڑی کے ہمراہ راستے سے گزرنے والی گاڑی کو زبردستی روکنے اور ڈکیتی کی واردات کرنے کی کوشش کی تو گاڑی کے مالک نے شور مچا دیا۔ جس پر دونوں لڑکوں نے مشتعل ہو کر مسٹر حیدر (گاڑی کا مالک) کی اچھی خاصی حالت خراب کر ڈالی۔ اسی دوران وہاں پولیس کی گشتی پارٹی کا گزر ہوا تو پولیس کو دیکھ کر ایاز کا ساتھی فرار ہو گیا جبکہ ایاز عبدالقیوم نے مشتعل ہو کر اندھا دھند پولیس پر گولیوں کی بوچھاڑ کر دی۔ جس کی زد میں پولیس کا ایک اہلکار آ گیا۔ ایاز عبدالقیوم کو گرفتار کر لیا گیا۔ بعد میں زخمی اہلکار اور مسٹر حیدر کو اسپتال منتقل کر دیا گیا ہے۔ جہاں ان دونوں کو ضروری ٹریٹمنٹ دیا جا رہا ہے۔ اس وقت ملزم ایاز عبدالقیوم صدر تھانہ کے حوالات میں بند ہے۔ ملزم کے کئی اور وارداتوں میں ملوث ہونے کے شواہد مل چکے ہیں۔ جن میں موبائل چھیننا، تھرل کے نام پر چھوٹی موٹی وارداتیں کرنا، راہ جاتے لوگوں کو روک کر مال اسباب چھین لینا جیسی وارداتیں عام ہیں۔ ملزم کے متعلق مزید اطلاعات مل رہی ہیں۔ اس کیس کو شعبۂ پولیس کی نہایت تجربہ کار و ایماندار آفیسر امجد خان بطور خاص ہینڈل کر رہے ہیں۔" اخبار میں اور بھی تفصیلات درج تھیں۔

"مائی گاڈ۔" تمام تر تفصیل پڑھ کر انا کا حیرت سے برا حال تھا۔

"کیا ہوا؟" ماما اور روشی دونوں نے اسے دیکھا۔ وہ فوراً اخبار پکڑے اٹھ کھڑی ہوئی تھی۔

"کچھ نہیں ابھی آتی ہوں۔" وہ فوراً اپنے کمرے کی طرف چلی آئی۔ اس کا انداز بڑا پرجوش تھا۔ اپنے بیگ سے موبائل نکال کر اس کا ارادہ اس خبر کو شہوار کے سے ڈسکس کرنے کا تھا۔

......☆☆☆......

عبدالقیوم صاحب اس وقت اپنے ڈرائنگ روم میں بیٹھے اپنے سامنے دوسرے صوفے پر بیٹھے اپنے وکیل پر بڑی بری طرح برس رہے تھے۔

ان کے بائیں طرف صوفوں پر عادلہ اور ان کی بیگم بیٹھی ہوئی تھیں۔ جبکہ اندرا اپنے کمرے میں کل رات ڈسچارج ہو کر گھر آنے والی کاشفہ بھی اپنے باپ کو گرجتا برستا سن رہی تھی۔

"ہمت کیسے ہوئے ان اخبار والوں کو ابھی پتا کرو کس نے ان کو دی ہے یہ خبر۔ کسی طرح یہ خبر روکو۔" وہ غصے سے اپنے وکیل سے کہہ رہے تھے۔

"سر اب یہ ممکن نہیں۔ صبح کے تمام نیوز پیپرز میں یہ خبر ہے۔"

"کون ہے اس سب کے پیچھے؟" انہوں نے مشتعل ہو کر پوچھا۔

"وہی تو پولیس ہی اس سارے کیس کو ڈیل کر رہی ہے۔ مزید اطلاعات نہیں مل رہیں۔"

"[illegible] پولیس کو کون ہینڈل کر رہا ہے اور یہ امجد خان کے متعلق ابھی تمام ڈیٹیلز مہیا کرو۔ میں کچھ کرتا ہوں۔ ایسی نانہجار اولاد آئے دن میرے لیے یہ لڑکا نت نئے مسئلے کھڑے کیے رکھتا ہے۔ پچھلے دنوں اس کے کالج سے نوٹس آیا کہ اس کے برے کردار، مختلف سرگرمیوں کی بدولت کالج والوں نے اسے نکال دیا ہے اور اب یہ نیا مسئلہ کھڑا کر دیا ہے۔" وہ اٹھ کر ادھر اُدھر ٹہلتے خاصے برہم ہو رہے تھے۔

آج تک کسی پولیس والے کو ہمت نہیں ہوئی تھی کہ ان کے بیٹے کو حراست میں لے۔ یہ پہلا موقع تھا ان کا پریشان ہونا فطری بات تھی اور وہ اچھے خاصے گھبرا بھی گئے تھے۔ خود تو وہ جرم بھی ایسے کرتے تھے کہ آج تک ان کے خلاف کسی کے ہاتھ ایک ثبوت بھی نہیں لگا تھا اور اب ایاز کی وجہ سے وہ پھنس رہے تھے۔

"آپ پریشان کیوں ہو رہے ہیں؟ آرام وسکون سے مسئلے کو حل کرنے کی کوشش کریں۔ یہ معمولی ایشو ہے دے دلا کر ہینڈل کر لیں۔" عادلہ نے اس سچویشن میں بھی اپنے اس مخصوص پراعتماد انداز میں کہا تو انہوں نے بیٹی کو گھورا۔

"تم لوگوں کا کیا بھگت رہا ہوں میں' کیا کمی آنے دی ہے میں نے اسے...... جتنی رقم چاہتا ہے بینک سے آئے دن نکلواتا رہا ہے اب ایسے لوگوں پر لاکھوں خرچ کرنا پڑیں گے کیا میں اسی لیے کما رہا ہوں کہ تم تینوں بہن بھائی دونوں ہاتھوں سے لٹاتے رہو۔" انہوں نے اچھی خاصی عادلہ کو سنا ڈالی تھیں وہ منہ بنا کر بیٹھ گئی۔

"اور یہ اتنا معمولی ایشو بھی نہیں ہے۔ یہ اسپیشل پولیس ہیں جن کے ساتھ اس نے پنگا لیا ہے۔ اتنی جلدی دے دلا کر یہ کیس ختم نہیں ہونے والا۔"

"آپ ابھی چلیں میرے ساتھ اور امجد خان سے بات کریں میں بات کرتا ہوں کسی نہ کسی سے ایک دو گھنٹوں میں ایاز کو باہر نکلوانے کی کوشش کریں۔" عبدالقیوم صاحب اپنے غصے پر کنٹرول کرتے اب وکیل صاحب سے کہہ رہے تھے۔

"جو بھی خرچہ ہوگا اس کی ٹینشن نہ لیں۔ یہ میری ریپوٹیشن کا سوال ہے۔ پتا نہیں کب اس لڑکے کو سمجھ آئے گی اور جو اہلکار زخمی ہوا ہے اس کا کیا حال ہے بچ تو گیا ہے نا؟" وہ اب وکیل سے پوچھ رہے تھے۔

"جی گولی اس کی ٹانگ پر لگی تھی اور جو گاڑی کا مالک تھا اس کے بارے میں ابھی کوئی کلیئر کٹ تفصیل نہیں مل رہی اور جو دوسرا ساتھی تھا اس کا بھی کوئی پتا نہیں چل رہا۔ آخری اطلاع یہی تھی کہ ایاز صاحب پر خاصا تشدد ہو رہا ہے۔" وکیل نے بتایا تو تینوں وجود ایک دم خاموش ہو کر رہ گئے۔ عادلہ نے بے چینی سے پہلو بدلا۔ بیگم عبدالقیوم تو سسکیوں میں شدت سے روئیں۔

"ہائے میرا بچہ۔" اور عبدالقیوم صاحب کے چکر لگانے میں ایک دم شدت در آئی تھی۔

"آپ کی اتنی سورس ہے کسی سے بات کریں گھر بیٹھ کر اس طرح مسئلہ حل تو نہیں ہوگا۔" بیگم عبدالقیوم نے شوہر کو کہا۔

"اس کی جگہ خود جا کر تھانے بیٹھ جاؤں کیا؟" انہوں نے بیگم کو کھا جانے والے انداز میں جواب دیا۔

"آپ میرے ساتھ چلیں وکیل صاحب' ایاز کا چند گھنٹوں میں حوالات سے باہر آنا بہت ضروری ہے۔ ورنہ آج کے اخبارات کی خبر نے جو تہلکہ مچا دیا ہے میرا اسٹیٹس متاثر ہو کر رہ گیا ہے۔ چند ایک لوگوں سے ملتے ہیں وہ کر لیں گے اس مسئلے کو ہینڈل۔" انہوں نے خود پر قابو پاتے وکیل صاحب سے کہا تو انہوں نے فوراً سر ہلایا۔

"اور جیسے ہی ایاز باہر نکلتا ہے سب سے پہلے تو ان اخبار والوں کی خبر لینی ہے انہیں جرأت کیسے ہوئی میرے خلاف ایسی خبر شائع کرنے کی۔" وہ مزید کہتے وکیل صاحب کو اپنے ہمراہ لیے وہاں سے نکل گئے تو عادلہ نے مام کو اپنے ساتھ لگا لیا۔

"ڈونٹ وری مام سب ٹھیک ہو جائے گا آپ کو پتا تو ہے وہ ایسے تھرل کرتا رہتا ہے۔ چند گھنٹوں میں ہمارے ساتھ ہوگا۔ ڈیڈ بس اس لیے پریشان ہو رہے ہیں کہ یہ خبر نیوز پیپرز میں آ گئی ہے ورنہ وہ پہلے بھی تو ایسے بڑے بڑے مسئلوں کو بہت جلد حل کر لیتے تھے۔ اب بھی حل کر لیں گے۔ آپ بالکل پریشان نہ ہوں۔" عادلہ کی بات پر اس کی ماں نے محض سر ہلا کر اپنے آنسو صاف کیے تھے۔

❀......☆☆......❀

وہ کل رات والے واقعے کے بعد بالکل گم صم ہوگئی تھی۔ وہ بات جو وہ خود سے بھی چھپانا چاہتی تھی اب ہر کوئی اس کے بارے میں جان چکا تھا۔ شرمندگی وندامت ایسی تھی کہ اس کی زبان بالکل گنگ ہو چکی تھی۔ وہ ساری رات اس قدر روئی کہ لگتا تھا کہ اب زندگی میں کسی اور سانحے کو رونے کے لیے آنسو نہیں بچے ہوں گے۔

وہ اس وقت بھی اپنے بستر پر لیٹی آنکھوں پر بازو رکھے سونے کا تاثر دیتی اپنے اندر اٹھتی ایک قیامت سے نبرد آزما تھی کہ اس کے سرہانے پڑا موبائل بجنے لگا جو رات بھابی اس کے پاس رکھ گئی تھیں۔ رات بھابی نے ہی اسے بتایا تھا کہ کس طرح انہوں نے اس کے موبائل کے ذریعے مصطفیٰ کے نمبر پر کال کی تھی اور وہ لوگ اچانک وہاں نہیں آئے بلکہ صورت حال جان کر انہوں نے دروازے کے عقب میں رہ کر تمام سچویشن کا جائزہ لیتے ہوئے تمام تر دفاعی حکمت عملی کو سامنے رکھ کر بالکل اچانک اندر آنے کے بجائے باہر رہ کر ہی ایاز کے باہر آنے کا انتظار کیا تھا اور پھر جیسے ہی شہوار نے دروازہ کھولا تھا وہ تینوں شیر کی تیزی سے اندر داخل ہوئے تھے۔

ایاز جو پہلے ہی دروازہ ان لاک دیکھ کر بھابی کی طرف پلٹا تھا اور اس کی اس ایک لمحے کی بے خبری نے ہی تینوں کو موقع فراہم کیا تھا کہ وہ اسے اپنے شکنجے میں کس لیں۔ گزشتہ شب گزری واردات ایک دفعہ پھر اس کی آنکھوں کی اسکرین پر فلم کی طرح چلنے لگی تھی۔ اس کا موبائل مسلسل بج رہا تھا۔ اس نے بہت اکتا کر موبائل اٹھا کر دیکھا تو انا کا نام دیکھ کر گہرا سانس لیا۔

"السلام علیکم!" اس نے کال پک کرلی تھی۔

"وعلیکم السلام!"

"کیسی ہو؟" انا پوچھ رہی تھی۔

"میں ٹھیک ہوں تم سناؤ......؟"

"کالج آرہی ہو؟" انا نے مزید پوچھا۔

"ہوں۔" اس نے ہنکارا ابھرا جس سے ہاں یا ناں کی کوئی تصدیق نہیں ہوئی تھی۔

"تم نے آج کا نیوز پیپر دیکھا۔ بڑی فنٹاسٹک قسم کی خبر ہے۔" وہ جو پہلے ہی الجھی ہوئی تھی انا کے الفاظ پر ایک دم چونک کر ٹھٹک گئی۔ تو کیا اس کی ذلت کی داستان اب ساری دنیا پڑھ رہی تھی۔

"ایاز عبدالقیوم کے متعلق خبر ہے۔" وہ مزید کہہ رہی تھی۔ شہوار کو لگا کہ وہ بس ابھی اپنے حواس کھو دے گی۔

"کہ......کہ......کیسی خبر؟" شہوار کو اپنی آواز کسی گہری کھائی سے آتی محسوس ہوئی۔

"اوہ......اس کا مطلب ہے تم نے آج پیپر نہیں دیکھا۔ ایسا کرو تم پیپر دیکھ لو۔ میں کالج کے لیے نکل رہی ہوں۔ باقی ڈسکشن وہاں جا کر ہوگی او کے سی یو۔" اس نے کال بند کی اور شہوار کو لگا کہ بس اس کی سانس بند ہونے کی کسر باقی ہے۔

رات بابا جان نے کہا تھا کہ وہ پریشان نہ ہو سب ٹھیک ہو جائے گا اور اب انا کی کال کے بعد اسے لگا کہ وہ بس مر جانے والی ہے۔ اس کی ذلت وتباہی کی داستان اب ساری دنیا کے سامنے تھی۔ ساری دنیا پڑھ رہی تھی۔ وہ بمشکل اپنی جگہ سے اٹھی اور دروازہ کھول کر باہر نکلنے لگی تو رخشندہ راہداری سے گزرتی دکھائی دی۔

"رخشندہ۔" اس نے پکارا۔

"جی بی بی۔" وہ فوراً حاضر ہوئی۔

"سب لوگ کدھر ہیں۔" شہوار نے پوچھا۔

"صاحب لوگ تو کاموں پر نکل گئے ہیں اور باقی لوگ ابھی ناشتا کر رہے ہیں۔"

"تم باہر سے کوئی اخبار لا دو آج کا۔" وہ اسے کہہ کر واپس اپنے بستر پر آ بیٹھی تھی۔ وہ رات سے کمرے میں بند تھی ابھی تک اسی لباس اور چادر میں تھی۔ رخشندہ کے بجائے اخبار عائشہ لے کر آئی تھی۔ اسے دیکھ کر شہوار کے اندر احساس ندامت بڑھ گیا۔ وہ اس سے نگاہیں چرا گئی تھی۔

"یہ لو۔" عائشہ نے اسے اخبار تھمایا۔

"ناشتا ابھی کروگی یا ٹھہر کر؟" وہ پوچھ رہی تھی۔ وہ رات سے گم صم تھی اور ابھی چند جملے اس کی زبان سے سن کر وہ قدرے پُرسکون ہوئی تھی۔

"ابھی موڈ نہیں ہو رہا۔"

"رات بھی تم نے کچھ نہیں کھایا تھا۔ کچھ کھالو۔ میں لے آؤں ناشتا؟" اس نے پھر پوچھا۔

"نہیں جب طلب ہوگی میں خود جا کر کچھ لے لوں گی۔"

"او کے۔" عائشہ اس کے پاس ہی بستر پر ٹک گئی تھی اور پھر اس کے ہاتھ سے اخبار کھول کر ایک اندرونی صفحے کو سامنے کرتے اس پر انگلی رکھ کر شہوار کے سامنے کیا وہاں ایک خبر تھی۔

"یہ پڑھو۔"

"شہر کے مشہور مایہ ناز بزنس مین عبدالقیوم کا اکلوتا بیٹا ایاز عبدالقیوم کل رات گاڑی اغوا کرنے کی واردات کرتے ہوئے گرفتار۔" خبر ایسی تھی کہ وہ چونک گئی تھی ساتھ میں ہتھکڑی میں جکڑے ایاز کی تصویر بھی تھی اس نے فوراً باقی کی تفصیل پڑھنی شروع کردی تھی۔

وہ جوں جوں خبر پڑھ رہی تھی اس پر حیرت کے پہاڑ ٹوٹ کر گر رہے تھے۔ تفصیلات کے ساتھ ساتھ جائے واردات کی تمام تر فوٹوگرافی بھی ساتھ تھی۔ ایک طرف گاڑی کے مالک کی اسٹریچر پر لیٹے تصویر تھی تو دوسری طرف جس اہلکار کو گولی لگی تھی وہ بھی دکھایا گیا تھا۔

"مائی گاڈ۔" شہوار نے سر تھام لیا۔

"یہ سب کیا ہے؟" کچھ پل بعد اس نے عائشہ کو دیکھا۔

کل ساری رات مصطفیٰ گھر سے غائب رہا تھا۔ شہوار ساری رات جاگتی رہی تھی۔ گیٹ پر ہونے والی ذرا سی آہٹ پر بھی وہ چونک جاتی تھی۔ صبح فجر کے قریب وہ گھر لوٹا تھا تو کیا وہ کل ساری رات اسی لیے غائب تھا۔

"بابا نے بھائی کو سختی سے منع کردیا تھا کہ اس کیس کو اس طرح ہینڈل کرنا ہے کہ کسی کو شبہ تک نہ ہو کہ اصل معاملہ کیا ہے؟" عائشہ پرسکون تھی۔

"اور وہ ہوٹل کا عملہ اور انتظامیہ؟"

"ان سے بابا جان اور بھائی نے بات کرلی تھی۔ ویسے بھی وہ لوگ خود بھی بعد کے مسائل کا سامان کرنے سے اجتناب برت رہے تھے۔ سو وہ اس کیس میں الجھنا نہیں چاہتے تھے۔" عائشہ نے مزید بتایا۔

"اور جو گاڑی کا مالک تھا وہ کون ہے اور اس اہلکار کو کس نے گولی ماری ہے؟" شہوار کا دماغ یہ ساری صورت حال پڑھ کر اچھا خاصا الجھ گیا تھا۔

"پولیس ڈپارٹمنٹ میں ایسے لوگ عام مل جاتے ہیں آفیسر کے لیے ایسی صورت حال کری ایٹ کرنا کوئی مشکل کام نہیں ہوتا۔ صدر تھانہ کے نزدیک واردات کوئی پاگل انسان ہی کرسکتا ہے۔ مگر چونکہ کیس بنانا مطلوب تھا سو اب اس کیس کی باقی کڑیوں کو ملانا ان لوگوں کا کام ہے۔ ایاز کے والد کوشش کریں گے کہ کیس بس لے دے کے ختم ہو جائے کیونکہ اس سے اس کی اپنی ساکھ کے متاثر ہونے کا خطرہ ہے۔ جبکہ بابا اور دیگر لوگ اس کیس کو آخر تک الجھانے کے چکر میں ہیں۔ آخر ایاز کو بھی تو پتا چلے کہ کسی آفیسر کی بیوی پر ہاتھ اٹھانے کی لذت کیا ہوتی ہے؟" شہوار اس سارے عرصے میں پہلی بار پرسکون ہوئی تھی۔

"اور اگر کسی کو پتا چل گیا کہ یہ اصل میں صورت حال کچھ اور ہے تو......؟"

"کیسے پتا چلے گا......امپاسبل ہے یہ کہ کسی کو پتا چلے کہ کور اسٹوری کچھ اور ہے؟ ہاں ایاز جب اپنے والدین یا لوگوں کو بتائے گا تو بھی کسی کی زبان پر ہمارا نام نہیں آئے گا کیونکہ رات سے اس پر پہلے ہی کئی طرح سے کیسز بن چکے ہیں۔ ان کی روشنی میں اس کا سابقہ ریکارڈ بھی کھولا جا چکا ہے اور بہت جلد اور بھی واقعات منظر عام پر آئیں گے۔ دیکھنا ان لوگوں کے مخالفین بھی ہمیں

مواد فراہم کریں گے اور ان سب معاملات کی صورت میں اس کا والد ایک نیا کیس کھولنے کی جرأت نہیں کر سکے گا۔ بابر لالہ نے انکار کر کے اگر اصل صورت حال کسی کے سامنے نہیں آئے گی۔ کیونکہ ہماری کور اسٹوری بہت جاندار ہے۔" عائشہ بالکل مطمئن اور پرسکون تھی اور اس کا اطمینان اور سکون دیکھتے ہوئے شہوار کے اندر بھی ایک گہرا اطمینان اترتا چلا گیا تھا۔

بے شک اس کیس کی وجہ سے وہ پریشان تھی مگر اس کا دل پھر انجانے درد میں مبتلا ہو گیا۔ وہ بھلے دنیا کے سامنے ذلت اٹھانے سے بچ گئی تھی مگر اس خاندان کے سامنے تو اب کبھی سر اٹھا کر بات نہیں کر سکے گی۔ کتنا بڑا قرض لاد دیا تھا ان لوگوں نے اس پر۔ صرف اسے بدنامی کے گہرے گڑھے میں گرنے سے بچایا تھا بلکہ اس قدر مضبوط پلاننگ کر کے اس کے گرد ایک مضبوط تحفظ کا جو حصار کھینچا تھا اسے لگ رہا تھا کہ وہ اب ان لوگوں کے سامنے بالکل بے بس ہو گئی ہے۔ اتنا کچھ تو کوئی اپنا بھی نہیں کرتا جتنا یہ لوگ اس کے ساتھ کر رہے تھے۔ کاش وہ اپنی جان دے کر ان لوگوں کے اس عظیم احسان کا بدلہ چکا سکتی۔ اس کی آنکھوں میں ایک دم نمی سی بھر آئی۔

"آؤ باہر چلتے ہیں۔ ماں جی تمہارے اس طرح گم صم انداز پر بہت پریشان ہیں۔" اخبار ایک طرف رکھ کر عائشہ نے اس کا ہاتھ پکڑ کر اٹھایا تو اپنی پوروں سے آنکھوں میں آئی نمی صاف کرتے وہ اٹھ کھڑی ہوئی۔

"ٹھہرو میں ذرا منہ دھو لوں۔" وہ واش روم میں چلی آئی۔ منہ ہاتھ دھوتے آئینے میں اپنی صورت دیکھتے وہ گنگ رہ گئی۔

چہرے کے بائیں طرف رخسار پر بہت بڑا گہرا نیل تھا اب زخم پر سوجن بڑھ گئی تھی۔ رات سے وہ اس قدر نڈھال تھی کہ ایک بار بھی آئینے میں خود کو نہ دیکھ پائی تھی زخم میں اٹھتے درد اور ٹیسوں کے باوجود اس کا دل آئینے میں اپنی صورت دیکھنے کو نہ کیا تھا۔ آنکھیں الگ گریہ زاری سے سوج کر سرخ انگارہ ہو رہی تھیں۔

"کیا میں اس صورت کے ساتھ سب کا سامنا کروں گی؟" اس کے دل سے درد کا ایک لامتناہی سلسلہ اٹھ کھڑا ہوا۔ وہ لب بھینچ کر تاول سے آہستہ آہستہ چہرہ صاف کرتے باہر نکل آئی جہاں عائشہ اس کی منتظر تھی۔

"چلو۔" وہ اس کے ساتھ بڑے غیر محسوس انداز میں رخسار کے بائیں طرف چادر کا پلو کیے دروازہ کھول کر نکل رہی تھی جب راہداری سے گزرتا مصطفیٰ ان دونوں کو دیکھ کر رکا تھا۔ شہوار نے فوراً اس کی طرف سے رخ بدلا تھا۔ وہ اس وقت کسی کا سامنا کرنے کی جرأت کر سکتی تھی مگر اس شخص کے سامنے آنے کی ہمت نہ تھی۔

مصطفیٰ نے پہلی نگاہ میں ہی اس کے یوں رخ بدلنے پر بغور دیکھا تھا۔

"کدھر جا رہی ہو؟" وہ عائشہ سے پوچھ رہا تھا۔

"شہوار نے ناشتا نہیں کیا تو اسی کو لینے آئی تھی۔" مصطفیٰ نے عائشہ کے جواب پر شہوار کو دیکھا وہ وہاں رکنے کے بجائے دالان کے کمرے میں جا کر کھڑکی کے پاس پشت کیے کھڑی ہو گئی تھی۔

"میری بلیو لائننگ والی شرٹ نہیں مل رہی کافی دیر سے ٹرائی کر رہا تھا تم پلیز ذرا ڈھونڈ دو۔ مجھے آفس بھی جانا ہے۔ پہلے ہی بہت لیٹ ہو گیا ہوں۔" وہ اپنی بہن سے کہہ رہا تھا۔

"ابھی......؟" وہ پوچھ رہی تھی۔

"یس ابھی۔" مصطفیٰ کی نگاہ ابھی بھی شہوار پر تھی۔ عائشہ نے دونوں کو دیکھا اور سر ہلاتی وہاں سے چلی گئی۔

مصطفیٰ نے اسے یونہی کھڑکی کے پاس کھڑے دیکھا تو قدم بڑھاتا دروازہ بھیڑتا اس کے عقب میں آ کھڑا ہوا۔ وہ اس کی آمد کو محسوس کر گئی تھی مگر پلٹ کر دیکھنے کی ہمت مفقود تھی۔

"کیسی طبیعت ہے اب تمہاری؟" وہ پوچھ رہا تھا اس کی آواز بہت نزدیک سے آئی تھی وہ ساکت سی کھڑی رہ گئی۔ مگر پلٹی نہیں تھی۔

"شہوار......" اس نے پکارا تو وہ مضبوطی سے کھڑکی کا پٹ تھامے کھڑی رہی وہ کبھی بھی اس قدر خراب صورت کے ساتھ اس کا سامنا نہیں کر سکتی تھی۔ اب تو ہمت ہی نہ تھی۔ مصطفیٰ نے بہت آہستگی سے اس کے کندھے پر ہاتھ رکھا تو وہ لرز سی گئی۔

"شہوار...... ادھر دیکھو۔" اس کے لہجے میں سختی تھی مگر وہ اسی طرح جمی رہی تو مصطفیٰ کے اندر ایک شدید سی لہر اٹھی۔ ایک دم اس نے اس کو دونوں کندھوں سے تھام کر اس کا رخ اپنی طرف کر لیا۔ یہ اس قدر اچانک اقدام تھا کہ وہ سنبھل بھی نہ سکی تھی۔

مصطفیٰ کے اس ردعمل کی توقع نہیں کر رہی تھی ایک دم گھبرا کر پیچھے ہٹی تھی مگر کھڑکی سے ٹکرا کر رہ گئی تھی۔ مصطفیٰ اس کے چہرے کو دیکھ رہا تھا اس نے بے اختیار چادر کے پلو پر ہاتھ رکھتے اپنے چہرے کو چھپانا چاہا تھا۔ مگر مصطفیٰ نے اس کا ہاتھ ہٹاتے چادر کا پلو بھی رخسار سے پیچھے کر دیا تھا وہ سہم کر اب مصطفیٰ کو دیکھ رہی تھی۔

مصطفیٰ نے اس کے رخسار کے زخم کو دیکھتے لب سختی سے بھینچ لیے تھے۔ اس کی انگلیوں نے اس کے زخم کو چھوا تھا۔ شدت ضبط سے اس نے مٹھیاں بھینچ لی تھیں۔

"بہت بڑی سزا جھیلے گا وہ اس ایک زخم کی۔" وہ پھنکارا۔

اس کے خاندان میں عورت کو بہت عزت و احترام سے رکھا جاتا تھا۔ بہت عزت دی جاتی تھی۔ یوں خیال رکھا جاتا تھا گویا کوئی نازک پھولوں کی کلی ہو۔ اسے یاد تھا کہ اس کے باپ یا بھائیوں میں سے کسی نے بھی اس کی ماں یا بہنوں کو اونچی آواز سے کبھی مخاطب نہ کیا تھا۔ ہمیشہ ادب اور احترام دیا تھا بڑا سلجھا رویہ تھا۔ ان سب کے دلوں میں عورت ذات کے لیے ایک ایسا احترام بھر دیا تھا کہ اتنا عرصہ والدین سے اور ایک غیر ملک میں رہتے ہوئے بھی اس کی نگاہ نے اس تقدس کو پامال نہیں کیا تھا اور یہ لڑکی وہ تو اسے بڑی شدت سے اپنے اندر کہیں بہت زیادہ محسوس کرنے لگا تھا بھلا اس کی تکلیف کیسے سہہ جاتا؟ اس کے اندر ایک طوفان اٹھ کھڑا ہوا تھا۔

شہوار کی آنکھیں نمی سے بھر گئی تھیں۔ اس کے اندر ایک شدید تکلیف و اذیت سے بھری لہر اٹھی تھی۔ شہوار نے پلٹنا چاہا تو اس نے اس کا بازو تھام کر اس کو ایسا کرنے سے روکنا چاہا تھا۔ مصطفیٰ کی گرفت میں بہت سختی تھی۔

"سی......!" وہ کراہ کر رہ گئی۔ اس نے ایک دم اپنے دوسرے ہاتھ سے مصطفیٰ کے ہاتھ کو ہٹاتے اپنے بازو پر ہاتھ رکھا تھا۔ شہوار کے چہرے پر بڑے تکلیف دہ احساسات تھے۔

"کیا ہوا؟" مصطفیٰ نے فوراً اس کے چہرے پر رقم تکلیف پڑھی تھی اور پھر اس کی نگاہوں نے شہوار کے بازو تک سفر کیا تھا۔

"کیا ہوا ہے بازو کو؟" وہ اپنے اسی مخصوص لہجے میں پوچھ رہا تھا۔

وہ نفی میں سر ہلا کر پلٹی تھی مگر مصطفیٰ نے اسے کندھے سے تھام کر ایسا کرنے سے روک دیا تھا۔ وہ دوسرے ہاتھ سے اس کا بازو تھام رہا تھا۔

"نہ...... نہ...... کچھ نہیں ہوا؟" وہ گھبرا گئی تھی مگر مصطفیٰ اس کی گھبراہٹ کو نظر انداز کیے اس کا بازو پکڑ کر اس کے بازو کی آستین دوسرے ہاتھ سے الٹ رہا تھا۔ مصطفیٰ کی اس کے بازو پر گرفت ایک دم سخت ہو گئی تھی کہ وہ چاہ کر بھی بازو نہ چھڑوا پائی تھی۔

"کہا ہے نا...... کچھ نہیں ہوا۔" اس نے مصطفیٰ کے ہاتھ پر ہاتھ رکھ کر روکنا چاہا تھا مگر مصطفیٰ نے اس کے ہاتھ ہٹاتے اس کی آستین اوپر چڑھا دی تھی۔ اب بازو سامنے تھا۔ کہنی سے اوپر بازو پر نہ صرف گہرے نیل تھے بلکہ کسی چیز سے رگڑ لگنے کی صورت سا وہاں خراشیں بھی تھیں اور جہاں جہاں گہری خراشیں تھیں وہاں سے اسکن اتر چکی تھی۔ مصطفیٰ نے شہوار کو دیکھا تو وہ نگاہیں چرا کر ایک دم بازو چھڑوا کر پیچھے ہٹی تھی۔

"یہ کیسے ہوا؟" وہ پوچھ رہا تھا۔ شہوار نے لب بھینچ کر اپنے بازو کو دیکھا۔

کل جب وہ شخص بھابی کو دھکا دے کر ان سے آفاق کو چھین کر اس کی طرف بڑھا تھا تو اس نے اس کے اس بازو کو اپنی وحشی گرفت میں جکڑا تھا تب اسے لگا تھا کہ اس کا بازو مسل دیا گیا ہے اور پھر اس نے اس کو جب دیوار کی طرف دھکیلا تو اس کا یہی بازو دیوار سے بری طرح رگڑا تھا۔ تب وہ خوف کی وجہ سے کچھ سمجھ نہ پائی تھی مگر اب جوں جوں وقت گزر رہا تھا اسے لگ رہا تھا کہ اس کے جسم کے بہت سے اندرونی و بیرونی درد جاگ اٹھے ہیں اور سب سے بڑا درد تو یوں سر عام ذلت اٹھانے کا تھا جس کی شاید کسی کے بھی پاس کوئی دوا نہ تھی کوئی مرہم نہ تھا۔

"میں کیا پوچھ رہا ہوں یہ کیسے ہوا ہے؟" وہ اب قدرے اونچی آواز اور خاصے غصے سے بولا تھا۔ اسے رہ رہ کر شہوار کی اس خاموشی پر بھی غصہ آ رہا تھا۔ وہ کیوں خاموش تھی...... بات کیوں نہیں کرتی؟

وہ مصطفیٰ کے یوں غصے سے لبریز اونچی آواز پر بے اختیار رو دی۔

"مجھے نہیں پتا۔" اس نے روتے ہوئے کہا۔

مصطفیٰ نے چند پل شہوار کو دیکھا۔ اس کی آنکھوں میں ایک ناقابل فہم غیض وغضب کے علاوہ شدید انتقامی جذبات ابھر آرہے تھے۔ شہوار یک دم خوف سے کانپ اٹھی۔ مصطفیٰ کے تاثرات بڑے پتھریلے تھے۔ مصطفیٰ کے چہرے پر صاف لکھا تھا وہ اسے زندہ نہیں چھوڑے گا وہ اس کے ساتھ ضرور کچھ بہت برا کرے گا۔

"اس نے بہت برا کیا...... بہت برا...... میں اسے زندہ نہیں چھوڑوں گا۔" وہ بہت غیض بھرے انداز میں کہہ کر پلٹا تو شہوار ایک دم پریشان ہوگئی۔

"مصطفیٰ......!" وہ اب اپنی وجہ سے اس خاندان کو مزید مسئلوں میں نہیں الجھانا چاہتی تھی۔ فوراً بھاگ کر اس کے سامنے آئی اور ایک دم اس کا بازو پکڑا تھا۔

"آپ کچھ نہیں کریں گے۔" وہ بہت خوفزدہ ہوگئی تھی۔ مصطفیٰ اس کی پروا کیے بغیر دروازے کی طرف بڑھا تھا۔

"مصطفیٰ پلیز۔" وہ دروازہ کھول رہا تھا جب وہ پھر اس کے سامنے آکر نہ صرف تیزی سے دروازہ بند کرگئی تھی بلکہ بہت عجلت میں اس نے لاک کا بٹن بھی دبا دیا تھا۔

"شہوار وہ اب تک محض اس لیے بچا ہوا تھا کہ مجھے نہ صرف اس خاندان کی عزت کا پاس تھا بلکہ تمہارے جذبات واحساسات کی بھی فکر تھی۔ آئی سویئر اس نے تم پر ہاتھ اٹھا کر بہت برا کیا ہے۔ میں اس کی جان لے لوں گا۔ اس کے ہاتھ توڑ دوں گا۔" شدید غیض وغضب کی تصویر بنا ہوا تھا۔ شہوار اس کا ہیجانی انداز دیکھ کر لرز اٹھی تھی۔ اس کی آنکھوں میں واضح انتقام کی جھلک تھی یوں جیسے وہ اسے چھوڑے گا نہیں۔

"مصطفیٰ پلیز۔" شہوار کو کچھ سمجھ نہیں آرہا تھا کہ اسے کس طرح ہینڈل کرے کہ اس کے یہ انتقامی جذبات سرد پڑ جائیں اور نارمل ہوجائے۔

مصطفیٰ نے اسے یوں اپنے سامنے کھڑے دیکھ کر بہت غصے سے ہاتھ دیوار پر مارا تھا۔ شہوار مزید سہم گئی تھی۔ مصطفیٰ نے ایک غصیلی نگاہ اس کے چہرے پر ڈالی مگر اسے خوف سے لرزتے دیکھ کر وہ ساکت ہوا اور پھر بغیر سوچے سمجھے اس کو دونوں کندھوں سے تھام کر خود سے قریب کرلیا تھا۔

"اس انسان کے لیے اتنا رحم جو نہیں جانتا کہ انسانیت کیا ہے؟" وہ کہہ رہا تھا شہوار تو پہلے ہی اس کے تیوروں سے ادھ موئی ہوئی جارہی تھی۔

"تو پھر کیا کروں میں...... بولیں کیا کروں؟" اس کے الفاظ پر سسکتے ہوئے وہ بغیر سوچے سمجھے مصطفیٰ کے کندھے پر سر رکھ کر شدت سے رو دی تھی۔ "میں نہیں چاہتی کہ میری وجہ سے کسی کو کچھ ہو۔" مصطفیٰ اس کے اس ری ایکشن پر ساکت کھڑا اس کے ہچکولے کھاتے وجود کو دیکھے گیا وہ ابھی تک کل رات والے لباس اور چادر میں ملبوس تھی۔ مگر اس وقت اس کا وجود بری طرح بکھرا ہوا تھا۔ کل جب اس کی نگاہ اس کے سجے سنورے سراپا پر پڑی تھی تو کیسے اس کا حسین جہاں سوز سراپا مصطفیٰ کے دل میں طغیانیاں سی مچا گیا تھا۔ جذبات میں ایک شدید تلاطم سا برپا ہوا تھا۔ جذبوں نے کیسے کیسے رنگوں سے انگڑائیاں لی تھیں۔ یوں کہ وہ دل، نگاہ کی تمام گہرائیوں تک معطر ہوگیا تھا مگر اب......

وہ اسی لباس وچادر میں تھی مگر اس کا وجود کیسے شکست خوردہ لگ رہا تھا...... وہ بالکل نڈھال خوفزدہ تھی۔ کب اس نے سوچا تھا کہ وہ اس کا یہ بے نیازی والا انداز ختم کرتے ہوئے اس کا سارا غرور چھین کر اس کے ادائے بے نیازی کو ختم کردے گا کیا پتا تھا کہ اس کی ذات پر شہوار کی جان بوجھ کر بے نیاز دکھانے والی یہ ادا کس قدر جچتی تھی اور اب وہ کیسے زخمی حالت میں بے بس ہورہی تھی۔

مصطفیٰ نے بہت آہستگی سے اس کے سر پر ہاتھ رکھ کر تھپتھپایا تو وہ چونکی تھی۔ وہ اتنی دیر سے مصطفیٰ کے اتنے قریب کھڑی تھی۔ مصطفیٰ کا کندھا اس کے آنسوؤں سے بھیگا ہوا تھا۔

"اوہ...... خدایا وہ یہ کیا کررہی تھی۔" وہ ایک دم پیچھے ہٹی اور بغیر مصطفیٰ کی طرف دیکھے اپنے بستر پر جاکر گر سی گئی تھی۔ وہ اب شاید زندگی بھر مصطفیٰ سے آنکھیں نہ ملا پاتی۔ مصطفیٰ نے لب بھینچ کر اس کو دیکھا اور پھر مزید ایک لفظ کہے دروازہ ان لاک کرتا وہاں

سے نکل گیا۔

❀......☆☆......❀

وہ کالج آئی اور شہوار کو نہ پاکر حیران ہوئی اس کو کال کی تو پتا چلا کہ وہ آج کالج نہیں آئے گی۔ انا کو اس کی اس چھٹی پر حیرت ہوئی صبح جب بات ہوئی تھی تو اس نے ذکر تو نہیں کیا تھا زیادہ تفصیلاً بات تو نہ ہوسکی مگر وہ الجھ ضرور گئی تھی کہ کہاں ہمیشہ ریگولر رہنے والی لڑکی اب ایک دم اپنی ایجوکیشن سے غافل ہوتی یوں ڈھیر ساری چھٹیاں اوپر تلے کررہی تھی۔ پچھلے دنوں چھٹیوں کی وجہ بنتی تھی مگر آج بغیر کچھ بتائے ہی اس نے چھٹی کرلی تھی۔ اس نے سوچا کہ گھر جاکر وہ اسے تفصیلی کال کرے گی۔ ویسے بھی ایاز والے معاملے پر ابھی اس نے اس کے ری ایکشن کا بھی جائزہ لینا تھا۔ چار بجے وہ گھر واپس آئی تو لاؤنج میں روشانے کے ساتھ ولید کو دیکھ کر چونکی وہ آج کل بے وقت اکثر گھر ہی میں پایا جانے لگا تھا۔

"السلام علیکم۔" وہ روشانے کے پاس ہی آبیٹھی تھی۔

"وعلیکم السلام۔" دونوں بہن بھائی نے جواب دیا۔ انا نے دیکھا وہ دونوں کوئی کارڈ تھامے دیکھ رہے تھے۔

"شادی کا کارڈ پرنٹ ہوکر آگیا ہے کیا؟" اس نے روشانے کے ہاتھ سے کارڈ لے لیا۔

"ہوں ابھی لے کر آیا ہوں...... ڈیزائن دیکھو کیسا ہے؟" ولید نے کہا تو اس نے سادہ مگر خوب صورت کارڈ کو الٹ پلٹ کر دیکھا۔

"بہت پیارا اور ڈیسنٹ ڈیزائن ہے۔" اس نے سراہا۔

"بھلا ڈیسنٹ کیوں نہیں ہوتا آفٹر آل میں نے سلیکٹ کیا ہے۔" ولید نے اپنے کالر کھڑے کیے تو وہ مسکرادی اور بغور ولید کو دیکھا وہ گھر آنے کے بعد شاید لباس بدل چکا تھا۔ ٹی شرٹ اور ٹراؤزر میں وہ خاصے ریلیکس موڈ میں بیٹھا ہوا تھا۔ جیسے اب چند گھنٹے وہ اسی جگہ بہت سکون سے گزارنے والا تھا۔

"ویل ڈن...... چوائس اچھی ہے۔" اس نے کارڈ واپس ٹیبل پر رکھ دیا تھا۔ ولید نے اسے دیکھا پچھلے دنوں کے برعکس دو دن سے اس کا موڈ خاصا خوشگوار ہوچکا تھا۔ اب وہ پھر سے سب میں اٹھنے بیٹھنے لگی تھی۔ چھوٹی چھوٹی باتوں کو انجوائے کرنے لگی تھی۔

"کھانا کھاؤ گی؟" روشانے نے پوچھا تو وہ سر ہلاگئی۔

"ہاں مگر پہلے چینج کرلوں تم صغراں کو کہو کھانا نکالے بہت زوروں کی بھوک لگی ہے۔ بلکہ ادھر ہی لے آئے۔" اپنا بیگ اور بکس لے کر وہ اپنے کمرے کی طرف چلی گئی تو ولید نے باہر جانے تک اسے دیکھا تھا۔

"آج انا کا رویہ خاصا خوشگوار لگ رہا ہے؟" اس نے بہن کو بتایا۔

"ہوں کل سے بلکہ ایک دو دن سے وہ پھر پہلے والی روٹین پر آگئی ہے۔"

"تم نے بات کی پوچھا خراب موڈ کا ریزن؟" ولید نے سوال کیا۔

"نہیں بس موقع ہی نہیں ملا پھر انا کا موڈ بھی بحال ہورہا تھا تو میں نے خوامخواہ بات چھیڑنا مناسب نہیں سمجھا۔" روشانے جواب دے کر اٹھ کھڑی ہوئی تھی۔ ولید نے سر ہلا کر ریموٹ اٹھا کر ٹی وی آن کیا۔ پانچ منٹ بعد انا چینج کرکے آئی تو روشانے اس کا کھانا بھی ادھر ہی لے آئی تھی۔

کھانا کھاتے وہ روشانے سے مختلف باتیں کرتی رہی تھی۔ ٹی وی دیکھتا ولید گاہے بگاہے اس کے وجود پر نگاہ ڈال لیتا تھا۔ انا کا اس رات والا رویہ ولید کے لیے ابھی بھی ایک معمہ بنا ہوا تھا۔

"آج تو موڈ بڑا فریش ہے...... خیریت ہے؟" وہ روشانے کی کسی بات پر کھلکھلا کر ہنسی تھی اور ولید جس کی توجہ اس کی طرف تھی اس نے پلٹ کر چھیڑا۔

"آپ کو دیکھ لینے کا اعزاز ہے۔" اس نے مذاق کے رنگ میں دل کی بات کہہ دی تھی۔ لہجے میں کھنک تھی دونوں بہن بھائی مسکرادیے۔

"ذرہ نوازی ہے آپ کی۔" ولید نے فوراً سر تسلیم خم کیا۔

"اس کا مطلب ہے کہ تمہارے فریش موڈ کو برقرار رکھنے کے لیے مجھے اب چوبیس گھنٹے تمہارے ساتھ رہنا پڑا کرے گا۔"

ولید نے اس کے چمکتے روشن چہرے کو خوشگوار حیرت وتبسم سے دیکھتے مسکرا کر کہا تو وہ جھینپ گئی۔
"میں نے بھلا ایسا کب کہا ہے؟"
"مجھے تو ایسا ہی لگا کہ تم نے مذاق کے رنگ میں دل کی بات کہہ دی ہو۔" اپنی طرف سے ولید مذاق میں کہہ رہا تھا مگر انا کا پورا چہرہ ایک دم سرخ ہوا تھا۔
تو کیا وہ اس کے دل تک رسائی حاصل کر رہا تھا یا کر چکا تھا۔ انا نے حیران ہو کر ولید کو دیکھا۔
"حیرت ہے مجھے کبھی پتا ہی نہیں چلا کہ آپ دل کی باتوں کو بھی جان لیتے ہیں۔" ولید اس کی بات پر کھلکھلا کر ہنس دیا۔
"محترمہ میں دل کی باتوں کو نہیں بلکہ تمہارے دل کی بات کو جاننے کی کوشش کر رہا ہوں۔" روشانے دونوں کی باتوں پر مسکرا کر برتن ٹرے میں رکھتے کچن کی طرف چلی گئی تھی۔
"تو پھر میرے دل کے بارے میں کیا جان پائے ہیں عزت مآب ولید ضیا صاحب۔" وہ کشن گود میں رکھ کر بڑے ریلیکس موڈ میں مخاطب ہوئی تھی۔
"یہی کہ دل کہیں الجھا ہوا ہے۔" ولید کا انداز خاصا شرارتی تھا۔
"ویسے مجھے دل کے حوالے سے ایک شعر یاد آ رہا ہے۔"

دل تو کہتا ہے کہ شاید ہے افسردہ تو بھی
دل کی کیا بات کریں' دل تو ہے نادان جاناں

"اب ایسی بھی کوئی بات نہیں۔" وہ ولید کے الفاظ پر بری طرح جھینپی تھی۔
"تو پھر کیسی بات ہے؟" وہ ایک دم سنجیدہ ہوا تھا۔ اس نے شاید اسی لیے بات چھیڑی تھی۔

دل میں تعبیریں تھیں اپنی آنکھ میں مانگے کے خواب
خود کو ہی دھوکا دیا خود سے شرارت کی گئی

انا نے دھیرے سے شعر پڑھا تو وہ ایک دم متاثر ہوا۔
"زبردست۔" اس کا مطلب ہے میڈیکل پڑھنے والے اپنے اردو ادب سے اتنے بھی بے خبر نہیں۔" اس نے خوب سراہا تو وہ مسکرا دی۔
"جب ساری عمر باہر گزار کر آنے والے لوگ ہم سے شاعری کی زبان میں گفتگو کر سکتے ہیں تو کیا ہم جو دن رات پڑھتے اور بولتے ہی اردو ہیں اگر اردو زبان میں جواب دے لیں تو کیا مضائقہ ہے۔" انا نے دھیرے سے کہا تو وہ سر ہلا گیا۔
"بہت خوب بٹ ڈیئر کزن یہ تھوڑا بہت ذوق بابا کی وجہ سے پیدا ہو گیا ہے۔ تمہیں بتایا تو ہے کہ بابا نے ساری زندگی دو ہی تو کام کیے ہیں جاب کے بعد ایک ہماری تربیت اور دوسرا اردو ادب کا مطالعہ۔ پاکستان سے دور رہتے ہوئے بھی انہوں نے ہمیشہ پاکستانی لٹریچر خصوصاً اردو لٹریچر کو اپنے گھر میں زندہ رکھا ہے۔ بابا کو شاعر حضرات' نقاد' مصنفین سے بہت لگاؤ تھا۔ ایسے میں ہمیں بھی تھوڑا بہت انٹرسٹ ہو گیا تھا۔" ولید نے تفصیلاً بتایا تو وہ دلچسپی سے اسے سنے گئی۔
"ہاں آپ کے اور ماموں کے رومز میں سے اکثر غزل کی آواز سنائی دیتی ہے۔"
"ہوں...... بابا غزلوں کے بہت شوقین ہیں وہاں بھی وہ بس پاکستانی غزل گو گائیکوں کی اچھی سی ڈیز اور البم اکٹھے کرتے رہتے تھے۔"
"آپ لوگوں کو کبھی خیال نہیں آیا کہ آپ لوگ اپنے ننھیال والوں سے ملیں؟" ماما نے اسے سختی سے منع کیا تھا کہ ان بہن بھائی سے اس موضوع پر کوئی بات نہیں کرنی مگر اب اچانک اس کے منہ سے نکلا تو ولید نے بہت تعجب اور حیرت سے اسے دیکھا۔
"تمہیں یہ خیال کیونکر آیا؟" وہ پوچھ رہا تھا انداز بہت سنجیدہ تھا۔
"یونہی...... بس ویسے ہی۔" ولید کے سنجیدہ انداز پر وہ بھی کنفیوژ ہو گئی تھی۔
"آئندہ ہم سے یہ سوال مت کرنا' رشتے وہی مضبوط' اہم اور پائیدار ہوتے ہیں جو خود آگے بڑھ کر اپنے ہونے کا احساس

...میں اور جس رشتے کو ہم نے دیکھا نہیں محسوس تک نہیں کیا اس پر بات بھی کیوں کریں؟" ولید کا انداز بہت روڈ تھا۔ انا کو لگا کہ اس نے یہ سوال کر کے بہت بڑی غلطی کی ہے۔ وہ شرمندہ سی ہو گئی تھی۔
"ایم سوری۔"
"اٹس اوکے۔" وہ دوبارہ ٹی وی کی طرف متوجہ ہو گیا تھا۔ ولید کا انداز ایک دم سنجیدہ اور لاتعلقی والا ہو گیا تھا۔ انا اسے کن انکھیوں سے دیکھتے خود پر خفا ہو رہی تھی خوامخواہ اس نے ایسا سوال کر کے اسے خفا کر ڈالا تھا۔ کتنے دنوں بعد تو وہ اس سے یوں دوستوں کی طرح بات کر رہا تھا اور وہ خود اپنی ذات کے حصار سے نکل کر اس کی کمپنی کو انجوائے کر رہی تھی۔ انا کو شدید تاسف نے آ لیا۔
"ولی......" انگلیاں چٹخاتے اس نے پکارا۔
"ہوں......" بغیر اسے دیکھے وہ بولا۔
"ناراض ہو گئے ہیں کیا؟" انتہائی خوفزدہ انداز میں پوچھ رہی تھی۔ اس کے انداز پر خود ولید نے چونک کر اسے دیکھا۔ اس کی آنکھوں میں عجیب سا خوف تھا اسے تعجب ہوا۔
"نہیں' اس میں بھلا خفا ہونے والی کونسی بات تھی جو تم سے ناراض ہوتا۔ بس جب بھی کوئی ہم سے ایسا سوال کرتا ہے تو مجھے بڑا عجیب لگتا ہے۔ ہم نے صرف ایک رشتہ ہی اپنے اردگرد دیکھا ہے اپنے بابا کا۔ ماں کیا ہوتی ہے ہمیں نہیں پتا۔ بابا نے ہمیں ماں باپ بن کر پالا۔ دونوں کے فرائض پورے کیے۔ ہمارے دلوں میں کسی اور محبت یا رشتے کے متعلق کبھی کوئی فیلنگز ہی نہیں پیدا ہوئی ہاں تم لوگوں کے ساتھ جو رشتہ ہے وہ محبت' خلوص' انسیت کا ایک انمٹ رشتہ ہے۔ بابا اور تم لوگوں کے ہوتے ہوئے' ہمیں کبھی کسی اور رشتے کی ضرورت ہی نہیں محسوس ہوئی تو پھر ملنے یا نہ ملنے کا سوال پیدا نہیں ہوتا۔" ولید کا انداز اب کے بڑا اپنائیت آمیز تھا۔ وہ مسکرا دی۔
اس نے دل میں عہد کیا کہ وہ اب کبھی بھی ماما یا کسی دوسرے انسان سے یہ سوال نہیں کرے گی۔ یہ ذکر ولید کو اچھا نہیں لگا تھا۔ اب اس نے یہ بات کبھی اپنے دل و دماغ میں بھی نہیں لائی تھی۔ جو بات ولید کو نہیں پسند تھی وہ اس بات کو اب زندگی بھر نہیں دہرائے گی اس نے یہ طے کر لیا تھا۔
"آج آپ جلدی کیوں آ گئے تھے؟" اس نے بات پلٹی۔
"شادی کے لیے کچھ شاپنگ کا ارادہ تھا احسن کے ساتھ مگر وہ عین وقت پر دغا دے گیا کسی سے بہت ضروری ملنا پڑ گیا تھا۔ اب اکیلے جا کر کیا کرتا؟ سو پرنٹنگ ہاؤس سے شادی کارڈ لیے اور گھر چلا آیا۔"
"آپ اکیلے چلے جاتے؟" اس نے کہا۔
"اکیلے جانے میں کوئی حرج نہیں مگر ابھی تک پاکستان آ کر ایک بار بھی جینٹس کی شاپنگ کا موقع نہیں ملا۔ مجھے تو مارکیٹ کا ہی اندازہ نہیں کہ کون سی ورائٹی مارکیٹ میں ان ہے۔ اچھی گارمنٹس کہاں دستیاب ہیں؟" وہ ہنس دی۔
"تو اس میں مسئلہ کیا تھا روشی کو لے جاتے ساتھ۔ ان چند دنوں میں شادی کی تیاریوں کے سلسلے میں اسے ہر جگہ کا علم ہو چکا ہے کون سی ورائٹی کہاں دستیاب ہے۔"
"ہوں...... آئیڈیا تو اچھا ہے۔ چلو آج اگر جلدی آ گیا ہوں تو تھوڑا بہت یہ کام بھی کر لیتے ہیں کیا خیال ہے چلو گی؟ تم تو اس شہر کی رہنے والی ہو تمہیں تو ساری مارکیٹ اور مالز کا علم ہو گا نا؟"
"میں...... اس وقت؟"
"کوئی حرج نہیں کافی ٹائم ہے ہمارے پاس دراصل احسن کو گفٹ دینے کے لیے کچھ خاص خریدنا تھا۔ تم تو اس کی بہن ہو تمہیں اس کی ہر طرح کی پسند و ناپسند اور چوائس کا علم ہو گا۔ روشی سے پوچھ لو اگر چلنا ہے تو فوراً ریڈی ہو جاؤ میں بھی چینج کر لیتا ہوں۔" ولید نے ریموٹ ایک طرف رکھتے فوراً پروگرام بنایا تھا۔
"اوکے میں روشی سے کہتی ہوں۔" وہ فوراً رضامند ہو گئی تھی۔

❀......☆☆......❀

شاہزیب صاحب آفس سے لوٹے تو کافی پریشان لگ رہے تھے اور گھر آتے ہی سیدھا اپنے بیڈروم میں چلے گئے تو مہر النساء بیگم کے دل کو شدید تشویش نے آ گھیرا۔ وہ فوراً کمرے میں پہنچیں تو دیکھا شاہزیب صاحب بغیر لباس بدلے بستر پر بیٹھے ہوئے تھے۔

"کیا بات ہے پریشان لگ رہے ہیں؟" انہوں نے شوہر کے قریب بیٹھتے پوچھا۔

"بس رات والے واقعے نے ہی الجھا رکھا ہے؟" انہوں نے سنجیدگی سے بتایا۔

"کوئی پریشانی ہوگئی ہے پھر سے کیا۔ وہ تو حوالات میں بند تھا نا؟"

"وہ تو سب ٹھیک ہے اس کا باپ اور وکیل بڑی کوششیں کر رہے ہیں چھڑوانے کی امجد خان کے پاس کئی چکر لگا چکا ہے وہ شخص مگر مجھے اصل تشویش مصطفیٰ کی طرف سے لاحق ہو رہی ہے۔" انہوں نے قدرے رسانیت سے بتایا تو وہ چونکیں۔

"کیا ہوا ہے مصطفیٰ کو؟"

"مصطفیٰ کو کچھ نہیں ہوا رات تو وہ اچھا خاصا کنٹرول میں تھا صبح بھی ملاقات ہوئی تھی ٹھیک ہی تھا مگر اب تو اس پر صرف جنون سوار ہے کہ وہ اس شخص کو جان سے مار دے گا۔ کسی بھی قیمت پر زندہ نہیں چھوڑے گا۔"

"اچھا...... اب کیا مسئلہ ہوا ہے؟" وہ شوہر کی باتیں سن کر اچھی خاصی پریشان ہوگئی تھیں۔

"آپ کو پتا تو ہے وہ کتنا تحمل مزاج ہے مگر جب کوئی بات اس کے ذہن میں بیٹھ گئی تو پھر چین سے تب بیٹھے گا جب تک پوری نہیں کر لے گا؟ رات میری ہدایات کی وجہ سے چپ رہا تھا مگر آج جب واپس آفس کی طرف گیا تو وہ سیدھا امجد خان کے پاس حوالات میں پہنچا تھا۔ وہاں جاتے ہی اس نے اس لڑکے ایاز کی اچھی خاصی پٹائی کر ڈالی تھی۔ آپ کو بتایا تو ہے کہ اچھا خاصا فائٹر ہے وہ اس معاملے میں اس کے چند وار ہی مقابل کو ادھ موا کر دینے کو کافی ہیں۔ وہ تو خیر ہوئی کہ امجد خان اور ساتھیوں نے زبردستی اسے وہاں سے نکال دیا تھا مگر جس طرح کے مصطفیٰ کے تیور تھے مجھے نہیں لگتا کہ دوبارہ سامنا ہونے پر وہ اس لڑکے کو زندہ چھوڑے گا۔ امجد خان نے پریشان ہو کر مجھے کال کی تھی تو مجھے وہاں فوراً جانا پڑا۔ بڑی مشکل سے مصطفیٰ کو قابو کیا...... مگر اس کا جوش کسی بھی طرح کم نہیں ہو رہا۔" انہوں نے تاسف سے سب بتایا۔

"اچھا خاصا اس لڑکے پر تشدد کیا ہے اگر اس کے باپ تک بات پہنچ گئی تو ایشو بن سکتا ہے ٹھیک ہے وہ ہمارے قبضے میں ہے مگر ہم بھی یہ سب قانون و قاعدے کے تحت کر رہے ہیں تو اب مصطفیٰ کو بھی خود پر کنٹرول کرنا ہوگا۔ مگر اس کے ذہن میں میرے بہت سمجھانے پر بھی یہ نکتہ فٹ نہیں ہو پا رہا۔"

"میرے اللہ...... اب وہ کدھر ہے؟"

"پتا نہیں مجھ سے بھی خفا ہو کر کہیں نکل گیا ہے۔ وہ کہتا ہے کہ اس شخص نے ہمارے خاندان کی خواتین پر ہاتھ اٹھایا ہے یہ جرم ناقابل معافی ہے وہ اسے زندہ نہیں چھوڑے گا۔ میرے سمجھانے کے باوجود بھی اس پر کوئی اثر نہیں ہو رہا۔" وہ مصطفیٰ کو لے کر خاصے پریشان لگ رہے تھے۔

"مجھے چاہیے تھا کہ اسے رات میں ہی گھر واپس بھیج دیتا اور خود ہی سارا معاملہ ہینڈل کرتا یہ شروع سے ہی اس قدر جنونی رہا ہے جو بات ذہن میں بیٹھ گئی وہیں بیٹھ گئی۔ اسے ہوسٹلوں میں اسی لیے تو رکھا تھا کہ اس کی طبیعت کا یہ جنونی پن ختم ہو مگر وہاں جا کر بھی نجانے کیا کچھ کرنے لگ گیا تھا پریشان ہو کر پھر میں نے بلیک بیلٹ فائٹنگ کی ٹریننگ میں لگا دیا۔ یہ جنون تو کم ہوا مگر باہر جا کر بھی یہی کچھ کرتا رہا ہے ہمیں کیا پتا تھا اتنا بڑا فائٹر بن جائے گا۔ پاکستان آتے ہی اس نے کہا کہ وہ یہ جاب کرنا چاہتا ہے اس کا اس چیز میں انٹرسٹ ہے میں نے بھی ہامی بھر لی۔ اس کا شوق دیکھتے اس کی تربیت کروائی۔ امتحان دلوایا اتنا عرصہ نارمل ہی رہا ہے۔ اب ایک دم پھر وہی جنونی پن میں تو پریشان ہوگیا ہوں۔" وہ واقعی خاصے پریشان تھے۔

"آپ کے پاس تابندہ کی کوئی کال آئی؟" انہوں نے بیگم کو دیکھا۔

"نہیں میرے پاس تو نہیں آئی شہوار کا ہمیں پتا نہیں۔"

"اور شہوار کا کیا حال ہے؟ کوئی بات چیت کر رہی ہے کہ نہیں یا ابھی تک کمرے ہی میں بند ہے۔"

"ہاں آپ لوگوں کے جانے کے بعد ناشتا کرنے نکلی تھی۔ رات والی حالت تو نہیں مگر پھر بھی ایک شدید صدمے سے گزری ہے اب آہستہ آہستہ ہی سنبھلے گی۔"

"ہوں...... اور اس کے چہرے کا زخم؟"

"عائشہ کو مسلسل اس کے ساتھ ہی لگایا ہوا ہے میں نے آتے جاتے مرہم لگا رہی ہے نیل قدرے کم ہوئے ہیں۔ اب جو جلد کے اندر زخم ہوا ہے وہ تو آہستہ آہستہ ہی ٹھیک ہوگا نا۔"

"مصطفیٰ کی جو کنڈیشن ہے میں سوچ رہا ہوں کہ مجھے دیر نہیں کرنی چاہیے اب تابندہ سے بات کرتے ہیں مصطفیٰ کا شہوار کی طرف رجحان میں اچھا خاص محسوس کر رہا ہوں وہ اس قصے میں اس قدر جذباتی شہوار کی ہی وجہ سے ہو رہا ہے۔ تابندہ سے بات کر کے نکاح تو ہو جائے مصطفیٰ کی توجہ بھی بٹے گی اور اس کا جوش بھی کم پڑ جائے گا۔ مصطفیٰ کے لیے شہوار جیسی لڑکی کا انتخاب کیا ہی اس لیے تھا کہ مصطفیٰ کو اس جیسی لڑکی ہی ہینڈل کر سکتی ہے۔ وہ ٹھنڈے سبھاؤ اور مزاج والی لڑکی ہے۔" وہ مصطفیٰ والے واقعے کو لے کر خاصے پنجی ہو رہے تھے انہوں نے تفکر سے سر ہلا دیا۔

"یہ سب تو ٹھیک ہے مگر وہ شہوار بھی تو راضی ہو؟ اس دن تابندہ نے آپ کو بتایا تو تھا۔"

"شہوار کو راضی کرنا اتنا بڑا مسئلہ نہیں وہ میں خود دیکھ لوں گا۔ اس کے اعتراضات عام نوعیت کے ہیں۔ ان کو ہینڈل کرنا مشکل نہیں۔"

"آپ مجھے یہ فون دیں میں ابھی تابندہ سے بات کرنا چاہتا ہوں۔" شاہزیب صاحب کا انداز حتمی تھا۔ انہوں نے سائیڈ ٹیبل پر دھرا اسیٹ اٹھا کر ان کے سامنے رکھ دیا۔

"ہیلو۔" انہوں نے کال ملائی تو دوسری طرف کوئی ملازمہ تھی۔

"میں شاہزیب بات کر رہا ہوں تابندہ بی کو بلواؤ۔" انہوں نے حکم دیا۔

"السلام علیکم صاحب جی ابھی بلواتی ہوں۔" وہ فوراً ریسیور رکھ کر چلی گئی تھی۔ کچھ دیر بعد ہی تابندہ لائن پر تھیں۔

"السلام علیکم۔"

"وعلیکم السلام کیسی ہیں آپ؟" انہوں نے پوچھا۔

"اللہ کا بڑا کرم ہے آپ سنائیں۔"

"ہم بھی سب ٹھیک ٹھاک ہیں۔ بابا صاحب کیسے ہیں...... اب طبیعت کیسی ہے ان کی؟" انہوں نے مزید پوچھا۔

"طبیعت تو خاصی سنبھل گئی ہے۔ ڈاکٹر دن میں کئی بار چکر لگاتا ہے۔ پھر ہم سب توجہ بھی دے رہے ہیں۔ اب تو وہ خود کمرے سے نکل کر حویلی میں گھوم پھر لیتے ہیں۔"

"ویل ڈن...... بہت اچھی امپروومنٹ ہے۔ زینب آپا اور زہرہ موجود ہیں یا چلی گئی ہیں؟"

"زینب آپا تو کل شام میں رخصت ہوگئی تھیں زہرہ ابھی موجود ہیں۔"

"مجھے آپ سے بہت ضروری بات کرنی ہے ذرا توجہ سے میری بات سنیے گا۔" انہوں نے سنجیدگی سے کہا تو دوسری طرف وہ الجھیں۔

"جی کہیے میں سن رہی ہوں۔"

"اس رات جب بابا صاحب کی خراب طبیعت کے متعلق ہمیں اطلاع ملی تھی تو ہم مصطفیٰ اور شہوار کے رشتے کو ہی ڈسکس کر رہے تھے اور آپ ہمیں شہوار کے راضی نہ ہونے کی وجہ بتا رہی تھیں؟" انہوں نے کہنا شروع کیا۔

"جی۔" وہ سنبھل گئیں۔ وہ پتا نہیں مزید کیا کہنا چاہتے تھے۔

"مزید اس موضوع پر پھر ہماری بات نہ ہو سکی تھی۔ مگر اب میں آپ سے دونوں کے نکاح کی تاریخ مانگ رہا ہوں۔ اسی ہفتے کی کوئی تاریخ دے دیں۔ بابا صاحب سے بھی صلاح مشورہ کر لیں بلکہ میں خود ان کو کال کر کے پوچھ لیتا ہوں۔ آپ بتائیں آپ کی کیا رائے ہے؟" انہوں نے ایک دم عجلت میں سب کہا تو وہ حیران رہ گئیں۔

"اتنی جلدی مگر یہ کیسے ممکن ہے اور شہوار وہ تو سرے سے راضی ہی نہیں......!"

"بچے اس ایج میں ایسے ذہنی کرائسز سے گزرتے رہتے ہیں۔ شہوار سے میں خود بات کرلوں گا۔ کیا آپ کو ہم پر ہمارے خاندان پر یا مصطفیٰ پر کوئی شبہ ہے؟" وہ پوچھ رہے تھے دوسری طرف سے تابندہ بی فوراً کہا تھی۔

"نہیں، مصطفیٰ تو بہت اچھا لڑکا ہے شہوار کا نصیب بنے میری بھی شدید خواہش ہے مگر شہوار بھی میری ایک ہی بیٹی ہے اس کی مرضی کے بغیر کیسے کچھ کرسکتی ہوں۔ کسی کو پرکھنے کے لیے ایک لمحہ کافی ہوتا ہے میں نے برسوں آپ لوگوں کے ساتھ گزار دیے ہیں پھر بھی شبہ والی گنجائش نکل آئے؟ ناممکن سی بات ہے مجھے آپ لوگوں پر اپنی ذات سے بڑھ کر بھروسہ ہے۔"

"تو پھر بالکل بے فکر ہوجائیے۔ شہوار کے ری ایکشن کو ذہن پر مت لیں۔ وہ آہستہ آہستہ سنبھل جائے گی۔ میں خود بات کرلوں گا۔ ہر ایک کو میں نے مصطفیٰ اور شہوار کے رشتہ طے ہوجانے کی خبر دے دی ہے۔ خاندان میں ہر کوئی باخبر ہے ایسے میں ہم پیچھے ہٹیں گے تو بہت سے سوال اٹھیں گے۔ یہ ہماری زبان اور ہماری آن کی بات ہے۔ پھر بتائیں نکاح کی کون سی تاریخ درست رہے گی۔" ان کا اس قدر حتمی اور قطعی دوٹوک انداز تھا کہ تابندہ بی ایک گہرا سانس لے کر رہ گئی تھیں۔

"جیسا آپ مناسب سمجھیں۔ شہوار کیسی ہے؟ آج اور کل سارا دن مجھے وقت ہی نہیں ملا کہ اسے کال کرتی۔ وہ ٹھیک تو ہے نا؟" وہ پوچھ رہی تھیں۔

"جی بالکل ٹھیک ہے آپ سے ایک اور فیور بھی درکار ہے آپ جب تک یہ سارا پروسس فائنل نہیں ہوجاتا شہوار سے بات نہیں کریں گی۔ وہ بچی ہے اس معاملے میں خاصی جذباتی ہے میں خود ہی ہینڈل کرلوں گا۔"

"جی ٹھیک ہے جیسا آپ مناسب سمجھیں۔" انہوں نے ہامی بھرلی تھی۔

"اوکے...... پھر شہوار سے بات کرکے اور پھر بابا صاحب سے فائنل بات کرکے میں آپ کو ایگزیکٹ ڈیٹ بتادیتا ہوں یا پھر آپ تاریخ فائنل کردیں۔"

"جی ٹھیک ہے آپ ہی فائنل کرلیں۔" انہوں نے ہامی بھری۔

"اللہ حافظ۔"

"اللہ حافظ۔"

انہوں نے ریسیور کریڈل پر رکھا تو مہرالنساء بیگم نے فوراً کہا۔

"تابندہ مان گئی؟"

"جی...... آپ ایسا کریں میرے ساتھ ابھی شہوار کے پاس چلیں۔ میں اب اس معاملے کو لٹکانا نہیں چاہتا۔ جتنی جلدی فائنل ہو بہتر ہے۔" وہ اٹھ کھڑے ہوئے تھے۔ دونوں شہوار کے روم میں آئے تو وہ بالکل اکیلی کھڑکی کے پاس کھڑی تھی۔ دونوں کو دیکھ کر وہ بستر پر آ بیٹھی۔

"اب کیسی طبیعت ہے تمہاری بیٹا۔" دونوں اس کے دائیں بائیں بیٹھ گئے تھے۔

"جی ٹھیک ہوں۔" وہ ابھی بھی چادر چہرے پر کیے ہوئے تھی ہاں البتہ وہ لباس بدل چکی تھی۔

"ہمیں آپ سے ایک بہت ضروری بات کرنی تھی۔" شاہزیب صاحب نے کہا تو شہوار نے سر اٹھا کر انہیں دیکھا۔

"جی کہیے۔"

"آپ ہمیں کیا حیثیت دیتی ہیں؟" انہوں نے پوچھا تو وہ الجھی۔ نجانے وہ ایسا سوال کیوں پوچھ رہے تھے۔

"آپ کی میں بہت عزت کرتی ہوں۔ زندگی کے ہر میدان میں بابا صاحب کے بعد آپ نے جس طرح ایک باپ کی طرح میرے سر پر ہاتھ رکھا ہے میرا خیال کیا ہے مجھے ہمیشہ ایک تحفظ کا احساس دلایا ہے آپ کی ذات میرے لیے بہت اہم ہے۔" اس نے دل میں موجود جذبات کہہ دیے تو وہ مسکرادیے۔

"مجھے آپ کے جذبات کے اظہار پر بہت خوشی ہوئی ہے۔ آپ کی زندگی کا کوئی بھی فیصلہ کرنے میں مجھے کس قدر اختیار حاصل ہے آپ مجھے یہ بتائیں۔" بہت شفقت سے انہوں نے اس کے سر پر ہاتھ رکھ کر پوچھا تو وہ حقیقتاً چونکی۔

"اس سوال کا کیا پس منظر ہوسکتا ہے؟" وہ اندر ہی اندر الجھی۔

"آپ جو بھی حکم کریں میں آپ کی ہر بات مانوں گی مگر اس سوال کا مطلب؟" شاہزیب صاحب نے اپنی بیگم کو دیکھا جیسے کہہ رہے ہوں اب اگلی بات آپ کریں۔

"کل جو بھی واقعہ ہوا اس سے ہمیں بہت تکلیف ہوئی ہے۔ اس لیے ہم نے اسی ہفتے آپ اور مصطفیٰ کے نکاح کا فیصلہ کیا ہے۔"

"جی......!" مہرالنساء بیگم نے بتایا تو وہ حیرت زدہ رہ گئی۔

"تابندہ نے ہمیں بتایا تھا کہ آپ اپنے خاندانی مسئلے کو لے کر خاصی جذباتی ہورہی ہیں۔ انہوں نے ہمیں یہ بھی بتایا تھا کہ آپ مصطفیٰ کے ساتھ اس رشتے پر ابھی بالکل راضی نہیں ہیں ہم آپ کے جذبات کو اہمیت دیتے ہیں مگر شہوار بیٹا اس واقعے کی روشنی میں ہمارا یہ فیصلہ بہت ضروری تھا۔ اس لیے ہم آپ سے یہ بات کرنے آئے تھے امید ہے آپ کو اعتراض نہیں ہوگا۔" شاہزیب صاحب کا دوٹوک اور فیصلہ کن انداز دیکھ کر وہ حیرت زدہ رہ گئی۔

وہ جو سرے سے اس رشتے پر ہی راضی نہ تھی ان کا فیصلہ سن کر گم صم ہوگئی۔ بھلا اتنی عجلت میں یہ سب کیسے ہوسکتا ہے؟

"ہمارے لیے ان حالات میں آپ کے تحفظ کے لیے یہ فیصلہ کرنا بہت ضروری تھا۔ ایاز جیسے لوگوں کو کمزور نہیں سمجھنا چاہیے۔ بس یہ حفاظتی اقدام سمجھ لیں آپ۔" وہ مزید کہہ رہے تھے۔

"مگر یہ کیسے ممکن ہے میں تو......!" اس نے گھبرا کر مزید کچھ کہنا چاہا تو انہوں نے ہاتھ اٹھا کر روک دیا۔

"خاندانی لحاظ سے بعض فیصلے بہت اہم ہوتے ہیں۔ عام طور پر ہم فیصلہ کرتے ہوئے کسی کا مالی و نسبی معیار ضرور دیکھتے ہیں مصطفیٰ ہمارا سب سے لاڈلا اور پیارا بیٹا ہے اس کے لیے ہماری چوائس بھی سب سے اعلیٰ تھی۔ میں نے زندگی میں ہمیشہ اسے سب سے اعلیٰ معیار زندگی مہیا کرنے کی کوشش کی ہے تعلیم ہو شوق ہو لباس ہو یا رہن سہن ہر چیز اس کو بہت اعلیٰ سطح کی مہیا کی ہے تو پھر اس کا "لائف پارٹنر" ایک عام درجے کا انسان بھلا کیونکر ہوسکتا تھا؟ سو آپ میرا انتخاب ٹھہریں۔ آپ اپنے والدین کے متعلق سوال کرتی ہیں تو ایک سوال کا مجھے بھی جواب دیں کیا آپ کو اپنے والد کے آئی ڈی کارڈ پر کوئی شک ہے؟" وہ پوچھ رہے تھے اور وہ ایک دم نفی میں سر ہلا گئی۔

ہاں اپنے والد کی شناخت کے لیے اس کے پاس اپنی ذات کو تسلیم کرنے کے لیے صرف آئی ڈی کارڈ ہی تو تھا۔ وہ آئی ڈی کارڈ جو اس کی ماں کے پاس اس کے والد کی ذات کے متعلق واحد ثبوت تھا۔

"تو پھر کس چیز پر آپ کو اعتراض ہے؟" وہ پوچھ رہے تھے وہ گم صم ہوگئی تھی۔ اس کے اندر سوالات کی ایک بوچھاڑ تھی۔ اگر اس کی ذات کو تسلیم کرلیے جانے کے لیے ایک آئی ڈی کارڈ کافی تھا تو پھر دنیا کے بتائے ہوئے باقی مالی معیارات کہاں تھے؟ ان کو یہ لوگ کیوں نہیں دیکھ رہے تھے؟ وہ اگر قدم قدم پر ذلت سہہ رہی تھی تو کیوں؟ ایاز جیسا بدباطن آوارہ بدمعاش اس کے پیچھے لگا تھا تو کیوں؟ کوئی بھی کہانی بغیر وجہ کے جنم نہیں لیتی تو اس کہانی میں اس کا کردار کیا تھا؟ عادلہ جیسی خواتین اسے کم حیثیت گندہ خون ہونے کے طعنے کیوں دیتی تھیں؟ کوئی وجہ تو تھی نا اس سارے سیٹ اپ کے پیچھے کچھ تو تھا؟ اگر وہ ایک آئی ڈی کارڈ کی محتاج تھی تو اس کی ماں باقی کی کہانی کیوں چھپائے ہوئے تھیں۔ آخر کیوں...... اور یہ لوگ اس سے رشتہ جوڑنے پر اتنے بضد کیوں تھے؟ اس کو یہ سارے اعتراضات تھے مگر وہ ایک لفظ بھی نہ کہہ سکی۔ وہ بالکل گم صم اور گونگی بن گئی۔

"آپ مجھے اپنے والد کی جگہ سمجھتی ہیں۔ تو کیا ایک والد اپنی بیٹی کے لیے کوئی غلط فیصلہ کرسکتا ہے؟" وہ پوچھ رہے تھے شہوار کو لگا اس کے لبوں پر تالا لگ گیا ہے اس نے بے انتہا اذیت سے انہیں دیکھا وہ چاہ کر بھی انہیں کہہ نہ سکی کہ......

"اگر یہ فیصلہ ہوگیا تو وہ ہمیشہ کے لیے اپنی ذات کا سارا مان، سارا غرور، سارا فخر کھودے گی اور پھر وہ کبھی بھی اس خاندان کے کسی بھی فرد کے سامنے سر اٹھا کر بات نہیں کرسکے گی۔ کسی کے بھی سامنے ٹھہر نہیں سکے گی۔" یہ کیسی زندگی تھی وہ چاہ کر بھی فیصلے کا اختیار نہیں رکھتی تھی۔ اس کا شدت سے جی چاہا کہ اپنی ذات کو یہیں کہیں ختم کرکے دفن کر ڈالے ہمیشہ ہمیشہ کے لیے۔ مگر یہ سب اتنا آسان کب تھا؟ وہ تو ہمیشہ سے جانتی تھی کہ اگر بات ان بڑوں تک پہنچی تو وہ ان لوگوں کی محبتوں کے قرض تلے دب جائے گی ان کے احسانات کے بدلے ایک لفظ بھی نہ کہہ پائے گی اور اب اس کے اندر ایک طوفان بلاخیز

اٹھ کھڑا ہوا تھا مگر لفظ گونگے ہوگئے۔

"ہوار بیٹا! پھر میں سمجھوں کہ آپ کو اس رشتے پر کوئی اعتراض نہیں؟" وہ مزید کہہ رہے تھے وہ لب دانتوں تلے دبائے ایک دم شدت سے رودی تو مہر النساء بیگم نے اسے بہت تڑپ کر اپنے بازوؤں میں سمیٹ لیا۔

"بیٹا...... دل میں کوئی خیال مت لانا۔ یوں سمجھ لو تمہاری اور مصطفیٰ کی حفاظت کے لیے یہ فیصلہ بہت ضروری تھا۔ تمہیں وقت گزرنے کے ساتھ ساتھ میرے فیصلے کی اہمیت کا اندازہ ہوجائے گا۔" اسے شدت سے روتے دیکھ کر ان کے دل کو بھی تکلیف ہوئی تھی مگر خود کو نارمل رکھتے انہوں نے اس کے سر پر ہاتھ رکھا تو اس کے رونے میں مزید شدت در آئی۔

"میں زبردستی نہیں کررہا مگر یوں سمجھ لو بعض فیصلوں کو وقت پر کرلینا بہت ناگزیر ہوجاتا ہے۔" وہ مزید کہہ رہے تھے۔

"اور یہ فیصلہ بھی انہی ناگزیر فیصلوں میں سے ایک ہے۔" وہ اس کا سر تھپتھپا کر کھڑے ہوگئے تھے۔

وہ باہر نکلے تو مہر النساء بیگم کے سینے پر سر رکھے وہ شدت سے رودی۔

❀......☆☆......❀
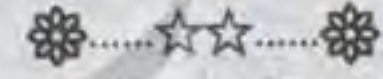
وہ تینوں شاپنگ کرتے ہوئے کافی خوشگوار موڈ میں تھے۔ اِدھر سے اُدھر پھرتے مالز میں گھومتے ولید نے کافی کچھ خرید لیا تھا۔

"آپ لوگ اِدھر دیکھ لیں میں نے اُدھر کچھ چیزیں دیکھنی ہیں بابا کے لیے لے لوں۔" روشی ولی اور انا کو کہتے دوسری طرف چلی گئی تھی۔

"تم بھی کچھ لے لو انسان شاپنگ کے لیے آئے اور خالی ہاتھ جائے ناممکن سی بات ہے۔" اسے اپنے ساتھ یونہی گھومتے دیکھ کر ولید نے کہا تو وہ نفی میں سر ہلا گئی۔

"نہیں...... آل ریڈی ہی ماما، بھائی، پاپا اتنا کچھ لا کر دیتے رہتے ہیں کہ میری الماری منہ تک بھری پڑی ہے۔ ماما کی بوتیک میں جو بھی نیا اسٹائل آتا ہے وہ سب سے پہلے میرے لیے لے آتی ہیں۔ ایسے کئی سوٹ ہیں جن کو میں نے آج تک ہاتھ تک نہیں لگایا۔ پھر ان کے ساتھ میچنگ جیولری، جوتے باقی اشیاء وغیرہ گنجائش ہی نہیں رہتی اب تو کسی نئی چیز کے لیے۔" اس نے نفی میں گردن ہلائی۔

"چلو میری جیب سے ہی کچھ لے لو پھر کہوگی کہ مطلبی انسان ہوں اپنی شاپنگ کرلی تمہیں ایک چیز بھی نہیں لے کردی۔" وہ کہہ رہا تھا انا نے جواباً کچھ کہنا چاہا کہ ولید کا موبائل بجنے لگا۔

"ایک منٹ یہ پکڑو ذرا۔" وہ خالی ہاتھ تھی ولید نے ہاتھ میں پکڑے شاپنگ بیگز اسے تھمائے اور موبائل نکال کر کان سے لگایا۔

"وعلیکم السلام کیا حال چال ہیں؟" وہ خاصے پرجوش انداز میں کہہ رہا تھا۔ اس کے انداز پر چونک کر انا نے اسے دیکھا۔

وہ انا کو اپنی طرف دیکھتے پاکر مسکرا کر ابھی آنے کا اشارہ کرتے چند قدم فاصلے پر جا کھڑا ہوا تھا۔ وہ کسی سے ہنس ہنس کر بات کر رہا تھا۔ اس کی شخصیت اس قدر سحر طراز تھی اوپر سے اس کی گفتگو کا دلنشیں انداز وہ دنیا کی ہر چیز بھلائے بس اسے دیکھے جارہی تھی۔

"یہ کس سے اس قدر مسکرا کر بات کررہا ہے؟" کال کافی طویل ہوتی جارہی تھی۔ انا کے اندر کھد بدی ہونے لگی۔

"کیا دوسری طرف کوئی لڑکی ہے؟" اس احساس نے گویا اس کے وجود میں زہر گھول دیا تھا۔ وہ پھر وہاں ایک پل بھی نہیں رکی تھی قدم خود بخود ولید کی طرف بڑھنے لگے تھے۔

"او کے پھر کچھ دیر بعد ڈنر پر ملاقات کرتے ہیں۔" اسے اپنے پاس آتے دیکھ کر ولید کہہ رہا تھا۔

"ڈونٹ وری...... نہیں...... اس وقت تو بزی ہوں۔ روشی کے ساتھ شاپنگ کے لیے نکلا تھا۔" وہ مزید کہہ رہا تھا وہ ولید کے پاس آرکی تھی۔

"او کے...... لیٹ سی یو آن ڈنر...... ڈن۔" نجانے کون تھا یا تھی۔ وہ بس ولید کے چہرے کو دیکھ رہی تھی۔ اس کے اندر کوئی احساس بڑا تکلیف دہ اور اذیت بخش تھا۔

"اوہ...... ہوں...... پھر ملتے ہیں نا او کے۔" اپنی طرف انا کو متوجہ دیکھ کر اس نے چند اختتامی جملے کہتے کال بند کردی تھی۔

"کس کی کال تھی؟" وہ خود کو کہنے سے نہ روک پائی تھی۔

"تم نے کچھ بھی نہیں لیا یار، کچھ لے لو۔" وہ اس کے سوال کو نظر انداز کرتے کہہ رہا تھا۔ انا کے اندر چھن سے کچھ ٹوٹا۔

"مجھے کچھ نہیں لینا۔" اسے لگا اس کا وجود ایک دم برف کی سل میں ڈھل گیا ہے۔ وہ سختی سے کہتی پلٹی تھی۔ اسے ولید کا نظر انداز کرنا بہت برا لگا تھا۔ وہ اس شخص کے لیے کیا سے کیا ہورہی تھی اور اس شخص کو پرواہ ہی نہیں تھی۔ کیسے بے پروائی سے اس کا سوال ٹال گیا تھا ایک وجود آپ کے لیے مرجائے اور ہمیں ذرا بھی فیلنگ بھی چھو کر نہ گزریں۔ یہ کیسا تکلیف دہ احساس تھا۔ وہ سلگ اٹھی۔

"بھئی تمہارا گفٹ ابھی تک مجھ پر ڈیو ہے وطن واپسی پر سب کے لیے کچھ نہ کچھ لایا تھا سوائے تمہارے کہ مجھے تمہاری چوائس کا علم نہ تھا۔ موقع اچھا ہے۔ لگے ہاتھوں لے لو کچھ۔" وہ اس کے ساتھ قدم ملاتا مسکرا کر کہہ رہا تھا۔

"گفٹ وہی اچھا لگتا ہے جو وقت پر دیا جائے اور جو چیز وقت گزر جانے کے بعد ملے وہ یا تو بوجھ ہوتی ہیں یا پھر قرض اور میں نے آپ سے کبھی کسی گفٹ کا تقاضا تو نہیں کیا؟ گفٹ تو دل کی تمام تر آمادگی، رضامندی اور خوشی سے دیے جاتے ہیں جبکہ بوجھ اور قرض تو کسی ناخوشگوار احساس کی طرح کندھوں سے اتارے جاتے ہیں۔" اس کا انداز اتنا سنجیدہ اور دوٹوک تھا کہ ولید نے نہایت چونک کر اسے دیکھا۔ انا کی آنکھوں میں بڑا سلگتا سا احساس تھا۔

"مطلب؟" ولید نے اپنی خوب صورت دل کش آنکھیں انا کے چہرے پر ٹکائیں تو وہ بے چینی سے سر جھکا گئی۔

"مجھے کچھ نہیں چاہیے۔" وہ کہہ کر چلنے لگی تو ولید بھی ہمقدم ہوا۔

"یہ تمہارے موڈ کو ایک دم کیا ہوا ہے...... یہ اتنی سنجیدہ کیوں ہورہی ہو؟" وہ متفکر ہوتے پوچھ رہا تھا۔ انا اب بھی بالکل چپ رہی۔ ولید نے بغور اس کا انداز نوٹ کیا۔

وہ تیکھے تیور لیے چہرے پر بلا کی سنجیدگی طاری کیے خفا اور روڈ تاثرات سمیت بالکل گزرے دنوں والے موڈ میں واپس جاتی محسوس ہوئی تھی اس سے جبکہ آج دوپہر تک بلکہ کچھ دیر پہلے تک تو وہ بالکل نارمل اور فریش تھی اور اب......؟ ایک دم اچانک ایسا کیا ہوا تھا کہ ولید کو پتا بھی نہیں چلا تھا اور انا کا موڈ بدل گیا تھا؟

"کوئی بات ہوئی ہے؟" وہ بہت سنجیدگی سے پوچھ رہا تھا۔ درحقیقت انا کو دوبارہ پرانے موڈ میں جاتے دیکھ کر اسے سخت تکلیف ہوئی تھی۔

"زندگی میں حادثے تو ہوتے ہی رہتے ہیں۔ آپ کس بات کو جاننا چاہ رہے ہیں؟" انا کا انداز ایک دم خود اذیتی والا تھا۔ ولید نے بہت الجھ کر اس کی بات پر اسے دیکھا۔

"وہی بات جس سے تمہارا فریش موڈ ایک دم قنوطیت کی زد میں آتا جارہا ہے۔" انا نے سر اٹھا کر ولید کے چہرے کو دیکھا وہ واقعی کافی متفکر لگ رہا تھا۔

"آپ کو میری پرواہ ہے؟" اس نے بہت روڈلی انداز میں پوچھا تو وہ حیران ہوا۔

"انا......!" اس نے ٹوکا تو وہ لب بھینچ کر سر جھکا گئی۔

"او کے...... لیو دس ٹاپک آئی ایم فائن۔" اس نے دھیمے سے کہا۔

"ہم سب کو تمہاری پرواہ ہے اور بہت زیادہ ہے۔ پھر بھی میں تمہاری اس بدلتی کیفیت کی وجہ ضرور جاننا چاہوں گا؟" وہ ولید کے سوال کو نظر انداز کیے تیز تیز چلنے لگی۔

ولید نے بہت بے چارگی سے اسے دیکھا۔ یہ اتنی خوش باش، فریش، تروتازہ لڑکی ایک دم اتنی روڈ کیسے ہوجاتی تھی یوں کہ پھر وہ سب احساسات کو پس پشت ڈال دیتی اور اپنی ذات میں گم ہوجاتی تھی۔ روشی بھی سامان لیے چلی آئی تو ولید نے بے منت کی اور پھر وہ تینوں گاڑی میں آ بیٹھے تھے۔ روشی فرنٹ سیٹ پر تھی جبکہ انا پچھلی سیٹ پر۔ روشی اس سے مسلسل باتیں کررہی تھی جبکہ وہ بس "ہوں...... ہاں" میں جواب دے رہی تھی۔ گاڑی میں بیٹھ کر ولید نے انا کے چہرے کو فوکس کرتے بیک ویو مرر سیٹ کیا تو بھی وہ بغیر توجہ دیے سر جھکائے نجانے کن خیالوں میں گم تھی۔ اس کے چہرے پر بڑی اذیت ناک سوچیں تھیں۔ یوں جیسے وہ اپنی ذات کے کسی بہت بڑے طوفان سے نبرد آزما تھی۔

"بھائی مجھے جیولری شاپ پر تھوڑی دیر رکنا ہے، رستے میں جاتے ہوئے اِدھر ضرور چلنا۔" روشی کہہ رہی تھی ولید نے

محض سر ہلایا۔

"انا شاید تھک گئی ہے؟" روشی نے اس کے ڈل انداز پر آہستگی سے بھائی سے کہا۔

"مے بی۔" اس نے کندھے اچکا دیے۔ گاڑی روشی کی نشاندہی پر جیولری شاپ کے سامنے رکی تو انا چونکی۔

"ادھر کیوں روکی؟" وہ روشی سے پوچھ رہی تھی اس نے شاید روشی کی بات نہیں سنی تھی۔

"میں نے پھپھو کے ساتھ پچھلی بار آنے پر بریسلیٹ کا آرڈر دیا تھا بس وہی پتا کرنا ہے اگر ریڈی ہے تو لے لوں گی۔" وہ کہہ رہی تھی۔

"آؤ..... تم بھی دیکھ لینا' اگر بن گیا ہے تو لے لیں گے۔" وہ کہہ رہی تھی انا خاموشی سے اس کے ساتھ چل دی تو ولید بھی گاڑی ایک طرف کھڑی کر کے ان کے پیچھے چلا آیا۔ یہ اچھی بڑی جیولری شاپ تھی۔ شوکیسز اور ریکز میں رکھے جیولری باہر دیکھنے والوں کی نگاہوں کو خیرہ کر رہے تھے۔ ولید انا اور روشی کے پاس آ کھڑا ہوا۔ وہ دونوں کرسیوں پر براجمان تھیں اور جیولر ان کی مطلوبہ چیز انہیں دکھا رہا تھا۔

"بھائی دیکھیں یہ بریسلیٹ بنوایا ہے۔" روشی نے بریسلیٹ ولید کو دکھایا تو اس نے ہاتھوں میں تھام لیا۔

"بہت پیارا ہے۔" وہ کہہ رہا تھا۔

"مگر آپ نے جو بریسلیٹ کیتھی کو گفٹ دیا تھا اس جیسا بالکل بھی نہیں اس کا ڈیزائن مجھے نہیں بھولتا۔ میں اس جیسا بنوانا چاہ رہی تھی۔ وہ بہت پیاری اور یونیک سی چیز تھی۔ میں نے اندازاً جیولر کو پیپر پر ڈیزائن بنا کر بتایا تھا مگر پھر بھی وہ چیز نہیں بن پائی۔" وہ اپنے بھائی کو کہہ رہی تھی انا جبکہ تو روشی کے پہلے جملے پر ہی اٹک گئی تھی۔

"آپ نے جو بریسلیٹ کیتھی کو گفٹ دیا تھا۔" یہ کیتھی کون تھی؟

"ہاں یاد آیا..... کیتھی کو وہ بریسلیٹ بہت پسند آیا تھا۔" ولید نے مسکرا کر کہا تو روشی ہنسی۔

"آہا..... پسند کیوں نہ آتا بریسلیٹ سے زیادہ تو گفٹ دینے والی کی شخصیت کا چارم تھا جس میں وہ پوری طرح جکڑی ہوئی تھی۔" روشی کے انداز میں شرارت تھی ولید بڑے محظوظ کن انداز میں مسکرایا تھا۔

"بکومت.....!"

"کیتھی سے رابطہ رہتا ہے کیا؟" روشی مزید پوچھ رہی تھی اس کے انداز میں چھیڑنے والی شرارت تھی وہ ہنس دیا۔

"ہوں..... اکثر اس کی کال آ جاتی ہے۔" انا نے چونک کر ولید کو دیکھا۔ تو کیا تھوڑی دیر پہلے وہ اسی سے بات کر رہا تھا۔

"مگر لاسٹ میں ڈنر پر ملنے کا کوئی پروگرام طے ہوا تھا؟" وہ الجھ گئی تھی۔

"یہ کیتھی کون تھی۔ کہاں کی رہنے والی تھی اور ولید سے کیا تعلق تھا اس کا۔"

"ہاں بھئی کال کیوں نہ کرے محترمہ آفٹر آل برسوں کا ساتھ تھا آپ لوگوں کا۔" روشی کہہ رہی تھی۔

انا کو لگا کہ اس ماحول میں وہ چند منٹ مزید رکی تو وہ ضبط کھو دے گی یا پھر اس کا موڈ بہت بری طرح ری ایکٹ کرے گا۔

"روشی..... چلیں.....!" وہ ایک دم اپنی کرسی سے اٹھ کھڑی ہوئی تھی۔ ولید اس کی طرف دیکھ رہا تھا مگر اب اسے کسی چیز کی پروا نہ تھی وہ صرف روشی کی طرف متوجہ تھی۔

"رکو تو..... کچھ پے منٹ کر چکی ہوں اس کے باقی ڈیوز پے کر دوں پھر چلتے ہیں۔" وہ کہہ رہی تھی اسے ابھی تک انا کے بدلتے موڈ کا اندازہ نہیں ہوا تھا۔

"تم پے منٹ کر کے آ جانا میں باہر جا رہی ہوں۔" وہ ولید کی نگاہیں مسلسل اپنے چہرے پر محسوس کر رہی تھی سو اب رکنے کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا تھا۔ اس لیے وہ فوراً وہاں سے نکل آئی۔ ولید نے پلٹ کر اسے دیکھا تھا۔

"اسے کیا ہوا ہے؟" روشی کہہ رہی تھی۔

"چھوڑو اسے تم اپنا کام کرو۔" ولید کی آواز سنائی دی تو اسے اپنی آنکھوں میں نمی اکٹھی ہوتی محسوس ہوئی۔

"یا اللہ..... کیوں ہوتی جا رہی ہوں میں اس قدر رنجی؟" اس کے اندر ایک دم غبار اٹھا۔

"ایسا کیوں ہوتا ہے کیوں مجھے اپنے موڈ اپنے جذبات پر قابو نہیں رہتا۔ اس شخص کی طرف سے بے پروا کیوں نہیں ہو جاتی؟ کسی کی زندگی میں بھلے کوئی بھی ہو مجھے کیا' ظاہر ہے وہ ایک عرصہ باہر کی دنیا میں گزار کر آیا ہے شاندار شخصیت کا مالک ہے کسی نہ کسی سے کچھ نہ کچھ تو ہو گی نا۔ یہ یکطرفہ احساسات بھی بعض اوقات کتنی اذیت دیتے ہیں۔ اچھا ہے نا یہ لوگ بے خبر ہیں کم از کم خود کو سنبھالنا تو آسان ہوگا۔"

گاڑی لاک تھی وہ بس اس کے پاس آ کر کھڑی ہو گئی۔ آنکھوں کی نمی کو پوروں سے چن لیا۔ شیشے کے پار ولید اور روشی ابھی بھی کھڑے تھے وہ مسلسل ولید ضیاء کو دیکھے گئی۔

"بعض اوقات یہ یکطرفہ جذبات کس قدر اذیت سے دوچار کرتے ہیں۔ بس ثابت ہوا کہ اگر اسی طرح اس بھنور میں الجھی رہی تو کسی روز بالکل پاگل ہو جاؤں گی اور مجھے یہ ذلت گوارا نہیں۔ ہاں اب خود کو سنبھالنا ہوگا۔ محبت شاید اسی اذیت کا نام ہے مگر کسی کی نظروں سے گرنا گوارا ابھی تو نہیں۔ اب سنبھلنا ہوگا۔ ولید اب پریشان ہونے لگا ہے میرے رویوں سے۔ نجانے کیا کچھ سوچتا ہوگا میرے بارے میں۔ اس سے پہلے کہ بات بہت بڑھے انا بی بی ہوش کے ناخن لو۔" وہ دونوں بہن بھائی پے منٹ کر کے بریسلیٹ کا ڈبہ لیے باہر آ رہے تھے۔ اس نے رخ موڑتے آنکھوں میں موجود نمی پوروں سے صاف کی اور حتی المقدور خود کو نارمل کرنے کی کوشش کی۔

"بس یہ آخری بار اب اور نہیں۔" اس نے خود کو سمجھایا۔

"انا کیا بات ہے تم باہر کیوں آ گئی تھیں؟" روشی قریب آ کر کہہ رہی تھی وہ رخ اس کی طرف کرتے دھیرے سے مسکرا دی۔

"بس یونہی۔" ولید نے گاڑی ان لاک کرتے اس کو دیکھا۔ وہ دھیرے سے مسکرائی عجیب سے غم سے دوچار لگی یوں جیسے کوئی بہت بردستی اپنی ذات پر جبر کرتے محض دوسروں کا دل رکھنے کے لیے مسکراتا ہے۔ بڑی اذیت ناک ہنسی تھی اس کی۔ دروازہ کھلتے ہی وہ دونوں پچھلی سیٹوں پر ساتھ ساتھ بیٹھ گئی تھیں۔ روشی گاہے بگاہے اس سے بات کر رہی تھی۔ اب کے انا ہوں ہاں کرنے کے بجائے مختصراً جواب دے رہی تھی یوں جیسے خود کو پہلے والے فیز سے نکالنا چاہ رہی ہو۔ ولید بیک ویو مرر سے اس کو گاہے بگاہے دیکھ رہا تھا۔

گاڑی گھر کے گیٹ پر رکی تو چوکیدار نے گیٹ کھولنا چاہا تب ولید نے منع کر دیا۔

"کیوں..... اندر نہیں جانا کیا؟" روشی پوچھ رہی تھی۔

"نہیں مجھے ایک کام سے کہیں اور بھی جانا ہے۔" ولید کہہ رہا تھا۔ انا خاموشی سے اپنی طرف والا دروازہ کھول کر باہر نکل آئی۔

"کدھر جانا ہے؟" روشی پوچھ رہی تھی۔ پتا نہیں اس نے جواب میں کیا کہا تھا اور پھر روشی نے کیا کہا تھا وہ رکے بغیر تیزی سے گیٹ پار کرتے اندر چلی آئی تھی۔ ولید نے اس کے اندر داخل ہونے پر ایک گہرا سانس لیا تھا۔

❀......☆☆......❀
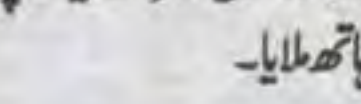
ولید نے گاڑی روکی تو مصطفیٰ دوسری طرف کا دروازہ کھول کر فرنٹ سیٹ پر بیٹھ گیا۔

"السلام علیکم!" سیدھا ہو کر اس نے ولید سے ہاتھ ملایا۔

"وعلیکم السلام!"

"یہاں کہاں گھوم رہے تھے؟" ولید نے سرسری سا پوچھا۔

"بس یونہی موڈ ہو رہا تھا۔" مصطفیٰ کا انداز سنجیدہ تھا۔ ولید نے بغور دیکھا۔ اچھی طرح ڈریس اپ تھا مگر چہرے کے تاثرات بہت سنجیدہ تھے۔

"خیریت؟ آج آفس نہیں گئے تھے یا محکمے والوں نے نکال باہر کیا؟" مصطفیٰ نے بس ولید کو ایک نگاہ دیکھا اور سر جھٹک دیا۔

"گاڑی چلاؤ' میرا پوسٹ مارٹم بعد میں کر لینا۔" اسے اپنی طرف مسلسل مشکوک نگاہوں سے دیکھتے پا کر مصطفیٰ نے تنگ کر کہا تو ولید ہنس دیا۔

"شیور۔" ولید نے فوراً گاڑی بڑھائی۔

"ویسے دریافت کرنے کی جسارت کرسکتا ہوں کہ عزت مآب کا موڈ کیوں آف ہے۔" ولید نے گاڑی ڈرائیو کرتے شرارت سے پوچھا تو مصطفیٰ ہلکا سا مسکرا دیا۔

"نہیں خیر...... موڈ تو آف نہیں تھا۔"

"تو پھر اِدھر اُدھر کیوں گھوم رہے تھے اور گاڑی کدھر ہے تمہاری؟"

"گاڑی آج کچھ پرابلم کررہی تھی آفس میں ہی چھوڑ آیا ہوں۔ وہاں سے کوئی کانسٹیبل ورکشاپ لے گیا ہوگا گھر جانے کا فی الحال موڈ نہیں ہورہا تھا سوچا کہ تم سے ہی مل لیا جائے تو اِدھر آنکلا۔ سامنے موجود پارک میں کچھ وقت گزارا پھر تمہیں کال کرلی تم تو شاید روشی کے ساتھ شاپنگ میں بزی تھے۔" وہ کہہ رہا تھا۔

"ہوں...... آج ذرا جلدی آفس سے نکل آیا تھا۔" وہ مہارت سے گاڑی ڈرائیو کررہا تھا۔

"کہاں چلیں؟" ولید نے ہی پوچھا۔

"جہاں بھی لے چلو۔ آج اس وقت خود کو تمہارے رحم وکرم پر چھوڑ دیا ہے۔" وہ سنجیدگی سے کہہ رہا تھا۔

"واؤ...... صدقے جاؤں...... ایک بہت بڑے پولیس آفیسر اور میرے رحم وکرم پر؟" ولید نے طنزیہ مسکراہٹ سے دیکھا تو وہ ہنس دیا۔

"چلو کسی اچھے سے ریسٹورنٹ سے کھانا کھلاؤ مگر ذہن نشین رہے کہ کھانا بہت ہلکا پھلکا ہو۔" مصطفیٰ نے ہنس کر کہا۔

"اپنے گھر ہی نہ لے چلوں؟ اس وقت ڈنر ٹائم ہے بابا بھی کئی بار کہہ چکے ہیں کہ تمہیں اپنے گھر انوائیٹ کروں باقاعدہ کسی دن لے کر آؤں۔ سبھی لوگ تمہیں دیکھ کر خوش ہوجائیں گے۔" وہ کہہ رہا تھا مصطفیٰ نے پرسوچ نظروں سے دیکھا۔

"آئیڈیا برا نہیں، مگر تمہاری فیملی کے لوگ مجھ بن بلائے مہمان کو دیکھ کر پریشان تو نہیں ہوں گے نا؟"

"میری فیملی کس نیچر اور مزاج کی ہے تم اچھی طرح جانتے ہو۔ بابا تمہیں مجھ سے کم حیثیت نہیں دیتے۔ روشی تمہیں اس طرح عزت دیتی ہے جیسے وہ مجھے دیتی ہے۔ اس کے باوجود تم اس قسم کے محاورے بولو گے تو مجھے شدید دکھ ہوگا۔" ولید کا انداز ناراضی والا ہوا تو مصطفیٰ مسکرا دیا۔

"میرا کہنے کا مطلب تھا کہ تم لوگ اپنی پھپو کی فیملی کے ساتھ رہتے ہو ٹھیک ہے دس سال پہلے تک میری ان سب سے اچھی خاصی بے تکلفی تھی تب میں نیا نیا امریکا سیٹل ہوا تھا مگر اس کے بعد یہ لوگ پاکستان آگئے پھر کبھی ملنا ملانا ہی نہ ہوا۔ اب ہر ایک پرانی باتوں یا حوالوں کو یاد رکھے ضروری بھی تو نہیں۔"

"اف...... کتنے کنزرویٹو ہوتے جارہے ہو تم؟ مجھے لگتا ہے یہ دو سال تم نے جو اپنے فیوڈل سسٹم میں گزارے ہیں یہ انہی کا اثر ہورہا ہے تمہارے ذہن پر۔ بالکل خالص جاگیرداروں والا ایٹی ٹیوڈ ہوتا جارہا ہے تمہارا۔" ولید نے خاصا جل کر کہا تو مصطفیٰ کا قہقہہ خاصا جاندار تھا۔

"پھپو کی ساری فیملی بہت اچھی ہے۔ تم چلو تو سہی تمہیں اندازہ ہوگا کہ وہ لوگ کس قدر مخلص، بے لوث اور محبت کرنے والے ہیں۔" ولید اس کے قہقہے کو نظر انداز کرتے کہہ رہا تھا۔

"ہوں...... کچھ کچھ اندازہ ہورہا ہے؟" مصطفیٰ نے خاصی شرارت سے دیکھا۔

"مطلب......؟" اس کی شرارت ایسی تھی کہ ولید نے گھورا۔

"تم جیسا ویل آف، شاندار ڈیشنگ پرسنالٹی والا بھتیجا تمہاری پھپو کو کہیں اور سے بھلا کہاں ملنے والا ہے۔" مصطفیٰ نے شرارت سے لب دانت تلے دبا کر کہا تو ولید نے غصے سے دیکھا۔

"ساری عمر باہر گزار کر بھی خالص ٹیپیکل پاکستانی تھنکنگ نہیں بدلی تمہاری۔" مصطفیٰ کھلکھلا کر ہنس دیا۔

"کہتے ہیں جہاں کی مٹی ہو وہ کہیں بھی چلی جائے کسی بھی رنگ میں رنگ جائے مگر اپنی خوشبو برقرار رکھتی ہے۔ لیبارٹری ٹیسٹ کروانے پر اس کی اصل شناخت فوراً واضح ہوجاتی ہے۔" مصطفیٰ نے کہا تو اس نے سر جھٹکا۔

"ویسے تمہاری پھپو کی دختر نیک اختر تو بہت پیاری اور خوب صورت بچی تھی تب؟" ولید اس کی شرارت سمجھ رہا تھا اس لیے

شمع فیاض

السلام علیکم! میرا نام شمع فیاض ہے میرا تعلق تونسہ شریف کے ایک گاؤں بستی بزدار سے ہے۔ میٹرک تک تعلیم ہے اور آنچل سے دو تین سال سے ہے۔ ہم پانچ بہن بھائی ہیں 2 بھائی مجھ سے بڑے اور میں تیسرے نمبر پر ہوں اور ایک بہن اور بھائی مجھ سے چھوٹے ہیں۔ امی ایک گھریلو خاتون ہیں، ابو بلوچستان میں ملازمت کرتے ہیں اور میں اپنی امی سے بہت پیار کرتی ہوں۔ مجھے لکھنے کا بہت شوق ہے پر اپنے بھائیوں سے بہت ڈرتی ہوں ان کو تو میرا آنچل پڑھنا بھی زیادہ پسند نہیں خیر کوئی بات نہیں، آنچل تو ویسے ہی میرے دکھوں کا بہت اچھا ساتھی ہے۔ مجھے آنچل کے تمام رائٹرز بہت پسند ہیں، سب آنچل میں لکھنے والے بہت اچھا لکھتے ہیں۔ میرا پسندیدہ رنگ نیلا اور سبز ہے اور کھانے میں گوشت اور کسٹرڈ پسند ہے، میں اپنی بہن سے بہت پیار کرتی ہوں جی چاہتا ہے اس کی ہر بات ہر خواہش پوری کروں لیکن وہ مجھ سے لڑتی بہت ہے پھر بھی وہ میری جان ہے۔ میں دوسروں کا ہر راز رکھ لیتی ہوں لیکن میرے ساتھ کوئی بھی مخلص نہیں، پتا نہیں کیا ہے میرے ساتھ یا پھر قسمت ہی ایسی ہے۔ میں نے عمیرہ احمد کا ناول پیر کامل کوئی بار پڑھا ہے، جس سے مذہب سے لگاؤ بڑھ جاتا ہے۔ میں بہت تنہائی پسند ہوں آخر میں سب بہنوں سے ایک بات کہوں گی کہ میرے لیے دعا کریں کہ میں بھی دوسروں کی طرح خوش رہ سکوں اور میری امی کے لیے بھی تاکہ خدا تعالیٰ ان کا سایہ میرے سر پر ہمیشہ قائم رکھے آمین۔

ہنس دیا۔

"وہ اب بھی ماشاء اللہ بہت پیاری خوب صورت ہونے کے ساتھ ساتھ اچھی خاصی ضدی، موڈی اور نخریلی بھی واقع ہوئی ہے اور اہم بات یہ کہ وہ اب بچی نہیں رہی۔"

"اس کا مطلب ہے خاصی بگڑی ہوئی ہستی ہیں۔" وہ کہہ رہا تھا۔

"نہیں خیر وہ بگڑی ہوئی تو نہیں ہے۔" ولید نے فوراً تصحیح کی۔ "بس یہ انکل، احسن اور پھپو کے لاڈ پیار نے اچھے خاصے اثرات چھوڑے ہیں۔ آج کل میں صرف اس کی طبیعت کے بدلتے رنگوں کو ہی آبزرو کررہا ہوں۔" ولید اس وقت اپنے گھر کے روڈ پر تھا۔

"تو پھر کیا امپروومنٹ رہی؟" ولید کے کہنے پر مصطفیٰ نے آنکھوں میں خاصی شرارت لیے پوچھا۔

"فی الحال تو تشخیص جاری ہے کوئی حتمی نتائج سامنے نہیں آرہے۔" ولید نے بھی اس کی شرارت میں انوالو ہوتے کہا۔

"اور احسن کی شادی کی تیاریاں کہاں تک پہنچیں؟" مصطفیٰ نے موضوع بدلا۔

"تقریباً فائنل ہے ہر چیز۔" اپنے گھر کے سامنے گاڑی کھڑی کرتے ہارن دیتے ہوئے کہا۔

"گھر تو ماشاء اللہ بہت پیارا ہے۔" ولید نے گیٹ کھلنے پر گاڑی پاتھ وے پر لاکر روکی تو مصطفیٰ نے بہت توصیفی نظروں سے دیکھتے کہا۔

"خیر تمہارے جاگیرانہ ٹھاٹ باٹھ کے سامنے تو یہ کچھ بھی نہیں۔" دونوں گاڑی سے نکل آئے تھے۔ ولید کے طنز پر مصطفیٰ نے اسے گھورا۔

"خیر ٹھاٹ باٹھ میں تم بھی مجھ سے کسی طور کم نہیں ہو۔"

"نہیں یار مجھ میں اور تم میں بہت فرق ہے۔ تم ٹھہرے ٹھیک ٹھاک جاگیردار گھرانے کے چشم و چراغ جو سونے کا چمچ منہ میں لے کر پیدا ہوتے ہیں اور ان کے منہ سے نکلی ہر بات ان کی فیوڈل سسٹم سے بی لانگ کرنے والے والدین فوراً پوری کرتے ہیں ہم جیسے لوگ تھوڑی ہو تم۔ ہم لوگ جس کے والدین ساری عمر مسلسل جدوجہد کرتے یہ چھوٹا سا گھر اور اپنا ذاتی کاروبار بنانے میں کامیاب ہوتے ہیں۔" ولید کی آنکھوں میں بے پناہ شرارت تھی مصطفیٰ نے تاسف سے سر ہلایا۔

"بہت بری بات ہے۔ مجھے نہیں پتا تھا کہ پاکستان آتے ہی تم اس قسم کے گھٹیا لیول کے کمپلیکس کا شکار ہونے لگو گے...... شیم آن یو۔" ولید کھلکھلا کر ہنس دیا۔

”کیا کریں آپ ٹھہرے لینڈ لارڈ۔ ڈیفنس میں کئی ایکڑ پر پھیلی شاندار کوٹھی کے مالک استعمال کے لیے ذاتی لینڈ کروزر برانڈ کے ملبوسات پہننے والے انسان جب ہمیں شیم آن یو کہتے ہیں تو کچھ جچتے نہیں۔“ ولید کی نوک جھونک برابر جاری تھی مصطفیٰ نے خاصی برہم اور خشمگیں نگاہوں سے گھورا۔

”یہی کچھ خیالات میرے بھی تمہارے بارے میں ہیں۔ امریکا جیسے ملک میں زبردست بینک بیلنس، اعلیٰ برانڈ کی گارمنٹس امپورٹڈ پرفیومز اور کاسمیٹکس یوز کرنے والا جس کے استعمال میں اعلیٰ قسم کی کرولا ہو وہ دوسروں کو دیکھ دیکھ کر اپنی غربت کے احساس میں مبتلا ہو کسی دن اپنی انہی باتوں سے تم بری طرح پٹ جاؤ گے اور تم جانتے ہو کہ میرا ایک ہاتھ ہی تمہاری طبیعت سیدھی کرنے کے لیے کافی ہوگا۔“ مصطفیٰ نے دھمکی دی۔

”اوہ میں تو بھول گیا تھا کہ میں امریکا کے ایک مایہ ناز فائٹر سے بات کررہا ہوں۔ اوف یار معاف کرو تم نے ڈرایا اور میں ڈر گیا۔“ ولید نے ڈرنے کی ایکٹنگ کی تو مصطفیٰ نے واقعی کھینچ کر اس کے کندھے پر ایک ہاتھ مارا تھا۔ ولید کراہ کر رہ گیا۔ ”بڑے ظالم ہو تم۔“ مصطفیٰ ولید کی ہمراہی میں سیدھا لاؤنج کی طرف آیا تھا۔ وہاں انکل اور بابا احسن سمیت موجود تھے۔

”السلام علیکم!“ مصطفیٰ نے اندر داخل ہوتے سلام کیا تو تینوں افراد نے چونک کر دیکھا اور پھر مصطفیٰ کو پہچان کر خوشی کے احساس سے اٹھ کھڑے ہوئے تھے۔

”وعلیکم السلام۔“

”وعلیکم السلام زہے نصیب خوش آمدید۔“ احسن نے شرارت سے کہا تو وہ انکل اور ضیاء صاحب سے بغل گیر ہونے کے بعد اس کے گلے لگ گیا۔

”آج جاگیردار صاحب نے ہمارے غریب خانے پر آنے کی زحمت کیسے گوارا کرلی۔“ احسن نے شرارت سے کہا تو اس نے بہت چڑ کر ولید کو دیکھا وہ ہنس دیا۔

”جاگیردار“ لفظ مصطفیٰ کی چڑ تھا۔ وہاں امریکا میں بھی وہ اسے اسی نام سے یاد کرتے تھے۔ مصطفیٰ جب کئی سال پہلے پہلی بار امریکا میں ان کے پڑوس میں آکر آباد ہوا تھا تو اس نے سب سے اپنے گھرانے کا تعارف جاگیردار گھرانہ کہہ کر کروایا تھا۔ اپنے فیوڈل سسٹم اور دولت و پیسے کی فراوانی کے سبب وہ وہاں بڑے عیش سے زندگی گزار رہا تھا ہر قسم کی فکر، غم اور ٹینشن سے آزاد وہاں موجود دوستوں میں خاص مقبول ہوگیا تھا۔ خصوصاً ان کی فیملی کے ساتھ وہ گھر کے ایک فرد کی طرح رہتا تھا۔ اکثر وہ احسن اور ولید کے ساتھ ساری ساری رات ان کے گھر میں گزار دیتا تھا پھر احسن وغیرہ تو پاکستان آگئے مگر ولید کے ساتھ اس کا ریلیشن اسی طرح برقرار رہا تھا اور آج ایک عرصے بعد یہ لوگ اسے اپنے گھر میں دیکھ کر بہت خوش ہورہے تھے۔

انکل اور ضیاء صاحب اس سے اس کی جاب اور فیملی کے بارے میں سوال کررہے تھے۔ آنٹی اور روشی کچن میں تھیں دونوں فوراً لاؤنج میں آگئی تھیں۔

آنٹی کے ذہن میں مصطفیٰ کے مٹے مٹے نقوش تھے ان کو مصطفیٰ بہت پسند آیا تھا بلکہ دس سال پہلے تو وہ ایک نوعمر لڑکا تھا۔ اب ایک بھرپور توانا و مضبوط خدوخال کے مالک مصطفیٰ کو دیکھ کر وہ خاصی متاثر ہوئی تھیں۔

صبوحی بیگم کچن میں واپس جانے کے بجائے اس کے پاس ہی ٹک گئی تھیں۔ روشی جو کہ ڈنر کی تیاری کروا رہی تھی فوراً مصطفیٰ کے لیے جوس لے آئی تھی۔ دو سال بعد مصطفیٰ کو دیکھ کر وہ بھی خوش ہوئی تھی۔ مصطفیٰ کے ساتھ اس کی اچھی خاصی بے تکلفی رہی تھی مگر اس سب کے باوجود اس نے مصطفیٰ کو ولید کی ہی طرح ٹریٹ کیا تھا اور مصطفیٰ کریکٹر وائز اس قدر اچھا تھا کہ کبھی اس نے بھی روشانے کے اعتماد کو توڑنے کی کوشش نہ کی تھی۔ ہمیشہ چھوٹی بہن کی طرح نہ صرف اس کی عزت کی تھی بلکہ اکثر بھائیوں والے مان کے ساتھ ولید کی غیر موجودگی میں اس کے کئی کام کردیا کرتا تھا۔ خصوصاً ایجوکیشن کے دوران ولید اپنی جاب اور تعلیم میں جس طرح بزی ہوتا تھا تو تب مصطفیٰ ہی ہر جگہ اس کے ساتھ ہوتا تھا۔ روشانے کے کلاس فیلوز اسے روشانے کا باڈی گارڈ کہا کرتے تھے۔ روشانے کو اچھی طرح یاد تھا کہ یونیورسٹی کے فرسٹ ایئر میں اس کے پیچھے ایک امریکن بوائے لگ گیا تھا اچھا خاصا خراب کریکٹر کا مالک وہ لڑکا اس کے پیچھے اس طرح ہاتھ دھو کر پڑا تھا کہ ایک لمحہ ایسا آیا تھا کہ روشانے نے یونیورسٹی چھوڑ دینے کا ارادہ کرلیا تھا وہ

پریشان نہیں کر پا رہی تھی اور ولید بھائی سے کچھ بیان کرنے کی ہمت نہ تھی۔ انہی دنوں مصطفیٰ کے ساتھ آتے جاتے اسی شخص سے مڈبھیڑ ہوئی تھی تب مصطفیٰ اس کا پرابلم اس کے بن کہے ہی سمجھ گیا تھا۔ اس کے بعد مصطفیٰ نے اس سے کوئی بازپرس نہیں کی اور اگلے دن اسے خبر ملی کہ اس شخص کو کسی نے (راہ چلتے کسی چور نے) اس بری طرح زدوکوب کیا تھا کہ حد نہیں۔ اس شخص کے پاؤں کی ہڈی ایسی جگہ سے فریکچر ہوئی تھی جسے اب کسی بھی آپریشن کے ذریعے جوڑا نہیں جاسکتا تھا۔ اس کے بعد اس شخص نے نہ صرف یونیورسٹی کو خیرباد کہہ دیا تھا بلکہ وہ ایسا غائب ہوا تھا کہ پھر کبھی روشانے نے اسے نہیں دیکھا تھا۔

مصطفیٰ نے کبھی براہ راست اس سے بات نہیں کی تھی مگر اس کے بعد خود بخود اس کو اندازہ ہوتا چلا گیا کہ وہ شخص کیوں غائب ہوا تھا؟ وہ مصطفیٰ کی حد سے زیادہ مشکور ہوگئی تھی۔ یہ ایک ایسی بات تھی جو اس نے کبھی ولید اور بابا سے ڈسکس نہیں کی تھی مگر اس کے بعد اس کے دل میں مصطفیٰ کی عزت پہلے سے زیادہ بڑھ گئی تھی۔ دو سال پہلے مصطفیٰ پاکستان لوٹ آیا تھا مگر ان لوگوں سے اس کا رابطہ جوں کا توں برقرار تھا اور آج عرصہ بعد وہ اس کو یوں سامنے دیکھ کر بہت خوش ہورہی تھی۔

مصطفیٰ سب کے ساتھ باتوں میں مصروف ہوگیا تھا۔ انا اپنے کمرے میں بند تھی عجیب موڈی لڑکی تھی جب سے شاپنگ سے واپس آئی تھی کمرے سے باہر ہی نہیں نکلی تھی۔ ڈنر کا ٹائم تھا تقریباً ہر چیز ریڈی ہی تھی۔ روشی نے فوراً صغراں کے ساتھ مل کر ٹیبل سجائی تھی۔ انا کو اگر کسی نے زحمت نہیں دی تھی تو انا نے بھی باہر نکل کر دیکھنے کی زحمت گوارا نہیں کی تھی کہ نکل کر دیکھ ہی لے کہ باہر کون آیا ہے؟ روشانے نے فوراً ٹیبل سیٹ کی تھی اور لاؤنج میں صغراں کو کھانا لگ جانے کی اطلاع دے کر بھیجا تھا۔ کچھ توقف کے بعد سبھی لوگ کھانے کی ٹیبل پر موجود تھے۔

”انا نہیں آئی؟“ روشی بھی ٹیبل آ بیٹھی تو ماما نے پوچھا۔

”میں نے صغراں کو بھیجا تو ہے کہ اسے بلا لائے۔“

”مصطفیٰ بیٹا! آپ کھانا شروع کرو۔“ مصطفیٰ کی میزبانی کرنے کو سبھی پیش پیش تھے۔ ماما نے ڈشز اٹھا کر اس کے سامنے رکھیں۔

”آپ تکلف مت کریں پلیز، میں لے لوں گا......!“ سبھی جس طرح اسے پروٹوکول دے رہے تھے وہ شرمندہ ہورہا تھا اور اس کی شرمندگی پر ولید کو ہنسی آرہی تھی۔ وہ گاہے بگاہے اسے دیکھ کر شرارت سے مسکرا رہا تھا۔ وہ لوگ کھانا کھا رہے تھے جب صغراں منہ بسورتی چلی آئی۔

”کیا ہوا انا نہیں آئی؟“ روشی نے اس کی رونی صورت دیکھ کر پوچھا۔

”نہیں...... انا بی بی نے بہت ڈانٹا ہے کہہ رہی ہیں کہ خبردار اب کسی نے انہیں کھانے پر بلایا تو؟“ صغراں نے من و عن انا کا بیان دہرایا تو ماما کا مصطفیٰ کے سامنے شرمندگی سے برا حال ہوا۔

”یہ کیا بات ہوئی؟ جاؤ اسے جا کر کہو کہ فوراً کھانے کی ٹیبل پر آئے۔“ مہمان کے سامنے شدید سبکی محسوس کرتے صبوحی بیگم نے صغراں کو کہا۔

”وہ کہتی ہیں کہ اگر میں نے دوبارہ اپنی منحوس شکل دکھائی تو وہ میرا سر توڑ دیں گی۔“ صغراں نے منہ پھاڑ کر کہا تو ولید کی ہنسی چھوٹ گئی۔ ماما نے صغراں کو گھورا۔

”اسے بتایا نہیں کہ مہمان آئے ہیں۔ کم از کم باہر آکر مل ہی لے۔“ انہوں نے صغراں کو کہا اب کے آواز ذرا دھیمی تھی کہ مہمان نہ سن لے۔

”میں نے کہا تھا کہ باہر مہمان آئے ہیں تو کہنے لگیں میں کیا کروں باہر جا کر سر پر اٹھا لوں مہمانوں کو باہر اتنے لوگ ہیں تو تواضع کرنے والے۔“ وہ صغراں ہی کیا جو بیان کو ادھر سے ادھر کردے ماما نے تو دھیمے سے کہا تھا مگر اس نے اسپیکر پر اعلان کردیا تھا۔ ماما کا جی چاہا کہ اس کی صاف گوئی پر اپنا سر پیٹ لیں۔

”کم عقل۔“ ماما نے اب کے واضح گھورا۔

”میں بہت پریشان رہنے لگی ہوں اس لڑکی سے۔ بڑے ہوکر لوگوں کو عقل آتی ہے اس کی جو تھی وہ بھی ختم ہوتی جارہی ہے۔“

مہمان کے سامنے انہیں شدید شرمندگی کا سامنا کرنا پڑ رہا تھا۔

”رہنے دو منت فورس کرو ابھی کھانا کھانے کا موڈ نہیں ہوگا جب ہوگا آ کر کھا لے گی۔ صغراں تم جا کر اپنا کام کرو۔“ ماما خود اٹھ کر جانے لگیں تو ماموں نے منع کر دیا تو وہ دوبارہ بیٹھ گئیں۔

”تمہاری تشخیصی رپورٹ پر انا للہ پڑھنے کو دل چاہ رہا ہے۔ ویسے حیرت ہو رہی ہے خاصی سے بھی زیادہ موڈی ہیں یہ خاتون تو؟“ مصطفیٰ نے ولید کی طرف جھک کر آہستگی سے کہا تو وہ جو انا کے اب کی بار خراب موڈ ہونے کی وجہ پر غور کر رہا تھا چونکا۔

”اور لگ رہا ہے خاصی بدلحاظ بھی ہیں۔“ ولید نے بس سر ہلا دیا وہ اور کیا کہتا بھلا۔

کھانے کی ٹیبل پر سب موجود تھے وہ اس سے زیادہ اتفاق رائے کر بھی نہیں سکتا تھا۔ مصطفیٰ اس کے انداز پر ہنس دیا۔

”میرے ذہن میں ابھی بھی وہ ہر وقت دو پونیاں بنا کر رہنے والی چھوٹی سی بچی کا عکس ہے۔ اب تو اشتیاق ہو رہا ہے دیکھنے کو۔“ مصطفیٰ نے کھانا کھاتے آہستگی سے کہا تو ولید نے گھورا۔

”آپ کی اطلاع کے لیے عرض ہے کہ وہ دو پونیاں بنانے والی بچی نہ صرف خاصی بڑی ہوگئی ہے بلکہ خاصی بدلحاظ بھی ہو چکی ہے سو ان محترمہ سے ملنے کی خواہش دل میں ہی دبائے رکھیں تو آپ کی صحت کے لیے کافی بہتر ہوگا۔“ ولید نے گھور کر کہا تو وہ شرارت سے مسکرایا۔

”کیا کاٹ کھانے کو دوڑتی ہے۔“ انداز بڑا معصوم تھا۔

”کاریڈور کے دائیں طرف پہلا کمرا ان محترمہ کا ہی ہے تجربہ شرط ہے۔ خیریت مطلوب نہیں تو کھانا کھانے کے بعد ادھر پہنچا دوں گا۔“ مصطفیٰ کو ولید کو ستانے میں مزہ آ رہا تھا ایک دم ہنس دیا۔ احسن جو ولید کے ساتھ ہی بیٹھا ہوا تھا کھانا کھاتے متوجہ ہوگیا۔

”یہ تم دونوں کیا کھسر پھسر کر رہے ہو؟“

”خواتین والا ڈیپارٹمنٹ ابھی ہم نے نہیں سنبھالا۔ سو آرام سے کھانا کھاؤ۔“ ولید نے احسن کی مداخلت پر چڑ کر کہا تو مصطفیٰ کی ہنسی دو آتشہ ہوگئی۔

”بہت خوب۔“ مصطفیٰ نے سراہا۔

”سائنس نے کئی معاملات میں اچھی خاصی ترقی کر لی ہے۔ میں نے سوچا کہ شاید وہاں سے خواتین چغلیاں کرنے والا کوئی پرزہ فٹ کروا کر وطن واپس لوٹے ہو تم دونوں۔“ احسن کون سا کم تھا فوراً برجستگی سے کہا تو وہاں ٹیبل پر موجود سبھی افراد مسکرا دیے۔

”یہ خوب کہی تم نے تو۔“ ضیاء ماموں سب سے زیادہ محظوظ ہوئے تھے۔

”اب تم خواتین کے ساتھ دن رات ڈیلنگ کرتے خواتین والی خصوصیات اپنا رہے ہو تو اب ہم سب کو اپنا جیسا تو مت سمجھو۔“ ولید نے فوراً حساب چکایا تو وہ فوراً خجل ہوگیا۔ آج کل احسن کی خواتین سے زیادہ ڈیلنگ ہو رہی تھی سو ہنس دیا۔

”بھئی یہ تو ہمارا کاروبار ہے۔“ احسن نے کہا۔

”چغلیاں کرنے کا؟“ روشی جو خاموشی سے کھانا کھا رہی تھی نے ایک دم سر اٹھا کر دیکھا۔ سب نے زبردست قہقہہ لگایا۔ احسن روشی کی اس مداخلت پر اسے گھورنے لگا وہ مسکراہٹ دباتی فوراً سر جھکا گئی۔

(ان شاء اللہ باقی آئندہ ماہ)

تارے اُترے جب پھیلایا دامن کو
عید کے چاند میں دیکھا میں نے ساجن کو
چاند رات کی مہندی مجھ سے کہتی ہے
تم بھی اک پیغام لکھو ناں ساجن کو

چار سال بعد وہ اپنی سرزمین پر کھڑا تھا' یقین کا کوئی سرا اس کے ہاتھ نہیں لگ رہا تھا۔ اس نے قدرے بے یقینی سے ائیرپورٹ پر نظر دوڑائی اور پر عجیب سی سرشاری وجود میں سمیٹتے باہر نکل آیا۔ وطن عزیز کی سرزمین پر قدم رکھتے ہی اس کا جی چاہا تھا کہ سجدہ شکر بجا لائے مگر بہر حال اس نے اس کا عملی مظاہرہ قطعی نہیں کیا اور دل میں ہی خدا کا شکر ادا کرتے ہوئے ٹیکسی کی تلاش میں نگاہیں دوڑانے لگا۔

فلائٹ معمول سے تقریباً چھ گھنٹے لیٹ تھی' سورج اپنی سنہری کرنیں بکھیر کر صبح ہونے کا ثبوت پیش کر رہا تھا۔ چار سال بعد وہ اپنے وطن لوٹا تھا اور سرپرائز دینے کے چکر میں گھر میں کسی کو اپنی آمد کے بارے میں آگاہ بھی نہیں کیا تھا اور اب خود ہی اپنی بے وقوفی پر جھنجلا رہا تھا' بہر حال اپنے پیاروں سے ملنے کی خوشی اس پر زیادہ حاوی تھی تب ہی وہ سر جھٹکتے ہوئے آگے بڑھا۔ کئی ٹیکسی ڈرائیور اس کی طرف بڑھے مگر وہ اس

ڈرائیور کی طرف بڑھ گیا جو بے پروائی سے ٹیکسی سے ٹیک لگائے کھڑا تھا۔ معیز ارقم کے قریب جا کر کھڑے ہونے پر وہ سیدھا ہوا۔

"کہاں جانا ہے آپ کو؟" وہ کم سن لڑکا باریک آواز میں بولا۔

"ڈیفنس...... فیز تھری۔" معیز ارقم نے مختصراً کہا۔

"بیٹھیے۔" اس نوجوان نے کہا اور خود ڈرائیونگ سیٹ سنبھال لی۔

"ایکسکیوزمی۔ یہ سامان کون رکھے گا؟" اسے بڑی شان سے ڈرائیونگ سیٹ پر براجمان دیکھ کر معیز ارقم نے قدرے حیرت سے پوچھا۔

"اوہ سوری......" اس نے ہڑبڑاتے ہوئے ڈرائیونگ سیٹ چھوڑی اور ڈگی کا لاک کھولنے لگا۔ ہزارہا کوششوں کے باوجود لاک کھل کر نہ دے رہا تھا' معیز ارقم پر اب بے زاری اور کوفت غلبہ پانے لگی۔

"ہٹو...... لاؤ مجھے دو چابی۔" اس نے قدرے خشمگیں نظروں سے گھورتے ہوئے کہا تو اس نے خاموشی سے چابی اسے تھما دی۔

پھر معیز ارقم نے خود ہی ڈگی کھولی اور سارا سامان بھی رکھ دیا۔ ڈگی واپس لاک کی اور فرنٹ سیٹ پر بیٹھ گیا۔

"یہ کیا آپ پیچھے بیٹھیں۔" وہ لڑکا حیران سا بولا۔

"نہیں یار میں اکیلا پیچھے بیٹھ کر بور نہیں ہونا چاہتا۔" اب کی بار معیز نے خوش دلی سے کہا تو وہ کندھے اچکاتے ہوئے ڈرائیونگ سیٹ پر آ بیٹھا اور گاڑی اسٹارٹ کردی۔

اوائل دسمبر کی یہ ایک شوخ اور سرد سی صبح تھی۔ سفر کا آغاز ہو چکا تھا' کچھ دیر معیز کھڑکی سے بھاگتے دوڑتے مناظر کو دیکھتا رہا۔ لاہور کی ترقیوں پر غور و فکر کرتا رہا پھر اکتا کر برابر کی نشست سنبھالے کمسن لڑکے کی جانب متوجہ ہوا۔

اس لڑکے نے سردی کی شدت کو روکنے کے لیے سر پر ایک ٹوپی پہن رکھی تھی کچھ اس طرح کہ اس کی پیشانی اور کان اسی میں چھپ گئے تھے۔

اس کے خدوخال میں عجیب سی نرمی اور لطافت تھی۔ اس کی رنگت میں سرخیاں گھلی ہوئی تھیں' اس کے ہونٹ بے حد گلابی اور خوب صورت تھے۔ بڑی بڑی سیاہ پلکیں اسے عجیب سا حسن بخش رہی تھیں۔ اس نے بلیک جینز کی جیکٹ اور ہائی نیک پہن رکھی تھی۔ ساتھ بلیک ہی جینز کی پینٹ زیب تن کی تھی' پیروں میں جوگرز پہنے اس نے سردی سے بچنے کا مکمل انتظام کیا تھا۔

اس کے بدن میں اور حرکات و سکنات میں عجیب سی نزاکت چھلک رہی تھی' وہ عمر میں پندرہ سولہ برس سے زیادہ دکھائی نہیں دیتا تھا۔

"تمہارا نام کیا ہے؟" اس نے بے اختیار پوچھا۔

"کیوں؟" جواباً اس نے تیوری چڑھا کر پوچھا تو معیز ارقم جز بز سا ہو گیا۔

"ویسے ہی پوچھ رہا ہوں۔"

"ابھی تک سوچا نہیں کی کیا نام رکھوں' دراصل میں نے کبھی سوچا نہیں تھا کہ کوئی ٹیکسی ڈرائیور سے اس کا نام بھی پوچھ سکتا ہے۔" اس نے ازلی بے پروائی سے جواب دیا اور معیز ارقم بل کھا کر رہ گیا۔

"اف یہ پاکستانی عوام...... یار تم لوگ سیدھی بات کا جواب سیدھی طرح کیوں نہیں دیتے ہو۔" اس نے تپ کر کہا۔

"ایکسکیوزمی! میں پاکستانی عوام ہوں تو خود کیا ہو مسٹر' خود کو پرنس آف ویلز سمجھتے ہو اور اگر پاکستانی عوام سے اتنی ہی خار ہے تو پاکستان کیوں آئے ہو وہیں رہ لیتا تھا گوروں کے دیس میں۔" وہ ڈرائیور اس پر چڑھ دوڑا۔ جواباً معیز ارقم نے اسے ایک گہری مسکراہٹ سے نوازا۔

"پاکستانی عوام قطعاً ادھار نہیں رکھتی فوراً حساب بے باق کر دیتی ہے یہ ان کی اضافی خوبی ہے۔"

معیز نے بے ساختہ سوچا مگر اب کی بار زبان سے اظہار کرنے کی غلطی اس نے بالکل نہیں کی تھی' اسے خاموش پا کر وہ بھی تندہی سے ڈرائیونگ کی طرف متوجہ ہو گیا۔

بلاشبہ وہ بہت مہارت سے ڈرائیونگ کر رہا تھا پھر ڈرائیور نے کیسٹ لگا دی کیسٹ لگتے ہی نور جہاں کا ستر کی دہائی کا گانا گاڑی میں گونج اٹھا۔ معیز نے گھبرا کر کیسٹ بند کرنے کے لیے ہاتھ بڑھایا اسی وقت ٹیکسی ڈرائیور نے بھی ہاتھ بڑھایا تھا نتیجتاً اس کا ہاتھ معیز کے ہاتھ سے ٹکرایا اور ڈرائیور نے گھبرا کر ہاتھ پیچھے کیا جب کہ معیز کی انگلیوں میں جیسے ان ہاتھوں کی ساری نرمی منتقل ہو گئی۔

وہ پلکیں جھپک جھپک کر اپنی خجالت پر قابو پا رہا تھا۔

"اٹس او کے یار!" اسے اس قدر خجل سا دیکھ کر معیز نے تسلی دی اور شانے کو ہولے سے تھپتھپایا۔

"زیادہ فری ہونے کی ضرورت نہیں ورنہ ابھی گاڑی سے نکال دوں گا۔" سحر طراز آنکھوں میں غصہ بھر کر وہ درشتی سے بولا اور ایک جھٹکے سے گاڑی روکی۔

"کم آن تم تو یوں ناراض ہو رہے ہو جیسے میں لڑکی ہوں یا تم......"

"اترو گاڑی سے مجھے تمہیں نہیں لے جانا۔" وہ لڑکا فوراً گاڑی روک کر اترا اور خونخوار تیوروں سے بولا۔

وہ فیز تھری میں داخل ہو چکے تھے' پورا ڈیفنس محو استراحت تھا معیز کا "معیز ولا" اگلے بلاک میں تھا۔ اتنے سامان کے ہمراہ پیدل گھر تک جانا اسے سوچ کر ہی اکتاہٹ محسوس ہونے لگی تھی اور اس ائیریا میں ٹیکسی کا تصور دیوانے کا خواب ہی تھا۔

"میں نے تمہیں کرایہ دیا ہے' تم مجھے کسی صورت یہاں نہیں چھوڑ سکتے۔" معیز نے تپ کر کہا۔

"یہ لو اپنا کرایہ!" اس لڑکے نے پاکٹ سے ہزار کا نوٹ نکال کر اس کے آگے پھینکا۔

پھر خود ہی اس نے ڈگی کھولی اور بمشکل اس کے سامان سے کشتی لڑتے ہوئے باہر رکھا آخری بیگ رکھتے ہوئے اس کی ٹوپی ڈگی کے ہک سے الجھ گئی تھی اور باہر سر نکالتے ہوئے اس کی ٹوپی ہک کے ساتھ ہی رہ گئی اور اس کے بعد جو منظر معیز کے سامنے تھا وہ ناقابل یقین تھا۔

ٹوپی میں قید بال کھل کر شانوں اور چہرے کے اطراف میں بکھر گئے بے حد سلکی اور سیاہ بال اس کی نسوانیت پر مہر ثبت کر رہے تھے بلاشبہ وہ ایک لڑکی تھی' نازک و حسین پیکر اور قدرت کی اس شاہکاری پر وہ بے ساختہ معترف ہوا تھا۔ جب کہ وہ اس اچانک افتاد پر بوکھلا اٹھی تھی' اس قدر ششدر دکھائی دے رہی تھی کہ بال سمیٹنے کی زحمت بھی گوارا نہیں کی۔

"اوہ تو اس لیے جناب ہاتھ لگنے پر اتنا پارسائی کا درس دے رہی تھیں۔" گہری نگاہوں سے اسے دیکھتے ہوئے وہ ذرا سا قریب ہوا تب ہی وہ ٹرانس کی کیفیت سے نکلی تھی۔

"پیچھے رہو۔" اس کو لمحہ بہ لمحہ آگے بڑھتا دیکھ کر وہ سختی سے بولی۔ اسے صحیح معنوں میں اس جگہ اور اس شخص سے خوف محسوس ہوا تھا چنانچہ ایک لمحہ ضائع کیے بغیر وہ بھاگ کر گاڑی میں بیٹھی اور لمحہ بھر کی تاخیر کیے بغیر گاڑی زن سے اڑا لے گئی اور معیز ارقم کتنی ہی دیر کھڑا اس سفر اور واقعہ کو انجوائے کرتا رہا تھا۔

❀......❀......❀
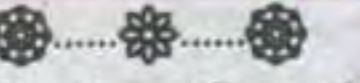
"وہ سامنے آ جائے تو میں اس کا چہرہ نوچ لوں۔" نیہا نے کلستے ہوئے کہا تو رخشی بھابی مسکرا دیں۔

"تمہیں کیا ضرورت پڑی ہے ایسی الٹی سیدھی حرکتیں کرنے کی۔" بھابی نے رسانیت سے کہا۔

"یہ بات آپ اموجان اور داجی سے پوچھیں' جنہوں نے مجھے پائی پائی کا محتاج کر دیا ہے۔" وہ منہ بسور کر بولی۔

"اگر تم نے اوٹ پٹانگ حرکتیں نہیں چھوڑیں تو کچھ بعید نہیں وہ تمہیں تمہاری پھپھو کے پاس لندن بھیج دیں۔" بھابی نے اسے متوقع خدشات سے آگاہ کیا۔ اس نے بے ساختہ ٹھنڈی سانس بھری۔

"اور شانی کی کیب تو اچھی ہے لیکن اس میں گانے پتا نہیں کون سے زمانے کے ہیں' میں نے کیسٹ آن کی تو ستر کی دہائی کا گانا بجنے لگا اور پھر......" اگلا منظر ذہن میں آ سمایا۔

"پھر کیا؟" بھابی نے دلچسپی سے کہا۔

"پھر اس خبیث کا ہاتھ میرے ہاتھ سے ٹچ ہو گیا۔" اس کی بات سنتے ہی ارم کا چھت پھاڑ قہقہہ برآمد ہوا۔

"اڑا لیں میرا مذاق۔" وہ جلتی کڑھتی اٹھی اور ہاتھ لینے کی غرض سے واش روم میں گھس گئی۔

❀......❀......❀
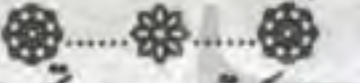
اموجان اور داجی کی تین اولادیں تھیں' زینب' قمر الزماں اور فہد' زینب' ساجد حسن کے ساتھ بیاہ کر لندن میں مقیم تھیں۔ ان سے چھوٹے قمر الزماں' عریشہ کے ساتھ زندگی کی ڈگر پر رواں دواں تھے۔ سب سے چھوٹے فہد' ارم کے ساتھ ازدواجی بندھن میں بندھ چکے تھے۔

زینب کے دو بیٹے عدیل اور رافع تھے اور وہ وہیں لندن میں ماس کمیونیکیشن میں ماسٹرز کر رہے تھے۔ قمر الزماں کی ایک بیٹی نیہا قمر الزماں اور ان سے پانچ سال بڑا بیٹا دانش قمر الزماں تھا۔ دانش ہارورڈ سے سی اے کی ڈگری لے کر لوٹا تھا اور اپنے باپ' چچا کے ساتھ بخوبی بزنس کی ذمہ داریاں نبھا رہا تھا۔ نیہا بی ایس کی طالبہ تھی' فہد کا ایک بیٹا عبداللہ جو کمپیوٹر سافٹ ویئر انجینئر تھا۔

اموجان اور داجی کی نگرانی اور سائے تلے پروان چڑھنے والا "ارمغان پیراڈائز" بہت خوش حال اور با ادب تھا۔ اس میں

بسنے والے تمام ذی روح بہت نیک ملنسار اور خوش اخلاق ان کی اولادیں بھی تعلیم یافتہ اور خوب صورت تھیں۔

اس گھر کی ایک ہی بیٹی تھی نیہا قمر الزمان جو بہت منتوں مرادوں کے بعد پیدا ہوئی تو گویا ارمغان پیرڈائز میں خوشی کی لہر دوڑ گئی۔ نیہا سب کی آنکھوں کا تارا تھی امو جان سے لے کر عبداللہ تک سب اس کے آگے پیچھے گھومتے تھے۔ اتنی توجہ اور محبت نے اسے کچھ ضدی اور ہٹ دھرم بنا دیا تھا۔

جب اس نے زندگی کے اٹھارہویں برس میں قدم رکھا تو امو جان کو فکر لاحق ہوئی کہ اس میں لڑکیوں والی کوئی نزاکت نہ تھی ہر وقت لڑنے مرنے کو تیار میدان جنگ برپا کرنے کو تیار کھڑی ملتی۔ بارہا عریشہ نے اسے لڑکی ہونے کی اونچ نیچ سے شناسا کروانے کی کوشش کی مگر وہاں نتیجہ وہی ڈھاک کے تین پات۔

وہ بی ایس کے فائنل ائیر میں آئی تو ان کا ٹرپ ناردرن ائیریاز میں جانے لگا اس نے امو جان اور داجی سے اجازت طلب کی تو وہ ہتھے سے اکھڑ گئیں اور سختی سے انکار کر دیا مگر اس نے بھی ضد باندھ لی تھی کہ جا کر ہی دم لے گی پہلے وہ بھوک ہڑتال کر کے رو دھو کر اپنی بات منوا لیتی تھی مگر اس بار کوئی اس کے بھوکے پیٹ اور گلابی آنکھوں کو دیکھ کر بھی نہ پگھلا۔ الٹا اس کی پاکٹ منی بند کر دی وہ غصے سے تلملا کر رہ گئی اور بھرپور جارحیت سے اعلان کیا کہ وہ بغیر ان کے پیسے کا استعمال کیے ٹرپ پر جا کر رہے گی۔ اپنے اسی ارادے کو عملی جامہ پہنانے کے لیے آج اس نے اپنے یونیورسٹی فرینڈ کی کیب ادھار لی تھی جو سیکنڈ ٹائم ٹیکسی چلاتا تھا اور ائیر پورٹ کی طرف چلی گئی۔ بھائی کے علاوہ سب سے اس کی سرگرمیاں پوشیدہ تھیں لیکن کچھ بھی کمائے بغیر وہ جلتی کڑھتی گھر لوٹ آئی تھی۔

❁......❁......❁

وہ اندھا دھند بھاگتی جا رہی تھی جب اس کا سر کسی سخت چیز سے ٹکرایا تھا۔ تھوڑی دیر بعد خود پر قابو پا کر اطراف کا جائزہ لیا تو معلوم ہوا جس سے وہ ٹکرائی ہے وہ کوئی دیوار نہیں بلکہ ایک لمبے چوڑے مرد کا سینہ ہے۔ اس کے چہرے پر نگاہ پڑتے ہی اس کا حلق تک کڑوا ہو گیا۔ وہ ایک نظر میں اسے پہچان گئی تھی۔

"یہ کیا کیا آپ نے محترمہ! ساری کراکری توڑ دی۔" وہ بگڑ کر بولا۔

"میں نے نہیں توڑی سامان آپ کے ہاتھ میں تھا۔" وہ الٹا اس پر برسی۔

اور وہ چند لمحے غور کرتا رہا کہ اس نے یہ آواز پہلے کہاں سنی ہے اور پھر معیز ارقم کے ذہن میں اسپارک ہوا تھا پوری جزئیات سمیت وہ ٹیکسی ڈرائیور اس کے ذہن میں آ گیا جو اب بالکل بدلی ہوئی حالت میں کھڑی تھی۔

لمبے بال تو اب بھی بکھر کر اپنی اصل ترتیب کھو چکے تھے البتہ شاکنگ پنک ٹراؤزرز اور لانگ شرٹ کے ہمراہ دھانی آنچل میں وہ بہت خوب صورت لگ رہی تھی۔

"کیا میں وجہ جان سکتا ہوں کہ کون سی ریس میں حصہ لے کر اتنا تیز رفتاری سے بھاگا جا رہا تھا۔" اس کا تفصیلی جائزہ لینے کے بعد وہ شناسائی کے احساس پر غلبہ پاتا ہوا بولا آواز میں ہلکی سی غصے کی لہر تھی۔

"وہ دراصل میرے پیچھے پپی (کتا) لگ گیا تھا۔"

"اوہ تو آپ اتنے چھوٹے کتے سے ڈر گئیں۔" وہ طنزیہ انداز میں بولا۔

معیز ارقم نے تھوڑے فاصلے پر چھوٹے سے پیارے سے کتے کو دیکھا جو اب بھی اس کی پشت پر کھڑا اپنی چھوٹی سی دم ہلا رہا تھا۔

"بہرحال جو بھی ہے آپ نے میرا نقصان کیا ہے۔" وہ پھر اس کی طرف پلٹا۔

"میں نے کوئی نقصان نہیں کیا۔"

اس وقت وہ کتا زور سے بھونکا تھا اور وہ چیخ کر معیز ارقم کے کندھے سے چپک گئی تھی۔

"پلیز اسے بھگائیں۔" آنکھیں بند کیے وہ اس کے کان کے قریب بڑبڑائی۔

"پیچھے ہٹ کر تو کھڑی ہوں۔" معیز نے بے زاری سے اسے پرے دھکیلا اور چھوٹے سے پپی کو بھگا دیا۔

"اس ڈرامے بازی کا مطلب؟" وہ کڑے تیور لیے پوچھ رہا تھا۔

"مجھے سچ میں کتوں سے ڈر لگتا ہے۔" وہ ششدر رہ گئی اس کے اس گھٹیا انداز پر اور بے ساختہ وضاحت دینے لگی۔

نیہا اپنی دوست عائشہ سے ملنے آئی تھی اس کا گھر بھی ڈیفنس فیز تھری میں تھا۔ داجی نے اس کے لیے ڈرائیور بھجوانا ارمغان پیرڈائز سے مگر اس نے سہولت سے انکار کر کے اسے واپس بھیج دیا کہ عائشہ اسے ڈراپ کر دے گی۔ اسے ایک تو پتا چلا تھا وہ واپس پر وہیں جانے کا سوچ رہی تھی جب ایک چھوٹا سا کتا اس کے پیچھے لگا تو اس نے آؤ دیکھا نہ تاؤ سینڈل اتار کر ہاتھ میں پکڑے اور دوڑ لگا دی۔

❁......❁......❁
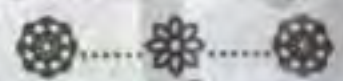
"یہاں کی سروس بہت اچھی ہے یار! اسی لیے میں جب سے پاکستان آیا ہوں یہیں آتا ہوں۔" ہوٹل کے زینے پر قدم رکھتے ہوئے اس نے اپنے جگری دوست رضا کو بتایا جو حال ہی میں ٹوکیو سے لوٹا تھا۔

"اوہ ریئلی!" وہ اس کی بات سے اتفاق کرتے ہوئے بولا اتنے میں ویٹر آ پہنچا رضا اسے آرڈر دینے لگا جب کہ معیز ویٹر کی وردی میں ملبوس ویٹرس کو پہلی نظر میں ہی پہچان گیا تھا بہرحال اس نے ظاہر کچھ نہیں کیا تھا۔

مقررہ وقت پر نیہا نے لباس تبدیل کیا اور ہوٹل سے باہر نکل آئی۔ اسے اتنے قیمتی لباس میں دیکھ کر معیز اندازہ کر سکتا تھا کہ وہ کوئی ضرورت مند نہیں ہے۔

"آج میری کیب ہے اس میں چلیں۔" اس کے پیچھے آتے ہوئے معیز نے کہا تو نیہا کے قدم وہیں جم گئے۔ وہ نظر انداز کرتی دوبارہ چل دی معیز تیز تیز قدم اٹھاتا دوبارہ اس کے برابر چلنے لگا۔

"کیا تمہارے گھر والوں کو پتا ہے کہ تم یہاں جاب کر رہی ہو۔" اس کے سوال پر نیہا کے قدموں تلے زمین کھسک گئی۔

"آپ کو میرے ذاتی معاملات میں دخل اندازی کرنے کا اتنا شوق کیوں ہے؟" وہ ٹھہرے ہوئے لہجے میں بولی اندر سے اس کی جان ہوا ہو چکی تھی۔

"اگر انہیں پتا چل گیا تو سوچو کیا ہوگا؟" وہ کھلے عام دشمنی کا اعلان کر رہا تھا۔

"آپ کیا جانتے ہیں میرے بارے میں۔" وہ رک کر بولی معیز ارقم کے قدم تھمے تھے۔

"میں یہ جانتا ہوں کہ تم ارمغان مجازی (داجی) کی پوتی ہو قمر الزمان کی بیٹی ہو۔ عبداللہ تمہارا کزن ہے دانش تمہارا بھائی ہے ڈیفنس فیز ایٹ بلاک کے میں تمہارا گھر ہے۔ بی ایس میں پڑھتی ہو ایکسپورٹ امپورٹ کا بزنس ہے بس اتنا کافی ہے یا اور بتاؤں۔" وہ آنکھوں میں شوخی بھر کر مزے سے بولا اور نیہا حق دق اس کی ہر بات درست ہونے پر مہر ثبت کر رہی تھی۔

عذرا کنول

السلام علیکم! ڈیئر آنچل اسٹاف اور تمام لکھنے پڑھنے والوں کو میری طرف سے محبت بھرا اسلام اور دعا۔ جولائی کے مہینے میں میری پیدائش ہوئی 17 جولائی کو میری برتھ ڈے ہوتی ہے۔ بہنوں میں سب سے چھوٹی ہوں تین بہنیں بڑی ہیں اور ماشاء اللہ چار خوب صورت بھائی ہیں۔ ایک بھائی اور دو بہنوں کی شادی ہو چکی ہے 17 جولائی 2005ء کو میری امی کی وفات ہوگئی تھی۔ دوستیں بہت زیادہ ہیں حسن اخلاق سے بہت متاثر ہوتی ہوں اور بہنوں کی عدالت میں سباس گل کے انٹرویو سے بہت متاثر ہوئی۔ رائٹرز تقریباً ساری ہی بہت اچھا لکھتی ہیں کاسٹ راجپوت (رنگڑ) ہے۔ میں سیکنڈ ائیر میں پڑھتی ہوں گھر کا تقریباً سارا کام آتا ہے سوائے کپڑے سلائی کرنے کے۔ آنچل بہت شوق سے پڑھتی ہوں میں نے اسے 6th کلاس سے پڑھنا شروع کیا تھا۔ میں کہانیوں سے سبق حاصل کرتی ہوں اور آنچل سے تو میں نے بہت کچھ سیکھا ہے خاص طور پر مشکلات کا صبر اور ہمت سے مقابلہ کرنا۔ پسندیدہ کلر ریڈ اور بلیک ہے۔ اچھا کپڑا پہننا پسند کرتی ہوں جیولری میں صرف گولڈ ہی پسند ہے۔ ہر کسی کو اپنی باتوں سے اپنا بنا لیتی ہوں کھانا ہر قسم کا کھا لیتی ہوں۔ میرا پسندیدہ مشغلہ پینٹنگ اور کتابیں پڑھنا ہے۔ میں اپنے ابو بہن بھائیوں اور فرینڈز سے بہت پیار کرتی ہوں خاص طور پر اپنی فرینڈ نیناں سے تو بہت ہی پیار کرتی ہوں وہ بہت کیوٹ ہے۔ یہ خامی بہت بری ہے کہ جس سے ایک بار دور ہو جاؤں اس سے قریب ہونے میں ایک سال لگا دیتی ہوں۔ آخر میں صرف یہ کہنا چاہوں گی کہ جو سسٹرز آنچل کو صرف پڑھ کر بند کر دیتی ہیں انہیں چاہیے کہ اسے غور سے پڑھیں اس میں ہمارے لیے بہت سے سبق چھپے ہوتے ہیں۔ اللہ آنچل کو بہت بہت ترقی دے آمین۔

"میں مانتی ہوں آپ میرے گھر والوں کو کچھ نہیں بتائیں گے۔" اس نے ہتھیار ڈالتے ہوئے کہا۔

"کیوں تمہیں لگتا ہے تمہاری ان تھرڈ کلاس حرکتوں پر میں تم سے پیار کر بیٹھا ہوں۔" وہ استہزائیہ ہنسا۔

"جاؤ جو تم نے کرنا ہے کرو اور اپنی گھٹیا سوچ اپنے پاس رکھو۔" اس کی آنکھوں میں مرچیں سی بھرنے لگی تھیں وہ تیز تیز قدم اٹھاتی اسے وہیں چھوڑ آئی تھی۔

پہلی بار اسے اپنی اوٹ پٹانگ حرکتوں کی وجہ سے شرمندگی محسوس ہو رہی تھی۔ اس نے آج تک نہیں سوچا تھا کہ اس کی ان حرکتوں کی وجہ سے کوئی اس کے متعلق اس طرح کے اندازے بھی قائم کرسکتا ہے۔

بہرحال اسے معیز ارقم کی سوچ پر تاسف ہوا تھا' نیہا کو خود سمجھ نہیں آ رہا تھا کہ ایک اجنبی جس کے نام تک سے وہ واقف نہیں اس کے اپنے بارے میں غلط رائے پر وہ اتنی غمگین کیوں ہو رہی ہے۔ وہ اپنی سوچوں میں مگن تھی کہ موبائل کی بپ رات کے ہولناک سناٹے کو چیرنے لگی۔

اس نے موبائل اٹھایا تو وہاں ایک انجانا نمبر بلنک کر رہا تھا۔ کچھ سوچ کر اس نے موبائل کا یس کا بٹن پریس کیا اور موبائل کان سے لگالیا۔

دوسری طرف گہری خاموشی تھی' نیہا نے بھی بولنے کی زحمت گوارا نہیں کی تھی۔

''کیا ہوا نیند نہیں آ رہی؟'' کسی نے بہت دوستانہ انداز میں پوچھا۔

''آپ کون؟'' اس نے تیوری چڑھا کر تمام تر بے زاری لہجے میں سمو کر پوچھا۔

''وہی جس کا آپ بہت نقصان کرچکی ہیں۔'' وہ گمبھیرتا سے کہہ رہا تھا اور نیہا ایک لمحے کے ہزارویں حصے میں معیز ارقم کو پہچان گئی تھی۔

''آپ مجھے بلیک میل کرنا چاہتے ہیں؟'' اس نے دوٹوک بات کرنے کا فیصلہ کیا۔

''نہیں...... میں نے تو یہ بات بتانے کے لیے فون کیا تھا کہ...... مجھے تمہارا نام بتانا تو یاد ہی نہیں رہا۔''

''یہ کام آپ صبح بھی کرسکتے تھے۔'' اس نے جان چھڑائی۔

''یعنی آپ مجھ سے ملاقات کا بہانہ ڈھونڈ رہی ہیں۔'' وہ محظوظ ہوتے ہوئے بولا اور نیہا کا دل چاہا وہ سر پیٹ لے۔

''یعنی آپ نے ہار مان لی نیہا؟''

نیہا نے مارے غصے کے سیل آف کردیا۔ وہ اسے مزید سننے کی متمنی نہ تھی۔

❁......❁......❁

دانش اسے یونیورسٹی سے لے کر آیا تھا' جب نیہا نے اس وہاں جان کو عبداللہ کے ساتھ مصافحہ کرتے ہوئے دیکھا۔

''اُف یہ یہاں کیا کر رہا ہے' کہیں اس نے اموجان یا بابا کو کچھ بتا تو نہیں دیا۔'' اس کے جسم میں خوف کی ایک لہر سرایت کرگئی بہرحال وہ کو نارمل پوز کرتی اسے نظر انداز کرتی داخلی دروازہ عبور کرگئی جب کہ دانش اس سے سلام دعا میں مصروف ہوچکا تھا۔

''کچھ میٹرز ہیں یا نہیں؟'' حسب توقع عبداللہ تپے موڈ کے ساتھ اس کے سر پر کھڑا اچلا رہا تھا۔

''کیا طوفان آ گیا؟'' سیب کی بڑی سے بائٹ لیتے ہوئے اس نے اس کے غصے پر تیل چھڑکا۔

''کیا سوچتا ہوگا وہ' کم از کم سلام دعا تو لے سکتی تھیں' میرا دوست اموجان کی طبیعت دریافت کرنے آیا تھا۔''

''کیا ہوا اموجان کو؟'' وہ متفکر ہوئی۔

اس کے لہجے میں اس قدر تفکر اور سنجیدگی تھی کہ عبداللہ نے مزید بحث مناسب نہیں سمجھی اور ویسے بھی وہ زیادہ دیر اس سے ناراض نہیں رہ سکتے تھے وہ تو ان کی پیاری سی گڑیا تھا۔

''بی پی شوٹ کر گیا ہے۔'' جواباً وہ فکرمند سا بولا۔

نیہا نے فوراً سلیپرز پاؤں میں اڑسے اور اموجان کے کمرے کی طرف دوڑ لگادی بہرحال اس گھر کا ہر فرد اسے اپنی جان سے بھی زیادہ عزیز تھا۔ غیر متوقع طور پر سب آج امو جان کے کمرے میں ہی محفل جمائے بیٹھے تھے۔ دانش' پاپا' مما' چاچی' چاچو اور بھابی داجی بھی پاس ہی بیٹھے کسی بات پر مسکرا رہے تھے اور بھابی اموجان کو سوپ پلا رہی تھیں۔

''اموجان......'' اس نے دور سے انہیں پکارا اور دوڑ کر ان سے لپٹ گئی' فرط جذبات سے اس کی آنکھیں چھلک پڑیں۔

''بس بس میرا بچہ! کچھ نہیں ہوا مجھے میں ٹھیک ہوں۔ کیوں خود کو پریشان کرکے ہلکان کر رہی ہو۔'' اموجان نے اسے پیار سے پچکارا اور خود میں سمویا۔

''میرا بیٹا تو بہت بہادر ہے کیوں ٹائیگر!'' چاچو نے اس کے بچپن کے نام سے چھیڑا۔

''تو پھر مجھے جانے دیں نا چاچو۔'' اس نے فوراً پینترا بدلا۔

''اس کے لیے اپنے داجی اور امو جان سے رجوع کریں۔'' چاچو نے فوراً ہری جھنڈی دکھائی۔

''داجی پلیز......'' وہ لجاجت سے بولی۔

''میرے بچے مسئلہ کوئی نہیں ہے مگر آپ کے مزاج کے بچپنے سے ہم واقف ہیں' اس وجہ سے کچھ تامل سے کام لے رہے ہیں۔'' داجی نے محبت سے اس کے چہرے کو چھوا تو لاجواب سی رہ گئی۔

❁......❁......❁

رمضان المبارک کا بابرکت مہینہ شروع ہوچکا تھا۔ ہر طرف برکتوں کا نازل شروع تھا' تمام امت مسلمہ کی عقیدت اور شوق قابل دید تھا۔ ارمغان پیراڈائز کا ہر فرد صوم و صلوٰۃ کا پابند تھا۔ نیہا نماز اور روزے میں اکثر کنی کترا جاتی تھی مگر امو جان کے ڈر سے لگے بندھے فرائض دین ادا کرہی دیتی۔

رمضان کا پہلا عشرہ بخیر و عافیت گزر چکا تھا' دوسرے عشرے میں اموجان اپنی نگرانی میں نیہا کو سحری کروا رہی تھیں کہ وہ دو چار روزوں کی ڈنڈی مار چکی تھی۔

''روزہ گناہوں کی ڈھال ہے میرے بچے! اس کا اجر خدا خود دیتا ہے۔'' اموجان نے اسے سمجھایا۔

❁......❁......❁
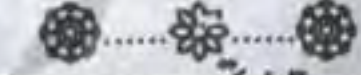
ہواؤں میں شدید تپش تھی اور شب و روز طوالت اختیار کرتے جارہے تھے وہ ایک گھنٹے سے یونیورسٹی کے گیٹ پر عبداللہ کا انتظار کر رہی تھی مگر اس کا کچھ پتا نہ تھا۔ اوپر سے صبح سحری کے وقت جو خبر اسے سننے کو ملی وہ کسی دھماکے سے کم نہ تھی اور کس طرح ڈسٹرب ہوئی۔ غصے سے اس کا برا حال تھا۔

اسے گاڑی سے اترتے دیکھ کر عبداللہ نے مخاطب کیا۔

''چلو۔'' اس کے موڈ کی سرد و گرمی کو وہ بخوبی سمجھتا تھا۔

''نہیں جانا میں نے' پوائنٹ سے چلی جاؤں گی۔'' وہ اکڑتے ہوئے لہجے میں رکھائی سے بولی۔

''یار بہت ضروری کام آ گیا تھا۔'' عبداللہ نے اس کا غصہ کم کرنا چاہا۔

''مجھ سے بھی اہم کوئی ہوسکتا ہے۔'' وہ الٹا اس پر چڑھ دوڑی۔ اتنے میں معیز ارقم نے عبداللہ کو اپنی طرف متوجہ کرلیا تھا۔

''اس نے بھی قسم کھائی ہے مجھے سکون سے نہیں رہنے دے گی۔'' اس نے بل کھا کر سوچا۔

''کیا ہوا خیریت؟'' وہ پوچھ رہا تھا۔

''ہاں یار نیہا کو پک کرنا تھا' ایک مسئلے میں الجھ گیا اس وجہ سے یہ ایک گھنٹہ انتظار کرتی رہی ہے' اب مجھ سے ناراض ہے۔'' اس نے کان کھجا کر وجہ بتائی' جواباً معیز ارقم کے چہرے پر مسکراہٹ مچل اٹھی۔

''جلدی گھر چلو اور تم نے اپنے اس دوست سے ذرا سی بھی بات کی تو ٹھیک نہیں ہوگا۔'' معیز کو مسکراتے دیکھ کر وہ فوراً ہی عبداللہ کی بات مان گئی تھی۔

''چلتا ہوں یار ورنہ میری ہڈی پسلی توڑ دے گی۔'' سرعت سے معذرت کرتا نیہا کے پاس چلا آیا اور پھر سارے راستے اس کا موڈ آف رہا تھا۔

❁......❁......❁
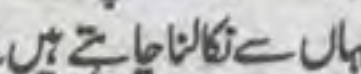
''پاپا کیا میری حرکتوں سے آپ اتنے تنگ آ گئے ہیں کہ جلد از جلد مجھے یہاں سے نکالنا چاہتے ہیں۔'' کچھ دنوں سے نیہا کے لیے ایک رشتہ آیا ہوا تھا' رشتے تو تب سے آ رہے تھے جب اس نے سولہویں برس میں قدم رکھا تھا مگر یہ رشتہ نہایت مناسب اور قابل غور تھا تب ہی تمام بڑے اس رشتے پر بڑی تندہی سے سوچ بچار کر رہے تھے۔

نیہا کو انہوں نے شہزادیوں کی طرح پالا تھا اور اس کی آن بان بھی کسی شہزادی سے کم نہ تھی۔ وہ کسی ایسے ہی شہزادے کی تلاش میں تھے جو نا صرف اس کے ساتھ جچے بلکہ اس کے بچپنے اور مزاج کو بھی سمجھے اور اس فیملی نے بڑی محبت سے دامن پھیلایا تھا۔ ہمدانی صاحب سے قمرالزماں اور فہد کئی بار بزنس پارٹیز میں مل چکے تھے مگر دوستی البتہ نہیں تھی' شناسائی رکھتے تھے۔

''ایسا کیسے سوچا آپ نے نیہا؟'' قمرالزماں نے لیپ ٹاپ بند کیا اور پورے اس کی طرف گھوم گئے۔

''بیٹا! لڑکا اچھا ہے' چھوٹی سی فیملی ہے' ہمدانی صاحب کا خاندان بہت خوش اخلاق اور سلیقہ مند ہے۔ ہمدانی صاحب کا بیٹا بھی وضع دار اور سلجھا ہوا ہے' مجھے تو اس میں کوئی برائی نظر نہیں آئی' باادب خوش شکل اور خوش گفتار ہے۔ ہم سب اس سے مل چکے ہیں' آپ بھی ملنا چاہتی ہیں تو مل لیں اور آپ سے کس نے کہا کہ ہم آپ کو ابھی رخصت کر رہے ہیں' شادی تو آپ کی تعلیم مکمل ہونے کے بعد کریں یا جب میرا بیٹا کہے گا تب کریں گے۔'' انہوں نے تفصیلی جواب دے کر اس کے خدشات دور کرنے چاہے۔

''اتنی جلدی پاپا...... میرا دل نہیں مانتا' میں آپ سے مما' چاچو' چاچی' اموجان' داجی' دانش بھائی' بھابی اور اس عبداللہ کے

بچے سے بالکل دور نہیں جانا چاہتی۔" صدمے سے اس کا برا حال تھا۔

"سب کچھ اچھا لگے گا بیٹا! شروع شروع میں ایسے ہی فیل ہوتا ہے پھر آپ Habitual ہو جاؤ گی۔" پاپا نے اسے دوستانہ انداز میں چھیڑا تو وہ جھینپ کر مسکرا دی۔ آنکھوں میں نمی اور چہرے پر جھینپی جھینپی مسکان دو متضاد کیفیات کی عکاسی کر رہی تھی۔

قمرالزمان نے بڑے غور سے اپنی پریوں سے بڑھ کر خوب صورت بیٹی کو دیکھا اور پھر اسے بانہوں میں بھر کر طمانیت سے مسکرا دیئے۔

☆☆☆......

رات کے دو بج رہے تھے نیند آنکھوں سے کوسوں دور تھی' دل نجانے کیوں اس نئے بندھن کے بارے میں مطمئن نہ تھا اور نہ ہی خود سے جڑنے والے شخص نے اس کے وجود میں کوئی ہلچل مچائی تھی' اس نے تھک کر کھڑکی کھول دی' رات کی ٹھنڈک نے آگے بڑھ کر اس کا استقبال کیا' نرم ہوا کی نرمی نے ہولے سے اس کے وجود کو چھوا اور آوارہ لٹوں کو چھیڑتی چپکے سے آگے بڑھ گئی۔ تب ہی موبائل کی بیپ نے اس کے ارتکاز کو توڑ ڈالا' اس نے مسکرا کر ریس کا بٹن پریس کیا۔

"جاگ رہی ہو ابھی تک؟" دوسری طرف وہی تھا اس کی جان کا دشمن۔

"ہاں نیند نہیں آرہی۔" اس نے اعتراف کیا' وہ اس قدر الجھی تھی کہ لڑنے کو بالکل بھی دل نہیں کر رہا تھا۔

"اچھا سنو نیہا!"

"سناؤ۔" وہ تڑ کی بہ تڑ کی بولی۔

"سنا ہے تم روزے بھی رکھتی ہو آج عبداللہ نے بتایا۔" وہ اسے لمحوں میں تپا گیا۔ "تم نے مجھے کبھی بتایا ہی نہیں۔" وہ اسے چڑا رہا تھا جیسے وہ بہت اچھے دوست ہیں۔

"کیوں میں نے آپ سے کریکٹر سرٹیفکیٹ لینا تھا یا وفاق کا ٹیسٹ پاس کرنا تھا۔" وہ تلخی سے گویا ہوئی۔

"نہیں تمہیں مجھے بتانا چاہیے تھا میں ذرا رعایت دے دیتا تم روزے میں تھیں اور میں نے تمہیں غصہ دلا دیا۔" اس کے لہجے میں واضح شرارت تھی۔

"ہاں کل اخبار کے فرنٹ پیج پر چھپواؤں گی کہ نیہا قمر الزماں اپنی امو جان کے کہنے پر پورے روزے رکھتی ہے۔" وہ

جل کر خاک ہی تو ہوگئی۔

"یہ فضول کی باتیں کرنے کے لیے فون کیا ہے۔" وہ خوامخواہ چڑ گئی۔

"نہیں اگر تم چاہو تو ڈھنگ کی باتیں بھی ہو سکتی ہیں۔" وہ کافی موڈ میں تھا آج اور نیہا کی آنکھوں میں وہ تمام منظر گھوم گئے' جس میں اس شخص نے اس کی تذلیل کی تھی۔

"اتنی گھٹیا نہیں ہوں میں سمجھے تم' تمہیں کوئی حق نہیں پہنچتا مجھ پر ایسے خیالات ظاہر کرنے کا' نفرت ہے' مجھے تم سے' سنا تم نے کچھ نہیں ہو تم میرے لیے۔" وہ نفرت سے چلائی۔

"لیکن میں نے تو ابھی ایسا کچھ بھی نہیں کہا۔" دوسری طرف وہ صحیح معنوں میں پریشان ہوا تھا۔

"بھاڑ میں جاؤ تم خبیث انسان۔" اس نے سیل دیوار میں دے مارا اور گھٹنوں میں سر دے کر رو پڑی' اسے خود معلوم نہیں تھا کہ وہ کس بات پر اتنی وحشت زدہ ہو رہی تھی۔

❀......❀......❀

آج مسز ہمدانی اسے شاپنگ کروانے آئی تھیں' ہمدانی فیملی جلد از جلد شادی پر زور دے رہی تھی لیکن ارمغان حجازی کچھ پس و پیش سے کام لے رہے تھے چنانچہ عید کی شام کو نیہا کا نکاح طے پایا اور رخصتی اس کے لاسٹ سمسٹر کے بعد ہونا قرار پائی۔

آج چھبیسواں روزہ تھا' وہ مسز ہمدانی اور بھابی کے ہمراہ مارکیٹیں کھنگال رہی تھیں اور ڈھیر ساری شاپنگ کے بعد مسز ہمدانی نے انہیں ساڑھے بارہ کے قریب نصف شب کو ارمغان پیراڈائز ڈراپ کیا۔ سب انتہائی جوش و خروش سے اپنے گھر کی سب سے لاڈلی بیٹی کے نکاح کی تیاریوں میں مگن تھے مگر اس کے اندر خوشی کا کوئی احساس نہیں تھا بلکہ جیسے جیسے وقت گزر رہا تھا اس کے اندر خالی پن بسیرا کرتا جا رہا تھا۔

اس دن وہ شاپنگ کی غرض سے مارکیٹ تک آئی تھی لیکن وقت گزرنے کا اندازہ ہی نہیں ہوا تھا اور پھر کام نبٹاتے نبٹاتے افطار کا وقت ہو گیا تھا۔ چاروں طرف سے اذان کی صدائیں بلند ہونے لگی تھیں' وہ تیز تیز قدم اٹھاتی طویل سڑک عبور کرنے لگی جب دو نوجوان لڑکے بائیک پر سوار اس کے قریب سے گزرے۔ نیہا کا دل اچھل کر حلق میں آگیا' اس نے قرآنی آیات کا ورد شروع کر دیا اور قدموں کی رفتار بڑھا دی مگر وہ دونوں مسلسل اس کے دائیں بائیں چکر کاٹنے لگے تھے۔ اس

کا دل خوف کی شدت سے دھڑک اٹھا تھا اور تب اس کے قدموں تلے زمین سرک گئی جب ان میں سے ایک لڑکے نے اس کا دوپٹہ کندھے سے کھینچا' مارے خوف و دہشت کے اس کی آواز حلق میں ہی دم توڑ گئی تھی۔ اس کا روم روم خدا کے حضور اپنی عزت و آبرو کی محفوظ رہنے کی التجا کر رہا تھا اور پھر شاید خدا نے اس کی سن لی تھی' وہ دونوں لڑکے بائیک سے اترے۔

"آؤ ہم تمہیں گھر چھوڑ آتے ہیں۔" ایک نے اسے بازو سے دبوچ کر اپنے سامنے کیا۔ اتنے میں بلیک مرسڈیز سے ایک نوجوان نکلا اور لمحہ بھر کی تاخیر کیے بغیر ان پر چڑھ دوڑا۔

اس نے ایک لڑکے کو شرٹ کے کالر سے پکڑا اور زوردار مکا اس کے چہرے پر جڑ دیا جوابا وہ بل کھا کر سڑک پر لڑھکا تھا جب کہ دوسرا لڑکا بھاگ نکلا تھا' اس سے پہلے کہ پہلا لڑکا سنبھل پاتا معیز نے اپنے بوٹ سے اس کو زوردار ٹھوکر ماری' وہ لڑکا بمشکل اٹھا اور دوڑ لگا دی۔

معیز اس کے پیچھے دوڑا مگر پھر نیہا کی سسکیوں نے اسے اپنی طرف کھینچ لیا۔ وہ اس کے قریب آیا تھا' زمین پر جھولتا دوپٹہ اس کے شانوں پر پھیلا دیا' وہ وہیں سڑک پر بیٹھ کر رو رہی تھی اس کا وجود ہولے ہولے لرز رہا تھا۔

"کیا تم ٹھیک ہو؟" معیز نے اس کے شانے پر ہاتھ رکھ کر پوچھا تو وہ خوف زدہ ہو کر اس کے کندھے سے لگ گئی اور آنسو بہانے لگی۔

معیز ارقم اس کی حالت سمجھ سکتا تھا' اسی لیے اسے خود سے الگ نہیں کیا بلکہ رونے دیا۔

"چلو گھر چلتے ہیں۔" تھوڑی دیر بعد جب وہ رو چکی تو معیز ارقم نے نرمی سے کہا۔ اس کی آواز پر اپنے آنسو پونچھے مگر اس کا بدن ہلکی ہلکی لرز رہا تھا۔ معیز ارقم نے اسے گاڑی کی فرنٹ سیٹ پر بٹھایا' وہ چپ چاپ بیٹھ گئی مگر آنسو اب بھی قطرہ قطرہ پگھل رہے تھے۔ معیز ارقم نے ڈرائیونگ سیٹ سنبھالی اور ٹشو کا ڈبہ اسے تھمایا' اس نے خاموشی سے ٹشو نکال کر آنسو صاف کیے۔

"یہ پانی پی لو۔" اس نے بوتل اسے تھماتے ہوئے کہا۔ "کیا ضرورت تھی تمہیں اکیلے اس ٹائم باہر نکلنے کی اگر تمہیں کچھ ہو جاتا تو......" اس نے بات ادھوری چھوڑی اور غصے سے اسٹیئرنگ پر ہاتھ مارا۔

"اپنی یہ فضول کی ایکٹیویٹر چھوڑ دو' تم جانتی نہیں ہو کہ اس سے کتنا بڑا نقصان ہو سکتا ہے۔" نیہا ذرا سی نارمل ہوئی تو وہ

مسکان

میری طرف سے آنچل اسٹاف اور آنچل کی پیاری سی قارئین کو خلوص دل سے السلام علیکم! جی تو جناب بات ہو جائے تعارف کی تو جی میرا نام ہے مسکان ضلع قصور کے پاس ایک گاؤں سے تعلق ہے آنچل سے چار سال پرانا تعلق ہے ان شاء اللہ قائم رہے گا ہم پانچ بہن بھائی ہیں' سب سے بڑا بھائی عمران ماشاء اللہ شادی شدہ ہے چار پیاری پیاری بیٹیاں ہیں' اس کے بعد جناب ہم پھر تین بھائی ہیں۔ ابو میرے بہت ہی اچھے ہیں' بہت پیار کرتے ہیں ہم سب سے' امی کو دس سال ہو گئے فوت ہوئے۔ میری قسمت دیکھیں قارئین! صرف سات سال ماں کا پیار دیکھا دس سال ہو گئے ان سے جدا ہوئے' اب باقی ساری زندگی ترستے ہی گزرے گی ماں کے پیار کو۔ میری امی بہت پیاری تھیں میں بہت یاد کرتی ہوں' ہر قدم پر ماں کی کمی محسوس ہوتی ہے' پر جو خدا کو منظور۔ اب بات ہو جائے تعلیم کی تو جناب میٹرک کر کے گھر بیٹھ گئے کیونکہ کام کرنے والا کوئی نہیں تھا' پسند ناپسند کی طرف توجہ دیں تو جی کھانے میں بریانی' چاکلیٹ' آئس کریم' کیک توجہ فرمائیں مجھے چائے پینا اتنا پسند کہ تم سب کی سوچ سے بھی زیادہ' بس چائے ہو اور میں۔ لباس میں شلوار قمیص اور بڑا سا دوپٹہ بھی جی سادہ سی بندی ہوں' زیادہ ہی سادہ کہہ لیں۔ خوبیاں بس اتنی سی کہ مخلص' نرم دل' حساس' جذباتی۔ خامی بس سب سے بڑی یہ کہ جلدی اعتبار کر لیتی ہوں۔ غصہ بہت جلدی آتا ہے' پتا بھی نہیں چلتا کہ آیا کس بات پر' میوزک جناب ہر قسم کا پسند ہے۔ قارئین! میں عجیب سی ہوں' کبھی کبھی دل چاہتا ہے رو لوں' بس دل اداس ہوتا ہے جب تک رو نہ لوں' صبر نہیں آتا۔ دوستیں بہت تھیں پر سب سے اعتبار اٹھ گیا ہے انہوں نے نبھائی ہی ایسی دوستی کہ اب دوستی سے ہی ڈر لگتا ہے پر اب پیاری قارئین کو آزمانے کا ارادہ ہے دعا کرنا کوئی اچھی سی مخلص دوست مل جائے جس کو میں اپنے دل کی ہر بات بتا سکوں۔ آئیڈیل صرف ایک ہمارے آقا صلی اللہ علیہ وسلم کو ہی کہا جا سکتا ہے۔ شعراء کرام میں وصی شاہ' نازیہ کنول نازی پسند ہیں۔ ناولوں کی بات کی جائے تو "وہ عشق جو ہم سے روٹھ گیا' یہ چاہتیں یہ شدتیں" سب سے زیادہ پسند ہے۔ اب اجازت دیجیے خدا حافظ۔

بڑے استحقاق سے اپنا غصہ اس پر ظاہر کررہا تھا اور کسی کی نہ سننے والی نیہا قمرالزماں اس شخص کی سن رہی تھی۔

وہ اسے ارمغان پیراڈائز سے قدرے فاصلے پر ڈراپ کرکے چلا گیا اور پھر اپنے گھر والوں کو اس نے کیسے مطمئن کیا وہ ایک الگ قصہ تھا۔

❁......❁......❁

آج چاند رات تھی' گھر میں معمول سے ہٹ کر ہلچل تھی' ہر کوئی کاموں میں مشغول بے حد مصروف تھا۔ بیوٹیشن سر شام ہی کل کے فنکشن کے لیے اس کے ہاتھوں اور پیروں پر مہندی لگانے آچکی تھی۔

دل میں نجانے کیوں اک اضمحلال سا آ ٹھہرا تھا۔ پلکوں تلے سجنے والے سپنوں میں ایک دھندلی سی شبیہ اتر رہی تھی' جسے وہ پہچان نہیں پارہی تھی لیکن دل شدت سے اس شخص کے لیے دھڑک رہا تھا۔

''ہیلو'' موبائل بجا تو اس نے فوراً کان سے لگایا۔

''چاند رات مبارک۔'' دوسری طرف وہی تھا جس کے نام سے بھی واقف نہ تھی اور بہت اچانک اسے احساس ہوا تھا کہ وہ اس شخص سے محبت کرنے لگی تھی' آنکھوں میں چھپا دھندلا سا عکس آنکھوں کے پردے پر واضح ہوگیا۔ اس کے آنسو خاموشی سے پلکوں کی باڑ پھلانگ کر عارض بھگونے لگے۔ اسے اب ادراک ہوا تھا جب وہ کسی اور سے منسوب ہوچکی تھی۔

''ہیلو! کیا تم ہو وہاں پر؟'' دوسری طرف گمبھیر خاموشی سے اکتا کر معیز نے پوچھا۔

''جی! خیر مبارک۔'' وہ فوراً خیالوں کی قید سے آزاد ہوئی۔

''ویسے مجھے تمہیں ایک اور چیز کے لیے بھی گڈ وشز دینی تھیں۔''

''کس بات کے لیے؟'' وہ مدھم لہجے میں بولی۔

''سنا ہے تمہاری شادی ہورہی ہے' اوہ مائی گاڈ! تم نے تو میری باتوں کو کچھ زیادہ ہی سیریس لے لیا۔''

''کیا مطلب؟'' نیہا الجھی۔

''مطلب نہ لڑکے کو دیکھا نہ بات کی اور ہاں کردی۔ پوری مشرقی لڑکی ہونے کا ثبوت دیا ہے۔''

''مجھے اپنے گھر والوں کی پسند پر بھروسہ ہے۔'' اس نے مختصراً کہا۔

''اتنے بجھے لہجے میں کہہ رہی ہو' کہیں میرے لیے آنسو تو نہیں بہا رہی؟''

وہ پوچھ رہا تھا اور نیہا کے رونے میں شدت آگئی تھی' وہ آج بھی اس کی عزتِ نفس کو کچل رہا تھا۔

''کچھ لینا دینا نہیں ہے میرا تم سے' کوئی محبت وحبت نہیں ہے مجھے تم سے' مجھے اسی شخص سے محبت ہے جس سے میرا کل نکاح ہے' میرے جذبے اسی کے لیے ہیں۔ میں اپنا رشتہ پوری وفا اور ایمان داری سے نبھاؤں گی' اس رشتے کی خوب صورتی میں تم جیسے راہ گیروں کا کوئی گزر نہیں ہے۔'' اس نے غصے سے کہا اور لائن کاٹ دی۔ گھٹنوں میں منہ چھپا کر وہ شدتوں سے رو پڑی۔

❁......❁......❁
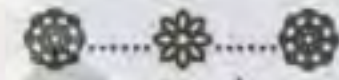
بے بی پنک اور شاکنگ پنک کام دار لہنگے میں اس کا معصوم حسن غضب ڈھا رہا تھا' بیوٹیشن کے ماہرانہ ہاتھوں نے اس کے خدوخال کو مزید واضح اور نمایاں کردیا تھا۔ پرسوز حسن سمیت وہ نظر لگ جانے کی حد تک خوب صورت لگ رہی تھی۔ ہر نظر نے اسے جی بھر کر سراہا تھا۔

عید کا دن اپنی تمام تر رنگینیوں اور برکتوں سمیت طلوع ہوچکا تھا' رات ڈیڑھ بجے زینب بھی لندن سے اپنے دونوں بچوں سمیت آچکی تھیں۔

نیہا نے سب سے لڑ جھگڑ کر عیدی وصول کی اور اپنے ہاتھوں سے سویاں بنا کر سب کو کھلائیں' گھر میں مہمانوں کی آمد شروع ہوچکی تھی۔ وقت پر لگا کر اڑا اور نکاح کا وقت بھی آن پہنچا۔ فہد اور قمرالزماں نے تمام پروگرام اپنے وسیع وعریض جدید طرز پر مزین لان میں ہی کیا تھا' پورے ارمغان پیراڈائز کو دلہن کی طرح سجایا گیا تھا۔

نیہا کا نکاح اس کے کمرے میں ہی پڑھایا گیا تھا جب کہ لڑکے کا نکاح مرد حضرات اور دیگر مہمانوں کی موجودگی میں اسٹیج پر ہوا پھر کھانے کا دور چلا اور تھوڑی دیر بعد دلہن آنے کا شور اٹھا۔

سج سج کر قدم رکھتی نیہا قمرالزماں اس کے دل کو بھی اپنے ساتھ باندھ گئی تھی۔ پہلے دلہن کو اسٹیج پر بٹھایا گیا اور پھر دلہا اس کے پہلو میں سج گیا۔ نیہا کی حیرت کی انتہا نہ رہی جب اس نے نظر اٹھا کر دیکھا تو معیز ارقم کو اپنے پہلو میں براجمان پایا۔ اس نے پلکیں جھپک کر دیکھا کہ شاید یہ اس کی نگاہوں کا دھوکا ہو مگر یہ تو وہی تھا..... معیز ارقم''

''معیز ارقم۔'' اس نے زیرلب دہرایا' وہ اس کے نام سے واقف نہ تھی تب ہی تو نکاح کے وقت پہچان نہیں پائی۔

''بس کرو' نظر لگاؤ گی کیا۔'' اسے مسلسل گھورتے دیکھ کر معیز ارقم نے مسکرا کر کہا تو وہ اپنی حیرت پر قابو پاتی سنبھل گئی۔

دل میں یہاں وہاں خوشی کا احساس بسیرا کرنے لگا تھا۔ کیمرہ مین اور عبداللہ کا ہینڈی کیم کھٹا کھٹ یہ خوب صورت مناظر قید کررہے تھے۔ خدا خدا کرکے فنکشن اختتام پذیر ہوا' ہنستے مسکراتے چہرے ان کی خوشیوں میں شریک تھے۔ آہستہ آہستہ سب لوگ رخصت ہوگئے' معیز ارقم نے کوئی خوش کن احساس یا تعریفی جملہ اس کے دامن میں نہیں ڈالا تھا مگر پھر بھی عجیب سی سرشاری رگ وپے میں سرایت کرگئی۔ آج جب وہ سونے کے لیے لیٹی تو اپنا وجود بہت ہلکا پھلکا لگ رہا تھا۔

❁......❁......❁

عید کے دوسرے دن معیز ولا میں ارمغان پیراڈائز کے تمام افراد کی پرتکلف دعوت تھی اور مسز ہمدانی نے نیہا کو ساتھ لانے پر خصوصی زور دیا تھا۔ جسے کچھ پس وپیش کے بعد قمر الزماں نے منظور کرلیا' نتیجتاً وہ سب معیز ولا میں موجود تھے۔ خوش گوار ماحول میں کھانا کھایا گیا اور اب سب لاؤنج میں خوش گپیوں میں مصروف تھے۔ مستقبل میں جس گھر میں اسے آنا تھا آج اس گھر میں عارضی طور پر آکر اسے فطری سی جھجک اور حیا آڑے آرہی تھی۔ وہ ڈھنگ سے کچھ کھا بھی نہیں پائی تھی' ہر وقت پٹر پٹر بولنے والی نیہا کی خاموشی اور ہچکچاہٹ پر سب ہی محظوظ ہورہے تھے۔

دانش اور درخشندہ بھابی معذرت کرتے ہوئے وہاں سے رخصت ہوگئے کہ آج بھابی کو اپنے میکے جانا تھا۔ باقی لوگوں کو بھی کہیں جانا تھا' عبداللہ بھی دوستوں کے ساتھ نکل چلا تھا۔ وہ خاموش بیٹھی انگلیاں چٹخا رہی تھی' معیز ارقم بہت تہذیب سے بیٹھا دادا جی سے محوِ گفتگو تھا۔

''نیہا بیٹا' معیز کے ساتھ گھر دیکھ لو۔'' اور نیہا کو حیرت سے غش آنے والی تھی' اس کے اصول پرست دادا نے اسے خود معیز کے ساتھ جانے کو کہا' نجانے کیا جادو کیا تھا اس نے ان پر۔ بس وہ انگلیاں مروڑتی متذبذب سی بیٹھی رہی۔

''گھبراؤ نہیں بیٹا! میں خود اجازت دے رہا ہوں۔'' دادا جی نے اسے تسلی دی تو خاموشی سے اس کے پیچھے ہولی جو سیڑھیاں چڑھ رہا تھا۔

''پورا گھر بعد میں دیکھنا' پہلے اپنا کمرا دیکھ لو۔'' نکاح کے دو بول کیا پڑھے' معیز ارقم کے تو دیکھنے کے ڈھنگ ہی بدل گئے۔ اس کا ہاتھ تھام کر اس نے کمرے میں کھینچا' اس نے نظریں گھما کر کمرے کا جائزہ لیا۔ ہلکے گلابی اور نیلے رنگ کے امتزاج کی دیواریں تھیں' دائیں طرف ایک بڑی گلاس ونڈو تھی' بائیں طرف ایک کمپیوٹر ٹیبل تھا۔ کمرے کے وسط میں ایک گول بیڈ تھا' بیڈ کی دائیں جانب ایک دروازہ تھا جو قدرے فاصلے پر تھا' بائیں طرف ایک اور دروازہ تھا' جو ایک چھوٹی سی راہداری کے اندر بنا تھا۔ شمال کی طرف ایک صوفہ تھا' جس کے سامنے ایک گلاس ٹیبل پڑا تھا۔ ہم رنگ پردے اور کارپٹ نے کمرے کو نہایت نفاست اور خوب صورتی بخش دی تھی۔ اس کے علاوہ ہر شے قیمتی اور نفیس تھی' اس نے ایک نظر ڈالی اور نگاہ جھکالی۔

''پسند آیا؟'' معیز نے پوچھا۔

''جی۔'' وہ منمنائی۔

''تم خوش ہو؟'' دوسرا سوال آیا۔

''اور اگر یہی بات میں آپ سے پوچھوں؟'' اس نے سوالیہ نگاہیں معیز کے چہرے پر مرکوز کیں۔

''تمہیں لگتا ہے میں خوش نہیں ہوں؟''

''چلو آج تمہیں سب شروع سے بتاتا ہوں' تم سے محبت مجھے تب ہی ہوگئی تھی جب پہلی بار حادثاتی طور پر تم میرے

نوریب فاطمہ

السلام علیکم! میرا نام نوریب فاطمہ ہے اور میرا تعلق ضلع گجرات کے چھوٹے سے گاؤں حیات گڑھ سے ہے دوسری مرتبہ اپنا تعارف بھیج رہی ہوں۔ جی تو بات کی جائے میری شخصیت کی تو بہت زیادہ سادگی پسند ہوں' میری تعلیم ایف اے ہے پہلے پڑھنے کا بہت شوق تھا لیکن اب نہیں ہے۔ زندگی گزارانا بہت مشکل لگتا ہے' کھانے میں جو مل جائے (الحمدللہ) لیکن بریانی کو زیادہ پسند کرتی ہوں' پہننے میں شلوار قمیص پسند ہے۔ آنچل میرا فیورٹ ڈائجسٹ ہے' رائٹرز میں عمیرہ احمد میری موسٹ فیورٹ ہیں وجہ ''پیر کامل'' ہے۔ فیورٹ ناولز میں ''جو چلے تو جاں سے گزر گئے' عشق کا عین'' اور ''بارِ وفا'' ہیں ان میں جو کریکٹرز ہیں ان میں سے ''سالار سکندر' عالم شاہ اور روشنی سے ملنے کو جی چاہتا ہے' والسلام

سامنے آئیں مگر ہر بار تم اور تمہارا حلیہ مجھے پریشان نہیں بلکہ حیران کرجاتا تھا اور پھر میں نے تمہاری تلاش شروع کردی اسی اثناء میں میری عبداللہ سے دوستی ہوگئی اور بہت جلد مجھ پر انکشاف ہوا کہ تم اس کی کزن ہو مگر تم ہر وقت اکھڑی اکھڑی رہتی تھیں' مجھے ڈر تھا کہ اگر تمہیں پتا چل گیا کہ تمہارا نکاح میرے ساتھ ہورہا ہے تو تم انکار نہ کردو۔" اس نے اپنے خدشات بیان کیے۔

"اس سارے معاملے کو پوشیدہ رکھنے میں عبداللہ اور رخش بھابی نے میرا بھرپور ساتھ دیا اور تمہارے اس دن لیٹ ہونے کی خبر بھی انہوں نے ہی مجھے دی تھی۔" اس نے دھیرے دھیرے تمام حقائق سے پردہ اٹھایا۔

"کیا تم اب بھی مجھ سے بدگمان ہو؟" کسی واہمے کے پیش نظر اس نے دریافت کیا۔

"آپ نے میرے بارے میں غلط سوچا؟" اس نے دکھ سے کہا۔

"وہ یار بس تمہاری برین واشنگ کے لیے تھا۔" اس نے گہری آنکھوں سے میرون کام دار سوٹ میں ملبوس لائٹ جیولری اور لائٹ میک اپ میں بے حد دلکش نیہا کو دیکھتے ہوئے کہا تو وہ اس کی نگاہوں کی تپش سے پگھلنے لگی تھی۔

"کچھ تو بتاؤ۔" وہ مضطرب سا بے چین ہوا تھا۔

"آپ بھی مجھے اچھے لگتے ہیں۔" شرمائی لجائی سی بولی۔

"بس اچھا لگتا ہوں۔" وہ مصنوعی خفگی سے بولا اور بازو سے پکڑ کر اسے قریب کھینچا۔

"بہت اچھے لگتے ہیں۔" اس کی قربت سے ڈر کر اس نے جلدی سے کہا اور معیز ارقم کا چھت پھاڑ قہقہہ اسے خجل کرگیا۔

"اچھا سنو...... عید مبارک!" اس کے جھمکے کو چھیڑ کر اس نے بہت راز داری سے اس کے کان میں کہا تو وہ جھینپ سی گئی۔

"خیر مبارک!" وہ اتنی آہستہ آواز میں بولی کہ وہ بمشکل سن پایا۔

"میری عیدی......" اس سے دور ہوتے ہوئے نیہا نے اس کی توجہ بٹائی۔

"کل ہی رخصتی کروالیتیں تو کل ہی عیدی مل جاتی۔" بات ذو معنی تھی نیہا کے رخسار تپ اٹھے تھے۔

"میں جارہی ہوں۔" وہ فوراً مڑی۔

"اچھا رکو...... ادھر ہاتھ دو۔" اس نے آگے بڑھ کر اس کی راہ روکی اور پھر اپنی جیب سے ایک خوب صورت کیس نکالا اور اس میں سے انگوٹھی نکال کر نیہا کی انگلی میں سجادی۔ یہ بہت خوب صورت رنگ تھی' اس نے بہت خوشی سے معیز کو دیکھا جس کی آنکھوں میں محبت کا سمندر موجزن تھا۔

"اب تمہیں مجھے عید مبارک کہنا ہوگا اور عیدی بھی دینی ہوگی۔" وہ مطالبہ کرتا دور دیوار سے ٹیک لگا کر کھڑا ہوگیا۔

"اور اگر میں نہ کہوں......؟"

"تو میں تم سے ناراض ہوجاؤں گا۔" اور اظہار کے لیے معیز نے رخ موڑلیا۔ کچھ دیر وہ کھڑی سوچتی رہی۔

"لیکن میرے پاس تو آپ کو دینے کے لیے کچھ نہیں ہے۔"

"یہ میرا مسئلہ نہیں۔" وہ بضد ہوا۔

پھر کچھ سوچ کر وہ دھیرے دھیرے چلتی اس کے قریب آئی' اس کے کان میں "عید مبارک" کی سرگوشی کی اور اس کے سینے پر سر رکھ دیا' اس کی اس ادا پر معیز ارقم نہال ہی تو ہوگیا۔ فوراً اسے بانہوں میں بھینچ کر محبت کا اعتماد بخشا اور اس کے ہونٹوں نے نرمی سے اس کی پیشانی کو چھوا تھا' اس نے دھکیل کر معیز ارقم کو پیچھے کیا۔

"میں نیچے جارہی ہوں' سب انتظار کررہے ہیں۔" اسے چڑاتے ہوئے وہ شرارت سے بولی اور کمرے سے بھاگ گئی۔

معیز ارقم کی مسکراتی نگاہوں نے تادیر اس کا تعاقب کیا تھا' یہ چلبلی اور معصوم لڑکی اپنی تمام تر حماقتوں سمیت اسے قبول تھی' اس محبت پر اعتقاد رکھنے والی ایمان دار اور وفادار لڑکی کے ہمراہ زندگی کا سفر بہت خوش گوار گزرنا تھا۔ اس کا اسے یقین ہوچلا تھا اور دوسری تاریخ کے عید کے چاند نے اس شخص کی دیوانگی کو مسکرا کر خوشیوں کی نوید دی۔

عید کا تحفہ

تمثیلہ زاہد

میں نے چاہا کہ تجھے عید پہ کچھ پیش کروں
جس میں تابندہ ستاروں کی چمک شامل ہو
جس میں گزرے ہوئے لمحات کی تصویریں ہوں
جس میں انجان جزیروں کی مہک شامل ہو

بارش تھی کہ رکنے کا نام نہ لے رہی تھی' عصر سے پہلے جو بارش برسنا شروع ہوئی تو رات بھر برستی رہی۔ اگلے روز بھی یہی ہورہا تھا' کچھ دیر رکتی اور پھر شروع ہوجاتی کبھی ہلکی تو کبھی تیز۔ ابوجی نے اس دلفریب موسم میں امی سے پکوڑے بنانے کی فرمائش کرڈالی۔ ساتھ ہی بڑے بھیا عمران بھی سوجی کا حلوہ کی فرمائش لیے امی کی خدمت میں حاضر ہوگئے۔ امی سرعت سے دونوں کے فرمائشی پروگرام کی تکمیل میں جتی ہوئی تھیں' سارے گھر میں سوجی بھوننے کی خوشبو پھیلی ہوئی تھی' ایک طرف پکوڑوں کے لیے کڑاہی رکھ کر امی بیسن گھول رہی تھیں' عمران بھائی صحن سے اٹھ کر کچن میں آگئے جہاں امی تیزی سے اپنا کام نپٹا رہی تھیں۔

"امی! سارا دن آپ خود ہی کاموں میں لگی رہتی ہیں' کبھی ثناء کو بھی اپنے ساتھ لگالیا کریں شاید اسی بہانے کچھ گھر داری سیکھ لے۔" عمران نے شرارت سے ثناء کو گھورتے ہوئے امی سے کہا تو اپنے رجسٹر پر تیزی سے قلم چلاتی ثناء کے ہاتھ اچانک رک گئے۔ اس نے جھکا سر اٹھا کر عمران بھائی کی طرف غرا کر دیکھا جو اسے شرارتی نظروں سے منہ چڑا رہا تھا۔

"خود تو جیسے بہت کام کرتے ہیں' چلیں ہیں دوسروں کو نصیحت کرنے۔" اس نے زوردار آواز کے ساتھ رجسٹر بند کردیا اور گرج کر کہتے ہوئے اپنے کمرے کی جانب بڑھ گئی۔

"تم بھی اسے ایک جگہ ٹک کر بیٹھا دیکھ نہیں سکتے' معلوم بھی ہے پیپر ہونے والے ہیں اس کے پھر بھی چھوٹی بہن کو تنگ کرنے سے باز نہیں آتے۔ اچھی بھلی پڑھ رہی تھی۔" امی عمران بھائی کی طرف تاسف سے دیکھ کر بولیں جو گرم گرم پکوڑے کڑاہی سے پلیٹ میں اترتے للچاتی نظروں سے دیکھ رہے تھے۔

"آپ بھی اپنی لاڈلی کی طرف داری کیجیے گا۔" عمران بھائی نے ایک گرما گرم پکوڑہ منہ میں لے جا کر کہا' ان

دونوں کی یہ نوک جھونک روز کے معمول کا حصہ تھا۔

شناء حساس دل کی مالک تھی چھوٹی چھوٹی باتوں سے ہی خود کو ہلکان کرلیا کرتی۔ عمران کچھ سوچ کر اس کے کمرے کی طرف بڑھ گیا۔

"طبیعت ٹھیک ہے تمہاری۔" وہ کمرے میں آکر اندھیرا کمرا روشن کرتے ہوئے زور سے بولا وہ اس کے اس رویے کی عادی تھی سو ٹس سے مس نہ ہوئی۔

"ہاں ٹھیک ہے تمہیں اس سے کیا؟" وہ منہ پھلا کر رخ پھیرتے ہوئے بولی۔

"اچھا چلو معاف کردو اور یہ رونا دھونا بند کرو۔" وہ اس کے بھیگے رخسار دیکھ کر پچکارتے ہوئے بولا۔

"ہمیشہ یہی کرتے ہیں آپ پہلے ستاتے ہیں اور پھر......"

"کیا اتنی سی بات پر بچوں کی طرح رو رہی ہو چلو اب کانوں کو ہاتھ لگا لیے میں نے اب تو معاف کردو تمہاری یہ نظر بندی میرے سوجی کے حلوے پر اثر انداز ہوسکتی ہے کچھ تو اپنے بھائی کا خیال کرو۔" اس کے مزاحیہ انداز میں کہے جملوں پر وہ ہمیشہ کی طرح کھلکھلا کر ہار مان گئی۔

وہ چھوٹی تھی اور گھر بھر کی لاڈلی عمران بھائی سمیت وہ گھر کے ہر فرد کی توجہ کا مرکز تھی اور وہ کبھی کبھار اس بات کا فائدہ بھی اٹھاتی تھی۔

"آپ چلیں میں آتی ہوں۔" شناء اپنی پھیلی کتابیں سمیٹ کر مسکراتے ہوئے بولی۔

"او کے۔" کہہ کر وہ جاچکا تھا اس وقت اس کا کمرا کتابوں سے پھیلا ہوا تھا اتنے میں سائیڈ ٹیبل پر پڑا اسیل فون گنگنانے لگا اس نے ایک نظر اسکرین پر ڈالی۔

"ہیلو زرشا!" وہ آخری کتاب بیگ میں رکھتے ہوئی موبائل کان سے لگا کر بولی۔

"کیسی ہو؟" دوسری طرف سے آواز آئی۔

"ٹھیک۔" وہ مختصراً بولی۔

"طبیعت تو ٹھیک ہے تمہاری آواز کیوں بھرا رہی ہے؟"

"بس ایسی ہی۔" اس نے ٹالا۔

"آج دیکھو پھر کوچنگ کی کلاس آف ہوگئی پہلے دو دن ہڑتال رہی اور اب یہ بارش...... امتحان سر پر ہیں پڑھائی کا کتنا نقصان ہو رہا ہے نا اللہ کرے آج یہ بارش تھم جائے کل چار بجے تیار رہنا تمہیں معلوم ہے میں سر یوسف رضا کی کلاس مس نہیں کرتی۔" زرشہ حسب معمول نان اسٹاپ بولے جارہی تھی۔ وہ عجیب احساس لیے خاموشی سے اس کی باتیں سن رہی تھی۔

"کیا ہوگیا شناء! تم کچھ بول نہیں رہیں کچھ بجھی بجھی سی لگ رہی ہو کل تو آؤ گی نا۔" وہ پھر بولی۔

"ہاں۔" اس کے ساتھ ہی دونوں نے فون ڈسکنکٹ کردیا۔

وہ اپنا بوجھل وجود لیے اپنے کمرے کی کھڑکی میں آگئی جہاں صحن میں تیز برستی بارش کی بوندیں سارے منظر کو جل تھل کررہی تھیں بند کھڑکی سے باہر کا یہ منظر دل موہ لینے والا تھا وہ چوری بنی کھڑی تھی اس کے آگے ایک عکس لہرانے لگا کچھ سوچ کر وہ مسکرا دی۔

❁......❖❖......❁

رفیق حیات کی دو ہی اولادیں تھیں سکندر حیات اور تیمور حیات۔ دونوں بھائی ایک دوسرے پر جان چھڑکتے تھے دونوں نے والدین کی مرضی سے شادی کی اور اپنا اپنا کاروبار شروع کیا جلد ہی دونوں کا شمار شہر کے اچھے بزنس ٹائیکون میں ہونے لگا۔ دونوں کو اپنے اپنے گھروں میں ہنستا بستا دیکھ کر ایک دن رفیق حیات خالق حقیقی سے جا ملے۔ رفیق حیات کی زوجہ بیگم تو بچوں کی کم سنی میں ہی جدا ہوچکی تھیں انہوں نے ماں باپ بن کر اپنے بچوں کی پرورش کی تھی ان کی جڑوں میں رشتوں کی محبت کا تقدس گندھا تھا۔ سکندر حیات کے دو بچے تھے بڑا عمران اور چھوٹی شناء اور تیمور حیات کے تین بیٹے تھے بڑا آصف یوسف اور سب سے چھوٹا توصیف۔ شناء خاندان بھر کی واحد صنف نازک تھی اس لیے والدین کے ساتھ چچا چچی کے نخروں کی بھی حقدار بنی پھرتی۔ چچا چچی بھی اس پر جان

چھڑکتے ہر اہم موقعے پر اس کے لیے تحائف لے جانا کوئی نہ بھولتا تھی کہ ہر سال اس کی سالگرہ کا اہتمام چچا اب تک دھوم دھام سے کرتے وہ سب ہی کی آنکھ کا تارا تھی۔ اسی لیے نخریلی طبیعت اس کا مزاج بن گیا تھا۔

عمران شناء سے تین سال بڑا تھا اور ایم بی اے کررہا تھا اس کے بعد اس کا والد کا ہی کاروبار سنبھالنے کا ارادہ تھا۔ شناء بی کام فرسٹ ائیر کی طالبہ تھی وہ شروع سے ہی پڑھائی میں نمایاں کارکردگی حاصل کرتی رہی وہ کسی ٹیوشن یا کوچنگ کی قائل نہ تھی۔ وہ کوچنگ سینٹرز کو بیساکھی کا نام دیتی کچھ وہ ذہین بھی تھی اسے ایسے کسی ادارے سے منسلک ہونے کا خیال بھی نہ آیا نہ کبھی ضرورت محسوس ہوئی جبکہ زرشا نے ہمیشہ اس بات پر قائل کرنے کی کوشش کرتی کہ کوچنگ سینٹر بیساکھی ہرگز نہیں کالج میں پورا سال پڑھائی ہوتی نہیں اساتذہ بھی کالجز میں نصابی معلومات بھرپور طریقے سے نہیں دیتے۔ اسی لیے کئی طلباء و طالبات کا رخ کوچنگ سینٹرز کی طرف مائل ہوگیا ہے کیونکہ وہاں انہیں نصابی معلومات کے ساتھ ساتھ پڑھائی پر بھی بھرپور توجہ ملتی ہے۔

آج کل شناء کو اکاؤنٹنگ میں کچھ مشکل پیش آرہی تھی ایک ہفتہ سے ٹیچر کالج سے غائب تھیں۔ بھائی کا بھی سمسٹر چل رہا تھا تو وہ بھی اپنی پڑھائی میں حد درجہ مصروف تھے اس نے زرشہ سے مدد مانگی اس نے فٹافٹ شرط رکھ دی کہ اس کے ساتھ کوچنگ کی کلاس لے لے اس کے مسائل خود ہی حل ہوجائیں گے۔

"محترمہ شناء حیات صاحبہ! آپ ایک عدد اکاؤنٹنگ (Accounting) کی کلاس سر یوسف رضا کی لے لیں گی تو میرا دعویٰ ہے کہ آپ کے خیالات میں واضح تبدیلی آنی شروع ہوجائے گی۔ یقین مانو وہ اپنے اسٹوڈنٹ کے ذہنوں میں موجود سوالات خود کھول کر سامنے رکھ دیتے ہیں ان کا پڑھانے اور سمجھانے کا انداز اتنا سادہ اور سہل ہے کہ کسی سوال کی گنجائش ہی باقی نہیں رہتی اوپر سے کیا ڈیشنگ پرسنالٹی ہے

ان کی۔ مجھے حیرت ہے اب تک شادی کیوں نہیں کی انہوں نے؟ خیر چھوڑو اس معمہ کو یہ بتاؤ کل چل رہی ہو؟" زرشہ بڑے رساں لہجے میں بول رہی تھی اور ثناء اس کی طرف دلچسپی سے دیکھ رہی تھی۔

"چلو ٹھیک ہے چلتے ہیں پھر۔" ثناء کچھ تجسس کے گھیرے میں آتے ہوئے بولی۔

❁......✥✥......❁

آج موسم کافی خوش گوار تھا' آسمان پر کہیں کہیں بادل منڈلا رہے تھے' ٹھنڈی ٹھنڈی نم دیتی ہوا دل و دماغ کو فرحت پہنچا رہی تھی۔

"لگتا ہے آج بادل ضرور برسیں گے۔" ثناء آسمان کی طرف اڈتے کالے بادل دیکھ کر بولی' اسے یہ بھی ڈر تھا کہ راستے میں بارش نہ شروع ہوجائے' اس کے قدم تیز تھے وہ دونوں موسم پر گفتگو کرتی ہوئی اپنے علاقے کے معروف کوچنگ میں پہنچ گئیں' کافی دیر ویٹنگ روم میں انتظار کرنے کے بعد اطلاع ملی کہ آج سر نہیں آئیں گے' آئندہ دو دن تک وہ چھٹی پر ہیں۔

"لو بھئی آج محترمہ ثناء آئی ہیں تو سر غائب۔" ثناء کی طرف دیکھ کر زرشہ مصنوعی غصہ دکھاتے ہوئے بولی۔

"لو میرا کیا قصور اگر تمہارے ذہین اور بقول تمہارے ہینڈسم سر آج غائب ہیں۔"

"اوہو! انہوں نے کبھی ایسے چھٹی نہیں کی اور اب ان کی اس طرح اچانک چھٹی کا سن کر سر کی فینز کا جو مایوسی سے برا حال ہوگا وہ دیکھنا۔" زرشہ نے وضاحت کی۔

"یہ سب تم ہی دیکھتی رہنا اب چلو واپس گھر' موسم کے تیور خطرناک ہیں بارش شروع ہوگئی تو مزید یہاں رک کر انتظار کرنا پڑے گا۔" ثناء نے بیگ واپس کندھے پر ڈالتے ہوئے کہا۔

کوچنگ میں لڑکے اور لڑکیوں کے درمیان چہ مگوئیاں بڑھتی رہیں' دونوں وہاں سے نکل گئیں اور واپس گھر آکر ثناء اپنے روزمرہ کے معمول میں مصروف ہوگئی۔

❁......✥✥......❁

"آج میں گھر سے طے کرکے آئی ہوں تمہارے فیورٹ سر آج بھی تین دن کی خواری کے بعد نہ آئے تو میں آئندہ تمہارے ساتھ مزید فضول کے چکر نہیں لگاؤں گی۔" وہ تپتے ہوئے ساتھ چلتی زرشہ سے بولی جو خود بھی اس بات سے پریشان تھی کہ پچھلے دس دنوں سے سر کا کچھ پتا نہ تھا وہ خود بھی کوفت زدہ تھی وہ غصے سے بھری ثناء کی طرف دیکھ کر نرمی سے بولی۔

"کول ڈاؤن! سر کے ساتھ یقیناً کوئی مسئلہ ہوگا ورنہ وہ بہت ذمہ دار انسان ہیں۔" وہ دونوں یونہی باتیں کرتی ریسپشن پر پہنچی تھیں۔

"مبارک ہو آج سر آئے ہوئے ہیں۔" زرشہ سر کی موجودگی کی اطلاع کا سن کر ثناء کی طرف سرشار لہجے میں دیکھ کر بولی۔

وہ دونوں کلاس میں ابھی بیٹھی ہی تھیں کہ سر یوسف رضا پُر وقار چال چلتے ہوئے کلاس میں داخل ہوئے' موسم کی مناسبت سے ان کی ڈریسنگ قابل ستائش تھی' نیوی بلو شرٹ میں ان کا دراز قد نمایاں ہو رہا تھا بلاشبہ وہ مجموعی طور پر ایک شاندار پرسنالٹی کے مالک تھے' سر یوسف رضا نے اپنی بیماری کا مختصر احوال سنایا تو کئی نازک دل پھڑپھڑانے لگے' تمام طلباء و طالبات ان کی خیریت دریافت کر رہے تھے اس دوران سر کی نظر نئے آنے والی طالبہ پر پڑی۔ انہوں نے بحیثیت استاد اس کا نام پوچھا پھر چند سوال اکاؤنٹس سے منسلک ذہنی جانچ پڑتال کی غرض سے کرنے لگے' وہ پہلی بار ایسی کسی صورتحال کا سامنا کر رہی تھی' گرلز اسکول کے بعد گرلز کالج میں پڑھائی کے دوران صنف مخالف کا سامنا کبھی کرنا نہ پڑا۔ اس نے ہمیشہ خواتین اساتذہ کو ہی فیس کیا تھا' وہ نروس ہو رہی تھی وہ سر یوسف رضا کے ہر سوال کا جواب اپنی سمجھ بوجھ کے مطابق دیتی رہی۔ اپنی پسینے سے تر ہتھیلیاں رگڑتی ثناء کے لیے یہ امتحان خاصا کٹھن تھا۔

❁......✥✥......❁

ثناء حیات نے بی کام پارٹ ون میں اکاؤنٹنگ میں 95

فیصد نمبر لیے تھے۔ گھر والے اس کی کامیابی پر خوش تھے اس نے بی کام فائنل میں شاندار کامیابی لینے کی غرض سے سر یوسف رضا کی کلاسز ابتدائی سال سے ہی لینے کا فیصلہ کرلیا وہ یقیناً اپنے مضمون کے باکمال استاد تھے ان کے پڑھانے کا دوستانہ انداز دیگر اساتذہ سے مختلف تھا۔ اس کے نظریات خاصے تبدیل ہوچکے تھے' اپنی اس نئی تبدیلی پر وہ خود حیران تھی کہ کیا کوچنگ سینٹرز وغیرہ میں بھی اس قدر اچھے اساتذہ اور پڑھائی ہوتی ہے۔ وہ نوعمر لڑکیوں کی طرح کے آئیڈلزم کا شکار نہیں ہوئی تھی لیکن کچھ تو تھا سر یوسف رضا میں جو وہ اس قدر مثبت زاویے سے ان کو سوچ رہی تھی۔

"ثناء......" ایک زوردار آواز پر اس کی سوچوں کا تسلسل ٹوٹا تھا اس نے گھبرا کر سر اٹھایا اس کے ہاتھ سے چمچہ چھوٹ کر فرش پر جا گرا تھا' وہ بُرے طریقے سے بوکھلا گئی تھی۔

"کیا بات ہے محترمہ! کتنی دیر سے آوازیں دے رہا ہوں' یہ خالی پلیٹ میں چمچہ کیوں مار رہی ہو اور کن خیالات میں گم ہو؟" عمران اسے کافی دیر سے ٹیبل پر بیٹھے کسی خیال میں گم چمچہ چلاتے دیکھ رہا تھا' امی ٹیبل پر کھانا لگا چکی تھیں اور وہ اپنی مخصوص جگہ پر اس کے مدمقابل بیٹھ چکا تھا۔

"کچھ نہیں' بس ایسے ہی۔" اس نے ٹالا اور پلیٹ میں چاول نکالنے لگی۔

"ایک گڈ نیوز ہے۔" وہ کہہ کر خاموش ہوگیا۔

"فضول میں اپنا سسپنس مت پھیلاؤ۔" وہ عمران بھائی کی خاموشی دیکھ کر جل کر بولی' جانتی تھی وہ ایسا اسے تنگ کرنے کی غرض سے کرتے ہیں۔

"تمہارا پرپوزل آیا ہے۔" وہ مسکرایا اور اس پر ایک نظر ڈال کر دوبارہ اپنی پلیٹ پر جھک گیا' ایک بم تھا جو عمران بھائی نے اس کے سر دے مارا تھا۔

"کس کا؟" وہ بھائی کی طرف سوالیہ نظروں سے دیکھ رہی تھی۔

"ایک شریف آدمی کا۔" وہ پھر شوخ ہوگیا۔

"عمران بھائی......" وہ امی کو اپنی طرف آتا دیکھ کر خاموش ہوگئی۔ اس نے تیز نظروں سے عمران بھائی کی طرف دیکھا جو اس انہماک سے کھانے میں مشغول تھے جیسے صدیوں کی بھوک ابھی مٹانے بیٹھے ہوں۔

❁......✥✥......❁

"توبہ لڑکی! میں تو ڈر ہی گئی تھی تم نے تو مجھے ایسے ایمرجنسی میں بلایا کہ میں سمجھی خدانخواستہ تم فوت ہونے جا رہی ہو۔" زرشہ اس کی پوری بات سن کر بڑی بوڑھیوں کے انداز میں بولی۔

"تمہیں میں نے بک بک کرنے کو نہیں بلایا۔" وہ غصے میں تھی۔ "بھائی مجھے بتا رہے تھے کہ میرا کوئی پرپوزل آیا ہے' میرا یہ پہلا پرپوزل آیا ہے' لڑکیاں ایسے موقعوں پر ہواؤں میں اڑتی ہیں' گنگناتی ہیں لیکن میرا دل بجھا ہوا ہے؟" اس نے یاسیت سے کہا زرشہ اسے دیکھ کے رہ گئی۔

"تم بھی نا پاگل ہو رہی ہو' ارے ایک نہ ایک دن تو لڑکیوں کو شادی کرکے جانا ہی ہوتا ہے' سب صحیح ہوجائے گا' پریشان مت ہو۔" اس نے اسے تسلی دی تو وہ پھوٹ پھوٹ کے رو دی' کسی اجنبی کے سنگ زندگی کی شروعات کرنا وہ بھی اس قدر اچانک اس کا دل قبول نہیں کر پا رہا تھا وہ کسی طور بھائی اور امی کی جدائی برداشت نہیں کر پا رہی تھی۔ زرشہ نے اسے دونوں ہاتھوں سے سمیٹ لیا' وہ جانتی تھی کچھ ہی دیر میں اس کے دل کا غبار دھل کر آئینہ کی طرح صاف و شفاف ہوجائے گا۔

❁......✥✥......❁

آج چاندرات تھی' اگست کی بھیگی شام ان کے آنگن میں اپنے پورے جلوؤں کے ساتھ اتری تھی' آج انتیسواں روزہ تھا۔ چاند نکل آیا تھا کل عید تھی' گھر میں گہما گہمی کا عالم تھا' وہ کچن میں قیمے کے رول بنا رہی تھی بقول عمران بھائی کہ آج اس کے سسرال والے باقاعدہ رشتہ طے کرنے آرہے تھے۔ گھر میں اسی لیے خاص اہتمام ہو رہے تھے' صبح سے گھر کی صفائیاں اور دھلائیاں کرکے وہ فارغ ہوئی تھی اس نے ایک ایک کرکے قیمے کے رول کڑاہی میں ڈال دیے پھر اپنے

ہاتھ کا بنا ہوا سادہ کیک اوون سے نکال کر سلائس کرنے لگی کہ اسے باہر کسی چہل پہل کا احساس ہوا' لگتا تھا جیسے آنے والے مہمان آگئے تھے۔ اس کے دل میں عجیب سی ہلچل ہونے لگی نہ جانے یہ مہمان اس کے دل کا مہمان بن پائے گا' ایک احساس اسے چھو کر گزر گیا' وہ رول تل کر پلیٹ میں نکال چکی تھی پھر اپنے کپڑے درست کرتی کچن سے تیزی سے باہر نکلنے والی تھی کہ کسی سے ٹکراتے ٹکراتے بچی پھولوں سے مہکتا بکے دھڑ سے زمین بوس ہوتے ہوتے بچا۔ آصف نے بڑی پھرتی سے گرتے ہوئے بوکے کو تھام لیا تھا' وہ چونکی۔

''کیسی ہو ثناء!'' آصف دلچسپی سے ثناء کی بوکھلائی کیفیت کو دیکھ رہا تھا' اس نے ہاتھ میں لیا بکے اس کی طرف بڑھا دیا۔

''ٹھیک ہوں' مگر یہ کس لیے؟'' وہ حیرت سے بکے کی طرف دیکھ رہی تھی۔

''ابھی تو اور بھی تحفے تمہارے منتظر ہیں۔'' آصف اس کے کانوں میں سرگوشی کر کے جا چکا تھا' وہ اس کے اس بھیگے لہجے پر عجیب نظروں سے اسے دیکھ رہی تھی۔ وہ آگے بڑھی اور چچا چچی کو سلام کیا' خیریت پوچھی سب ہی کا رویہ عام دنوں سے کچھ زیادہ ہی والہانہ اور خاص تھا۔ اسے الجھن ہو رہی تھی۔

''مل لیں اپنے سسرالیوں سے۔'' وہ دوبارہ کچن کی طرف امی کے کہنے پر جانے لگی تو عمران بھائی نے شوخ لہجے میں اسے پکارا۔

''سسرالی......'' وہ چونکی اور حیران نظروں سے بھائی کی طرف دیکھا۔

''جی' آصف کا رشتہ لے کر آئے ہیں چچا اور چچی جان!'' عمران بھائی نے انکشاف کیا' ثناء کو سرپرائز دینے کی خاطر اس کے گھر والوں نے اسے لاعلم رکھا تھا۔

''آپ نے اور امی ابو نے یہ بات مجھ سے کیوں چھپائی؟'' وہ روہانسی ہوگئی۔

''تمہارے لیے سرپرائز تھا اور پھر ہم نے سوچا عید کا انوکھا تحفہ دیا جائے۔'' وہ مزید کوئی بات سنے اپنے کمرے کی طرف بھاگ گئی۔ کمرے کا دروازہ دو تین دفعہ ناک ہونے کے بعد کھل چکا تھا۔

''عمران بھائی اس بار اتنی آسانی سے نہیں مانوں گی۔'' وہ چیخی' جانتی تھی بھائی ہوں گے۔

''آسانی سے نہ سہی مشکل سے منالیں گے۔'' آصف کمرے کے دروازے میں کھڑا بولا۔

''اوسوری آپ ہیں...... میں سمجھی عمران...... بھائی......'' وہ بوکھلا گئی۔

''تمہارے لیے لایا تھا۔'' اس نے کچن میں رکھا بکے دوبارہ اس کی طرف بڑھا دیا جو وہ وہیں چھوڑ آئی تھی' اس سے بات کرنے کا یہی واحد بہانہ اسے سوجھا تھا۔

''تھینک یو۔'' وہ مزید کچھ نہ کہہ سکی' اس کی دھڑکنیں بے قابو ہو رہی تھیں۔

''تو پھر کیسا لگا عید کا تحفہ۔'' عمران نہ جانے کہاں سے نمودار ہو گیا تھا۔ وہ کچھ نہ کہہ سکی' سرخ چہرہ لیے گھورتی رہی۔

''میں یہ کہنے آیا تھا کہ سب ڈرائنگ روم میں بیٹھے دلہا دلہن کا انتظار کر رہے ہیں تاکہ رسم ادا کی جاسکے۔''

اس نے گلنار چہرہ لیے دونوں کو ایک طرف کر کے امی جان کی طرف دوڑ لگا دی جو اسے آوازیں دے کر بلا رہی تھیں' یہ اس کی زندگی کا سب سے حسین تحفہ تھا عید کا یہ انوکھا تحفہ' متاع حیات تھا اس نے مسکراتے ہوئے اس نئے سفر کے بارے میں سوچا۔

ہوائیں سرد ہوجائیں یا لہجے برف ہوجائیں
ہم اس کی یاد کی چادر خود پہ تان لیتے ہیں
اگر وہ روٹھ جاتا ہے، ہماری جان نکلتی ہے
یہ سانسیں جاری رکھنے کو ہم اُس کی مان لیتے ہیں

گزشتہ قسط کا خلاصہ

فراز کو ساحر بطور ایکٹرا اپنی فلم میں کاسٹ کرلیتا ہے لیکن جب وہ ماما پاپا سے اس حوالے سے بات کرتا ہے تو وہ اس پر سخت برہم ہوتے ہیں اور قطعی انکار کردیتے ہیں جس پر وہ بغاوت پر اترآتا ہے بعدازاں تاؤ جی کے سمجھانے پر وہ اسے فلموں میں کام کرنے کی اجازت دے دیتے ہیں۔ تندنی حسن کے ساتھ ایک کنسرٹ میں شرکت کرتی ہے جہاں اس کا مقصد ساحر سے ملاقات ہے مگر جیسے ہی ساحر کنسرٹ میں آتا ہے وہ اس کے سحر میں جکڑتی چلی جاتی ہے ساحر کے پاس لوگوں کا ہجوم بڑھتا چلا جاتا ہے وہ بھی حسن کے ساتھ اس کا آٹوگراف لینے کے لیے انتظار کرنے لگتی ہے جب ہی ساحر کو عریشہ کی کال آجاتی ہے اور وہ کنسرٹ ادھورا چھوڑ کر جانے کی کرتا ہے جب ہی اچانک اس کی نظر تندنی کے سوگوار اور مبہوت کردینے والے حسن کو دیکھ کر ٹھٹک جاتی ہے اور وہ اسے اپنا وزیٹنگ کارڈ دیتا ہے جس پر وہ کافی خوش گمانی کا شکار ہوجاتی ہے۔ واپسی پر تندنی زینب سے کہتی ہے کہ وہ مسلمان ہونا چاہتی ہے جس پر زینب اسے سمجھاتی ہے کہ اسلام کو سمجھ کر ہی اسے قبول کرنا چاہیے نہ کہ نام کے لیے جس پر وہ زینب کی طرف سے بدگمانی کا شکار ہوجاتی ہے۔ لاریب سکندر کے ساتھ شاپنگ کی غرض سے جاتی ہے اور فرنٹ سیٹ کے بجائے پیچھے بیٹھ جاتی ہے جس پر سکندر اشتعال میں آجاتا ہے اور گاڑی کی اسپیڈ خطرناک حد تک بڑھا دیتا ہے جس پر لاریب ہراساں ہوکر اس کی ضد مان لیتی ہے۔ لاریب سکندر کے رویے سے اور پریشان ہوجاتی ہے مگر کچھ سوچ کے امامہ کی شادی تک رُک جاتی ہے اور سکندر کی جانب سے دیا گیا ائیر رنگز کا تحفہ قبول کرلیتی ہے۔ عریشہ عباس پر اپنی فیملی کو منانے کے لیے دباؤ ڈالتی رہی ہے اور اب اس کا دباؤ بڑھ جاتا ہے جس پر عباس ہمیشہ کی طرح اس کی خوشی کے آگے سر جھکا لیتا ہے جب ہی اس کے سیکریٹری کا فون آتا ہے اور وہ اس کی یاد دہانی پر تندنی کو اپنی فلم میں کام کرنے کی غرض سے آفر دینے کے لیے کال کرکے ملنے کا لائحہ عمل طے کرتا ہے۔ دوسری جانب عریشہ اس کی باتیں سن کے سطحی بیویوں کے انداز میں بات کرتی ہے جس پر عباس اس کو پیار سے سمجھا کے مطمئن کردیتا ہے۔ امامہ اپنی مایوں والے دن لاریب کو سمجھاتی ہے کہ سکندر کس طرح اس کا خاص طور پر خیال رکھتا ہے مگر وہ امامہ کی بات کا مطلب سمجھتے ہوئے اسے جھڑک دیتی ہے۔ تندنی اپنی خوش گمانیوں اور اپنے منزل کے قریب ہونے پر مسرور سی عباس سے ملنے آتی ہے مگر جب عباس اسے اپنی فلم آفر کرتا ہے تو ساری خوش فہمیاں جیسے ختم سی ہوجاتی ہیں اس کا پندار نہایت بُری طرح مجروح ہوتا ہے اور وہ اداس سی جانے کے لیے اٹھ کھڑی ہوتی ہے جب ہی عباس اسے ڈراپ کرنے کی آفر کرتا ہے جسے وہ قبول کرلیتی ہے۔ گھر آنے تک تندنی فلم میں کام کرنے کا فیصلہ کرلیتی ہے وہ عباس کے قریب آ کے دور جانا نہیں چاہتی اور جب وہ عباس کو اپنے فیصلے سے آگاہ کرتی ہے وہ پُرسکون ہوجاتا ہے۔

اب آگے پڑھیے۔

☆☆☆

”ہماری تمنا ہماری آقا ہوتی ہے آقا جتنا زورآور ہو غلام کو اتنا ہی تابعدار ہونا پڑتا ہے۔ ورنہ ہم ہرگز اتنے کمزور اتنے بے بس نہ ہوں۔ وہ اس تھوڑے پر بھی راضی بارضا رہنے پر مجبور تھی۔ اس کے سوا چارہ بھی کیا تھا۔ محبت میں دل تو بڑا کرنا ہی پڑتا ہے اگر لینے والے نہ بن سکیں تو خود بخود دینے والوں میں شمار ہوجایا کرتے ہیں لیکن اگر محبت ہو شرط ہی محبت ہے اور یہاں کیا شک تھا کہ محبت تھی بلکہ عشق جنوں خیز تھا۔

”میں آپ کا شکر گزار ہوں مس تندنی‘ ورنہ ہمیں بہت مشکلات کا سامنا ہوتا تھینکس اگین۔“ عباس حیدر واقعی ریلیکس تھا اس کا لہجہ بھی پہلے کی نسبت اب بے تکلف تھا تندنی کے ہونٹوں پر موجود پھیکی مسکان کچھ اور گہری ہوگئی۔

(مجھے پتا چل گیا تھا ساحر صاحب کہ میں اگر تمہاری آفر ٹھکراؤں گی تو کبھی تم سے پھر نہیں مل سکوں گی۔ حوصلہ ہے نہ ہمت اس انکشاف کے بعد کیا گنجائش بچی تھی کہ میں اپنی من مانی کروں)

”مگر میں نے اگر ہاں نہیں کی تھی تو انکار بھی نہیں کیا تھا۔“ وہ جس طرح مغموم سی خفگی کے ساتھ بولی عباس بے ساختہ ہنستا چلا گیا کتنی خوب صورت تھی اس کی ہنسی‘ تندنی تو جیسے اس سحر میں گم ہونے لگی تھی۔

”مگر یہ بھی سچ ہے کہ آپ کا انداز انکار کرنے والا تھا۔ اپنی ویز مجھے بہت اچھا لگا کہ آپ نے انکار نہیں کیا کیونکہ میں کچھ لوگوں سے پورے یقین کے ساتھ کہہ چکا تھا کہ میں اپنی موی کے لیے ہیروئن سلیکٹ کرچکا ہوں۔ آپ کا انکار مجھے شرمندگی میں ہی نہیں بڑی خواری میں بھی ڈال سکتا تھا۔“ تندنی نے جھکی پلکیں اٹھا کر ایک لمحے کو دیکھا اور پھر سے نہ صرف نظریں جھکائیں بلکہ سر بھی جھکا لیا۔ وہ اپنی اہمیت اپنی قدر و منزلت سے آگاہ نہیں تھا۔ ورنہ وہ جانتا کہ بہرحال اس جیسے شخص کو انکار کرنا کم از کم تندنی کے بس کی بات نہیں تھی۔

”تھینکس مس تندنی! فی الحال میں جلدی میں ہوں۔ آپ سے ان شاء اللہ پھر بات ہوتی ہے۔ میں جلد ہی آپ سے آئندہ کا لائحہ عمل طے کروں گا بلکہ میرا اسسٹنٹ آپ سے سارا معاملہ طے کرے گا۔“ وہ اسے وش کرتا ہوا چلا گیا تو تندنی نے اس وقت تک وہیں کھڑے ہوکر اسے دیکھا تھا جب تک اس کی گاڑی نظروں سے اوجھل نہیں ہوگئی تھی۔

❀ ❀ ❀

اس نے درد سے پھٹتے سر کے ساتھ کروٹ بدل کر منہ کو پھر سے تکیے میں چھپالیا۔ عجیب سی وحشت رگ وپے میں سرایت کرتی جارہی تھی۔ اتنے بڑے کمرے میں آج وہ بالکل تنہا تھی۔ اس سے قبل کتنے دنوں تک امامہ مستقل اس کے ساتھ سوئی تھی مگر یہ ساتھ کوئی ہمہ وقت کا بھی نہیں تھا نہ وہ اس کی اتنی عادی تھی کہ اس کی کمی کو محسوس کرتی۔ دکھ تو اسے اس کا وقاص کے سنگ رخصت ہونے کا رلا رہا تھا۔ پچھتاوا‘ غم‘ یاس۔ وقاص کی آنکھوں میں جو جتلاتی ہوئی کیفیت تھی جیت لینے کا طنزیہ احساس تھا۔ اچھی بھلی شکل کے باوجود وہ اسے کسی جانور سے مشابہ لگنے لگا تھا اس کے برعکس امامہ بلڈ ریڈ بے حد اسٹائلش جوڑے میں دلہناپے کے روپ کے ساتھ اس کی نوخیزیت اور معصومیت بھرے حسن پر نگاہ نہیں ٹکتی تھی۔ اسے وقاص کے پہلو میں دیکھ کر لاریب کے سارے زخم پھر سے تازہ ہوگئے تھے برسوں قبل ہوئی اماں کی وفات نئی تازہ دل پر ہونے والی واردات‘ اپنی ریجیکشن‘ عباس حیدر کی بے حسی اس دکھ میں مبتلا ہوکر اس کا اپنا وحشتوں کی انتہاؤں کو چھوتے ہوئے اٹھایا گیا قدم ایمان کی کج ادائی کا سنگین مظاہرہ۔ وہ بھلا کس غم کو چھوڑ کر کس پر آنسو بہاتی۔

امامہ کی رخصتی کے وقت جب وہ خود پر ہر قسم کا ضبط توڑ کر بری طرح سے بلکے جارہی تھی تب سکندر جانے کس سمت سے نکل کر غیر محسوس انداز میں اس کے پاس آ کر کھڑا ہوگیا تھا۔

”رونے سے مسائل کا حل نہیں نکلا کرتا لاریب بی بی! ہر مشکل و پریشانی کا حال اللہ پاک کے پاس ہے آپ دعا کریں اللہ سمیع الدعا ہے۔“ اور لاریب رونا بھول کر اسے تکنے لگی تھی۔ وہ اس کی سمت متوجہ نہیں تھا۔ بظاہر سامنے دیکھتا ہوا مگر درحقیقت اس کی پریشانی سے بے چین اور مضطرب تب لاریب کو محض ایک لمحے کو لگا تھا اس وقت اس کے پاس جو بچی کھچی پونجی ہے ان میں سکندر کا شمار بھی ہوتا ہے۔ اس رات لاریب نے جانے کتنے عرصے کے بعد عشاء کی نماز ادا کی تھی اور پوری شدت اور دلی آمادگی کے ساتھ امامہ اور ایمان دونوں کی خوشیوں کے لیے خلوص دل سے دعا کی تھی۔ امامہ ٹھیک ہی تو کہتی تھی وہ بھلے انہیں چھوڑ گئی تھی مگر اس سے دل کا تعلق ٹوٹنے والا نہیں تھا۔

وہ بابا سائیں کو کھانا کھلا کر دوا دے آئی تھی۔ گوکہ یہ کام سکندر کی ذمہ داری تھا مگر وہ اپنی موجودگی میں کرواتی تو تسلی رہتی تھی۔ مزید کچھ دیر کروٹیں بدلنے کے بعد بھی جب نیند نہ آئی اور نہ ہی سر درد میں افاقہ ہوا تو ٹیبل لیمپ آن کرکے پین کلرز ڈھونڈنے لگی۔ دوا دراز میں نہیں تھی۔ اس نے ٹھنڈا سانس بھرا اور اٹھ کر دروازہ کھولتی باہر آگئی۔ راہداری سنسان تھی۔ لاریب کچن کی سمت آئی تو کچن کی لائٹ جلتی دیکھ کر اس نے یہی قیاس کیا کہ اندر کوئی ملازمہ ہوگی۔ مگر کچن کے دروازے سے قدم رکھتے ہوئے سکندر سے ہونے والا سامنا لاریب کو جزبز سا کرگیا۔

بلیک ڈریس پینٹ پر سفید براق شرٹ پہنے جس کی آستینیں فولڈ تھیں اور گریبان کے اوپری دو بٹن کھلے وہ چولہے کے آگے کھڑا چائے بنانے میں مصروف تھا آہٹ محسوس کرکے بے اختیار پلٹا اور اسے روبرو پاکر اس کی آنکھوں میں یکایک کتنی چمک اور جگمگاہٹ اتر آئی تھی۔

”آئیے..... آئیے آپ کو بھی یقیناً چائے کی طلب کھینچ لائی ہے۔“ وہ خوامخواہ چہکا‘ لاریب نظر انداز کیے آگے بڑھ کر فریج کا دروازہ کھول کر کھڑی ہوگئی۔

”طبیعت ٹھیک ہے آپ کی؟“ اسے کیبنٹ سے دوائی کی شیشی سے پین کلر نکالتے دیکھ کر سکندر کو اسے تشویش لاحق ہوئی۔ لاریب نے اسے نظر انداز کیا اور اپنا کام جاری رکھتے ہوئے ریک سے گلاس اٹھا کر سنک سے پانی لیا اور کھڑے کھڑے دوا اچانک کر

گلاس منہ سے لگالیا۔

"خفا ہیں مجھ سے؟" چائے کی طلب ہونے کے باوجود وہ محض اس وجہ سے خود پر جبر کرگئی کہ سکندر کے پاس ٹھہرنا اسے گوارا نہیں تھا۔ مگر سکندر اسے پلٹتے دیکھ کر اور خاموشی کو محسوس کرتا اچھا خاصا پریشان ہوچکا تھا۔ جبھی ہاتھ پکڑ کر روکا اور بے حد اپنائیت آمیز انداز میں کہا تھا۔ لاریب تھم سی گئی۔ اس کی نظریں اس کے سانولے ہاتھ میں دبے اپنے بے حد سفید اور نازک ہاتھ پر پڑی تھیں پھر سرد مہر انداز میں سکندر کے چہرے پر جا رکیں۔

"ہاتھ چھوڑو میرا سکندر۔" اس کا لہجہ بھی اس کی نظروں جیسا تھا۔ سرد اور ٹھہرا ہوا۔ سکندر نے بغیر کسی رد و کد کے اس کا ہاتھ اپنی گرفت سے آزاد کردیا۔ پھر بہت سرعت سے چائے کا مگ اٹھا کر اس کے آگے کیا تھا۔

"پلیز لے لیجیے میں جانتا ہوں آپ کو اس کی ضرورت ہے۔" اس کا انداز بے حد اپنائیت اور کسی حد تک لجاجت لیے ہوئے تھا۔ لاریب نے خاموشی سے اسے دیکھا تو سکندر کے ہونٹوں پر دوستانہ مسکان نظر آئی۔

"یقین مانیں میں نے اس میں ایسا کوئی تعویذ نہیں گھولا جس کے اثر سے آپ کو مجھ سے محبت ہوسکتی ہے۔" آخر میں اس کا لہجہ نا چاہتے ہوئے بھی خفیف سی شوخی و شرارت سمیٹ لایا تھا۔ لاریب بری طرح جھنجلائی۔

"تم اپنا یہ شوق بھی پورا کر کے دیکھ لینا مجھ پر اثر ہونے والا نہیں۔" وہ آنکھیں نکال کر غرائی اور مگ اس کے ہاتھ سے جھپٹ لیا۔ سکندر بے اختیار ریلیکس ہوا اور ہلکے پھلکے انداز میں مسکراتے ڈائننگ ٹیبل کی میز کے گرد موجود کرسیوں میں سے ایک کو کھینچ کر اس کی جانب کیا۔

"بیٹھ کے پی لیں۔" لاریب پتا نہیں کس رو میں تھی کہ بے خیال سی بیٹھ گئی۔

"تم اکثر شہر جاتے رہتے ہو سکندر کبھی باجو نظر نہیں آئی تمہیں؟" سوال ایسا غیر متوقع تھا کہ سکندر نے چونک کر اسے دیکھا پھر عجیب سے انداز میں مسکرا لیا۔

"نہیں ویسے آپ کیوں پوچھ رہی ہیں؟ آپ کے لیے تو یہ ذکر ممنوع تھا۔"

"اگر کبھی وہ ملیں تو انہیں بتانا ضرور کہ ان کا بھگتان ان کی سب سے لاڈلی بہن کو بھگتنا پڑا ہے۔ وہی جس کو انہوں نے اولاد کی طرح پالا اور سنبھالا تھا۔ سکندر وہ اتنی مفاد پرست تو کبھی نہیں تھیں۔ وقاص نے امامہ کو جھانسہ دینے کو جیسے بھی خواب دکھائے مگر اس کے باوجود میں نے آج امامہ کی آنکھوں میں جو ہراس دیکھا وہ غیر محفوظ مستقبل کا ہے۔ ہم سب بہنیں کتنی عجیب قسمت لے کر پیدا ہوئیں۔ چاہے وہ باجو ہوں، میں یا پھر امامہ۔ ہمیں کچھ بھی پورا نہیں ملا۔ سب کا سب ادھورا اور نامکمل۔" آنسو قطرہ قطرہ اس کی سحر طراز آنکھوں سے گر رہے تھے اور سکندر کتنی بے بسی کی کیفیت سے دوچار تھا۔

"مجھے تمام تر کوشش کے باوجود نیند نہیں آسکتی اور ایسا ہمیشہ اس وقت ہوا ہے جب باجو یا پھر امامہ تکلیف میں ہوں۔ تم بتا سکتے ہو ان دونوں میں سے اس وقت کون کرب یا آزمائش سے دوچار ہے۔" اس کی آنکھوں میں جا بجا وحشتوں کا رقص جاری تھا۔ سکندر تو جیسے بولنے کے قابل نہیں رہا۔

"آپ حد سے زیادہ حساس ہو رہی ہیں لاریب بی بی سر درد کے بجائے آپ کو نیند کی گولی لے کر سونا چاہیے تھا۔ بہت زیادہ سوچنے کے باعث آپ فرسٹیشن کا شکار ہو رہی ہیں۔ آرام کریں پلیز۔" سکندر نے صرف کہا نہیں تھا زبردستی اسے تھام کر اس کے کمرے تک لے آیا۔ ایک گولی نیند کی اسے کھلائی پھر بستر پر لٹا کر جس وقت اسے کمبل اوڑھا رہا تھا لاریب نے اسی اضطرابی کیفیت کے زیر اثر اس کا ہاتھ مضبوطی سے پکڑ لیا۔

"تم انہیں ضرور ڈھونڈنا سکندر۔ انہیں بتانا کہ امامہ ان کی وجہ سے اب تک بہت روئی ہے۔ لاریب کو اس کے بعد سے نیند نہیں آئی اور بابا...... بابا تو اب سونے سے بھی ڈرنے لگے ہیں۔ اس بے خوابی نے انہیں بیمار کردیا ہے سکندر۔ تم بتانا انہیں، تم بتاؤ گے نا انہیں؟" نیم غنودہ کیفیت میں وہ مسلسل بولے جارہی تھی اور سکندر کا دل اس بے حد حسین لڑکی کے اتنے گہرے دکھ کو محسوس کرتا خون ہوتا جارہا تھا۔

(نہیں لاریب میں تمہیں زور زبردستی سے نہیں پیار اور محبت سے حاصل کروں گا۔ مجھے تمہیں مزید نہیں توڑنا۔ مجھے تمہیں بہت سینت سینت کر رکھنا ہے) اس نے خود سے عہد باندھا تھا۔ مگر کچھ عہد بندھتے ہی ٹوٹنے کے لیے ہیں۔ سکندر نہیں جانتا تھا مگر یہ سچ تھا اس کا یہ عہد بھی ٹوٹ جانا تھا۔

اگلی صبح بہت نکھری اور روشن تھی۔ مگر لاریب ہنوز اپ سیٹ اور مضمحل تھی۔ سکندر مختلف کاموں میں الجھا بھی اس کے متعلق سوچتا رہا تھا۔ جیسے ہی اسے ذرا فراغت نصیب ہوئی وہ بلا جھجک اس کے کمرے کی جانب آگیا۔

"اب کیسی طبیعت ہے آپ کی؟" اس نے لاریب کا چہرہ بہت دھیان سے دیکھا تھا۔

"مجھے کیا ہونا ہے ٹھیک ہی ہوں۔ امامہ کا کوئی فون وغیرہ آیا؟" اس نے بالوں کو سمیٹے بغیر بے زار سے انداز میں پشت پر ڈال دیا تھا۔ سکندر بے اختیار نظریں چرا گیا۔ وہ اسے یہ بتا کر مزید پریشان کرنا نہیں چاہتا تھا کہ بابا سائیں کے بار بار کہنے پر اس نے جتنی مرتبہ بھی امامہ یا پھر وقاص کا نمبر ملایا ہر بار کال کاٹ دی گئی تھی۔ لینڈ لائن بھی بند پڑا تھا۔

"جی...... بابا سائیں نے کی ہے بات آپ ناشتا کرلیں پھر ولیمہ پر بھی جانا ہے آپ کو۔" سکندر نے دھیمے لہجے میں نرمی سے جواب دیا۔ لاریب کے چہرے پر سکون کا ایک رنگ اترا مگر یہ عارضی ثابت ہوا کہ کچھ دیر بعد وہ پھر سابقہ پریشانی کے ساتھ اس کے سامنے تھی۔

"امامہ کا سیل آف ہے۔ وقاص بھی کال اٹینڈ نہیں کر رہا، وائے؟" اور سکندر کی وضاحتیں دیتی جان مصیبت میں آنے لگی تھی۔ لاریب کے اندر بے چینی گھر کرتی جارہی تھی۔ جبھی وہ عجلت میں تیار ہو کر تایا سائیں کے ہاں جانے کو روانہ ہوگئی۔ یہاں سے بابا سائیں کے علاوہ سکندر بھی ہمراہ تھا کہ ان کی طرف تو مہمان ویسے ہی کم تھے۔ جو آئے تھے وہ بھی دلہن کی رخصتی کے ساتھ ادھر چلے گئے کہ رشتہ داری تو دونوں جانب ایک جیسی تھی۔ سو اب ولیمہ میں شریک ہونے کو یہی تین لوگ تھے۔ سکندر ہمیشہ بڑی حویلی آنے سے کتراتا تھا کہ یہاں وقاص ہی نہیں تایا سائیں کا انداز بھی اس کے لیے تحقیرانہ اور تضحیک آمیز ہوتا تھا۔ تایا سائیں بابا سائیں کے بالکل برعکس تھے۔ ان میں رعونت بھی تھی اور تکبر بھی وہ دوسروں کو خود سے حقیر اور کمتر سمجھتے تھے۔ سکندر دل ہی دل میں دعا گو تھا یہ چند گھنٹے بغیر کسی بدمزگی کے گزر جائیں۔

❁......◉......❁

حاکم شہر بتا وقت کے شکنجوں نے
خواہشوں کے پھولوں کو نوچ نوچ توڑا ہے
کیا یہ ظلم تھوڑا ہے؟
درد کے جزیروں نے آرزو کے جیون کو
مقبروں میں ڈالا ہے
ظلمتوں کے دریا ہیں لوگ سب لٹیرے ہیں
موت روٹھی بیٹھی ہے ذات ریزہ ریزہ ہے
تار تار آنچل ہے زرد زرد جیون ہے
شبنمی سی پلکیں ہیں قرب ہے نہ دوری ہے
زندگی ادھوری ہے
اب یقین آیا ہے موت بھی ضروری ہے

اس نے بہتے آنسوؤں کو بے دردی سے رگڑ کر صاف کیا اور چہرہ گھٹنوں پر رکھ کر پھر سے سسکنے لگی۔ ابھی کچھ دیر قبل زینب اس کے پاس سے اٹھ کر گئی تھی۔ وہ اسے ہرگز خوش نہیں لگی تھی۔ نندنی کے فیصلے نے اسے شاک میں مبتلا کردیا تھا۔ اسے نندنی کا ساحر کی بات مان لینا پسند نہیں آیا تھا۔

"تم جانتی ہو نندنی یہ مووییز بنانا ان میں کام کرنا کتنا بڑا گناہ ہے؟" وہ کتنی متاسف تھی آواز اس کے حلق سے جیسے پھنس کر نکل رہی تھی۔ شاید وہ اپنے طور پر اسے مسلمان بنا کر ہی خوشی محسوس کرسکتی تھی۔ وہ اسے اس راستے پر لانا چاہتی تھی مگر اسے ٹریک بدلتے دیکھ کر ہرٹ ہوئی تھی۔

"یہ گناہ و ثواب تمہارے مذہب کا حصہ ہیں زینب! مجھے ان سے کیا سروکار۔ میرے لیے تو سب کچھ ساحر کی ذات ہے۔ مجھے اس کے سوا کچھ نظر نہیں آتا۔ اس کا وجود روشنی کا وہ جگنو ہے جو اس پوری تاریکی میں ڈوبی کائنات میں میرے لیے امید زندگی اور آس کا باعث ہے۔ تمہیں کیا پتا میں نے اس وقت کے حصول کی خاطر کیسے کیسے کشٹ کاٹے ہیں۔ زمین میرے قدموں کے نیچے ہمیشہ دلدل بنی رہی ہے۔ جس میں میرا وجود دھنسا جاتا تھا۔ یہ لمحہ لمحہ کی موت کس قدر اذیت انگیز ہوتی ہے تم نہیں جان سکتیں۔ میں زمین پر پیر جمانے کی خواہش میں ترس گئی تھی۔ تم چاہتی ہو تم مجھ سے یہ سکون بھی چھین لو۔ یہ ادھوری خوشی بھی لے لو۔ جس سے میں نے خود کو بامشکل بہلایا ہے۔ اس سے ملنے کا کوئی یقین کامل تھا میرے اندر۔ جو مجھے حوصلہ اور ہمت کی تھپکی دے کر ہمیشہ ان وحشتوں سے بچا کر نکال لایا کرتا تھا۔ ورنہ اب تک تو پاگل ہوچکی ہوتی میں۔ محبت کوئی ہار یا جیت نہیں ہوتی زینب۔ میں محبت کی بات کر رہی ہوں واضح رہے پیار اور چاہت کی نہیں یہاں کوئی چور دروازے نہیں ہوتے۔ یہاں جتنا آگے بڑھتے جائیں نہ پیچھے سراب آتے جاتے ہیں۔ واپسی ممکن نہیں۔ میں واپس لوٹنا بھی نہیں چاہتی اب تو جو بھی ہے جیسا بھی ہے کی بنیاد پر مجھے قبول ہے۔ وہ میرا نہیں بنا اس سے پہلے کسی اور کا ہوگیا۔ یہ احساس جتنا بھی جان لیوا ہے مگر اس وحشت کے احساس سے بہرحال کم جو ساحر سے دوری میں ہے۔ میں اس سے الگ ہو کر دور ہو کر نہیں جی سکتی زینب اب وہ اگر مجھے کہے گا یہ دن نہیں رات ہے تو میں ہاں کہوں گی۔ آقا کے حکم کے آگے غلام کو "ناں" زیب نہیں دیتی ہے پھر میں دلی آمادگی کے ساتھ کروں گی یہ سب۔ کوئی مجبوری نہیں ہے تم یقین کرو۔" وہ بات کے اختتام تک ہچکیوں سے رو پڑی تھی گویا در پردہ اپنے ساتھ ہونے والی زیادتی حق تلفی کا احساس ابھی بھی باقی تھا۔ جس کا اظہار بھلے زبان سے نہ ہوتا تھا مگر دل تو کرتا تھا۔ زینب کا دل کٹ کر رہ گیا۔ اس میں کیا شک تھا کہ وہ اسے بہت عزیز تھی۔ اس نے بے اختیار نندنی کو خود سے لپٹایا پھر محبت سے تھپکنے لگی۔

"تم غلط سمجھی ہو نندنی کہ تمہاری خوشی نے مجھے ایوس کیا ہے

ایسا نہیں ہے۔ لیکن مجھے لگتا ہے تم خود کو دھوکہ دینے کی کوشش کررہی ہو۔ تمہاری آنکھوں میں جو ویرانہ پہلے آباد تھا آج بھی جوں کا توں ہے۔ اگر تم اس طرح خوش رہ رہی ہو تو پھر تمہاری آنکھیں اس خوشی کا اظہار کرنے سے قاصر کیوں ہیں؟ ہم محبت کو انڈر اسٹینڈنگ سے زیادہ اہمیت دے کر غلطی کررہے ہوتے ہیں۔ انڈر اسٹینڈنگ محبت کی طرف لے جاتی ہے مگر انڈر اسٹینڈنگ کے بغیر محبت کو دیمک لگ جاتی ہے۔ تم نے اس سے محبت کی اور اسے ہمیشہ اچھے انداز میں سوچا ہے لیکن اس کی اہمیت اس کے انداز سے عیاں ہے تمہاری پہلی ہی توقع بہت برے طریقے سے ٹوٹ چکی ہے۔ تم صبر کرنا جانتی ہو مگر کب تک، یہ طنابیں ٹوٹ بھی سکتی ہیں۔ ان کی قوت مضبوطی کو مت آزماؤ۔ ایسا نہ ہو تمہیں اس محبت سے بھی ہاتھ دھونا پڑ جائیں۔" زینب کے لہجے میں خلوص تھا مگر نندنی کے دل میں بدگمانی آنے لگی تھی شک اور بغض سر اٹھانے لگا تو وجہ یہی تھی کہ وہ اسے ساحر کی جانب بڑھنے والے راستوں پر اندھادھند دوڑنے سے روک رہی تھی۔

"میں نے آپ سے مشورہ تو نہیں مانگا ہے زینب مائنڈ اٹ میں اپنی مرضی کی مالک ہوں۔ یاد کریں ساحر کی خاطر میں نے اپنے سگے رشتوں کو چھوڑ دیا۔ اب اگر اس کی طرف جاتے راستے کھلے ہیں تو میں آپ کی باتوں پر کیوں کان دھرنے لگی۔ میں بہت جلد آپ کا گھر چھوڑ کر کہیں اور شفٹ ہوجاؤں گی تاکہ آپ کی روک ٹوک نہ سہنی پڑے۔" اس کا لہجہ کافی بدلحاظ تھا۔ زینب کے گلابی چہرے پر سرخی سی چھاگئی وہ بیٹھے سے اٹھ کر کھڑی ہوگئی۔

"تم نے ٹھیک کہا نندنی تم اپنی مرضی کی مالک ہو ہر فیصلہ کرنے کا حق محفوظ ہے تمہارے پاس۔ دوست اور ہمدرد ہونے کی حیثیت سے میں نے سمجھانے کا فریضہ ادا کردیا۔ میری بات کسی طرح بھی تم پر لاگو نہیں ہوتی لیکن نندنی تم یہیں رہو گی تو مجھے خوشی ہوگی۔" اس کے چہرے کی کیفیت کے برعکس اس کا لہجہ متوازن تھا اور معقول تھا مگر نندنی پھر بھی اسی جنونی اور شدید ہیجان کے عالم میں تھی۔ جبھی اسے جواباً گھورنے لگی۔

"یہاں رہوں تاکہ آپ واعظ و نصیحت کا شوق پورا کرتی رہیں۔ مسلم ایسے ہی ہوتے ہیں زبردستی اپنے دین میں داخل کرنے والے انتہا پسند۔" وہ حقارت سے کہہ رہی تھی۔

"تم ابھی غصے میں ہو نندنی، ہم پھر بات کریں گے۔" زینب کے تحمل کا وہی عالم تھا مگر نندنی مزید بھڑک گئی۔

"لیکن مجھے آپ سے اب کوئی بات نہیں کرنی...... ہرگز اندازہ نہیں تھا کہ آپ میری خوشیوں سے اس طرح جیلس ہوجائیں گی۔" وہ حلق کے بل چیخنے لگی۔ زینب نے سنا تھا مگر نظر انداز کیے پلٹ کر چلی گئی۔ نندنی بعد میں بھی کتنی دیر تک بلکتی اور تڑپتی رہی تھی۔ عجیب سی وحشت تھی جو اسے اپنے جنونی پنجوں میں جکڑ کر بے حال کررہی تھی۔

"میں اب کسی کی بھی نہیں سنوں گی ہرگز نہیں۔ مجھے صرف ساحر کا حصول درکار ہے۔ چاہے کیسے بھی ممکن ہو۔" اس کی آنکھوں کی وحشت ہر لحظہ بڑھتی جارہی تھی۔ ساحر کی شادی اور پھر بچوں کے متعلق آگاہی نے اسے وحشت کے صحرا میں پھینک دیا تھا یہ وحشت اور جنون کی ہی کیفیت تھی کہ وہ اپنی فطری حیا اور رواداری سے بے نیاز ہوگئی تھی۔ کچھ غم ایسے ہوتے ہیں جو حرام حلال کا فرق بھلا دیتے ہیں۔ انسان کی سوچ پر ایسے لمحوں میں ہی شیطان اپنا قبضہ جمالیا کرتا ہے۔ اس کے ذہن کی سلیٹ پر ہر تحریر ابلیس لکھتا ہے اور انسان پڑھ کر عمل کرتا ہے۔ جب شیطان انسان کے نفس پر قابض ہوجاتا ہے تو منفی خیالات اس کے ذہن کی آماجگاہ بن جاتے ہیں۔

وہ محبت بھرا دل رکھنے والی لڑکی محبت کے حصول کی خاطر دردر بھٹکی تھی مگر محبت ملی تھی نہ سکون۔ بلاشبہ سکون تو اللہ کی یاد میں پوشیدہ ہے۔ اگرچہ اس نے اس بات کو کبھی سمجھا نہیں تھا۔ لیکن جان تو سکتی تھی اور شیطان کو یہی گوارا نہیں تھا اس سے قبل کہ وہ رب کی طرف راغب ہوتی شیطان نے اسے گناہ کا راستہ پوری طرح آرائش کے ساتھ دکھانا شروع کردیا۔ یہ شیطانی سوچ ہی تھی کہ وہ اپنے مقصد کے حصول کی خاطر ہر جائز ناجائز کا فرق بھول بیٹھی۔ وہ ساحر کی زندگی میں داخل ہوکر اس کے دل میں داخل ہونے کے خواب دیکھنے لگی تھی۔ اس کے خیال میں یہ مشکل نہیں تھا۔ اس کے خیال میں یہ غلط نہیں تھا۔

❁......◉......❁

کہر زدہ شام نے انتہائی سست روی سے رات کا لبادہ اوڑھ لیا تھا۔ عجیب گھٹی گھٹی سی فضا تھی۔ کمرے کی کھڑکی کے پار شہتوت کے درخت کے پتے جانے کب سے ساکن تھے۔ لاریب شام سے ہی اپنے کمرے میں سسک سسک کر بے حال تھی۔ حویلی کی فضاؤں میں گھٹا گھٹا سوگ تھا۔ سکندر آتش دان میں سلگتی چٹختی لکڑیوں کے ساتھ خود بھی سلگ رہا تھا۔ پھر اٹھا اور کھڑکی میں کھڑا ہو کر سگریٹ پھونکنے لگا۔ اس کے وجود میں دھواں ہی دھواں تھا۔ جسے باہر نکلنے کو راستہ نہ ملتا تھا۔ وہ ساری رات قیامت جیسی تھی۔ اس حویلی کے نصیب میں پہلے بھی ایک ایسی رات آچکی تھی جب ایمان نے وہ غلط قدم اٹھایا تھا اور آج...... گوکہ سکندر نے اسے نہیں دیکھا۔ وہ نہیں جانتا تھا اس پر کیا بیتی تھی۔ جس نے لاریب کا چین و قرار اس انداز میں لوٹ لیا تھا اس شام وہ معمول سے زیادہ جلدی سب کاموں سے فراغت پاکر اپنے کمرے میں آگیا تھا تھکن ہی

ایسی تھی کہ بدن ٹوٹتا محسوس ہوتا تھا۔ ابھی غنودگی کی پہلی منزل تھی جب اسے کسی احساس کے تحت آنکھیں کھولنی پڑگئی تھیں۔ اگلے لمحے اس کے سارے حواس ہی جھنجنا اٹھے۔

"یہ سب تمہاری وجہ سے ہوا ہے صرف تمہاری وجہ سے اگر تم مجھے طلاق دے دیتے اور وہ خبیث مجھ سے شادی کرلیتا تو میری امامہ تباہی سے بچ سکتی تھی۔" سکندر نے حواس باختگی کی کیفیت میں دیکھا۔ لاریب اپنا زخمی وجود لیے اس کے اوپر جھکی ہوئی سراپا قہر نظر آرہی تھی۔ اس کی سفید رنگت میں غضب کی سرخی نمایاں تھی اور چہرہ آنسوؤں سے پوری طرح بھیگا ہوا۔ وہ اسے جھنجھوڑ کر ہی اپنا غصہ نہیں نکال رہی تھی بلکہ غم و غصے میں انتہائی نازیبا الفاظ بھی کہہ رہی تھی وہ پھر شدید غم و غصے کی کیفیت میں سکندر کی خلوت میں مخل ہوکر اس کی مردانگی اس کی غیرت اس کی انا کو ڈسٹرب اور مشتعل کرگئی تھی۔ ایسا ڈسٹرب جو اس کے جذبات کو وحشی بنا جاتا تھا مگر لاریب کو کبھی احساس تک نہ ہوسکا تھا کہ وہ اسے کس مشکل میں ڈالتی ہے۔ احساس نہ ہونے کی وجہ بہت واضح اور صاف تھی۔ وہ اسے کبھی اس لحاظ کی اہمیت دینے کو تیار نہیں تھی جو اس رشتے کا تقاضا تھا یا پھر جو ایک عورت کو ایک مرد سے بچاؤ اور تحفظ کو اپنانے چاہیے۔ وہ اسے کوئی اہمیت دیتی تو ہی ان باریکیوں پر بھی غور کرتی۔ سکندر کو مشتعل کرنے کی وجہ یہی توہین بھرا احساس تھا جبھی وہ ایک جھٹکے سے اٹھ کر بیٹھ گیا۔

"کیا بدتمیزی ہے؟ آپ کی زندگی میں جتنے بھی مسائل ہیں ان کی وجہ میں ہی کیوں لگتا ہوں آپ کو؟ حد ہے یعنی بے حسی اور بدگمانی کی بھی۔ اب اگر وقاص سائیں نے امامہ بی بی کو رسم کے مطابق آپ کے ساتھ نہیں آنے دیا تو میں کیسے مجرم بن گیا؟" وہ اتنا تپ چکا ہو رہا تھا کہ اس سے لڑنے کھڑا ہوگیا۔

"وہ انسان نہیں کہلایا جاسکتا۔ جانور ہے امامہ کو نہیں دیکھا نا تم نے۔ پتا نہیں کون کون سے بدلے چکائے ہیں اس نے۔ بابا جان تک اگر یہ بات پہنچ گئی تو سہار نہیں سکیں گے اس غم کو؟" لاریب کے آنسوؤں میں شدت آنے لگی۔ سکندر یکدم ساکت ہوگیا۔ اسے لگا وہ اس سے لڑنے نہیں ایک بار پھر اپنا دکھ بیان کرنے رونے اور دل بہلانے آئی ہے۔ شاید نہیں یقیناً وہ اس غم کو تنہا سہتے تھک گئی تھی۔

"کچھ کہا آپ سے امامہ بی بی نے۔" سکندر کی پریشانی اور اضطراب بالکل فطری تھا۔ امامہ کو اس نے اپنی آنکھوں کے سامنے اتنا بڑا ہوتے دیکھا تھا۔ وہ اسے چھوٹی بہن یا پھر اولاد کی طرح عزیز تھی۔ سوال ایسا تھا کہ لاریب کی نظریں جھک گئیں۔

"مجھے کچھ تو بتائیں پلیز۔" سکندر کی پریشانی میں اضافہ ہوتا جا رہا تھا۔

"کچھ جاننے کے لیے ضروری نہیں کہ زبان سے داستان غم سنی جائے۔ سکندر اس کی خاموش نظریں بھی اپنی بربادی کے ساتھ ویرانی کی گواہ بنی ہوئی تھیں۔ اسے بہت شدید ٹمپریچر تھا۔ میں نے ڈاکٹر کے پاس لے جانا چاہا تو وقاص نے سختی سے انکار کردیا۔ وہ کہہ رہا تھا امامہ پر ہمارا اب کسی قسم کا کوئی حق محفوظ نہیں رہا۔ وہ جان بوجھ کر ہمیں ٹارچر کرنے کو امامہ کو اس طرح لے گیا ہے وہ مار ڈالے گا امامہ کو۔" لاریب تمام ضبط گنوا کر پھوٹ پھوٹ کر رونے لگی۔ سکندر کی آنکھوں کی سرخیاں کچھ اور گہری ہوتی چلی گئی تھیں۔ بڑی دقتوں سے اس نے لاریب کو سمجھا بجھا کر اس کے کمرے میں بھیجا پھر خود اٹھ کر کمرے سے باہر نکل آیا۔ یعنی اس کا خدشہ درست تھا۔ وقاص سے اسے یہی خوف لاحق تھا۔ اس کی بے مہر آنکھوں میں سکندر نے نفرت کے الاؤ دہکتے دیکھے تھے۔

کبھی کبھی زندگی کے کچھ مقام انسان کی بے بس جھولی میں ڈال دیے جاتے ہیں کہ وہ سوائے لاچاری محسوس کرنے کرب سہنے کے علاوہ عملی طور پر کچھ کرسکنے میں ہمیشہ ناکام رہتا ہے۔ سکندر کو لگا تھا حالات کے گھیرے میں مقید لاریب کی زندگی میں یہی مقام آچکا تھا۔

❁......◉......❁

اس نے اپنی جلتی ہوئی آنکھوں کو بند کرکے پھر کھولا اور آہوں کا گلا گھونٹنے کے لیے سختی سے ہونٹ بھینچ لیے۔ اس وقت وہ تنہا بھی اور ٹیرس کی ریلنگ سے ٹیک لگائے سرد ہواؤں کی یخ بستگی کو اپنے وجود پر سہہ رہی تھی۔ فراز نے آج اپنی کامیابی کی خوشی میں سب کو بہترین ٹریٹ دی تھی۔ سب گھر والے اس سلسلے میں اس کے ساتھ ریسٹورنٹ جاچکے تھے۔ وہی نہیں گئی تھی بس۔ یہ نہیں تھا کہ اسے کسی نے کہا نہیں تھا فراز اور سمیعہ کے علاوہ خود شرجیل نے بھی اصرار کیا تھا۔ لیکن وہ اپنی مزید ہتک و تذلیل نہیں چاہتی تھی۔ جبھی انکار کردیا۔ جانتی تھی کہ مما کے ساتھ ساتھ تائی ماں بھی خاص طور پر اس کو رگیدنے کا موقع نہیں جانے دیں گی۔ ابھی بھی جب فراز نے اس کے انکار کے جواب میں اصرار کرنا شروع کیا تو مما نے اپنے مخصوص زہرخند انداز میں مداخلت کی تھی۔

"کیوں مجبور کیے جارہے ہو فراز۔ ہوگی کوئی مجبوری اس کی۔ سمجھا کرو ناں۔ یہیں اس شہر میں گل چھرے اڑاتی پھری ہے۔ پتا نہیں کس کس کے ساتھ منہ کالا کیا ہوگا۔ یہ الگ بات میرا بیٹا ہی اتنا احمق نکلا کہ ہاتھ پکڑ کر گھر میں گھسا لایا۔ اسے گھر پر ہی رہنے دو یہ ڈھکی چھپی ہی بہتر ہے۔ کجا وہاں کوئی پرانا آشنا مل گیا تو ہماری عزت تو گئی ناداؤ پر۔" ایمان کے لیے اس درجہ اہانت آمیز سلوک پر بس زمین میں گڑھنے کی کسر باقی رہ گئی تھی۔ اسے لگا تھا کسی نے اسے تیز

دھاگا آرے سے یکلخت دو ٹکڑوں میں تبدیل کردیا ہو۔ وہ وہاں مزید ٹھہر نہیں سکی۔ لیکن کمرے سے نکلتے ہوئے اس نے ضرور سنا تھا۔ فراز مما سے الجھ رہا تھا یہ اس کی عادت اور فطرت تھی کہ کسی سے زیادتی ہوتے دیکھ کر چپ نہیں رہ سکتا تھا۔ اس کا اپنا مزاج تھا۔ وہ حق بات کردیا کرتا تھا۔ اس بات کی مطلق پروا کیے کہ کس کو کتنی بری لگی۔ مگر اس وقت مما تھیں اس کے سامنے جو بدگمانی نفرت اور اب داؤ چلنے میں تائی اماں کے زیر ٹریننگ تھی۔ ایک کے بعد دوسرے بیٹے کو اسی حسین ناگن کی وجہ سے اپنے منہ کو آتے دیکھ کر برداشت نہیں کرسکیں۔ جبھی اس پر جو نفسیاتی حملہ کیا وہ اتنا شدید تھا فراز رنج اور غیر یقینی کے دکھ سے شَق ہونے لگا۔

"خیر تو ہے نا پتر جی؟ کس قسم کی امید دلائی ہے اس نے تمہیں؟ یہ بے جا حمایت تو ہو نہیں سکتی۔ آخر ایک دنیا دیکھی ہے ہم نے بھی۔ اور اس جیسی نفس پرست مفاد زدہ عورتوں کی عزت کوڑیوں کے مول بکتی ہے۔ اسے اگر یہ احساس نہیں رہا کہ تم اس کے دیور ہو تب بھی تمہیں ضرور یاد رکھنا چاہیے کہ وہ حرافہ تمہارے بڑے بھائی کے نکاح میں ہے۔" حملہ اتنا شدید اور کڑا تھا کہ فراز کے حواس سلب ہو کر رہ گئے تھے۔ وہ شاک سے نکلا تو ایسی ملامتی اور زخمی نظروں سے انہیں دیکھا کہ جن سے کلیجہ پھٹ جائے مگر مما کو تائی ماں کی زبان بولنے اور انہی کی نظروں سے دیکھنے کی عادت ہوچکی تھیں۔

"یہی بھروسہ ہے آپ کو اپنی اولاد پر؟ آپ سمجھیں اگر تو آپ نے بھابی پر نہیں مجھ پر الزام لگایا ہے۔ کسی کو نیچا دکھانے کی خاطر ہم خود کتنی پستیوں میں جا گرتے ہیں ہمیں اس کا اندازہ ہی نہیں ہو پاتا۔ اینی وے آج کے بعد میں کوشش کروں گا اس معاملے میں نہ بولوں۔ یہی چاہتی ہیں نا آپ؟" اس کے لہجے میں ٹوٹتے ہوئے کانچ کی چبھن کا احساس تھا۔ اعتماد اور بھرم ٹوٹنے کا کرب تھا مگر انہیں پروا کہاں تھی۔ انہیں تو اس بات سے بھی فرق نہیں پڑتا تھا کہ فراز کو انہوں نے کس بری طرح سے ہرٹ کیا ہے۔ وہ تو نبیل اور سمیعہ کی اتنی مغز ماری کے بعد کہیں جا کر یہ معاملہ سلجھا تھا کہ مما نے بھی فراز سے معذرت کی تھی۔ تمام تر تلخی و تنفر کے باوجود یہ بھی حقیقت تھی کہ وہ اپنے بیٹے کھونا نہیں چاہتی تھیں۔ چاہے وہ شرجیل ہو فراز ہو یا پھر نبیل، مشکلوں سے ہی مگر فراز کا موڈ بحال ہوگیا تھا۔ فراز بیٹا تھا ان کا اس لیے انہیں اس کی پروا تھی۔ ایمان کیا لگتی تھی ان کی کہ انہیں اس کی دل جوئی اس کے احساسات کی پروا ہوتی۔ اب تو وہ مسیحا بھی نہیں رہا تھا جس پر اعتماد کرتے ہوئے ایمان نے اتنا بڑا قدم اٹھالیا تھا۔

رات بھر بھی وہ بے خواب رہی تھی۔ بے چینی سے کروٹیں بدلتی ہوئی مضطرب اور صبح دم جو اس نے خواب دیکھا تھا وہ امامہ کے متعلق تھا اور اتنا بھیانک تھا کہ اسے یاد کر کے بھی ایمان کا دل کانپ اٹھتا تھا۔ ان لوگوں کے جانے کے بعد بھی وہ یونہی ریلنگ کے سہارے کھڑی آنسو بہاتی رہی۔ دھیان کے تمام ارتکاز حویلی اور وہاں کے مکینوں سے جا لگے تھے۔ کتنی بار اس کا دل مچلا تھا حویلی فون کرے مگر ہر بار ہی اس نے خود کو روک لیا تھا۔ ان کے زخموں کو تازہ کرنے کا اسے کوئی حق حاصل نہیں تھا۔ مر ہی تو گئی تھی وہ ان کے لیے؟ لیکن دل کی بے قراری ایسی تھی جسے کسی پل بھی قرار نہیں تھا۔ وہ خود کو روک نہیں سکی۔ موقع بھی مناسب تھا۔ وہ فون استعمال کرسکتی تھی آزادی سے کیونکہ گھر پر کوئی نہیں تھا۔ کچھ دن پہلے شرجیل نے جس طرح بہانہ کر کے اس سے سیل فون لے لیا تھا اور پھر واپس نہیں کیا تھا وہ سمجھ سکتی تھی شرجیل کو اب اس پر اعتماد نہیں رہا۔ اس نے چپ سادھ لی۔ کسی قسم کا کوئی احتجاج نہیں کیا۔ اب اسے خود کو بے باور کرانے کی ضرورت نہیں تھی کہ وہ اپنے گھر والوں کا ہی نہیں اس شخص کا بھی اعتماد کھو چکی ہے۔

جب وہ ٹیلی فون تک آئی تو اس کی ٹانگیں جانے کس کس احساس کے زیر تحت کانپ رہی تھیں۔ گو کہ وہ جانتی تھی کہ گھر پر اس کے علاوہ کوئی نہیں ہے پھر بھی وہ اس حد تک عدم اعتماد کا شکار ہوچکی تھی کہ اسے اپنا آپ چوروں کی طرح مشکوک لگنے لگا تھا۔ شک، عدم تحفظ اور ذلت وہ تیشے تھے جو اس کی خود اعتمادی کا خون کرچکے تھے۔ اسے اس گھر میں آنے کے بعد یہی احساسات وافر مقدار میں ملے تھے۔ حویلی کا نمبر ملاتے ہوئے اس کی انگلیوں میں ہی نہیں دل اور روح میں بھی لرزش اترنے لگی۔ دوسری جانب گھنٹی بجنے لگی تھی۔ اس کا دل اس کے وجود کے ہر حصے میں آکر دھک دھک کرنے لگا۔ وہ نہیں جانتی تھی دوسری جانب کون فون اٹھاتا۔ اگر بابا سائیں ہوتے تو وہ بھی بات نہیں کرسکتی تھی۔

"ہیلو۔" آخری گھنٹی تھی اور ایمان مایوسی کا شکار ہونے لگی تھی۔ جب کال ریسیو ہوئی اور اس کی سہمی ہوئی سماعتوں نے سکندر کی ٹھہری ہوئی آواز کو سنا تھا اور جیسے دل یکدم کسی اپنے کے احساس کو پا کر شدید ترین گھبراہٹ کا شکار ہوتا چلا گیا۔ وہ ہزار خواہش کے باوجود منہ سے آواز نکالنے سے قاصر رہی کہ آنسوؤں کا گولا سا گلے میں پھنس گیا تھا جبکہ دوسری جانب سکندر ہیلو ہیلو کرتا اس سے قبل کہ جھلا کر فون بند کردیتا وہ گھبرا کر سسک کر اسی خوف سے بول پڑی تھی۔

"س...... سکندر...... پلیز سکندر فون بند نہ کرنا۔" الفاظ ٹوٹ کر اس کے منہ سے نکلے اور آدھے سے زیادہ فقرہ گھبراہٹ کے باعث شاید دوسری سمت اپنا مفہوم پہنچانے میں بھی ناکام رہا۔

"کون...... ایمان بی بی......؟" سکندر کی سرسراتی ہوئی آواز صرف سرگوشی میں ڈھل گئی تھی بلکہ اس میں بلا کی حیرت بھی استعجاب کا رنگ بھی گہرا تھا۔ جواب میں ایمان خود پر ضبط کھو بیٹھی۔

"مجھے بتاؤ سکندر وہاں سب کیسے ہیں؟ بابا جان، لاریب اور...... اور امامہ وہ ٹھیک ہے نا؟" دل میں اٹھ آنے والا شدید خوف، ہراساں کر ڈالنے والے اندیشے اضطرابی کیفیت میں ڈھل کر آنسوؤں کی صورت بے دریغ برس پڑے۔ جبکہ دوسری جانب لائن پر اتنا سناٹا تھا جیسے وہاں کوئی موجود ہی نہ ہو۔

"سکندر کچھ تو بولو خدا کے واسطے مجھے بتاؤ وہاں سب خیریت ہے نا؟" وہ متوحش زدہ اسے پکارتی سوال پر سوال کرنے لگی۔

"مجھے یہ کہنے کا حق تو نہیں ہے ایمان بی بی کہ آپ کو یہاں فون نہیں کرنا چاہیے لیکن یہ ضرور ہے اگر بابا سائیں یا لاریب بی بی کو پتا چل گیا تو......!"

"تم کسی سے بھی میرے فون کا کچھ نہ کہنا۔ مجھے تم صرف امامہ کے بارے میں بتا دو وہ ٹھیک تو ہے نا؟" کتنی بے قراری تھی اس کے لہجے میں ایسی تڑپ اور وحشت کہ سکندر کا دل بھی کانپ اٹھا۔

"جی وہ ٹھیک ہیں شادی ہوگئی ہے ان کی۔" سکندر کا لہجہ و انداز ٹھہراؤ لیے ہوئے تھا ایمان پر البتہ یہ خبر بجلی بن کر گری تھی۔

"شادی...... امامہ کی؟" وہ ششدر رہ گئی تھی۔ اسے یقین ہی نہ آیا تھا۔

"کس کے ساتھ ہوئی شادی؟" وہ ٹھٹک کر پوچھ رہی تھی۔ جواب میں اس نے سکندر کے سرد آہ بھرنے کی آواز سنی۔

"وقاص سائیں کے ساتھ۔" اور ریسیور ایمان کے ہاتھ سے پھسل کر نیچے جا گرا۔ اسے لگا تھا وہ ایک دم جان کنی کے عالم میں آ گئی ہو۔ آسمان ٹوٹ کر اس کے سر پر آ گرا تھا اور قدموں تلے زمین نہیں رہی تھی۔ وقاص...... جس کی غلیظ نظروں اور سوچوں سے اتنی خائف تھی وہ کہ اس سے بچاؤ کی خاطر ہی اس نے شرجیل کے ساتھ یہ انتہائی قدم اٹھایا تھا کہ اس کے علاوہ تو اسے کوئی اور راستا سوجھتا ہی نہ تھا بچاؤ کا۔ مگر وہ یہ فراموش کیوں کرگئی تھی کہ اس کا خمیازہ اس کی کسی بہن کو بھی بھگتنا پڑ سکتا تھا۔ بہن بھی وہ جسے اس نے ہمیشہ اپنی آغوش میں اس طرح چھپایا تھا کہ سرد گرم اس تک پہنچنے نہیں دیے تھے۔ اب اس کی وجہ سے اس پر اتنی بری افتاد ٹوٹ پڑی تھی تو اسے خود اپنے آپ سے نفرت محسوس ہونے لگی۔ یہ آگاہی نہیں تھی، پچھتاوا تھا، جان لیوا پچھتاوا۔ اس سے بڑھ کر بھی کوئی اذیت انگیز احساس ہوسکتا تھا کہ ازالے کی کوئی راہ بھی کھلی نہیں تھی۔ یہ نقصان عمر بھر کا تھا۔ طوفان آچکا تھا۔ قیامت برپا ہوچکی تھی۔

❀......❀......❀

دل پر ملال کے جتنے بھی موسم اترتے تھے ان سے اس نے شکستہ نگاہ پھیر لی۔ وہ فتح کا ارادہ لے کر میدان میں اتری تھی۔ تو اب جیت کو اس کا مقدر ہونا ہی تھا۔ یہ عشائیہ کی تقریب تھی۔ جو ساحر کی جانب سے دی گئی تھی۔ اسی میں فراز اور نندنی کو بطور ہیرو ہیروئن پوری ٹیم سے متعارف کرایا گیا تھا اور فلم کے اسکرپٹ پر اظہار خیال کے علاوہ خاص طور پر نندنی کو اس کے کردار کے متعلق اسرار و رموز سے آگاہ کیا گیا تھا۔ ویسے تو فراز بھی اس فیلڈ میں نیا ہی تھا مگر نندنی کو تو الف سے بے تک آگاہی نہیں تھی۔ اس کی سلیکشن کی وجہ سراسر اس کا حسن تھا۔ جس کی خاصی دھوم اور کھلبلی مچی ہوئی تھی۔ خاص طور پر نوجوان لڑکے تو اس کی نگاہ التفات کی خاطر مرے جاتے تھے۔ عباس خود بھی نندنی کے کام کے متعلق کورے پن کو جان گیا تھا کہ اسے نندنی کو اچھا خاصا پالش کرنا پڑ رہا تھا۔ عباس نے اسے فرداً فرداً سب سے ملوایا۔ وہ اس کے پہلو میں یوں چمک رہی تھی جیسے چاند کے گرد قطبی ستارہ دمکتا ہے۔ ہر نگاہ میں ستائش تھی ہر کسی نے ہی عباس کے انتخاب کو سراہا اور داد دی تھی مگر عباس کا پروڈیوسر آفاق سرحدی تو جیسے نندنی پر بری طرح فریفتہ ہوا جا رہا تھا۔

"اگر میں تمہاری ہیروئن کو پہلے دیکھ لیتا تو لازماً اس نئے چھوکرے کو ہٹا کر خود اپنا نام پیش کردیتا ہیرو کے لیے۔" اس کا لہجہ عامیانہ تھا جس نے عباس کے ماتھے پر ناگواری کی شکن ابھاری۔ نندنی سے اس کا کوئی تعلق نہیں تھا مگر وہ عورت کی عزت کرنا جانتا تھا۔ یہی وجہ تھی کہ اسے آفاق کا یہ انداز پسند نہیں آسکا۔ اس نے ہونٹ بھینچ کر ایک نظر نندنی کو دیکھا جو اس کے پہلو میں کھڑی اتنی آسودہ اور سرشار لگ رہی تھی کہ جیسے آفاق کی بات پر کان دھرا ہی نہ ہو اور یہ سچ بھی تھا۔ نندنی کو اس کے سوا نہ کچھ سنائی دے رہا تھا نہ دکھائی۔ اس کی نظر تو جب بھی عباس پر اٹھی تھی اس نے عباس کی نگاہ کو اپنے چہرے پر ٹھہرتے محسوس کیا تھا۔ اس نے خود کو داد دی تھی۔ ابھی شروعات تھی اسے یقین تھا وہ اس شخص کو بہت جلد تسخیر کرلے گی۔ وہ اس کی سوچ اور توقع سے زیادہ آسان ہدف ثابت ہوا تھا۔

پھر بعد کے مراحل بھی بہت تیزی سے طے پاتے چلے گئے۔ فلم سائن ہونے سے لے کر اداکاری کے اسرار و رموز سیکھنے تک۔ یہ الگ بات کہ نندنی کا ان کاموں سے کہیں زیادہ دھیان عباس میں اٹکا رہتا جو آس پاس ہی موجود ہوا کرتا تھا۔ بظاہر نہ بھی اس کی جانب متوجہ ہوتا تو کیا فرق پڑتا تھا۔ عباس کا ٹیم ورک مضبوط تھا اور ورکرز بے حد محنتی۔ مگر نندنی جو عباس حیدر کے لیے موم کی ڈلی تھی جسے وہ جیسے چاہتا جیسی مرضی شکل میں ڈھال لیتا البتہ اس کے ورکرز کے لیے وہ بے حد مشکل کری ایٹ کرنے لگی تھی۔ اسے کسی کا نظر ٹکا کر دیکھنا اور کوئی سراہتا ہو فقرہ بھی آگ بگولا کر جاتا۔ پھر ایسے میں یہ تو انتہا تھی کہ اس کے کیمرا مین نے نندنی کا ہاتھ پکڑ کر کوئی بات کہنے یا سمجھانے کی کوشش کی تھی۔ وہ اتنا آپے سے باہر ہوئی کہ زمین

آسمان ایک کر دے رہی تھی۔ کیمرامین کی اس نے اتنی توہین کی تھی کہ وہ بے چارہ بکو بن کر رہ گیا تھا۔ اس بات پر اس کے دیگر ساتھی اور ہمنوا بھی اٹھ کھڑے ہوئے جبھی ایک ایشو کھڑا ہو گیا تھا۔ تندنی کے اصل اضطراب اور رنج کا باعث ہی یہ بات تھی کہ صبح سے اسے عباس کی ایک جھلک بھی دیکھنے کو نہیں مل پائی تھی۔

"اسے جرأت کیسے ہوئی کہ اس نے میرا ہاتھ پکڑا۔ اسے سمجھادو میں کسی ایسے ویسے گھرانے کی لڑکی نہیں ہوں کہ جس کی بھی مرضی چاہے ہاتھ پکڑ لے۔" تندنی نے شدید غصے کی کیفیت میں جب کوئی دسویں بار یہی بات جتلائی تو کیمرامین شیراز کو بھی تپ چڑھ گئی تھی یعنی حد تھی تذلیل کی۔

"اعلیٰ خاندان کی ہو یا پھر معمولی۔ اس فیلڈ میں آنے والی ہر عورت پبلک پراپرٹی میں شمار ہوتی ہے اس کے متعلق ہر کوئی بہت آزادی سے رائے دینے کا حق محفوظ رکھتا ہے۔ اگر تم اتنی ہی پاکباز تھیں تو پھر یہاں نہیں آنا تھا، آئی سمجھ۔" شیراز جس پل لال بھبوکا چہرے کے ساتھ تندنی کو اس کی اوقات یاد دلا رہا تھا یہی وہ لمحہ تھا جب کسی کی بروقت اطلاع پر عباس عجلت میں وہاں پہنچا تھا مگر تب تک معاملہ بہت حد تک سنگین ہو چکا تھا کہ شیراز کی اس واہیات بات کے جواب میں تندنی اتنی بپھری تھی کہ اس نے طیش میں آ کر آؤ دیکھا نہ تاؤ شیراز کے منہ پر تھپڑ دے مارا تھا۔ پورے ہال میں جیسے سناٹا چھا گیا۔ ایک پکسرنئی کام کرنے والی لڑکی سے وہاں کسی کو بھی اس درجہ جرأت مندی کی توقع نہیں تھی۔ تندنی کا غصہ پھر بھی کم نہیں ہوا تو وہ ایک جھٹکے سے جانے کو مڑی مگر ششدر کھڑے عباس حیدر سے ٹکرا گئی۔ دونوں کی نظریں یکبارگی ملی تھیں۔ ایک کی آنکھوں میں حیرت و غیر یقینی اور تاسف تھا دوسرے کی آنکھوں میں ہنوز غم و غصے کی کیفیت کی شدتیں اور حدتیں تھیں وہ رکے بغیر آگے بڑھ جانے کو تھی جب عباس حیدر نے بے اختیار اس کا بازو کہنی سے پکڑ لیا۔

"آپ ایسے نہیں جائیں گی تندنی صاحبہ یہ معاملہ جس حد تک بگڑا ہے اسے سدھارنا میری ذمہ داری ہے شیراز آپ بھی آجائیں یہاں۔" وہ یونہی ٹھہرے ہوئے لہجے میں کہتا تندنی کا بازو پکڑے کچھ فاصلے پر موجود کرسیوں کی جانب آ گیا۔ تندنی تو جیسے مسمرائز تھی۔ اب اس کی کیا اوقات اور مجال تھی کہ وہ عباس کے سامنے اس کی مرضی کے برخلاف اف بھی کر جاتی۔ عباس کے ہاتھ کے ابلتے ہوئے پرتپش لمس سے زندگی کی حرارت اس کے جسم و جاں میں اتر کر ہلچل مچانے لگی تھی۔ اس لمس نے ہی تو احساس زندگی سے واقفیت دی تھی۔ اسے ناز کرنے پر اکسایا تھا۔

شیراز بے حد خراب موڈ کے ساتھ کرسی سنبھال چکا تھا۔ عباس نے دیگر لوگوں کو وہاں سے ہٹنے کا اشارہ کیا۔ پھر تندنی کو سنجیدگی سے تکتا بیٹھنے کا اشارہ کر کے خود بھی کرسی پر ٹک گیا۔ تندنی حواسوں میں کہاں رہی تھی اس کے سامنے تو اب دھنک رنگ سجے تھے ستاروں کا ایک جہان آباد تھا۔

"جی اب مجھے بتائیں کیا ہوا تھا؟" وہ بیک وقت دونوں کو مخاطب کر چکا تھا۔ شیراز اس کی طرح نہ سحر زدہ تھا نہ ہی مسمرائز کچھ نہیں کہہ پاتا۔

جبھی اس نے ساری بات غصے میں کھول کر عباس کے آگے رکھ دی۔ پھر اس شدید لہجے میں تندنی کو گھورتے ہوئے بولا تھا۔

"ان سے پوچھیں سر کہ انہیں اتنا زعم آخر کس چیز کا ہے؟ دولت و حسن نہ تو ان محترمہ کی ہی میراث ہے نہ ایسی انوکھی چیز کہ جس کی بدولت کوئی ان سے دب کر رہنے پر مجبور ہو جائے۔" اس کے لہجے میں دبی ہوئی نفرت تھی۔ عباس حیدر نے محض ہنکارا بھرا تھا پھر سوالیہ نظروں کو تندنی پر جما دیا۔

"اب آپ کیا کہیں گی مس تندنی۔" وہ منتظر تھا مگر تندنی کی چپ نہیں ٹوٹی۔ عباس کو غصہ آنے لگا۔

"اس کا مطلب ہے مس بی ہیو آپ نے کیا ہے مس تندنی۔" وہ چیخ کر رہ گیا۔ تندنی کے آنسو بہہ نکلے۔ عباس تو یہ بھی نہیں جانتا تھا کہ یہ آنسو اس کے لہجے کی تپش کو نہ سہتے ہوئے بہے ہیں۔ اس کے لہجے کی معمولی تلخی بھی تندنی کے دل کے ہزار ٹکڑے کر سکتی تھی۔

"میں ایسی لڑکی نہیں ہوں کہ کوئی بھی منہ اٹھا کر میرا ہاتھ پکڑے اور میں برداشت کر لوں۔" وہ خاصی تاخیر سے بولی تب بھی اس کا لہجہ بھرایا ہوا ہی تھا۔ عباس حیدر نے ٹھنڈا سانس بھر لیا۔

"دیکھیں یہ اس فیلڈ کا تقاضا ہے تندنی۔ اتنی بے تکلفی تو عام بات ہے۔ خیر اگر آپ ریزروڈ ہیں تو آئندہ یہ لوگ احتیاط کریں گے لیکن چونکہ آپ شیراز صاحب کے ساتھ مس بی ہیو کر چکی ہیں تو آپ کو سوری کہنا چاہیے انہیں۔" عباس حیدر کے نرم لہجے میں کہنے پر تندنی نے شدید قسم کی ناگواریت محسوس کی۔

"مم........ مگر......!"

"اگر مگر کی گنجائش بالکل نہیں ہے مس تندنی۔ میرے لیے میرے چینل کا ہر ممبر اتنی ہی اہمیت اور عزت افزائی کا حامل ہے جتنی آپ یا مسٹر فراز۔ میں کسی کو بھی کسی کی عزت نفس مجروح کرنے کی اجازت نہیں دے سکتا۔ سوری کریں شیراز سے۔" اب کہ اس کا لہجہ تحکم آمیز تھا۔ تندنی کے نازک احساسات بکھر کر رہ گئے۔ اس دو ٹکے کے آدمی کی اس کے نزدیک حیثیت نہیں تھی کہ وہ سوری کہتی مگر مسئلہ یہ تھا کہ وہ ساحر کے حکم کی پابند تھی۔ سو اس نے بھی شیراز سے معذرت طلب کی تھی تو ریشمی پلکوں سے کچھ ستارے ٹوٹ کر عزت

نفس مجروح ہونے کے باعث کرسٹل جیسے گالوں کی ملامت پر بکھرتے گم ہوگئے۔ عباس حیدر سگریٹ سلگاتے لحہ بھر کو متوجہ ہوا تھا۔ مگر مشکل میں جا پڑا۔ یہ منظر ایسی ہی کشش سموئے ہوئے تھا کہ وہ سحر زدہ سا اسے تکنے گیا۔ منہ بند گلاب کی کلی پر شبنمی اوس کا گرنا اسے یہی خیال آیا تھا۔

"اٹس او کے مجھے امید ہے آپ آئندہ ہمارے ساتھ کوآپریٹ کریں گی۔" شیراز نے رسانیت سے کہتے اس کی معذرت کو قبول کیا اور وہاں سے اٹھ کر چلا گیا۔ تب عباس بھی جیسے اس ٹرانس سے نکل آیا۔

"آپ چائے پئیں گی تندنی۔" عباس نے اس کی گہری یاسیت کو محسوس کرکے ہی نرمی سے مخاطب کیا تھا۔ تندنی نے چونک کر اسے دیکھا پھر سر نفی میں ہلاتے ہوئے پلکیں جھکالیں۔

"مجھے چلنا چاہیے' بہت دیر ہوگئی ہے۔" وہ یکدم اٹھ کھڑی ہوئی۔ اس کا دل اتنا بھاری تھا کہ رونے کی خواہش بڑھتی جارہی تھی۔ وہ اس بوجھ کو جلد از جلد اتارنا چاہ رہی تھی۔

"چلیں میں ڈراپ کردوں آپ کو۔" عباس نے سگریٹ بجھائی اور کرسی دھکیل کر کھڑا ہوگیا۔ تندنی نے غیر یقینی میں مبتلا ہوکر اسے دیکھا پھر جیسے اس کے چہرے پر روشنی سی چھائی چلی گئی۔ اسے صاف لگتا تھا عباس حیدر اسے خصوصی اہمیت سے نوازتا ہے۔

"میں کسی کے پرسنل میٹرز میں انٹرسٹ نہیں رکھتا ہوں تندنی مگر پتا نہیں آپ کے ایٹی ٹیوڈ کو دیکھ کر مجھے اکثر ایسا کیوں لگتا ہے کہ آپ کو دولت و شہرت میں سے کسی چیز کی نہ خواہش ہے نہ حاجت' شوبز میں بھی آپ کی دلچسپی مفقود ہے۔ مجھے سمجھ نہیں آتی آپ نے پھر بھی میری آفر کو کیوں قبول کیا۔" جس پل وہ اس کے ہمراہ اسٹوڈیو کے گیٹ سے نکل کر پارکنگ میں آرہی تھی عباس حیدر نے بہت الجھن آمیز انداز میں کہا تھا اور جواب میں تندنی کے اندر موسم سرما کی ہواؤں کی سرسراہٹ ہونے لگی تھیں۔ کاش وہ جواب میں وہ ساری بپتا سنا پائی جو اس کی ایک نظر کے خراج میں اسے جھگتنی پڑی تھی۔ اسے رونا سا آنے لگا۔ بے بسی کی یہ کیسی انتہا تھی کہ وہ سامنے تھا۔ صدیوں کی تلاش کا حاصل مگر وہ اس کا نہیں تھا وہ کہہ نہیں سکی کہ یہ اس کی عیاشی نہیں تھی شوق بھی نہیں تھا۔ یہ تو اس کی مجبوری تھی۔ زندگی مخمل کی سیج پھولوں کا بستر ہوتی ہے۔ انسان انسانوں سے ملتا ہی رہتا ہے مگر کوئی خاص ہوتا ہے۔ جس کی نظر کا طلسمی احساس آپ کی زندگی کو یکسر بدل دیتا ہے۔ پھر ستاروں کا اک نیا جہان متعارف ہونے لگتا ہے۔ انسان ایک لمحے میں اڑ کر اس جہان میں پہنچتا ہے جہاں کی تہذیب رکھ رکھاؤ میں بس یار من کا حکم چلتا ہے۔ اس کی جنبش آبرو پر نظر آس جما کر بیٹھی ہے وہی طلب کا باعث..... وہی غرض کا مرکز۔

"آئی ایم سوری شاید آپ کو میری یہ بے تکلفی بھی پسند نہیں آسکی۔ میں نے ایک بات جو محسوس کی وہ کہہ ڈالی آپ پر جواب دینا لازم نہیں ہے۔" عباس حیدر خفیف سا ہوگیا تھا جواب کی تلخی کے باعث اسے تندنی کی سوچوں تک بہرحال رسائی نہیں تھی مگر شیراز والے معاملے میں وہ اس کی شدت پسندی سے آگاہ ہوچکا تھا آخر وہ بھی مرد تھا۔ اس کی یہ جسارت بھی تندنی کو گراں گزر سکتی تھی۔ تندنی نے چونک کر بلکہ ہڑبڑا کر اسے دیکھا اور بے تحاشا شرمسار نظر آنے لگی۔

"نہیں پلیز' ایسی بالکل بھی کوئی بات نہیں ہے آپ محسوس نہ کریں پلیز۔" جھکے سر کے ساتھ خفت زدہ انداز میں اس کی نفی کرتی ہوئی تندنی نے عباس حیدر کو پھر سے اپنے رویے سے الجھا ڈالا تھا۔ اسے یکدم احساس ہوا تھا تندنی کا رویہ اس کے لیے خصوصی اہمیت لیے ہوئے ہے۔ وہ اس کے ساتھ تلخ اور سخت لہجے میں بات نہیں کرتی جو وہ اپنے ساتھیوں کے لیے اس کا محسوس کرچکا تھا۔ اس کی وجہ اس نے اپنے عہدے کا برتر ہونا لیا تھا یہ اس کے امتیاز کا باعث ہی ہوسکتا تھا۔ وہ اس کے علاوہ کچھ اور سوچنے پر آمادہ نہیں تھا۔

"جہاں تک میں نے آپ کو سمجھا ہے آپ صرف ریزروڈ نہیں شائی بھی ہیں۔ لڑکیوں میں ان خوبیوں کا ہونا بہت ضروری ہے۔ مجھے اچھا لگتا ہے جب میں خواتین کو اس نعمت سے سرفراز پاتا ہوں۔ اینی ویز۔ میں پوری کوشش کروں گا ہمارے کام کے دوران کم از کم آپ کے احساسات وجذبات مجروح نہ ہوں۔" عباس کا لہجہ دوستانہ اور اپنائیت آمیز تھا۔ تندنی جواب تک سر جھکائے بیٹھی تھی۔ اس بات پر عجیب سے احساسات کا شکار ہوگئی۔ اس کے ہاتھ میں داہنی کلائی کا وہ حصہ تھا جہاں عباس حیدر کا لمس اترا تھا۔ وہ اسی کیفیت اسی مدہوشی میں گم رہنا چاہتی تھی مگر اسے قدم قدم پر دھچکے لگتے تھے۔

"صرف کام کے دوران؟" اس کے شنگرفی ہونٹ کانپے تھے لہجہ گو کہ مدھم تھا مگر اتنا ضرور تھا کہ عباس سن لیتا جبھی وہ کاندھے جھٹک کر بے اعتنائی سے مسکرادیا۔

"ظاہر ہے آپ خود کو اس موی کے بعد ہم تک تو محدود نہیں رکھیں گی۔ ویسے بھی میرا کام کرنے کا ایک الگ انداز ہے۔ میں اپنی فلم کے لیے نئے چہرے متعارف کراؤں گا۔ ہمارا ساتھ تو بس اتنا ہی ہوگا۔" عباس نے لمحے کے ہزارہویں حصے میں اس پر پھر اس کی اوقات واضح کرکے رکھ دی تھی۔ تندنی کا رنگ پھیکا پڑنے لگا۔ اس کے اندر سے لٹتا حزن پورے ماحول پر چھاتا محسوس ہونے لگا۔ یہاں تک کہ عباس نے بھی اس حزن کو محسوس کرلیا۔ جبھی قدرے دھیان سے اسے دیکھا تھا۔

"خیریت آپ کو میری بات بری لگی یا پھر میں آپ کے بازو کو زیادہ ہی سختی سے پکڑ چکا ہوں۔" اس کے گمبھیر تر لہجے میں خفیف سی شرارت کا رنگ اتر آیا تھا اور نگاہ اس کے ہاتھ پر تھی جو ابھی تک اپنا بازو تھامے ہوئے تھی۔ گو کہ عباس نے مزاح کے رنگ میں کہی تھی۔ اس کے باوجود تندنی کے رگ و پے میں ایسی سنسنی پھیلی کہ وہ یکلخت سرخ پڑتی چلی گئی تھی۔ شرم وحیا گریز اور خفت کا ایسا خوب صورت سنگم اس سے قبل شاید ہی عباس کی نگاہ سے گزرا ہو۔ وہ چند ثانیوں کو ہی مگر اپنی نظروں پر اختیار کھو بیٹھا۔ معاً وہ سنبھلا اور دانستہ کھنکھارا اسے یکدم احساس ہوا تھا ان کے بیچ اس کے نا چاہتے ہوئے بھی معنی خیزیت در آئی ہے اور یہ سراسر اس کے ہی فقرے کی بدولت تھا۔ جبھی اس نے معاملے کو دوسری رنگ دینا چاہا۔

"مطلب آپ کی طبع نازک پر ناگوار گزرا ہوگا۔ آف کورس شیراز صاحب کی طرح ہوں تو میں بھی ایک مرد اور وہ بھی بالکل غیر تو احتیاط تو لازم تھی مگر غصے میں مجھے کچھ خیال نہیں رہا۔"

"اٹس او کے مجھے برا نہیں لگا بالکل بھی۔" وہ مدہوش تو تھی ہی بے اختیاری میں اپنے دل کی بالکل صحیح عکاسی کرگئی۔ اس باریکی پر دھیان دیے بنا کہ عباس اس بات سے آخر کیا نتیجہ اخذ کرے گا۔ ہوا بھی یہی تھا۔ عباس صرف چونکا نہیں ٹھٹکا بھی۔ اس نے قدرے گہرائی سے تندنی کے تاثرات کا از سر نو جائزہ لیا۔

"بے خودی' سرشاری' طمانیت کے ساتھ جھینپ وہ کتنی آسودہ لگتی تھی مگر کیوں؟" عباس نے خاموشی سے اس بات پر غور کیا۔ کیا وہ شیراز کی طرح غیر مرد نہیں تھا اس کے لیے؟ ہاں البتہ وہ شیراز کی طرح عام سا نوجوان نہیں تھا۔ وہ دلکش تھا سحر انگیز تھا۔

"آپ کا گھر آچکا ہے تندنی صاحب۔" گاڑی کے رکنے کے بعد بھی جب اس نے تندنی کے وجود میں کوئی تحریک محسوس نہ کی اور اس کی بے خودی کو ہنوز پایا تو عباس نے کسی قدر جتلاتے ہوئے مگر پر تپش انداز میں اسے مخاطب کیا تھا۔ تندنی ہڑبڑا کر سیدھی ہوئی اور اس کے چہرے کی بے اعتنائی کو محسوس کرتی خفت سے سرخ پڑگئی۔ گاڑی سے اترتے ہوئے اس نے عباس کو اندر آنے اور چائے والا وعدہ یاد دلانے کی کوشش کی تھی۔ جسے عباس نے اسی بے رخی سے ٹھکرادیا جو اس پل اس کے چہرے اس کی آنکھوں سے چھلک رہی تھی۔ تندنی کے قدم جیسے ہی زمین پر آئے عباس نے ایک جھٹکے سے گاڑی بڑھادی تھی۔ تندنی کچھ مضطرب سی فرائے بھرتی لحہ بہ لحہ دور ہوتی گاڑی کو خالی نظروں سے تکتی رہی۔

❀......✺......❀

بڑا ہے واسطہ حسن محبت کے بزیدوں سے
یہاں ہم اپنی آنکھوں میں بھی پانی رکھ نہیں سکتے

اس نے ایک سرد آہ بھری اور ہونٹ بھینچ کر آنکھوں کی نمی کو اندر اتار لیا۔ سرخ بنارسی ساڑھی اس کے بخار زدہ جسم پر چبھ رہی تھی۔ مگر وہ لباس بدل کر خود کو آرام دہ حالت میں نہیں لاسکتی تھی۔ یہ وقاص کا حکم تھا۔ وہ اسے سجی سنوری اچھی لگتی تھی۔ اس کی طبیعت آج بھی ٹھیک نہیں تھی۔ مگر وقاص کو اس کا احساس کہاں تھا۔ شادی کی پہلی رات سے ہی وقاص نے اسے اپنے ہر انداز سے جتلا دیا تھا کہ وہ اس کے نزدیک پیر کی جوتی سے برتر اہمیت نہیں رکھتی۔ اس کا رویہ شدید ہتک آمیز تھا۔ امامہ جس سنہرے خواب کی ڈور سے بندھی یہاں تک چلی آئی تھی وہ چھناکے سے ٹوٹ گیا تھا۔ یہ وہ وقاص تو کہیں سے بھی نہیں تھا جو اسے سپنے دکھاتا تھا۔ جس کے بھاری لہجے میں اتنی تاثیر تھی کہ وہ عمروں کا فرق بھلائے اس کی رفاقت اور ہمراہی کی خواہش کرنے لگی تھی۔ اس کی معصومیت اس کا بھولپن وقاص کی پختگی اور کرختگی کے سامنے خاک میں مل گیا۔ اس کی رفاقت کی محض ایک رات میں وہ اپنا لڑکپن اپنا بچپن اور جوانی پھلانگ کر جیسے یکلخت بڑھاپے کی سرحد پر آ کر کھڑی ہوگئی۔ اگر واقعات بے رحم اور حالات سفاک ہوں تو ذہن صدیوں کا سفر بھی منٹوں میں طے کرجایا کرتا ہے۔ اس کے ساتھ بھی یہی معاملہ ہوا تھا۔ وہ ان چند راتوں میں اتنی بڑی اتنی مجبور ہوگئی تھی کہ دکھ کو پردوں میں چھپانا' شوہر کے بھید و راز خفیہ رکھنا اسے سب آ گیا تھا۔ جبھی تو اس نے فون پر لاریب سے رابطہ کرکے اسے دھوکا دینے کی بھی کوشش کی تھی اور خود کو ہر لحاظ سے خوش ظاہر کرکے دکھایا کہ جانتی تھی لاریب اس کی وجہ سے کس عذاب سے دوچار ہے۔ ولیمہ کے دن جو اس کی اجاڑ صورت دیکھ کر دہ گئی تھی اس کے بعد اسے سکون ملنا بھی کہاں تھا۔ اس نے وقت گزاری اور دل کے اندر گونجتے سناٹوں سے نجات حاصل کرنے کو کھڑکی کھول کر باہر جھانکا۔ شام کے سائے گہرے ہورہے تھے۔ شام کی برفیلی ہوائیں کوریڈور کے پار وسیع لان میں لگے درختوں کے پتوں کو بھی ٹھٹھرا رہی تھیں۔ فضا کی نمی اس بات کا اعلان کررہی تھی کہ رات کو بارش ہوگی۔ اس کے اندر ویسا ہی کہر اتر آیا جیسا باہر فضاؤں میں اترا ہوا تھا۔ اس نے بے دلی سے کھڑکی بند کی اور آ کر بیڈ پر لیٹ گئی آتش دان جل رہا تھا مگر سردی سے پھر بھی جسم اکڑا جاتا تھا۔ اس نے اپنے اوپر کمبل کھینچ لیا۔ ملگجے اندھیرے میں آتش دان کی نارنجی آتشی روشنی بہت خواب ناک لگ رہی تھی مگر جو بات اسے چونکانے کا باعث تھی وہ وقاص کی کمرے میں موجودگی تھی۔ جانے وہ کس پل کمرے میں آیا تھا کہ اسے خبر نہیں ہوسکی تھی۔

اس کے پہلو میں براجمان سگریٹ ہونٹوں میں دبائے وہ

اسے کتنی گہری اور بھرپور نظروں سے دیکھ رہا تھا کہ امامہ کا بخار کی حدتوں سے دہکتا ہوا چہرہ کچھ اور بھی لودینے لگا۔ وہ گڑبڑا کر تیزی سے سیدھی ہونا چاہتی تھی مگر وقاص نے اپنا مضبوط آہنی بازو اس کے اوپر رکھ کر اس کوشش کو ناکام بنا گیا۔ امامہ کی نظریں جھکی تھیں اور ریڑھ کی ہڈی میں سرد لہر دوڑنے لگی۔ چہرہ بھی متغیر ہوچکا تھا۔

''ڈرتی کیوں ہو مجھ سے...... پسند نہیں کرتی تم بھی اپنی دونوں بہنوں کی طرح مجھے؟'' وقاص کے سرد لہجے میں غراہٹ در آئی تھی۔ امامہ کا دل لرزنے لگا۔ اس کی دھاڑ پر وہ حواس باختہ ہوکر زور سے سر کو نفی میں دائیں بائیں ہلانے لگی۔

''نہ...... نہیں۔''

''کیا نہیں...... یعنی پسند نہیں کرتی ہو مجھے؟'' وہ چنگھاڑا تھا اور امامہ فق چہرے کے ساتھ رو پڑی۔

''نہیں...... میرا مطلب ہے ایسی بات نہیں میں تو آپ سے محبت......!''

''بس......!'' وہ حلق کے بل غرایا اسے بے تحاشا نفرت زدہ نظروں سے گھورنے لگا۔

''جھوٹ نہیں بولنا مجھ سے مجھے مکاری سے دھوکے سے شدید نفرت ہے۔'' اس نے جھپٹ کر امامہ کا سراسیمہ چہرہ اپنے فولادی پنجے میں دبوچ لیا۔ امامہ خزاں رسیدہ پتے کی مانند کانپنے لگی۔ وقاص جیسے اس کی بے بسی اور ہراسگی سے لطف اندوز ہوتا رہا۔ کافی دیر بعد جب اس نے امامہ کو اپنے پنجہ جنوں سے آزاد کیا تو امامہ نڈھال اور نیم جان ہورہی تھی۔ وقاص کے چہرے کی کرختگی میں البتہ ذرہ برابر بھی فرق نہیں آیا تھا۔

وہ اپنے کسی بھی عمل میں شرمندگی تو دور کی بات زیادتی کا احساس تک نہیں رکھتا تھا۔ اسے صرف ایمان کی ہتک آمیز حرکت کا طیش ہی نہیں تھا بلکہ لاریب کا متکبرانہ رویہ بھی آگ بگولہ کیے رکھتا۔ ان سب تلخیوں کا بدلہ چکانے کو ہی اس نے امامہ کا انتخاب دانستہ کیا تھا۔ تو وجہ صرف یہی نہیں تھی کہ لاریب اور ایمان کی وہ بیک وقت دکھتی رگ تھی۔ اس کی ایک اور اہم اور خاص وجہ بھی تھی جس کی وہ قبل از وقت امامہ کو ہوا بھی لگانا نہیں چاہتا تھا۔ کم از کم اپنے مقصد کے حصول سے پہلے تو ہرگز بھی نہیں۔

❀ ...... ❀ ...... ❀

اداس لمحوں اجاڑ راتوں
میرے تخیل سے دور بھاگو
یہ نیند مجھ سے بیزار ہے کیوں؟
اس دکھ کو مجھ سے ہی پیار ہے کیوں؟
یہ لوگ جو میرے سدا ہمسر ہیں
یہ میری سوچوں سے بے خبر ہیں
یہ مجھ سے کہتے ہیں تتلیوں پر
جگنوؤں پر کتاب لکھوں
کہ چاہتوں کا نصاب لکھوں
انہیں میں کیسے بتاؤں کہ اب
بہار موسم گزر چکا ہے
اداس بے کل خزاں کا موسم
میرے دل میں اتر چکا ہے
میرے قہقہوں کا خوشبوؤں کا
وہ دور کب کا گزر چکا ہے
اب تو جینا وبال اپنا
نہ روپ ورنگ و جمال اپنا
تھا جس کو تھوڑا خیال اپنا
وہ شخص کب کا بچھڑ چکا ہے

اچھی بھلی چلتی گاڑی کو اس نے یکدم بریک لگا کر روک دیا۔ اس کی خالی نظریں اس چوراہے پر ٹکی تھیں جہاں تینوں اطراف سڑکیں نکل رہی تھیں۔ چوتھے کنارے اس کی گاڑی کھڑی ہوئی تھی۔ یہ جگہ شہر کی حدود کو ختم کرتی اور گاؤں کی اراضی کا آغاز کرتی تھی۔ ایک طرف ان کی حویلی کو جاتی سڑک بھی دوسری طرف تایا سائیں کا علاقہ شروع ہوجاتا تھا۔ سڑک کے ساتھ کھیتوں کا وسیع سلسلہ تھا پھر اس کے آگے باغات شروع ہوجاتے تھے۔ بچپن سے لے کر جوانی تک اس نے جانے کتنی مرتبہ ان فاصلوں کو پاٹا تھا۔ تایا سائیں کی حویلی میں اس کے لیے سب سے زیادہ کشش کا باعث عباس حیدر کی موجودگی ہی ہوا کرتی تھی جو اس کے قدموں کو کشاں کشاں وہاں لیے جاتی۔ کبھی وہ سرے سے نظر نہ آتا۔ کبھی قسمت یاوری کرتی بھی تو وہ بس چوری چوری اسے دور دور سے دیکھا کرتی اور بس۔ بات تو وہ بہت ہی کم کرتا تھا اس سے یہ اس کی وہ سنہری عمر تھی جس کا دورانیہ چودہ پندرہ سال کی عمر سے انیس سال تک محدود تھا۔ پھر خواب جھلس گئے اور دکھ اس کی جھولی میں آپڑے۔ اس سے بھی پیچھے اگر وہ جاتی تو تایا سائیں کی حویلی میں امامہ اور ایمان کے ہمراہ وہ بہت چھوٹی عمر میں بابا جان کے ہمراہ جاتی رہی تھی۔ جب ان کی ماں کی وفات کو زیادہ وقت نہیں بیتا تھا اور تائی ماں نے ان کے سروں پر اپنی مامتا بھری چادر کو ڈال کر انہیں اپنی آغوش محبت میں سمیٹ لیا تھا یہی وہ دن تھے جب بڑے بھائی نے چھوٹے بھائی کا بار اٹھایا تھا اور اپنے نوعمر بیٹوں کی نسبت ان پانچ اور آٹھ سال کی عمر کی بچیوں سے بالترتیب طے کردی تھی۔ لاریب تب آنے والے ہر دکھ و سکھ سے بے نیاز اکثر تائی جان کو چکمہ دے کر امامہ کی انگلی

پکڑے کھیتوں اور باغات کی جانب جا نکلتی۔ کبھی بھٹے توڑ کر لاتی کبھی کچے پکے سنگترے۔ اس کی فطرت میں عجیب بے چینی تھی جو کبھی اسے سکون نہ سہنے دیا کرتی۔ حویلی کے دونوں اطراف تب خالی میدان ہوا کرتے تھے۔ پھر باغات اور باغات کے اختتام پر قبرستان۔ اسے یاد تھا ایک بار اس سے امامہ کھوگئی تھی وہ سرخ سرخ سیب توڑنے میں ایسی مگن ہوئی تھی کہ امامہ کو فراموش ہی کردیا۔ جب خیال آیا تو امامہ کہیں نہیں تھی۔

سات سالہ لاریب نے چیخ چیخ کر آسمان سر پر اٹھالیا۔ باغ کا رکھوالا آواز سن کر بھاگا آیا اور صورتحال جان کر اس کے چہرے پر ہوائیاں اڑ گئی تھیں۔ اس کوتاہی پر جس میں اس غریب کا معمولی سا بھی حصہ نہیں تھا اس کے باوجود اسے دار پر چڑھایا جاسکتا تھا مگر خیر اس طرح گزری کہ تھوڑی سی تلاش بسیار کے بعد امامہ مل گئی تھی۔ لاریب نے ہی اسے سب سے پہلے دیکھا تھا۔ وہ میدان سے بھاگی آرہی تھی۔ ننگے پیر دھول اڑاتی چیختی اس کا فراک اس کے پیروں میں بار بار الجھتا تھا جو بے حد گندا ہورہا تھا۔ دھول مٹی سے اٹی لاریب نے لپک کر اسے بازوؤں میں بھرلیا اس کے پیچھے بھاگ کر آتے کتے کو غصے کے عالم میں آدھی اینٹ کا ٹکڑا اٹھا کر مارا تھا۔ امامہ تھر تھر کانپ رہی تھی۔ مسلسل رونے سے ہچکیاں بندھ چکی تھیں۔

"بیڈاگ مجھے مار دیتا بجو اگر آپ نہ آتیں۔" امامہ اس سے لپٹی ہوئی سسک رہی تھی۔ لاریب نے اسے بھینچ لیا۔

"ڈرو نہیں، میں ہوں ناں تمہارے ساتھ۔" تب اس نے کتنے بڑے پن سے اسے تسلی دی تھی۔

"مگر اب......!" امامہ کو اس کی ضرورت ہے یہی لگ رہا تھا اسے۔ وہ اکیلی ہے اور خوفزدہ بھی۔ لاریب کی آنکھیں بھیگتی چلی گئیں۔ بنا کچھ مزید سوچے اس نے گاڑی کا رخ پھیر دیا۔ آدھے گھنٹے کے مزید سفر کے بعد اس کی گاڑی بڑی حویلی کے بلند آہنی پھاٹک سے اندر داخل ہورہی تھی۔ وسیع وعریض حویلی کے سرسبز لان کے آغاز میں ہی پورچ تھا۔ اس کی گاڑی سرخ بجری کی روش پر دیگر گاڑیوں کے پاس جا کر رک گئی۔ دروازہ کھول کر وہ اپنے ازلی بے نیاز پر اعتماد انداز میں باہر نکلی اور اندرونی حصے کی جانب آگئی۔ راستے میں ملنے والی ملازمائیں اسے بہت مؤدب انداز میں سلام کر رہی تھیں۔

لاؤنج کے صوفوں میں سے ایک پر تائی جان نڈھال سی بیٹھی تھیں۔ ان کے سامنے میز پر کینوؤں اور سیبوں کی باسکٹ تھی۔ دوسرے صوفے پر مہرو آپا براجمان تھیں۔ ہاتھ میں پکڑا ہوا کینو چھیلتے ہوئے ان کی نگاہ جیسے ہی اس پر اٹھی یکدم چونکتے ہوئے خوشگوار قسم کی حیرت ان کی آنکھوں میں اتر آئی۔

"ارے لاریب چندا...... آؤنا میری جان، تم تو راستہ ہی بھول گئیں، کیسی ہو؟" لپک کر اٹھتے ہوئے وہ پرجوش انداز میں اس کے گلے لگی تھیں۔ لاریب کا انداز البتہ لیا دیا ہی تھا۔

"میں ٹھیک ہوں آپ کیسی ہیں تائی جان؟" اس نے جیسے جبرا مروت نبھائی، تائی جان جو حسرت زدہ نظروں سے اسے تک رہی تھیں۔ سرد آہ بھر کر بکھیر انداز میں مسکرادیں۔

"شکر ہے مالک کا تم ٹھیک ہو...... بابا کیسے ہیں تمہارے؟" وہ ملول تھیں اور بہت مدھم انداز میں بات کرتی تھیں۔ انداز ایسا ہوتا جیسے ان کا بیٹا نہیں وہ خود اس کی مجرم ہوں۔ کبھی وہ وقت بھی تھا جب وہ اسے اپنی اولاد سے بڑھ کر محبت دیا کرتی تھیں۔ سب کچھ بدل گیا تھا صرف عباس حیدر کے بدل جانے سے۔ لاریب کا دل عجیب سی اذیت کا شکار ہونے لگا۔

"میں امامہ سے مل لوں۔" مہرو آپا کے اصرار کے باوجود وہ وہاں بیٹھے بغیر پلٹ کر باہر نکل گئی۔ راہداری کے موڑ پر اس کا ٹکراؤ غیر متوقع طور پر وقاص حیدر سے ہوا تھا۔ سفید کلف شدہ کرتا شلوار سیاہ ویسٹ کوٹ خوفناک مونچھوں کی صفائی کے باعث وہ انسانی حلیے میں قدرے بہتر نظر آرہا تھا مگر آنکھوں کی سرخی پہلے سے بڑھی ہوئی لگتی تھی۔ لاریب کو اس کی معنی خیز مسکان نے ہی جز بز کیا تھا اس پر اس کا انداز گفتگو۔

وہ آئیں گھر میں ہمارے خدا کی قدرت ہے
کبھی ہم ان کو کبھی اپنے گھر کو دیکھتے ہیں

دونوں بازو سینے پر لپیٹے وہ کچھ اس انداز میں پھیل کر کھڑا ہوا تھا کہ لاریب اس سے ٹکرائے بغیر آگے نہیں بڑھ سکتی تھی۔

"راستے سے ہٹو امامہ سے ملنے آئی ہوں میں۔" اٹھتی ناگواری کو دبائے وہ جبر کرتے ہوئے رسان سے کہہ رہی تھی۔ اس کے باوجود کہ وقاص کا چہرہ پتھریلا تھا۔

"اور اگر میں نہ ملنے دوں؟ یہ تو میں بھی جانتا ہوں کہ تم مجھ سے ملنے نہیں آسکتی تھیں کبھی بھی۔" لاریب کے اعصاب کو زبردست شاک لگا تھا۔ اس نے بے اختیار چونکتے ہوئے خائف نظروں سے وقاص کو دیکھا۔

"کیا مطلب؟ تمہیں اندازہ نہیں شاید کہ تم کیا کہہ رہے ہو۔" وہ بھڑک اٹھی تھی۔ جواب میں وقاص کے ہونٹوں پر زہر سے بھیگی مسکان پھیلتی چلی گئی۔

"اس لیے کہ وہ اب میری ملکیت ہے چاہوں تو تمہیں اس کی شکل کو بھی ترسادوں۔ کبھی بہت اجارہ داری تھی تمہاری اس پر اذنب مجھ سے چھپاتی تھیں۔ انجام دیکھ لیا اپنی خوابگاہ میں سجایا ہے میں نے تمہاری کمزوری کو۔" وہ لاریب کی سرد مہری کے جواب میں بپھر کر بولا۔ لاریب سن کھڑی رہ گئی۔

"جان گیا تھا میں کہ دکھتی رگ ہے تمہاری وہ۔ اب میری مٹھی میں ہے چاہوں تو اسے اگلا سانس نہ لینے دوں مگر بے فکر رہو اسے جان سے نہیں ماروں گا۔ بہت سے حساب نکلتے ہیں تمہاری طرف انتظار کرنا میری جوابی کارروائی کا۔" وہ پھنکار رہا تھا اور لاریب...... لاریب کا وجود ہر لمحہ بے جان ہوتا جارہا تھا۔ وہ عباس حیدر کا بھائی تھا۔ شکل وصورت میں اس کا پاسنگ بھی نہیں تھا۔ مگر قد وقامت چال ڈھال اور نقوش میں کہیں اس کی جھلک بھی آتی تھی مگر مزاج اور عادات میں اس سے سوا تھی۔ وہ صرف بے نیاز اور کھٹور تھا۔ یہ بے حس اور سفاک بھی۔ اس نے صرف لاریب کو ہی توڑا اور پامال کیا تھا۔ وقاص نے تو اس کے ساتھ امامہ کو بھی نہیں بخشا تھا۔ خود پر تو وہ سب سہہ جاتی کہ مر تو گئی ہی تھی وہ مگر امامہ......

"دیکھو وقاص تمہاری دشمنی مجھ سے ہے نا ہی امامہ سے۔ تمہیں ایمی باجو نے دھوکا دیا ہے تم......!"

"تم نے کچھ نہیں بگاڑا؟" وہ حلق کے بل غرایا تو لاریب کی جان ہوا ہونے لگی تھی۔

"تمہاری نگاہوں میں جو ہتک اور شک ہوتا تھا وہ کوڑے مارتا تھا مجھے اگر میں امامہ سے عام سی سرسری بات بھی کرتا تو تم کتنا اوور ری ایکٹ کیا کرتی تھیں۔ اتنا لوز تھا میرا کریکٹر تمہاری نظروں میں کہ میں گھر کی عزت میں نقب لگانے سے نہیں چوکتا۔" اشتعال آمیز انداز میں وہ اسے سرخ نظروں سے گھورتا ایک سے بڑھ کر ایک سلگتا سوال اس کے سامنے رکھ رہا تھا۔ لاریب ساکن کھڑی تھی۔

"شادی تو میں تمہارا غرور توڑنے کو تم سے کرتا مگر لاریب بی بی اب جو شکست تمہیں دی ہے یہی برداشت نہیں کرسکو گی تم۔ لمحہ لمحہ سلگو اور تڑپو گی مگر خلاصی نہیں پاؤ گی کیا سمجھیں؟" اس نے مکروہ مسکراہٹ کے ساتھ لاریب کی تائید چاہی۔ لاریب پتھرائی ہوئی نظروں سے اسے دیکھتی رہی تو گویا وہ کھل کر بالآخر سامنے آہی گیا تھا۔

"ایک تیر سے دو شکار کرنے والا عقلمند کہلاتا ہے مس لاریب شاہ اور میں اسی عقل مندی کا مظاہرہ کرچکا ہوں۔ کیسے اس کا اندازہ تمہیں بہت جلد خود ہوجائے گا۔ جب تم خود اپنے آپ سے بھی نظریں چار کرنے کے قابل نہیں رہو گی۔ میں بتاؤں گا شک کرنا کتنا مہنگا پڑا ہے تمہیں وقاص حیدر پر۔" لاریب حواس باختہ سی کھڑی اس کے سنگی چہرے کی سفاکی کو تکتی رہی۔

"جاؤ مل لو میری بیوی سے بھی کیا یاد کروگی کہ تمہیں مایوس نہیں لوٹایا۔" سامنے سے ہٹ کر اسے راستہ دیتے ہوئے وقاص نے دانستہ اسے بھڑکانا چاہا تھا مگر لاریب کی صلاحیتیں مفلوج اور منجمد ہی رہی تھیں۔

"سنو اس سے پوچھنا ضرور کہ میں اس سے آخر کتنی گہری محبت کرتا ہوں کہ اس کا دل مجھ سے اتنی سی جدائی پر بھی آمادہ نہیں ہو پاتا کہ جا کر اپنے بڈھے بیمار باپ اور راہ تکتی بہن سے ہی مل آئے۔" کنپٹی کھجاتے ہوئے اسے خبیث نظروں سے دیکھتا ہوا پھر جتلانے سے باز نہیں آیا۔ لاریب کے ساکن چہرے پر تغیر پیدا ہوا تھا۔ اس نے آنسوؤں سے چھلکتی آنکھوں کو لحہ بھر کو اس کے چہرے پر ٹکایا۔

"کیا کروں یار۔ وہ ہے ہی اتنی پیاری کہ اسے محبت کرتے جی نہیں بھرتا۔ اسے بھی میری محبت اتنی پسند ہے کہ......!" لاریب نے اس کی پوری بات نہیں سنی اور تقریباً دوڑتے ہوئے راہداری عبور کرلی۔ امامہ کے کمرے میں وہ بغیر دستک کے داخل ہوئی تو اس کے چہرے پر اتنی سرخی تھی جیسے کسی نے وہاں آگ دہکا ڈالی ہو۔

امامہ جو کمبل تہہ کرنے کے بعد بیڈ شیٹ کی شکنیں نکال رہی تھی آہٹ پر مڑی اور اسے روبرو پا کر چند ثانیوں کو اسے جیسے اپنی بصارتوں پر یقین نہیں آسکا تھا۔ وہ لپک کر اس کے گلے لگ گئیں۔ لاریب نے اسے بازوؤں میں بھینچ لیا تھا۔

"آپ رو رہی ہیں بجو؟" امامہ ہراساں ہو کر پوچھا۔ لاریب نے اپنے آنسو پونچھے مگر صورتحال یہ تھی کہ وہ جتنا خود کو سنبھالنے کی کوشش کررہی تھی اسی قدر بکھرتی جارہی تھی۔ آنسو بارش کی طرح برس رہے تھے۔ عجب بے بسی کا عالم تھا۔

"مجھے معاف کردیں بجو یہ سب میری وجہ سے ہوا ہے۔ نہ میں یہاں شادی کروانے کی ضد لگاتی نہ آپ کو اس مشکل سے دوچار ہونا پڑتا۔ میں جانتی ہوں یہاں قدم قدم پر عباس بھائی کی یادیں بکھری ہوئی ہیں اور یہ سب آپ کے لیے بہت اذیت ناک ہے۔" امامہ اس کے آنسو اپنے ہاتھ کی نرم انگلیوں سے سمیٹتی ہوئی اپنی سمجھ کے مطابق یہ نتیجہ اخذ کرسکی تھی اور یہ اندازہ بھی اپنے اندر بلا کی تلخی کاٹ اور وحشت سمیٹے ہوئے تھا۔ لاریب پر چھائی اذیت کی گھٹاؤں میں مزید گمبھیرتا اتر آئی۔

"بابا جان تمہارے نہ آنے کی وجہ سے بہت اپ سیٹ ہیں امامہ ایک بار تو چکر لگایا ہوتا۔" وہ موضوع اس قدر جان لیوا تھا کہ لاریب نے بات بدلنا مناسب خیال کیا۔

"میں ضرور آؤں گی بجو آپ پریشان نہ ہوں بابا جان کو بھی میری طرف سے تسلی دیجیے گا۔ ویسے میں ہر لحاظ سے مطمئن اور خوش ہوں۔ بس فی الحال وقاص نہیں چاہتے کہ میں حویلی جاؤں تائی

جان نے بھی انہیں سمجھایا تھا مگر وہ خفا ہونے لگتے ہیں۔" نظریں جھکائے اپنا بھرم قائم رکھنے کو ایک کے بعد دوسرا جھوٹ بولتی وہ لاریب کو بہت بڑی بڑی لگی۔ جانے کس خیال کے تحت اس کی بھیگی آنکھیں کچھ اور بھی نمی سمیٹ لائیں۔ تائی جان نے اس کے لیے چائے پر خصوصی انتظام کرایا تھا اور مہرو آپا کے ہمراہ وہیں اس کے ساتھ آن بیٹھی۔ لاریب پر اٹھنے والی ان کی نگاہوں میں زیاں اور حسرت کا احساس چھلکتا تھا۔ جیسے عباس پورے خاندان میں اپنی وجاہت وخوبروئی کے باعث مشہور تھا۔ اسی طرح لاریب کا حسن و جمال بھی یکتا تھا۔ تائی جان تو برملا کہا کرتی تھیں۔ "اللہ نے دونوں کو بنایا ہی ایک دوجے کے لیے ہے۔ چاند سورج کی جوڑی ہے میرے بچوں کی۔ بس خدا نظر بد سے بچائے۔"

مگر اب انہیں لگتا تھا ان کے بچوں کی خوشیوں کو کسی کی نظر لگ گئی تھی۔ عباس کی صورت بھی دیکھنے کو ترستی تھیں ان کی آنکھیں جبکہ لاریب کی شکل جیسے کسی نے مسکراہٹ اور زندگی کے رنگ چھین لیے تھے۔ مہرو آپا اور تائی جی کے اصرار کے باوجود اس نے چائے کے علاوہ کسی دوسری شے کو ہاتھ نہیں لگایا۔ عجلت میں کپ واپس رکھ کر وہ اٹھ کھڑی ہوئی تھی۔

"میں اب چلتی ہوں امامہ بہت خیال رکھنا تم اپنا۔" وہ جانے کو تیار ہوئی تو امامہ کے ساتھ مہرو آپا بھی بے چین ہوگئی تھیں۔

"اتنی جلدی کیوں بیٹا' تم نے تو کھانا بھی نہیں کھایا۔"

"معذرت تائی جان کالج سے واپسی پر ادھر آ گئی تھی۔ بابا جان کو تو پتا بھی نہیں ہے پریشان ہو رہے ہوں گے۔" اس نے جواباً رسان سے کہا تھا مگر تائی جان نے اس کا ہاتھ پکڑ لیا۔

"تو فون کر کے بتا دو نا بیٹے کہ آپ ادھر ہو۔ تم کون سا روز روز آتی ہو۔ ابھی بھی امامہ کی خاطر ہی چکر لگایا ہے۔ ٹھہرو تو سہی' بہن کے ساتھ ہی کچھ وقت اور گزار لو۔ اداس ہے تمہارے لیے وقاص کو تو اللہ ہی ہدایت دے۔ اتنا ہٹ دھرم ہے کسی کی نہیں سنتا۔ الٹی کھوپڑی ہے بالکل۔" تائی جان کے انداز میں بیک وقت نرمی و غصہ تھا۔ اس سے قبل کہ لاریب انکار کرتی اس کا سیل فون مدھر سروں میں گنگنانے لگا تھا۔ لاریب نے اپنے ہینڈ بیگ سے سیل فون نکال لیا۔ اسکرین پر بابا سائیں کا نمبر تھا اس نے تیزی سے کال ریسیو کی۔

"آپ خیریت سے ہیں بی بی صاحبہ بابا سائیں پریشان ہیں۔" اس نے سکندر کی آواز سنی تو بے اختیار گہرا سانس لیا۔

"بابا جان کو فون دو میں ان سے بات کر لیتی ہوں۔"

"کیا مطلب؟ کوئی پریشانی کی بات ہے بی بی صاحبہ تو......؟"

"واٹ نان سنیس سکندر' اتنا احمق سمجھا ہوا ہے مجھے؟ خیر بتا دو بابا جان کو کہ میں بڑی حویلی میں تائی جان اور امامہ کے ساتھ ہوں۔ شام تک آ جاؤں گی۔" درشتی سے بات کرتی وہ بات کو سمیٹ کر فون بند کر کے رکھنے لگی۔ تو تائی جان قدرے ریلیکس ہوئی تھیں۔

❀ ...... ❀ ...... ❀

سندنی نے ہاتھ میں پکڑے ہرے نوٹوں کی گڈیوں کو دیکھا پھر یونہی بھینچے ہوئے ہونٹوں کے ساتھ محتاط مگر فکر مندانہ نظر عباس حیدر کے چہرے پر ڈالی تھی۔

"کیا آپ نے سب کو ایڈوانس پے منٹ کر دی ہے؟" عباس نے کاندھے جھٹکے تھے۔ گویا اثبات میں جواب دیا۔ سندنی نے پھر ہونٹوں کو باہم بھینچ لیا۔

"سر فی الحال اپنے پاس رکھیں میں کام مکمل ہونے پر......!"

"مس سندنی آپ اپنے گھر میں خصوصی اہمیت وحیثیت رکھتی ہوں گی عین ممکن ہے مگر میرا اصول ہے کہ میں کسی کو کم یا زیادہ توجہ دینے کا قائل نہیں ہوں۔ اگر آپ مجھ سے ایسے خصوصی رویے کی توقع رکھتی ہیں تو میں معذرت خواہ ہوں۔ میرا خیال ہے آپ میرا پوائنٹ آف ویو سمجھ گئی ہوں گی اور آئندہ اسی لحاظ سے میرے ساتھ تعاون کریں گی۔" اس کا لہجہ معمول سے ہٹ کر بے حد سخت اور برہم تھا۔ سندنی نے قدرے خائف ہو کر متوحش نظروں سے اس کے پتھریلے تاثرات والے چہرے کو دیکھا تھا۔ مغرور تیکھی کھڑی ناک پر نگاہ اٹھی تو از خود اس کے حاکمانہ مزاج اور سخت دلی کا احساس دل میں جاگزیں ہوگیا۔ ہمہ وقت فراخ پیشانی کا احاطہ کیے رکھنے والی شکن اس کے جاگیردارانہ موڈ کی واضح غماز تھی۔ اس وقت وہ جارحانہ موڈ میں نظر آ رہا تھا۔ سندنی کا رنگ اڑ سا گیا۔ اسے ڈھونڈنے سے بھی اپنی خطا نہیں مل سکی جو اسے برہم کرنے کا باعث بنی ہو۔ اس کے باوجود اگر وہ غصے میں تھا تو سندنی کی سراسیمگی بھی انتہا درجے کو چھونے لگی تھی۔ عباس نے ایک نظر اس کے رودینے والے تاثرات کو دیکھا اور کوئی وضاحت دیے بغیر ایک جھٹکے سے اٹھ کر وہاں سے چلا گیا۔ وضاحت دینے والی بات تھی بھی نہیں۔ غصہ کہیں کا تھا نکلا کہیں تھا۔ یہ محض اتفاق تھا کہ اس نے اپنے ورکرز کی باتیں سن لی تھیں۔ اس کے اور سندنی کے بارے میں دی گئی آزادانہ رائے جسے سننے کے بعد عباس کو اپنے چہرے سے بھانپ نکلتی ہوئی محسوس ہوئی تھی۔

اس کے بیشتر ساتھیوں کے خیال کے مطابق عباس ضرورت سے زیادہ سندنی پر مہربان تھا اور ایسا صرف اس کے غیر معمولی حد تک بہکا دینے والے حسن کی وجہ سے تھا۔ ان لوگوں کو عباس کی وہ نرمی اور ڈھیل جو عباس نے سندنی کو لوآموز اور صنف مخالف ہونے کی بنا پر احترام کی خاطر دی تھی وہ انہیں عباس کی اس میں انوالومنٹ نظر آ رہی تھی۔ عباس جتنا بھی تیخ پا ہوا تھا مگر مصلحتاً خاموشی اختیار کر لی۔ وہ اس معاملے پر بول کر اسے ہائٹ ایشو بنانے کا ارادہ نہیں رکھتا تھا۔ ویسے بھی اگر دیکھا جاتا تو ان لوگوں کی یہ باتیں اتنی بے جا بھی نہیں تھی۔ اس سے قبل تک عباس کا رویہ خاص طور پر ساتھی لڑکیوں سے بے حد رکھائی اور سردمہری لیے ہوتا تھا۔ تو اس کی وجہ صرف عریشہ ہی نہیں تھی کہ وہ اسے شکایت کا موقع دینا نہیں چاہتا تھا۔ وہ کسی بھی لڑکی کو خصوصی اہمیت دے کر اسے اپنی جانب سے خوش فہمی میں مبتلا کرنا نہیں چاہتا تھا نہ ہی اسکینڈل افورڈ کر سکتا تھا مگر یہ بھی حقیقت ہے کہ تب تک معاملہ دوسرا تھا۔ تب وہ بطور ایکٹر کام کرتا تھا۔ اب صورتحال تبدیل ہو چکی تھی۔ وہ ڈائریکشن کے شعبے میں تھا تو یہ بے اعتنائی وسردمہری اس کے لیے کسی طور بھی کامیابی کی ضمانت نہیں بن سکتی تھی۔ وہ اس بات سے آگاہ تھا جبھی صرف خواتین کے ساتھ ہی نہیں سبھی کے ساتھ رویہ تبدیل کر لیا تھا مگر اس کے ساتھی اس کی تبدیلی کو صرف سندنی کی حد تک محسوس کر سکے تھے۔ مگر عباس کا مزاج کافی برہم ہوگیا تھا اور غصے کے وقت وہ ہر مصلحت بالائے طاق رکھ دیا کرتا تھا۔

"یار جتنی حسین ہے نا وہ انڈین بیوٹی' یہ جادو چلنا ہی تھا شکر کرو محترمہ ہندو ہیں ورنہ عین ممکن ہوتا فلم ودل کے ساتھ ان کے دل کی بھی ہیروئن بن جاتی۔" کسی دل جلے نے فقرہ کسا تھا' جس کے جواب میں مشترکہ قہقہہ کتنی دیر تک گونجتا رہا۔ وہ بامشکل خود پر ضبط کرتا پلٹ گیا تھا مگر یہ ضبط یہاں سندنی کے آگے چھلک گیا تھا۔ دوسری سمت سندنی تھی' جس نے اس کی بات کا اتنا اثر قبول کیا تھا کہ خود کو سنبھال نہیں سکی تھی۔ اگلے تین دن بھی جب وہ ریہرسل کی خاطر اسٹوڈیو نہیں پہنچی تو شیراز کی اطلاع پر عباس کو جھنجلاتے ہوئے بھی مگر اس سے رابطہ کرنا پڑا تھا کہ شیراز نے بتایا تھا وہ ان کا فون ریسیو نہیں کر رہی ہیں۔ عباس کے ٹرائی کرنے پر اس کا نمبر بند ملا تھا۔ عباس کو گھر واپسی پر مجبوراً سہی مگر اس کی جانب بھی کھڑے کھڑے آنا پڑا تھا۔ مگر وہ اس پر ایک نگاہ ڈال کر ہی ششدر ہونے لگا۔ وہ محض تین دن میں صدیوں کی مریض لگنے لگی تھی۔ البتہ اسے روبرو پا کر جو چمک جو خوشی اس کے چہرے پر لہرائی وہ بھی کچھ کم حیران کن نہیں تھا۔

"خیریت...... کیا ہوا آپ کو؟" اس کے بوکھلا اٹھنے پر عباس لیٹے رہنے کا اشارہ کرتا بیڈ سے کچھ فاصلے پر دھری کرسی پر پریشان سا ٹک گیا۔ جواب میں سندنی کی آنکھوں میں اس کی اس بے نیازو بے رحمی کے انداز نے نمی بھر دی۔

"تھنک اینجل' بس ٹھنڈ لگ گئی تھی تو ٹمپریچر ہوگیا۔" عباس کی خود پر جمی سوالیہ نگاہوں کے جواب میں اس نے اندر کا سارا کرب چھپا کر آہستگی سے جواب دیا۔ وہ اس سے شکوہ کا حق تو رکھتی ہی نہ تھی۔ بھلا غلام آقا کے آگے جرأت شکوہ کر بھی کیسے سکتا ہے شاید یہی عشق ہے آداب غلامی کی ساری تفصیل خود بخود ازبر ہو جاتی ہے۔

"آپ کو دوا لینی چاہیے تھی۔ احتیاط بھی بے حد ضروری ہے۔ میں کام میں مزید تاخیر پسند نہیں کرتا مس سندنی۔ آپ کا سیل بھی آف تھا اسی باعث گھر پر آنا پڑا ہے مجھے۔ اب آپ کو اپنی ذمہ داریوں کا احساس تو کرنا چاہیے۔" وہ جھنجلا رہا تھا اور سندنی خائف ہوتی جا رہی تھی۔ اس نے محض لمحہ بھر کو پلکیں اٹھا کر ایک نگاہ عباس پر ڈالی تھی۔

"آئی ایم سوری۔ میری وجہ سے آپ کو زحمت اٹھانا پڑی۔" یہ معذرت سندنی کے لیے لازم وملزوم تھی مگر دل اس کی اس درجہ بے اعتنائی کو بہرحال سہار نہیں پا رہا تھا۔ جبھی اسے خبر تک نہ ہو سکی اور بے مائیگی کے مظہر آنسو پلکوں کی باڑھ پھلانگ کر گالوں پر اتر آئے۔ عباس حیدر نے کسی درجہ حیرانی میں مبتلا ہو کر اس بن بادل برسات کو دیکھا مگر اس پر نگاہ ڈال کر وہ شدید ردعمل نہیں دے سکا کہ اس کی نگاہ پھر اس کے چہرے کی جکڑ لینے والی ملاحت اور سحر انگیزی میں اٹک گئی تھی۔

گلابی رخسار سردی کے باعث سرخ ہو رہے تھے۔ بالکل قندھاری انار کی طرح۔ سیاہ شال لیے وہ بے بسی کی تصویر نظر آتی بھی اپنے اندر بلا کا سحر سموئے ہوئے تھے اور گویا واقعی جیتی جاگتی قیامت تھی۔ اتنا فسوں خیز حسن تھا ہی جکڑ لینے کی صلاحیت سے مالا مال عباس کے دل پر بھی قدرتی سا اثر ہوا۔ غصہ حسن کی تابنائی کی شعاعوں میں جل کر خاک ہوتے دیر نہیں لگی۔ عباس حیدر کو اندازہ تک نہ ہو سکا مگر عباس کی نگاہ نے اختیار سے باہر ہوتے بھرپور انداز میں اس کا چہرہ جانچا تھا۔ معاً وہ کھنکارا اور سیدھا ہو کر بیٹھ گیا۔ پھر قدرے دھیمے اور نرم لہجے میں کہنے لگا۔

"اٹس اوکے' پلیز آپ رونا بند کر دیں۔ بی کیئر فل نیکسٹ ٹائم بلکہ اگر آپ کی طبیعت میں تاحال بہتری نہیں ہے تو میرے ساتھ چلیں میں آپ کو کسی اچھے ڈاکٹر کو دکھاتا ہوں۔" وہ نہ صرف اس سے مخاطب تھا بلکہ مسلسل اسے نگاہ کی زد پر بھی رکھے ہوئے تھا۔ وہ بے خبر تھا۔ اپنی نگاہ کی تاثیر کی چارہ گری اور رفو گری سے۔ بس ایک نگاہ التفات اور پھر کسی دوا دارو کی حاجت باقی نہیں رہتی۔ یہ اس کے لہجے کا رچاؤ تھا جو اسے زندگی کے حوالے کرنے کی صلاحیت سے مالا مال تھا۔ یہی لہجہ تھا جس نے اسے زندگی سے مایوس ہونے پر اکسایا تھا۔ اب وہی لہجہ تھا جس کا کمال یہ تھا کہ وہ لمحوں میں ہشاش بشاش

اور تازہ دم تھی چہرے کی رونق آنکھوں کی چمک لوٹ آئی تھی۔ جب عباس وہاں سے جانے کو اٹھا تو سندنی نے اسے اگلے روز آنے کا وعدہ کرکے مطمئن کردیا تھا۔

"تم نے دیکھا زینب' وہ صرف نام کا نہیں حقیقتاً ساحر ہے...... ہے نا؟" عباس کے جانے کے کچھ دیر بعد جب زینب اس کی طبیعت پوچھنے آئی تب بھی وہ اسی ٹرانس کے زیر اثر کھوئی کھوئی سی بولی اور زینب چونک اٹھی۔

"کس کی بات کررہی ہو؟"

"ساحر آئے تھے نا' تم نے نہیں دیکھا؟" اور زینب نے گہرا سانس بھر کر سر کونفی میں جنبش دی۔

"اب تم بہت بہتر ہو سندنی۔ شکر ہے خدا کا۔" زینب نے اس کا ٹمپریچر چیک کرنے کے بعد بے اختیار سکھ کا سانس لیا اور سندنی آنکھیں موند کر شانت سی مسکرادی۔

"اسی لیے تو ہوں۔" زینب نے اس خود کلامی پر چونک کر اور کسی قدر الجھ کر اسے دیکھا البتہ کچھ پوچھنے سے گریز برتا تھا۔

"تمہارے لیے سوپ بنایا ہے میں نے' کہو تو لے آؤں۔" اور سندنی نے محض اس کا دل رکھنے کی غرض سے سر کو اثبات میں ہلادیا۔ زینب کے اٹھ کر باہر جانے پر وہ پھر سے عباس حیدر کو سوچنے لگی۔ پوری توجہ پوری جزئیات کے ساتھ۔

❀......◉......❀

عباس نے گنگناتے ہوئے بال بنا کر ہیئر برش ٹیبل پر اچھالا اور پلٹ کر بیڈ کی جانب آگیا۔ عریشہ دونوں بچوں کو دائیں بائیں لٹائے بے خود پڑی تھی۔ بکھرے بال' ستا ہوا چہرہ' دو دو بچوں کی ذمہ داری اور دیگر مصروفیات نے اسے چکرا کر رکھ دیا تھا۔ گو کہ عباس نے گورنس کا انتظام کیا ہوا تھا مگر رات کو پھر بھی بچے عریشہ کے ساتھ ہی ہوتے تھے۔ عریشہ خود بھی بچوں کے ساتھ ہر پل اپنی جان ہلکان کیے رکھتی تو کبھی کبھار عباس کو بھی جھنجلاہٹ ہونے لگتی تھی۔

"یار کیا مصیبت ہے تم تو صرف انہی کی ہو کر رہ گئی ہو۔ میں تو ترسنے لگا ہوں کہ بات بھی کرسکوں۔"

"انہی کی بھی اسی لیے ہوئی ہوں جناب کہ یہ آپ کے ہیں عباس آپ کی وجہ سے ہی ان سے محبت کرتی ہوں۔" وہ مسکرا کر اسے اس محبت کی اہمیت وفا سے آگاہ کررہی تھی۔ عباس نے سرد آہ بھری۔

"خود پر بھی توجہ دیا کرو' مجھے اچھا نہیں لگتا تمہارا خود کو نظر انداز کرنا۔"

"آپ ہیں نا مجھ پر توجہ دینے اور خیال رکھنے کو۔" اس کے پاس ہر بات کا جواب حاضر ہوتا۔ اس کی مسکراہٹ میں تازگی ہوتی۔ مان اور تفاخر کا احساس ہوتا۔ عباس آہستگی سے ہنس دیا تھا۔

"میری توجہ تم نے دیکھی کہاں ہے ابھی؟" اس کا لہجہ معنی خیز ہوگیا تھا اور عریشہ جھینپ کر اسے گھور بھی نہ پائی۔

"اتنی شدت ہے آپ کی محبت کے سب رنگوں میں ابھی جناب کا خیال ہے یہ پوری توجہ کا عالم نہیں ہے تو پھر کیا کہنے ہوں گے اس توجہ و محبت کے۔" اس کے چلبلا اٹھنے سے عباس حیدر ہنستا چلا گیا تھا۔ مگر پھر سنجیدہ ہو کر بات بدل ڈالی۔

"یار تم بھی چلو نا بھوربن میرے ساتھ شوٹ پر ریئلی میں بور ہونے سے بچ سکتا ہوں۔" اس نے کل رات اچانک عریشہ پر زور ڈالنا شروع کردیا تھا جواب میں عریشہ نے کانوں کو ہاتھ لگا کر توبہ کرنی شروع کی پھر ساتھ ہی اس پر گرفت بھی کرلی۔

"اتنی ٹھنڈ میں رہنے دیں اور کیا اب لے آئیں گے مجھے شوبز کے لوگوں کے سامنے؟" عباس اس معاملے میں بہت محتاط تھا۔ ابھی تک اس کے قریبی دوست بھی عریشہ سے مل نہیں سکے تھے۔ عریشہ کا خیال تھا اگر اس کا بس چلے تو وہ اسے پردہ کرانا شروع کردے۔

"ٹھنڈ کی پروانہ کرو' فل ہیٹنگ ماحول ہوگا وہاں اور ڈونٹ وری تم اب بھی کسی کے سامنے تھوڑا آؤ گی' بس چلو۔"

"اتنی سردی میں بچوں کو ٹھنڈ لگ جائے گی تو بہت مسئلہ ہوگا' عباس۔"

"اس کا مطلب ہے تم نہیں جانا چاہتی۔" عباس کے گھورنے پر وہ مسکرادی۔

"مجبوری ہے نا جان سمجھا کریں۔ البتہ میں آپ کی ہیروئن کو ضرور دیکھنا چاہوں گی جس کے حسن جہاں سوز کے چرچے ہر سو پھیل گئے ہیں مگر آپ اس کی رونمائی کسی پر نہیں کرا رہے۔" عریشہ کی بات کے جواب میں عباس کے چہرے پر عجیب سا تاثر پھیلتا چلا گیا۔

"میری نہیں صرف میری فلم کی ہیروئن...... اوکے۔" اس نے نخوت بھرے انداز میں اسے ٹوکا تھا۔

(ان شاء اللہ باقی آئندہ ماہ)

میدانِ وفا دربار نہیں' یاں نام و نسب کی پوچھ کہاں
عاشق تو کسی کا نام نہیں' کچھ عشق کسی کی ذات نہیں
گر بازی عشق کی بازی ہو جو چاہو لگا دو ڈر کیسا
گر جیت گئے تو کیا کہنا' ہارے بھی تو بازی مات نہیں

تا حد نظر برف ہی برف تھی اونچے اونچے پہاڑوں کی چوٹیاں برف سے لدی ہوئی تھیں یوں لگتا تھا جیسے پہاڑ بھی برف کے بنے ہوں۔ روئی کے سفید گالوں کی طرح برف اس کی اوپر گر رہی تھی۔ وہ مسلسل چل رہی تھی۔ پاؤں تھکن سے شل ہوچکے تھے۔ اچانک اس کی نظر گلاب کے پھولوں پر پڑی' پہاڑ کے دامن میں سرخ گلاب عجیب بہار دکھا رہے تھے۔ وہ پھولوں کی جانب لپکی' ہاتھ بڑھا کر توڑنے ہی لگی تھی کہ اس کے پاؤں کے نیچے سے تیزی سے برف کھسکنے لگی اور وہ نیچے کی طرف جانے لگی۔ اس اچانک افتاد نے اس کے حواس چھین لیے۔ برف نے اسے ڈھانپ لیا۔ اس کا دم گھٹنے لگا۔ دل کی دھڑکن جیسے رکنے لگی' سانس لینا محال ہورہا تھا۔ وہ چیخ کر کسی کو اپنی مدد کے لیے بلانا چاہتی تھی مگر آواز اس کا ساتھ نہ دے پارہی تھی۔ چاروں طرف اندھیرا تھا۔

ای...... اچانک اس کے حلق سے آواز نکلی اور گھبرا کر اس کی آنکھ کھل گئی۔ سارا جسم پسینے میں شرابور تھا اور وہ ہولے ہولے کانپ رہی تھی۔ دل کی دھڑکن تو قابو میں ہی نہیں آرہی تھی۔ درنجف جلدی سے اٹھ کر بیٹھ گئی۔ کانپتے ہاتھوں سے سائیڈ ٹیبل پر پڑے جگ سے گلاس میں پانی انڈیلا اور ایک ہی سانس میں سارا پانی پی لیا۔ محلے کی مسجد سے موذن کی آواز بلند ہوئی۔

ایسا خواب وہ کبھی اس وقت درنجف کا دل ابھی تک خوف سے سہما ہوا تھا۔ وہ جلدی سے اٹھ کر واش روم میں گھس گئی۔ وضو کیا اور جاء نماز بچھا کر اللہ کے سامنے سجدہ ریز ہوگئی۔

اللہ سے گڑگڑا کر دعا مانگنے کے بعد دل سنبھلا مگر طبیعت ہنوز بوجھل تھی۔ وہ ڈھیلے سے انداز میں کچن کی طرف آگئی۔ صحن میں لگے امرود اور انار کے پیڑوں پر بیٹھے پرندے صبح صبح خوش الحانی سے خدا کی حمد و ثناء کررہے تھے۔ برآمدے میں لٹکے پنجرے میں آسٹریلیوی طوطوں نے بھی خوب شور مچایا ہوا تھا۔ یہ آتی ہوئی بہار کی ایک خوب صورت صبح تھی۔ باد نسیم ہولے ہولے چل رہی تھی۔ کچن سے آتی ہوئی آوازیں سن کر ٹھٹک گئی۔

"کون ہوسکتا ہے؟ صبح صبح یقیناً تمیز ہوگا۔" دل ہی دل میں قیاس آرائیاں کرتی وہ کچن میں داخل ہوئی۔ سامنے کیپٹن طٰہٰ کو دیکھ کر جیسے اسے سکتہ ہوگیا آنکھیں مل کر دیکھا کہیں کوئی خواب تو نہیں دیکھ رہی۔

"گڑیا" طٰہٰ نے اسے دیکھ کر بازو پھیلائے اور وہ جلدی سے اس سے لپٹ گئی۔

"بھیا جانی آپ کب آئے؟ بتایا بھی نہیں......؟" وہ خوشی سے چیختے ہوئے بولی۔

"بس میری پیاری گڑیا صبح پانچ بجے پہنچا ہوں۔ سرپرائز دینا

تھا نا تمہیں۔" کیپٹن طٰہٰ نے پیار سے اس کے بالوں کو سنوارتے ہوئے وضاحت کی۔

"درنجف بیٹا پہلے بھائی کو ناشتا دو باقی باتیں بعد میں۔" حمیرا بیگم نے ناشتے کی ٹرے سیٹ کرتے ہوئے کہا۔

"اچھا امی جو حکم آپ کا!" وہ خوشی سے مسکراتے ہوئے بولی۔

کچھ ہی دیر بعد پراٹھے آملیٹ' اچار پر مشتمل طٰہٰ کی پسند کا ناشتہ تیار تھا۔

"آجائیں بھیا جلدی سے۔" طٰہٰ بھی چیئر گھسیٹ کر بیٹھ گیا۔ وہ حسب عادت ناشتا کرتے ہوئے نان اسٹاپ باتوں میں مشغول ہو چکی تھی۔ حمیرا بیگم اسے دیکھ دیکھ کر مسکراتی رہیں۔

❁……✿❁✿……❁

شام کو ساری ینگ جنریشن لاؤنج میں ڈیرا ڈالے بیٹھی تھی۔ چائے' پکوڑے' چپس اور کباب سے تواضع کی جارہی تھی۔ مہک اور کشف کچن میں لوازمات تیار کررہی تھیں۔ درنجف جیسے ہی لاؤنج میں پکوڑوں کی بھری پلیٹ لیے آئی سب نے ہلہ بول دیا اور منٹوں میں پلیٹ خالی کردی۔

"یہ لو اور لے کر آؤ۔" معاذ نے شرارت سے اسے چھیڑا۔

"بھوکے ندیدے۔" وہ غصہ سے کہتی ہوئی چلی گئی۔

"یار اس دفعہ تو بن بتائے اچانک ہی چلا آیا۔" تبریز نے اب چپس پر ہاتھ صاف کرنے شروع کردیئے تھے۔

"میرا ٹرانسفر ہوگیا ہے سیاچن۔ ایک ہفتہ کی چھٹی ملی ہے۔" کیپٹن طٰہٰ نے کشف کے ہاتھ سے چائے کا کپ لیتے ہوئے جواب دیا۔

"کیا......؟" سب کی آوازیں یکدم بلند ہوئیں۔

"بہت خطرناک اور دشوار گزار علاقہ ہے قدم قدم پر خطرۂ موت کا ڈر۔" دانیال سنجیدگی سے گویا ہوا۔

"خطروں اور موت سے کھیلنا ہمارا کام ہے اور ہم موت سے نہیں ڈرتے۔ ہماری فورس کے حوصلے جوان اور عزم بلند ہے۔ ہم موت کی آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر خطروں کو عبور کرلیتے ہیں اور شہادت ہماری اولین آرزو اور ہماری زندگی کا مقصد ہے یہ جان اگر اس ارض پاک پر نثار ہوجائے تو پھر اور کیا چاہیے۔ میری زندگی کی سب سے بڑی آرزو اور خواب شہادت ہے۔" کیپٹن طٰہٰ بڑے جذب کے عالم میں کہہ رہا تھا۔

سب خاموشی سے اسے سن رہے تھے۔ کشف کے ہاتھوں میں چائے کا کپ ذرا سا لرزا اور چائے اس کے کپڑوں کو داغ دار کر گئی۔ دل کی دھڑکن تو پہلے ہی اس دشمن جاں کو دیکھ کر تھم سی جاتی تھی۔ وائٹ شلوار قمیص میں ماتھے پہ گھنے براؤن بال بکھرائے براؤن آنکھوں' دراز قد سمیت وہ نہایت ہینڈسم اور اسمارٹ لگ رہا تھا۔ وہ کب اس کے دل کا مکین بن گیا تھا شاید اسے خود بھی خبر نہ تھی۔ وہ تھا بھی تو چاہے جانے کے لائق نیک اطوار مہذب سلجھا ہوا دھیما مزاج سب کا فیورٹ......!

"بھیا پلیز آپ کسی طرح اپنا ٹرانسفر رکوالیں۔" درنجف نے اس کے بازو کو تھامتے ہوئے کہا۔ دل اچانک ڈر گیا تھا۔ صبح کو دیکھا جانے والا خواب اس کی یادداشت کے منظر پر تازہ ہو چکا تھا۔

"کیوں بے وقوف لڑکی؟" طٰہٰ نے غور سے اس کی بدلتی رنگت کا جائزہ لیا۔

"بس بھیا وہ بہت خطرناک علاقہ ہے۔" وہ گویا ہوئی۔

"گڑیا تم ایک شہید باپ کی بیٹی ہو۔ بابا جان نے اپنی جان اس مقدس سرزمین پر نچھاور کرکے ہمارا سر فخر سے بلند کردیا تھا۔ تمہیں ایسی باتیں زیب نہیں دیتیں۔ بہادر باپ کی بیٹی بنو۔ اس ارض پاک کی سرحدوں کی حفاظت کرنا ہمارا فرض ہے اور فرض سے پیچھے نہیں ہٹتے۔" وہ سنجیدگی سے اسے سمجھانے لگا۔ لاؤنج میں بھی خاموشی چھاگئی درنجف کا دل بوجھل اور افسردہ ہوگیا۔

حمیرا بیگم تین بھائیوں کی اکلوتی بہن تھیں۔ بھری جوانی میں ہی بیوہ ہونے کے بعد وہ اپنے بچوں کے ساتھ واپس میکے لوٹ آئی تھیں۔ میجر غیاث کی شہادت کے بعد اکیلے گھر میں چھوٹے بچوں کے ہمراہ رہنا مشکل تھا اس لیے وہ حیات ولا واپس لوٹ آئیں۔ میجر غیاث ان کے لیے کافی جائیداد چھوڑ گئے تھے۔ سسرال میں صرف ایک دیور تھا جو کینیڈا شفٹ ہو چکا تھا۔ حیات ولا میں ہی ان کے لیے الگ پورشن بنا کرانہیں شفٹ کردیا گیا۔ سب بھائیوں میں مثالی پیار محبت تھا۔ مین گیٹ ایک ہی تھا۔ سب الگ الگ پورشنز میں مقیم تھے۔

بڑے بھائی عادل حیات کے تین بچے تبریز' مہک اور دانیال تھے۔ منجھلے عمر حیات کی دو بیٹیاں کشف اور دعا جبکہ چھوٹے طاہر حیات کے دو بیٹے معاذ اور معیذ تھے۔ طٰہٰ اور درنجف کو ماموؤں نے کبھی پیار محبت میں کمی محسوس نہ ہونے دی۔ ان کا اپنے بچوں کی طرح ہر چیز کا خیال رکھا۔

مارچ کی ایک خوب صورت سہانی اور مدھر شام میں بزرگوں کی رضامندی سے کیپٹن طٰہٰ اور کشف کو ایک دوسرے سے منسوب کردیا گیا۔ ٹی پنک کام والے فراک اور پاجامہ میں پھولوں کے زیور اور لائٹ میک اپ میں کشف شرمائی لجائی سی کیپٹن طٰہٰ کے دل میں اتری جارہی تھی۔ دونوں کے دل اندرونی خوشی اور مسرت سے روشن تھے۔ درنجف بھی سرخ فراک اور بلیک چوڑی دار پاجامہ میں تتلی کی مانند تقریب میں اڑتی پھررہی تھی۔ تبریز کی وارفتہ نگاہیں اس کے گرد طواف کرتی ... چہرے سے ہٹ نہیں رہی تھیں۔ اسے بھی تبریز کی نگاہوں کی تپش کا بخوبی اندازہ تھا۔ دل دھڑک دھڑک کر خوشی سے پاگل ہورہا تھا۔ تبریز اس کی آنکھوں کا مہکتا ہوا خواب تھا اس کے دل کی اولین آرزو۔

❁……✿❁✿……❁

دن پنکھ لگائے اڑ گئے۔ کیپٹن طٰہٰ کے جانے کا دن بھی آپہنچا۔ درنجف کئی بار چھپ کر رو چکی تھی۔ حمیرا بیگم کا دل بھی افسردہ ہورہا تھا مگر انہوں نے اپنی آنکھوں اور چہرے سے اندرونی کیفیت کا اندازہ نہیں ہونے دیا۔ طٰہٰ نے اپنی تیاری مکمل کرکے ماموؤں سے ملنے کا ارادہ کیا جب وہ چھوٹا گیٹ عبور کرکے اندر داخل ہوا تو سامنا کشف سے ہی ہوا۔ وہ شاید ان کی طرف آرہی تھی۔ طٰہٰ کا دل بے انتہا خوش ہوا۔ دل میں ابھرنے والی خواہش کشف کو دیکھنے کی فوراً پوری ہوگئی اور نج اور میرون کنٹراسٹ سوٹ میں نم آنکھیں لیے وہ نہایت دلکش لگ رہی تھی۔

"یہ کیا کشف ادھر درنجف نے رو رو کر برا حال کیا ہے امی الگ افسردہ ہورہی ہیں اور ادھر تم؟" طٰہٰ نے افسردہ لہجے میں کہا۔

"تم ایک آرمی آفیسر کی ہونے والی بیوی ہو اپنے دل کو مضبوط رکھو ہمت والی بنو ساری زندگی میرے ساتھ گزارنی ہے ایسے تو رونے سے کام نہیں چلے گا۔" اس نے آہستگی سے اس کا ہاتھ تھام کر پیار سے سمجھاتے ہوئے کہا۔

"سوری طٰہٰ!" اس نے جلدی سے معذرت کی۔ "آئندہ ایسا نہیں ہوگا۔ بس ایسے ہی دل بھر آیا۔ میں زندگی کے ہر موڑ اور ہر مشکل مرحلے پر آپ کے ہمراہ ہوں۔ آپ مجھے ہمیشہ اپنے ساتھ پائیں گے۔"

"یہ ہوئی نا اچھے بچوں والی بات۔" وہ شرارت سے مسکرایا۔

"اچھا امی اور نجف کا خیال رکھنا۔"

"یہ بھی کوئی کہنے کی بات ہے۔" وہ ناراضی سے بولی۔

"اچھا میں ماموں لوگوں سے مل لوں۔" یہ کہتے ہوئے وہ اندر کی جانب بڑھ گیا۔

طٰہٰ کے جانے کے بعد وہ جیسے بوکھلائی سی پھرتی رہی۔ جب دو دن بعد اس کا خیریت سے پہنچ جانے کا فون آیا تو دل کو سکون آیا۔ وہ بہت خوش اور مطمئن لگ رہا تھا۔ "پتا ہے کشف یہاں ہر طرف برف ہی برف ہے۔ سفیدی ہی سفیدی اتنا سکون' میرا دل چاہتا ہے کہ میں یہ سفید برف کی چادر اوڑھ کر ہمیشہ کے لیے سو جاؤں۔" وہ گمن انداز میں بولے جارہا تھا۔

"اللہ نہ کرے کیسی باتیں کررہے ہیں آپ۔" اس نے بے ساختہ ٹوکا۔

وہ دلکشی سے ہنسی ہنس پڑا۔ "تم ویسی ہی ہو ڈرپوک اور بزدل۔" وہ اسے چھیڑ رہا تھا اور وہ مسکرائے جارہی تھی۔

❁……✿❁✿……❁

"نجف بیٹا!" حمیرا بیگم گھبرائی ہوئی کمرے میں داخل ہوئیں۔

"کیا ہوا امی؟" وہ ماں کی زرد پڑتی رنگت دیکھ کر پریشان ہوگئی۔

"تم نے نیوز دیکھی بیٹا۔ ٹی وی آن کرو۔" حمیرا بیگم جلدی سے بیڈ پر بیٹھ گئیں۔ اس نے جلدی سے ماں کو سنبھالا اور ٹی وی آن کیا۔

نیوز الرٹ کی ریڈ پٹی چل رہی تھی۔ "آج صبح سیاچن گیاری سیکٹر میں برف کا تودہ گرنے سے ۱۳۹ افراد برف تلے دب گئے۔ امدادی کارروائیاں جاری ہیں۔"

خبر تھی یا ایٹم بم۔ درنجف کو اپنے حواس معطل ہوتے ہوئے محسوس ہوئے۔ اس نے جلدی سے سیل اٹھا کر طٰہٰ کا نمبر ملانا شروع کیا مگر کوئی رسپانس نہیں آرہا تھا۔ حمیرا بیگم نیم بے ہوش تھیں۔ منٹوں میں سارا گھر اکٹھا ہوگیا۔ نمبر ملائے جارہے تھے مگر کوئی جواب نہیں آرہا تھا۔ ایک دوسرے کو تسلی و تشفی دیتے کتنا ہی ٹائم گزر ا۔ آہستہ آہستہ عزیز و اقارب بھی اکٹھے ہونے لگے۔ سب محو دعا تھے۔ جاء نماز بچھا کر سلامتی کے نوافل پڑھے جارہے تھے۔ آیت کریمہ کا ورد کروایا جارہا تھا۔ سب لوگ غم سے نڈھال ہورہے تھے۔ دن پہ دن گزرتے رہے۔ امدادی کارروائیاں جاری تھیں مگر خراب موسم کے باعث رکاوٹوں کا سامنا تھا۔ نیوز چینلز پر نیوز کاسٹر اپنے مخصوص لہجے میں روانی سے نیوز پڑھ رہا تھا۔

"ہماری فورس کے حوصلے بلند ہیں وہ دن رات برف ہٹانے میں مصروف ہیں۔ ساری قوم سے دعا کی اپیل کی جاتی ہے۔"

وہ کب سے یونہی ٹی وی پر نظریں جمائے بیٹھی تھی کہ شاید کوئی خوش کن خبر کوئی سندیسہ ہو اس کے بھائی کے واپس آنے کا۔ ایک قیامت تھی جو اس وقت ان کی فیملی پر گزر رہی تھی۔ مسلسل کرب اور درد مرنے والوں کے ساتھ تو صبر آجاتا ہے مگر بچھڑ جانے والوں کی لوٹ آنے کی آس بندھی رہتی ہے۔

کئی دن گزر گئے۔ درنجف کا تو غم اور صدمے سے برا حال تھا مگر حمیرا بیگم نے اب اپنے آپ کو سنبھال لیا تھا۔ وہ جان چکی تھیں کہ شوہر کو کھو دینے کے بعد وہ اپنے اکلوتے لخت جگر کو بھی کھو چکی ہیں مگر وہ خوش تھیں۔ انہیں فخر تھا کہ وہ ایک شہید کی بیوہ اور ایک شہید کی ماں ہیں۔ ماں کا دل جان چکا تھا کہ اس کا بیٹا اپنے وطن پر قربان ہوچکا ہے اور وہ جنت کے راستے کا مسافر بن چکا ہے۔ بیٹوں کی واپسی کی امید کا چراغ اپنی آنکھوں میں جلائے والدین کی آنکھوں کی جوت مدھم پڑنے لگی لیکن ان کے سر فخر سے بلند تھے۔

آنکھوں میں آنسوؤں اور لبوں پہ خدا کی رضا میں راضی ہوجانے کے الفاظ تھے۔ پوری قوم کو ان عظیم سپوتوں پر فخر تھا۔

28 مئی کو ISPR کی جانب سے گیاری سیکٹر میں دبے

جوانوں کو شہید قرار دے دیا گیا۔ درنجف ہنوز صدمے کی کیفیت میں تھی۔ وہ اکثر باآواز بلند رونے لگتی۔ کشف اور تبریز اسے بڑی مشکل سے سنبھالتے۔

"مجھے صرف ایک بار بھائی کا چہرہ دکھادو پلیز تبریز! میرے دل کو سکون مل جائے گا پلیز۔" وہ ملتجی انداز میں اس کا ہاتھ پکڑ کر منت کرنے لگی۔

"حوصلہ کرو! اس نے اس کا ہاتھ تھپتھپاتے ہوئے تسلی دی۔

"کیسے حوصلہ کروں۔" وہ شدت غم سے پھٹ پڑی۔ "میرا اکلوتا بھائی، میرا ماں جایا، میری ماں کے بڑھاپے کا سہارا، میرا فخر، مان، کیسے کروں حوصلہ بولو؟" وہ زور زور سے رونے لگی۔ کشف نے آگے بڑھ کر اسے بازوؤں میں سنبھالا۔

"پگلی شہیدوں کو رویا نہیں جاتا، شہید تو زندہ ہوتے ہیں۔ شہادت کی موت پر فخر کیا جاتا ہے لوگ تو خواہش کرتے ہیں ایسی شان و عظمت والی موت کا۔ مبارک باد دے رہے ہیں لوگ ہمیں، اور اللہ تعالیٰ قرآن پاک میں فرماتا ہے۔ "کہ تم شہید کو مردہ نہ کہو، بے شک وہ لوگ زندہ ہیں اور کھاتے پیتے ہیں۔"

اپنی آنکھوں میں آئی نمی کو ضبط کرتے ہوئے وہ کن کڑے مراحل سے گزر رہی تھی یہ صرف اس کا دل جانتا تھا۔ اسے طٰہٰ کے ساتھ کیے وعدے کا مان بھی تو رکھنا تھا کہ وہ اس کے بعد حمیرا پھوپو اور درنجف کا خیال رکھے گی۔

وقت کا کام گزر جانا ہے سو وہ گزرتا چلا گیا۔ زندگی بھی اپنی مخصوص ڈگر پر چل پڑی۔ وہ سب بظاہر تو ٹھیک ٹھاک ہی نظر آتے تھے مگر اندر سے ایک کمی سب کو محسوس ہوتی تھی۔ حمیرا بیگم نے اللہ سے لو لگالی تھی۔ زیادہ وقت عبادت میں ہی گزار دیتیں۔ درنجف خاموش رہتی۔ سارا دن گزر جاتا مگر اس کے لبوں سے ایک لفظ نہ نکلتا۔ سب گھر والے اس کا خصوصی خیال رکھتے۔ حمیرا بیگم نے کئی بار اسے پیار سے سمجھایا۔

"امی بھائی کی باڈی ہی مل جاتی اسے دیکھ کر صبر آجاتا۔ ان کی قبر پر فاتحہ پڑھتے، پھولوں کی چادریں ڈالتے۔" ماں کی گود میں سر رکھ کر وہ جیسے بکھر گئی۔

"بس بیٹا جو اللہ کی رضا، ہم اللہ کی رضا میں راضی ہیں۔" وہ دھیمے سے انداز میں بولیں۔ انگلیاں اس کے بالوں میں پھیرتے ہوئے وہ دل ہی دل میں بار بار کہہ رہی تھیں۔ "اے اللہ میں تیری رضا میں راضی ہوں۔" نجف کی نہ جانے کب آنکھ لگ گئی۔

"بھائی! وہ کیپٹن طٰہٰ کو ایک خوب صورت سفید ماربل سے بنے اور ہری بھری بیلوں اور پھولوں سے سجے گھر میں داخل ہوتے دیکھ کر چلائی۔ طٰہٰ نے پیچھے مڑ کر دیکھا۔

"بھائی آپ یہاں، پلیز گھر چلیں ناں، ہم سب آپ کے بنا اداس اور ادھورے ہیں۔ اس نے بھائی کا بازو سختی سے پکڑ لیا۔

"نہیں گڑیا تم جاؤ، میں یہاں بہت سکون اور آرام سے ہوں یہ میرا گھر ہے۔" وہ حسب عادت پیار سے اس کے بالوں کو سہلاتے ہوئے بولا۔

"بھائی!" اس نے ایک بار پھر زور سے آواز دی اور اس کی آنکھ کھل گئی۔ تھکاوٹ کی وجہ سے نہ جانے کب اس کی آنکھ لگ گئی تھی۔

"وہ کتنے خوش اور پرسکون تھے اور پہلے سے زیادہ خوب صورت بھی۔" وہ خود فراموشی کے عالم میں تھی۔

"درنجف اٹھ جاؤ نماز پڑھ لو تھوڑا ہی وقت رہ گیا ہے۔" کشف دروازے سے جھانک کر بولی۔

درنجف نے صبح سب کو اپنا خواب سنایا۔

"بیٹا تم بھی اپنی اداسی کے حصار سے نکل آؤ۔ طٰہٰ نے بھی خواب میں آکر یہی اشارہ کیا ہے۔ ماموں نے اس کے سر کو تھپکی دیتے ہوئے سمجھایا۔

درنجف چھت پر آگئی۔ آسمان پر ہلکے ہلکے بادل چھائے ہوئے تھے۔ تبریز بھی اس کے پیچھے چپکے سے چھت پر آگیا۔

"کیا ڈھونڈا جارہا ہے۔" وہ یکدم پلٹی اور اسے دیکھ کر مسکرادی۔

"شکر ہے میڈم جی آپ پہلے والے روپ میں نظر آئیں۔" وہ ہاتھ اٹھا کر دعا کے انداز میں شوخی سے بولا۔

"ہاں تبریز میں غلط تھی۔ میں سمجھ ہی نہ پائی اپنے غم میں کہ ایسی موت تو مقدر والوں کو ملتی ہے اور شہید کا درجہ بہت بلند ہوتا ہے اور شہادت کی آرزو تو ہمارے آقا صلی اللہ علیہ وسلم نے خود کی۔ شہید کی تو دو جہانوں میں عزت ہوتی ہے۔" وہ شرمندگی سے گویا ہوئی۔

"ہاں نجف تم ٹھیک کہہ رہی ہو اور اللہ کا شکر ہے کہ تم سنبھل چکی ہو۔" وہ ہولے سے بولا۔

طٰہٰ اس کا کزن اور دوست تھا۔ گھر میں قدم قدم پر اس کی یادیں بکھری پڑی تھیں۔ فل یونی فارم میں اس کی تصویریں دیکھ کر کبھی کبھی تبریز کو لگتا کہ وہ ابھی کسی کونے سے نکلے گا اور اس سے لپٹ جائے گا۔ کشف نے جس طرح اپنے آپ کو سنبھالا ہوا تھا وہ اسے کبھی کبھی حیرت سے بھی دوچار کرتا تھا لیکن وہ جانتا تھا کہ دن کے اجالے میں سب کا خیال رکھنے والی رات کی تنہائی میں اپنے تکیے کو بھگوتی ہے۔

تبریز نے اس کا ہاتھ تھاما اور آہستگی سے نیچے اترنے لگا۔ اسے یقین تھا کہ آنے والے وقت میں کاتب تقدیر نے بہت ساری خوشیاں ان کے مقدر میں رقم کی ہوں گی۔ آسمان بھی مسکرادیا اور ہلکی ہلکی پھوار گرنے لگی۔ وہ زندگی کی خوب صورت شاہراہ پر قدم رکھ چکے تھے۔

روحانی مسائل کا حل

حافظ شبیر احمد

مسعود احمد خان...... سرگودھا

سوال:۔ السلام علیکم! محترم حافظ شبیر صاحب! میرا مسئلہ یہ ہے کہ چار سال سے کاروبار بالکل بند ہے گھر کی ہر چیز تقریباً بک چکی ہے اور قرض میں مبتلا ہوگئے ہیں۔ میرے والد اس وجہ سے بہت زیادہ پریشان ہیں۔ اکیلے کمانے والے ہیں۔ مہربانی فرما کر کوئی ایسا عمل بتادیں کہ کاروبار چل پڑے اور کاروبار نہ چلنے کی وجہ بھی بتا دیجیے گا اور ہمارے پاس گھر بھی نہیں ہے۔ جو ہے اس پر چچاؤں نے قبضہ کیا ہوا ہے۔

جواب:۔ بہتر ہے علاج کروائیں۔ والد سورۃ الفلق، سورۃ الناس، کثرت سے پڑھا کریں۔

TN...... پھلبروان

سوال:۔ السلام علیکم! محترم میں نے ایک دفعہ پہلے بھی آپ کو خط لکھ کر شادی کا وظیفہ پوچھا تھا۔ وظیفہ تو ہم کررہے ہیں لیکن ابھی تک چاروں بہنوں میں سے کسی کی بات طے نہیں ہوئی۔ ہمارے لیے خصوصی دعا فرمائیں۔

جواب:۔ وظائف جاری رکھیں۔

ع نذیر...... بھرتا نوالی

سوال:۔ السلام علیکم! امید ہے آپ خیریت سے ہوں گے۔ حافظ صاحب میں اپنی پھوپی کے بیٹے سے شادی کرنا چاہتی ہوں اس لیے آپ کے پاس بڑی امید لے کر آئی ہوں کہ کچھ مدد کریں کیونکہ اللہ کے بعد آپ سے مجھے امید ہے۔ ہمارے گھر میں چھوٹی چھوٹی بات پر کافی لڑائی شروع ہوجاتی ہے مہربانی فرما کر اس مسئلہ کا بھی کوئی حل بتادیں شکریہ۔ اس کے علاوہ کوئی بھی دعا بتادیں جو میرے اور میرے گھر والوں کے لیے فائدہ مند ہو۔

جواب:۔ جب گھر میں چینی آئے 3 مرتبہ سورۃ مزمل پڑھ کر دم کردیں چینی گھر کے تمام افراد کے استعمال میں آئے۔

استغفار اور درود شریف کی ایک ایک تسبیح کیا کریں روزانہ۔

عابدہ پروین...... جھنگ

سوال:۔ السلام علیکم! 13 سال پہلے میں بہت بلندی سے گرگئی تھی۔ جب سے معاشی حالات بہت خراب ہوگئے۔ کرایہ کے مکان میں رہ رہے ہیں۔ جو مکان زمین وغیرہ تھی سب کچھ بک چکا ہے۔ میرے لیے صحت کی دعا فرمادیں۔ بچیوں کو ہیپاٹائٹس ہے ان کے لیے کوئی روحانی علاج عطا فرمائیں اور کوئی وظیفہ بتادیں۔

جواب:۔ معاشی حالات کے لیے سورۃ قریش پڑھا کریں عشاء کی نماز کے بعد 111 مرتبہ اول و آخر 11،11 مرتبہ درود شریف۔

بیماری کے لیے سورۃ فاتحہ 21 مرتبہ بعد نماز فجر، مریض خود پڑھے۔ پانی پر دم کرکے پیے۔

IS...... سرگودھا

سوال:۔ السلام علیکم کے بعد عرض ہے کہ میری منگنی ہوئے دو ڈھائی سال ہوچکے ہیں میری منگنی میں لڑکے کی پسند بھی شامل تھی دو سال تک وہ بالکل ٹھیک رہا بات وغیرہ بھی ہوجاتی تھی لیکن اب وہ لڑکا بالکل ہی بدل گیا ہے۔ نہ فون کرتا ہے نہ گھر والوں کا کہنا مانتا ہے اور کبھی کہتا ہے کہ میں منگنی توڑ دوں گا۔ جس کی وجہ سے میں اور میرے گھر والے بہت پریشان ہیں۔ آپ کوئی ایسا وظیفہ بتائیں جس سے میرا مسئلہ حل ہوجائے۔

جواب:۔ فجر اور مغرب کی نماز کے بعد سورۃ "والضحیٰ" 21 مرتبہ اول و آخر 11،11 مرتبہ درود شریف پڑھتے وقت مسئلہ ذہن میں ہو دعا بھی کریں۔

سکینہ بی بی...... سرگودھا

سوال:۔ السلام علیکم! آج سے پانچ سال پہلے میرے والدین نے عجلت میں میرا نکاح کیا جو ایک دن کے بعد ختم ہوگیا۔ اس کے بعد بہت پریشانی ہے۔ پڑھی لکھی اور خوب صورت ہونے کے باوجود لوگ بہت کم تر رشتہ بتاتے ہیں اور وہ بھی فوری نکاح کا کہتے ہیں لیکن ہم لوگ جلدی نکاح سے ڈرتے ہیں کیونکہ ایک بار ٹھوکر لگ چکی ہے۔ خواب ہمیشہ ایسے آتے ہیں کہ میری جوتی گم ہوجاتی ہے اور پاؤں ننگے ہوتے ہیں۔ مہربانی فرما کر میرے والدین کی پریشانی دور فرمائیں اور کوئی وظیفہ پڑھنے کو بتادیں یہ بھی ضرور بتادیں کہ کتنے دن پڑھنا ہے۔ میری بہن کا بھی رشتہ کا مسئلہ ہے اس کو بھی حل بتادیں۔

جواب:۔ بعد نماز عشاء سورۃ یٰسین 3 مرتبہ پڑھ کر دم کیا کریں روزانہ۔

رشتہ کے لیے بعد نماز فجر سورۃ فرقان کی آیت نمبر 74، 70 مرتبہ اول و آخر 11،11 مرتبہ درود شریف۔

جلد اور اچھے رشتے کے لیے دعا کریں۔

ش...... ٹوبہ ٹیک سنگھ

سوال:۔ السلام علیکم! میرے بھائی کا نام وسیم ہے ہم اس کو روزگار کے لیے بیرون ملک بھیجنا چاہتے ہیں۔ اس کے ویزے کے لیے دو تین سال سے کوشش کررہے ہیں لیکن ابھی تک کوئی امید نہیں ہے۔ دوسرا مسئلہ میرے بھائی خرم کا ہے وہ گالیاں بہت بکتا ہے اور اس کا دماغ بھی تھوڑا سا ٹھیک نہیں ہے۔ اس کے لیے دعا ضرور بتائیے کہ وہ ٹھیک ہوجائے۔ ہمارے گھر کے حالات بھی ٹھیک نہیں رہتے۔ زمینوں پر فصل نہیں ہوتی۔ ہمارے گھر کے حالات بھی ٹھیک

طرف نہیں نقصان کی طرف جاتے ہیں۔ کیا ہمارے گھر پر کسی نے کچھ کیا ہوا ہے پلیز ضرور بتایئے گا۔

جواب:۔ سورۃ یاسین پڑھا کریں۔ روزانہ بعد نماز فجر۔

جویریہ امین...... ٹیکسلا

سوال:۔ السلام علیکم! میری بیٹی کی عمر 26 سال ہے اس نے سوفٹ ویئر انجینئرنگ 2009ء میں مکمل کی چار سال ہوگئے ہیں گھر میں بیٹھی ہے کوئی جاب نہیں ملتی۔ نہ ہی کوئی رشتہ آتا ہے۔ بیٹی آگے ایم ایس کرنا چاہتی ہے وہ بھی نہیں ہو رہا ہے کوئی نہ کوئی رکاوٹ بن جاتی ہے۔ آپ مہربانی کر کے بتائیں جادو یا بندش تو نہیں ہے۔ کوئی ایسا وظیفہ بتائیں جس سے بیٹی کا رشتہ اچھی جگہ جلد از جلد طے ہو جائے۔ جاب بھی لگ جائے اور ایم ایس بھی ہو جائے۔

جواب:۔ بعد نماز فجر سورۃ فرقان آیت نمبر 74' 70 مرتبہ اول و آخر 11,11 مرتبہ درود شریف۔ جلد اور اچھے رشتے کے لیے دعا کریں۔ (والدہ بھی کر سکتی ہیں)۔

بعد نماز عشاء سورۃ عبس ایک مرتبہ پڑھ کر دم کریں۔ بچی خود پڑھے۔

ریحانہ کوثر...... پھالیہ

سوال:۔ السلام علیکم! آج سے 23 سال پہلے ہمارا پھپھو لوگوں سے لڑائی جھگڑا ہو گیا تھا جس کی بنا پر انہوں نے ہم پر تعویذ اور جادو وغیرہ کر دیا ہے۔ دن بدن حالات خراب ہوتے گئے۔ بڑے بھائی کا پھپھو کی بیٹی سے نکاح ہوا تھا رخصتی نہیں ہوئی تھی تو انہوں نے طلاق لے لی۔ امی ابو کی آپس میں بول چال نہیں ہے، بہت ٹینشن ہے۔ دوسرا مسئلہ یہ ہے کہ ہم دو بہنوں کا رشتہ نہیں ہو رہا۔ کوئی وظیفہ بتائیں کہ ہم دونوں بہنوں کے رشتے ہو جائیں۔

جواب:۔ (ا) بعد نماز عشاء سورہ عبس 3 مرتبہ پڑھا کریں۔ اپنے اوپر دم کریں۔ گھر کے تمام افراد پڑھیں یا کوئی ایک پڑھ کر پانی پر دم کر دے وہ پانی گھر کے تمام افراد کو پلائیں روزانہ۔

(۲) بعد نماز فجر سورۃ فرقان آیت نمبر 74' 70 مرتبہ اول و آخر 11,11 مرتبہ درود شریف۔ جلد اور اچھے رشتے کے لیے دعا کریں۔ صدقہ بھی دیں۔

ابراهیم احمد...... مظفر آباد

سوال:۔ السلام علیکم! پہلا مسئلہ میرے بیٹے ابراہیم احمد کا ہے وہ بہت کمزور ہے۔ وہ کھاتا پیتا کچھ نہیں ہے۔ دوسرا مسئلہ میری بیٹی لائبہ امتیاز کا ہے۔ اس کو اسکول کا سبق یاد نہیں ہوتا۔ تیسرا مسئلہ میرے ابو کا ہے ان پر قرض بہت ہے۔ جو بھی پیسہ ہاتھ میں آتا ہے وہ قرض میں چلا جاتا ہے۔ برائے مہربانی ان تمام مسائل کے حل کے لیے کوئی وظیفہ بتائیں۔

جواب:۔ (ا)' (۲) سورۃ فاتحہ 21 مرتبہ بعد نماز فجر پانی پر دم کر کے اپنے بچوں کو پلائیں نہار منہ۔

(۳) سورۃ یسین فجر کی نماز کے بعد ایک مرتبہ پڑھا کریں۔

فرزانہ کوثر...... منڈی بہاؤالدین

سوال:۔ السلام علیکم! مسئلہ یہ ہے کہ میرا بڑا بھائی جس کی شادی چاچو کی بیٹی سے ہوئی ہے وہ لاہور میں جاب کر رہی ہیں۔ بھائی بھی لاہور میں جاب کر رہا ہے۔ ہم چاہتے ہیں کہ وہ لوگ اپنا ٹرانسفر آبائی شہر میں کروالیں۔ دوسرا مسئلہ ہم بہنوں کے رشتے کا ہے۔

جواب:۔ والدہ فجر اور عشاء کی نماز کے بعد 21 مرتبہ سورۃ اخلاص پڑھیں۔ اول و آخر 3,3 مرتبہ درود شریف۔

بھائی کے مسئلے، ملازمت کے لیے سورۃ قریش بعد نماز عشاء 111 مرتبہ اول و آخر 11,11 مرتبہ درود پڑھیں۔

نوٹ

جن مسائل کے جوابات دیئے گئے ہیں وہ صرف انہی لوگوں کے لیے ہیں جنہوں نے سوالات کیے ہیں۔ عام انسان بغیر اجازت ان پر عمل نہ کریں۔ عمل کرنے کی صورت میں ادارہ کسی صورت ذمہ دار نہیں ہوگا۔

اس ماہ جن لوگوں کے جواب شائع نہیں ہوئے وہ اگلے ماہ شائع ہوں گے۔

ای میل صرف بیرون ملک مقیم افراد کے لیے ہے۔

rohanimasail@gmail.com

روحانی مسائل کا حل کوپن برائے شمارہ اکتوبر ۲۰۱۳ء

نام............ والدہ کا نام............ گھر کا مکمل پتا............

....

گھر کے کون سے حصے میں رہائش پزیر ہیں............

بیاضِ دل

میمونہ تاج

سلمٰی ملک...... قادر پور راں

قلم سے لکھ نہیں سکتے اداس دل کے افسانے
ہمارے ساتھ جو ہوتا ہے بس "اچھا نہیں ہوتا"

فریدہ فری یوسف زئی...... لاہور

روئی کہاں ہوں میں ابھی دل کھول کر فری
دو آنسوؤں سے ہی میرے طوفاں آ گیا

عاصمہ بٹ...... گوجرانوالہ

ہم نے مانا کہ تغافل نہ کرو گے لیکن
خاک ہو جائیں گے ہم تم کو خبر ہونے تک

کنیز فاطمہ...... کراچی

ابھی تو خشک بہت ہے موسم بارش ہو تو سوچیں گے
ہم نے اپنے ارمانوں کو کس مٹی میں بونا ہے

بدر سعید...... لاہور

کرتے نہیں کچھ تو کام کرنا کیا آئے
جیتے جی جان سے گزرنا کیا آئے
رو رو کے موت مانگنے والوں کو
جینا نہیں آ سکا تو مرنا کیا آئے

سمیرا غزل صدیقی...... کراچی

جب ساز کی لے بدل گئی تھی
وہ رقص کی کون سی گھڑی تھی
اب یاد نہیں کہ زندگی میں
میں آخری بار کب ہنسی تھی

بسمہ شانزے...... ملتان

تنہائیاں کچھ اس طرح ڈسنے لگیں مجھے
میں آج اپنے پاؤں کی آہٹ سے ڈر گیا

رافیہ بلوچ...... گھوٹکی

میں نے چاہا کہ تجھے عید پر کچھ پیش کروں
جس میں تابندہ ستاروں کی چمک شامل ہو
جس میں گزرے ہوئے لمحات کی تصویریں ہوں
جس میں انجان جزیروں کی مہک شامل ہو

نوشین اقبال نوشی...... گاؤں بدر مرجان

یہ جو دو آنکھ مند گئیں میری
اس پر وا ہوتیں ایک بار اے کاش
کس نے اپنی مصیبتیں نہ گنیں
رکھتے میرے بھی غم شمار اے کاش

یاسمین کنول...... پسرور

ہر دل کی دھڑکنوں میں شامل ہے نام تیرا
دیتا ہے جو ہدایت وہ ہے کلام تیرا
تیری ہی روشنی سے روشن ہے بزم ہستی
ذہنوں کو جگمگائے ایسا ہے نام تیرا

ظلل ہما...... فیصل آباد

سبھی لوگ تو کبھی بھی اچھے نہیں رہتے
جن سے سچ سیکھا ہو وہ بھی سچے نہیں رہتے
کیوں ایسا ہے کہ اعتبار کی ٹوٹی دہلیزوں پر
جو بہت ہی اپنے ہوں وہ اپنے نہیں رہتے

سیدہ کنزیٰ زین...... منڈی بہاؤالدین

بس اتنی سی بات پہ چھنی گئی ہے رہبری ہم سے
کہ ہم سے کارواں منزل پر لٹوائے نہیں جاتے

علمہ شمشاد حسین...... کورنگی' کراچی

جو اعلیٰ ظرف ہوتے ہیں ہمیشہ جھک کر ملتے ہیں
صراحی سرنگوں ہو کر بھرا کرتی ہے پیمانہ

چندا شیخ...... ملتان

اب کوئی آرزو نہیں باقی
جستجو میری آخری تم تھے

زین الدین صدیقی...... کراچی

صاحب عقل ہیں آپ' میرا اک مسئلہ حل تو کیجیے
رخ یار نہیں دیکھا' کیا میری عید ہوئی؟

ماریہ وسیم...... اللہ والا ٹاؤن' کراچی

لو شام ہوتے ہی حسرت امید کے دیے بھی بجھ گئے
ویرانیوں سے وابستہ میری اک اور عید گزر گئی

مدیحہ نورین...... برنالی

دل دھڑکنے کا سبب یاد آیا
وہ تیری یاد تھی اب یاد آیا

مصباح نذیر...... گجرات

بخشا ہے ٹھوکروں نے سنبھلنے کا حوصلہ
ہر حادثہ خیال کو گہرائی دے گیا

فیاض اسحاق مہانہ......سلانوالی

اس کو دیکھا تو آنکھ سے آنسو ٹپک پڑے
دریا اگرچہ خشک تھا مگر پانی تہوں میں تھا
ناصر نہ طے ہوئے ہم سے غمِ جاناں کے مرحلے
اس بے وفا کا گھر بھی میری راہوں میں تھا

حافظہ سدرہ احمد......سمندری

اس طرح گزریں گے کیسے زندگی کے روز و شب
تم سے ملنا کچھ نہ کہنا اور شب بھر سوچنا

فرزانہ سرور فرح......میاں چنوں

تیری روشنی ایسے پھیلی ہے
جیسے آسمان پر چاند ستاروں کی
تیری یادوں سے آتی ہے بھینی سی خوشبو
جیسے رُت آئی ہو پھولوں کی بہاروں کی

فصیحہ آصف خان......ملتان

مچل رہے ہیں آنسو آنکھ سے اترنے کے لیے
ملتے ہیں کیوں لوگ بچھڑنے کے لیے
کاٹ سکی نہ تیری یادوں کے جال کو
وجود میرا بے چین ہے بکھرنے کے لیے

سیدہ جیا عباس کاظمی......تلہ گنگ

عید کے دن تیری راحت کی دعا مانگوں گی
میں ہر اک سانس میں نصرت کی دعا مانگوں گی
غم سے جلتی ہوئی راتیں تیری قسمت نہ بنیں
میں تو جیا جی تیری فرقت کی دعا مانگوں گی

سوفی خان......آزاد کشمیر

سبھی نغمے ساز میں گائے نہیں جاتے
سبھی لوگ دل سے بھلائے نہیں جاتے
کچھ پاس رہ کر بھی یاد نہیں آتے
کچھ دور رہ کر بھی بھلائے نہیں جاتے

شبانہ امین راجپوت......کوٹ رادھا کشن

تم نے تو جاتے جاتے ملاقات تک نہ کی
اب تک یہی ملال ہے تم کیوں چلے گئے؟
واثق میں کس طرح سے اٹھاؤں دکھوں کے بوجھ
سارا بدن نڈھال ہے تم کیوں چلے گئے؟

ثمن عبدالرحمن......کراچی

یہ عید تیرے شہر میں بھی آئی ہوگی
تُو نے بھی بڑے جوش و خروش سے منائی ہوگی
میں تو عید اس دن مناؤں گا جاناں
جس دن ختم تیری میری یہ جدائی ہوگی

ثانیہ عبدالغفور......للیانی، سرگودھا

اے زندگی تُو بھی کیا ہی عجب شے ہے
کبھی ہنسا دیتی ہے، کبھی رُلا دیتی ہے

عظمیٰ ایوب......تلہ گنگ

کس رات کی آنکھوں میں پیمانِ سحر ہوگا
یہ خواب جو کونپل ہے کس رُت میں شجر ہوگا
سہمے ہوئے پنچھی کی آواز بتاتی ہے
اس کا بھی یہاں کوئی جلتا ہوا گھر ہوگا

زائمہ خان خٹک......میانوالی

بارشوں کے اداس موسم میں
خود کو دیکھوں تو یاد آئے کوئی
کاش ایک بار یوں بھی ہوجائے
میں پکاروں تو لوٹ آئے کوئی

اقراء وسیم......کراچی

تُو مجھے چھوڑ آیا تو یہ یقین آیا
کوئی بھی ضروری نہیں فقط سانسوں کے سوا

فائزہ ناز......کراچی

سچ ہی کہا تھا کسی نے تنہا جینا سیکھ لو شاکی
محبت جتنی بھی سچی ہو رہنا تنہا ہی پڑتا ہے

نعمان پردیسی......جہلم

آنکھ نم کر گیا بچھڑے ہوئے لوگوں کا خیال
وہ دیکھو درد دل دے کر چلی گئی ہے عید

جویریہ ضیاء......بلیر کراچی

کون کسی کو دل میں جگہ دیتا ہے
درخت بھی سوکھے ہوئے پتے گرا دیتا ہے
واقف ہیں ہم دنیا کے رواجوں سے
دل بھر جائے تو ہر کوئی بھلا دیتا ہے

ڈش مقابلہ

طلعت آغاز

تندوری اسکریمبل ایگ

ضروری اشیاء:

انڈے	چار عدد
کریم	دو چائے کے چمچ
مکھن	ایک کھانے کا چمچہ
ثابت دھنیا (بھون لیں)	آدھا چائے کا چمچہ
تندوری مسالہ	ایک چائے کا چمچہ
لال مرچ پاؤڈر/نمک	حسب ضرورت

ترکیب:

انڈوں کو پھینٹ لیں اور اس میں کریم مکس کریں، ثابت دھنیا، تندوری مسالہ، نمک، لال مرچ پاؤڈر مکس کریں۔ ایک فرائنگ پین میں مکھن گرم کریں، انڈے ڈال کر ہلاتے رہیں، جب پک جائے تو گرم یا ٹھنڈا سرو کریں۔

پروین افضل شاہین......بہاولنگر

سویوں کا زردہ

اجزاء:

سویاں (باریک)	آدھا پاؤ
گھی	تین چھٹانک یا حسب ضرورت
سبز الائچی	آٹھ یا دس
زعفران	چوتھائی تولہ
کیوڑہ	چار بڑے چمچ
بادام	آدھی چھٹانک
پستہ	چوتھائی چھٹانک
کشمش	چند دانے

ترکیب:

چینی میں ایک پاؤ پانی ڈال کر قوام تیار کرلیں اور گھی میں الائچی ڈال کر کڑکڑائیں اور کشمش کے دانے ڈال دیں پھر سویاں ڈال دیں جب سویاں سرخ ہوجائیں تو اس پر چینی کا تیار شدہ قوام ڈالیں اور آنچ بالکل ہلکی کردیں، جب سویاں گل جائیں تو کیوڑہ میں زعفران ڈال کر پیس لیں اور ساتھ سبز الائچی پیس کر ملائیں یہ سب کچھ سویوں پر ڈال کر دم پر لگادیں اور بادام کی گری اور پستہ کو باریک کاٹ لیں جب سویاں پک جائیں تو اتار لیں اور ڈش میں نکال کر اوپر سے بادام پستہ ڈال کر پیش کریں۔

صبا نواز بھٹی......سانگھڑ
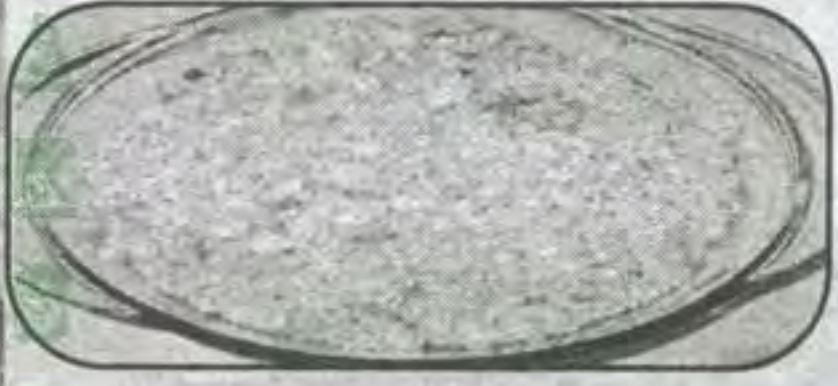
کباب بریانی

اجزاء:

گائے کا قیمہ	1/2 کلو
ڈبل روٹی کا چورہ	دو کھانے کے چمچ
ہری مرچیں	15 عدد
پسا ہوا لہسن	ایک چائے کا چمچہ
پسی ہوئی لال مرچ	1/2 کھانے کا چمچہ
پسا ہوا گرم مسالہ	1/2 چائے کا چمچہ
نمک	حسب ضرورت
چاول	1/2 کلو
ٹماٹر	3 عدد
پیاز (باریک کاٹ لیں)	3 عدد
ہرا دھنیا (چوپ کرلیں)	1/2 گڈی
پودینہ (چوپ کرلیں)	1/2 گڈی
آلو بخارے	1/2 پیالی
دار چینی	13 عدد
بڑی الائچیاں	3 عدد
لونگیں	4 عدد

گھی	1/2 پیالی
تیل	تلنے کے لیے

ترکیب:۔
چاول کو ایک گھنٹے بھگونے کے بعد ایک کنی تک ابال لیں، پیاز کو لال تل کر کاغذ پر نکال لیں، چوپر میں قیمہ، لہسن، 5 ہری مرچیں، 1/2 کھانے کا چمچہ لال مرچ، ہلدی 1/2 چائے کا چمچہ، گرم مسالہ، ڈبل روٹی کا چورہ، نمک ڈال کر باریک پیس لیں۔ قیمے کے آمیزے کے لمبوترے کباب بنا کر انہیں چند منٹ کے لیے اسٹیمر میں رکھیں اور پھر انہیں تیل میں تل لیں۔ فرائنگ پین میں تھوڑا سا گھی گرم کر کے دار چینی، لونگیں اور بڑی الائچیاں، ہری مرچیں ڈال کر اچھی طرح بھون لیں۔ قورمے کے تین حصے کر لیں، ایک دیگچی میں قورمے کے ایک حصہ کی تہہ لگا کر اس پر چاولوں کی تہہ لگا دیں۔ چاولوں کے اوپر قورمے کا دوسرا حصہ تھوڑا سا پودینہ، تلی ہوئی پیاز اور باقی ہری مرچیں چوپ کر کے ڈال دیں۔ اوپر سے باقی چاول ڈال کر ان کے اوپر کباب رکھیں، اب باقی پودینہ، دھنیا، باقی تلی ہوئی پیاز اور بچا ہوا قورمہ ڈال دیں، گھی گرم کر کے اس میں کالا زیرہ ڈال کر ہلکا سا کڑکڑائیں اور چاولوں پر بگھار لگا کر دم پر رکھ دیں۔

عظمیٰ کنڈی..... گل امام

مینگو ربڑی

اجزاء:۔

دودھ	سوا کلو
شکر، چینی	دوسو گرام
آم	ایک عدد

ترکیب:۔
آم کو دھو کر چھیل لیں، چھوٹے ٹکڑوں میں کاٹ لیں، بھاری پیندے والے پین میں دودھ پکنے کے لیے رکھ دیں، جب دودھ مقدار میں نصف رہ جائے تو شکر ملا دیں اور مزید دس سے پندرہ منٹ ہلکی آنچ پر پکائیں پھر آم ملا کر چولہا بند کر دیں اور ربڑی کو ٹھنڈا ہونے دیں، ٹھنڈا ہونے پر بادام پستے سے گارنش کر کے پیش کریں۔ مزے لے لے کر مینگو ربڑی کھائیں۔

دیبہ عارف..... شاہ کوٹ

ساؤتھ افریقن پلاؤ

ضروری اشیاء:۔

باسمتی چاول	1 کلو (7-5 منٹ تک پانی میں بھگو دیں)
چکن (بون لیس)	آدھا کلو (چھوٹے چھوٹے ٹکڑے کر لیں)
پیاز	2 عدد (لمبائی میں کاٹ لیں)
ہری مرچ	8 عدد (درمیان سے کاٹ کر دو کر لیں)
ثابت دھنیا	1 کھانے کا چمچ
بڑی الائچی	5 دانے
لونگ	آدھا چائے کا چمچ
ثابت کالی مرچ	آدھا چائے کا چمچ
ثابت جاوتری	ایک چائے کا چمچ
ثابت لال مرچ	12 عدد
پسی ہوئی لال مرچ	1 کھانے کا چمچ
ثابت زیرہ	1 کھانے کا چمچ
نمک	حسب ضرورت
ہرا دھنیہ	2 کھانے کے چمچ (باریک کاٹ لیں)
ٹماٹر	2 عدد (باریک کاٹ لیں)
آلو بخارے	100 گرام
کوکنگ آئل	آدھا کپ

ترکیب:۔
دیگچی میں کوکنگ آئل ڈال کر پیاز فرائی کر لیں، ہلکا بادامی ہونے پر اوپر دی گئی اشیاء میں پیاز ودری نمک تک تمام اشیاء ڈال کر اچھی طرح مکس کر لیں، کچھ ہی دیر میں چکن اور ثابت پسی ہوئی لال مرچ کو دیگچی میں ڈال کر اچھی طرح بھون لیں جب چکن کا رنگ گولڈن ہو جائے تو اس میں ثابت زیرہ اور نمک ڈال کر 2 گلاس پانی بھی ڈال دیں جیسے ہی پانی میں ابال آئے اس میں کٹا ہوا ہرا دھنیہ ڈال دیں، اب اس میں چاول مکس کر دیں، چاول اس طرح مکس کریں کہ ٹوٹنے نہ پائیں۔ پانی خشک ہونے تک ہلکی آنچ پر پکنے دیں، پانی کے خشک ہوتے ہی اس میں ٹماٹر اور آلو بخارے شامل کر کے مکس کر دیں۔ پلاؤ دم پر رکھ کر کچھ دیر کے لیے ہلکی آنچ پر چھوڑ دیں، لیجیے مزیدار ساؤتھ افریقی پلاؤ تیار ہے۔ خود بھی کھائیں اور سب کو کھلائیں اور مجھے ڈھیر ساری دعائیں دیں۔

ثوبیہ کوثر..... ملتان

بیسن کا حلوہ

اشیاء:۔

بیسن	ایک پاؤ
گھی	ایک پاؤ
دودھ	تین پاؤ
چینی	ڈیڑھ پاؤ
پستہ	2 تولہ
بادام کی گری	آدھی چھٹانک
ناریل (پسا ہوا)	دو چمچے
سبز الائچی	چند دانے
کشمش	دو چمچے
کیوڑہ	ایک بڑا چمچہ

ترکیب:۔
دودھ میں چینی ڈال کر گاڑھا شیرہ بنائیں ایک کھلے منہ کے دیگچے میں گھی کو خوب گرم کریں اور اس میں سبز الائچی کے دانے اور ناریل بھون لیں، اس کے بعد بیسن بھی بھون لیں اور چینی کا گاڑھا شیرہ شامل کر لیں، آنچ ہلکی رکھیں اور چمچہ ہلاتے رہیں۔ شیرہ اور دودھ خشک ہو جائے اور بھنے ہوئے بیسن میں جذب ہونے لگے اور بیسن گھی چھوڑنے لگے تو کشمش، بادام اور پستہ ڈال کر تھوڑی دیر اور بھونیں۔ کیوڑہ ڈال کر نکال لیں اور نیچے اتار لیں، باؤل میں حلوہ انڈیل لیں اور حسب پسند چاندی کے ورق لگائیں، بادام اور پستے کی ہوائیاں چھڑکیں اور مزے سے کھائیں، نہیں نہیں ابھی نہیں ابھی رک جائیں پہلے میری بھی کچھ سن لیں۔ خالی اپنے کھانے کی ہی پڑی رہتی ہے جی تو عرض کچھ یوں کرتے ہیں کہ کافی عرصے کے بعد ڈش مقابلہ میں ہم یہ ترکیب لے کر اس لیے حاضر ہوئے ہیں کہ یہ وہ واحد ترکیب ہے جو میں نے بذاتِ خود دو سے تین بار بنائی ہے ورنہ ابھی تک تو جو بھی لکھی تھیں وہ سب نقل کا نتیجہ تھیں یہ میں نے خود بھی بنایا ہے اور میں نے خود کسی کے ہاتھ کا بنا کھایا تھا پھر مجھے یہ اتنا پسند آیا کہ میں نے خود بھی اسے ٹرائی کیا اور کافی اچھا بن بھی گیا۔ اب جائیں اور مزے سے حلوہ بنائیں اور مجھے اپنی دعاؤں میں ہمیشہ یاد رکھیے گا۔

امبر گل..... جھڈو سندھ

چکن چائنیز کباب

اجزاء:۔

مرغی کا قیمہ	ایک کلو (باریک)
ڈبل روٹی کے سلائس	چار عدد

سویا سوس	چار عدد کھانے کے چمچے
سرکہ	ایک کھانے کا چمچہ
کالی مرچ (پسی ہوئی)	ایک چائے کا چمچہ
ہرا دھنیا (باریک کٹا ہوا)	آدھا کپ
ہری مرچ	چار عدد (باریک کٹی ہوئی)
کارن فلور	ایک کھانے کا چمچہ
انڈا	ایک عدد
ہری پیاز	دو عدد (باریک کٹی ہوئی)
اجینو موتو	آدھا چائے کا چمچہ
نمک	حسب ضرورت
کوکنگ آئل	تلنے کے لیے

ترکیب:۔

سب سے پہلے قیمہ میں سلائس کو سرکہ اور سویا سوس میں چور کر کے ملا دیں اور قیمہ کو آٹے کی طرح گوندھیں' اس کے بعد باقی مسالا ملا کر تھوڑی دیر یعنی تیس منٹ کے لیے رکھ دیں پھر کباب بنا کر فرائی کرلیں اور ٹماٹر کیچپ کے ساتھ کھائیں۔

نوٹ:۔ ان کباب کو ڈیپ فرائی نہیں کرنا ہے۔

استفڈ گولڈن چکن

اجزاء:۔

مرغی	ایک عدد (صاف کرلیں اور ثابت رہنے دیں)
زیتون کا تیل	دو کھانے کے چمچے
پینٹ بٹر	دو کھانے کے چمچے
پیاز (باریک چوپ کرلیں)	دو عدد
خشک پودینہ	ایک چائے کا چمچہ
تلسی کے پتے (خشک)	ایک چائے کا چمچہ
سویا سوس	ایک کھانے کا چمچہ
سیاہ مرچ پاؤڈر	حسب ذائقہ
روز میری	دو گٹھی
چاول (نمک ملے پانی میں ابال کر پانی نتھار لیں)	ایک کپ
ہری پارسلے (چوپ کیا ہوا)	ایک کھانے کا چمچہ
مکھن	چار کھانے کے چمچے
دار چینی پاؤڈر	ایک چٹکی
سفید مرچ پاؤڈر	ایک چٹکی

ترکیب:۔

مرغی کو اچھی طرح دھو کر خشک کرلیں اور اس پر سرکہ لگا کر تیس منٹ کے لیے رکھ دیں' اس کے بعد کچن پیپر پر رکھ کر دوبارہ خشک کرلیں۔ سوس پین میں زیتون کا تیل گرم کرکے اس میں پینٹ بٹر ڈال کر چمچہ چلائیں' پیاز' خشک پودینہ' تلسی کے پتے اور ریگانو پاؤڈر' سویا سوس' سیاہ مرچ پاؤڈر' لہسن کے جوئے اور نمک ڈال کر پانچ منٹ تک فرائی کریں۔ اس کے بعد اس میں چاول' ہری مرچ' پارسلے اور اخروٹ ڈال کر چمچہ چلائیں اور تین منٹ تک فرائی کریں اس کے بعد سوس پین کو چولہے سے اتار لیں۔ ایک پیالے میں مکھن ڈال کر اس میں دار چینی پاؤڈر' اجوائن پاؤڈر' سفید مرچ پاؤڈر اور نمک ڈال کر مکس کرلیں اور مکھن کے مکسچر کو مرغی پر خوب اچھی طرح لگائیں (اندر بھی لگائیں) اس کے بعد تیار کی ہوئی اسٹفنگ مرغی کے اندر بھریں اور اسے کوکنگ اسٹرنگ سے بند

کردیں۔ ایک بیکنگ کیسرول ڈش میں تیل لگا کر اسے چکنا کرلیں۔ اسٹف کی ہوئی مرغی کو اس میں رکھیں اس میں یخنی اور روز میری ڈالیں اور کیسرول ڈش کو المونیم فوائل سے ڈھک کر پہلے سے گرم اوون میں 160c پر رکھ کر دو گھنٹے بیک کریں' اس کے بعد بیکنگ ڈش کو اوون سے نکال کر المونیم فوائل ہٹا دیں اور کیسرول ڈش کو دوبارہ اوون میں رکھ کر پندرہ سے بیس منٹ تک مرغی کو بیک کریں (سارا پانی خشک ہوجانا چاہیے) مرغی کی اوپری جلد گولڈن براؤن ہونے پر اسے اوون سے نکال لیں۔ مزے دار اسٹفڈ گولڈن چکن تیار ہے' فرائی کیے ہوئے آلو کے ساتھ گرم گرم سرو کریں۔

بیوٹی گائیڈ

روبینہ احمد

عاصمہ بٹ...... گوجرانوالہ

سوال: مجھے لمبے بال بہت پسند ہیں لیکن میرے بالوں کی افزائش رُک سی گئی ہے اور بال دو منہ ہوگئے ہیں۔ خوب صورت اور گھنے بالوں کے لیے کوئی حل بتایئے۔

جواب: اسماء آپ اپنے بالوں کی نوکیں ہر ماہ کٹوائیں اس سے بالوں کے دو منہ ختم ہوجائیں گے۔ بالوں کو خوب صورت اور گھنا بنانے کے لیے بال دھونے کے بعد ان میں کچے ناریل کا پانی لگائیں اور اس کے علاوہ 4 کھانے کے چمچے دہی اور 2 کھانے کے چمچے مہندی (چھان کر) اور ایک چائے کا چمچہ ناریل اور زیتون کا تیل ملا کر اچھی طرح سے بالوں میں لگائیں اور 20 منٹ بعد دھولیں۔ یہ عمل ہفتے میں 2 بار کریں اس سے ان شاء اللہ آپ کے بال اچھے ہوجائیں گے۔

فریحہ ...... سلانوالی

سوال: میرا پہلا مسئلہ بالوں کا ہے' میرے بال کافی گھنے ہیں مگر گرتے بہت ہیں۔ جس کی وجہ سے میں کافی پریشان رہتی ہوں' میں بتاتی چلوں کہ میں نے Dove شیمپو اور کنڈیشنر استعمال کیا ہے اس سے کچھ فرق تو پڑا ہے مگر نہ تو بال بڑھ رہے ہیں اور نہ ہی گرنے کا عمل کم ہورہا ہے' ہاں پہلے کے مقابلے میں روکھا پن کچھ حد تک کم ہوگیا ہے' پلیز کچھ بتائیں۔

جواب: آپ زیادہ سوچا نہیں کریں۔ زیادہ سوچنے اور پریشان ہونے سے بھی بال گرتے ہیں اور بڑھتے نہیں ہیں۔ آپ اپنی خوراک اچھی رکھیں اور ہفتے میں ایک دفعہ 4 چمچے دہی میں ایک انڈا اور ایک چمچہ زیتون کا تیل ملا کر لگائیں آپ کے بال ٹھیک ہوجائیں گے۔

سوال: میرا دوسرا مسئلہ چہرے کا ہے' میری اسکن آئلی ہے اور میری اسکن پر دانے بہت نکلتے ہیں' کبھی زیادہ ہوجاتے ہیں اور کبھی کم پھر خود ہی ختم ہوجاتے ہیں مگر نشان چھوڑ جاتے ہیں اور اگر میں اپر لپ کروں تو ہلکے ہلکے سے دانے بننا شروع ہوجاتے ہیں' خاص طور پر ہونٹ کے بالکل کناروں پر زیادہ نکلتے ہیں پلیز اس کا بھی کوئی آسان سا حل بتادیں تاکہ میں آسانی سے کرسکوں' شکریہ۔

جواب: آپ اپنے چہرے کے دانوں کو بالکل ہاتھ نہ لگائیں۔ یہ انسان کی فطری عادت ہے کہ بار بار اسی چیز کی طرف دھیان جاتا ہے جو خراب ہے۔ آپ اپنے چہرے پر ایلو ویرا جیل لگائیں اور 20 منٹ بعد چہرہ دھولیں بہت جلد آپ کے چہرے پر سے دانے ختم ہوجائیں گے اور چہرے کی رنگت بھی نکھر جائے گی۔

فاخرہ ایمان...... لاہور

سوال: میرے بال پہلے بہت گھنے ہوتے تھے اور جلدی بڑے بھی ہوجاتے تھے لیکن اب کافی پتلے ہوگئے ہیں اور بڑھنا ہونا بھی رُک گئے ہیں۔ روکھے اور بے جان ہیں' ذرا بھی شائننگ نہیں' پلیز کوئی ایسا نسخہ بتائیں جس سے بال خوب صورت اور بڑھنے لگیں۔

جواب: فاخرہ آپ کے بالوں کے لیے ایک ٹوٹکا بتا رہی ہوں آپ اس سے بہت بہتر فرق محسوس کریں گی۔ آپ اپنے بالوں میں کالے ماش ثابت ایک کپ' آملہ آدھا کپ' سکاکائی آدھا کپ' میتھی کے بیج 2 بڑے چمچے' لیموں کے چھلکے 4 عدد۔ ان تمام اجزاء کو پیس کر سفوف بنالیں۔ یہ سفوف گرم پانی میں آدھے گھنٹے کے لیے بھگو دیں اور پھر ٹھنڈا ہونے پر 10 منٹ کے لیے یہ پانی سر میں لگائیں اور پھر بال دھولیں اس ٹوٹکے کو کرنے سے آپ کے بال چمک دار اور گھنے ہوجائیں گے اور گرنا بھی رک جائیں گے۔

سوال: میرے چہرے پر بال بھی بہت زیادہ ہیں جس کی وجہ سے میرے چہرے کا رنگ مدھم پڑھ جاتا ہے جب کہ میرا رنگ بہت صاف ہے مثلاً گورا' کوئی آسان سا نسخہ بتائیں' شکریہ۔

جواب: چہرے کے بالوں کے لیے ایک کھیرے کا رس نکال کر چائے کا آدھا چمچ گلیسرین اور اتنا ہی گلاب کا عرق سب کو ملا کر اپنے چہرے پر رات کو سونے سے پہلے لگالیں اور صبح چہرہ دھولیں آپ کے چہرے کی رنگت بھی صاف ہونا شروع ہوجائے گی اور چہرے کے بال بھی آہستہ آہستہ کیچ جیسے سنہری ہونا شروع ہوجائیں گے۔

شیزا خان...... گجرات

سوال: میرے ناخن بڑے نہیں ہوتے' آپ اس کا حل بتائیں؟

جواب: آپ کے ناخن بڑھتے نہیں ہیں اور اس کی وجہ وٹامن سی کی کمی ہے۔ ایک گلاس پانی میں ایک لیموں نچوڑ کر پی لیا کریں اس کے علاوہ آپ ایک چائے کے چمچ میں ایک لیموں کا رس لے کر ناخنوں پر لگائیں ناخن مضبوط اور صاف ہونے کے ساتھ ساتھ بڑھنا شروع ہوجائیں گے۔

سوال: میری آنکھوں کے گرد سیاہ حلقے ہیں اور رنگت بھی سانولی ہوتی جارہی ہے' اس کی آخر وجہ کیا ہے؟

جواب: آنکھوں کے گرد حلقوں کے لیے آپ آلوں کے قتلے کاٹ کر 15 منٹ آنکھوں پر رکھ کر لیٹ جائیں اس کے علاوہ آپ پودینے کے چند پتے لیں اور ان کو پیس لیں اس کا پیسٹ حلقوں پر لگائیں بہت جلد آپ کے حلقے ختم ہوجائیں گے۔

سوال: میرے ہاتھوں کی انگلیوں کا رنگ سیاہ ہوتا جارہا ہے جب کہ میری رنگت سفید ہے پلیز اس کے لیے کوئی کریم تجویز کردیں؟

جواب: آپ اپنے ہاتھوں کی انگلیوں پر لیموں کا پانی لگایا کریں آپ کے ہاتھ صاف ہوجائیں گے۔

فریال رحمن...... کوٹ مومن

سوال: میرے چہرے پر براؤن تل ہیں جو کہ بہت باریک ہیں' بہت سی کریمز استعمال کیں مگر فائدہ نہیں ہوا' کوئی ایسی کریم بتائیں یا کوئی گھریلو ٹوٹکہ جس سے یہ ٹھیک ہوجائیں۔ دوسرا مسئلہ یہ ہے کہ میرا رنگ پہلے بہت صاف تھا جو کہ اب دن بہ دن ڈارک ہوتا جارہا ہے۔ اس کو کوئی حل بتادیں اور میرے بال بھی گرتے ہیں جڑوں سے جو کہ گرنا بند نہیں ہورہے' اس کا بھی کچھ بتائیں' بالوں کو مضبوط اور گھنے کرنے کے لیے کون سی غذا کھانی چاہیے اور میں چاہتی ہوں کہ میرے بال بلیک ہوجائیں۔

جواب: آپ اپنے چہرے پر اسٹل ملز فریکل کریم لگائیں اس کے علاوہ اپنے بالوں کو اچھا رکھنے کے لیے خوراک میں آپ فروٹ کھائیں اور وٹامن کو پورا کریں۔ فریش سلاد کھائیں کھانے میں سبزیاں کھائیں اور خوش رہیں۔ سب سے اچھا راز ہی یہی کہ آپ خوش رہیں تو آپ میں کسی چیز کی کمی نہیں ہوگی۔ ٹینشن سے انسان کے اندر ہر چیز کی کمی ہونا شروع ہوجاتی ہے۔

نوٹ

تمام قارئین بہنوں کی پرزور فرمائش پر اگلے ماہ سے بیوٹی گائیڈ میں آپ کی بیوٹی کے مسائل کے حل کے لیے سوالات کا سلسلہ شروع کیا جارہا ہے جس کے جوابات مشہور ماہر بیوٹیشنز دیا کریں گی۔ تمام بہنیں نوٹ فرمالیں۔

ضمیر آدمی انسانیت خبر ہے تجھے

ضمیر آدمی انسانیت خبر ہے تجھے؟
کہ کیسے خوں میں نہایا ہے آج کا مسلم
کہ پنجے گاڑ کے بیٹھا ہے کس طرح ابلیس
کہ کیسے شام میں رقصاں ہے خون کی ہولی
کہ کیسے مصر میں وحشت نے پر پھیلائے ہیں
کہ کیسے برما میں قہقہے لگا رہا ہے شیطاں
کہ کیسے سولیوں پر لعل ٹانک بیٹھے ہیں
ضمیر آدمی انسانیت خبر ہے تجھے؟
کہ تجھ کو رب نے خریدا تھا جنتوں کے عوض
تو پھر کیوں ڈالروں میں ہوگیا تیرا سودا؟
تجھے خبر ہے تیرے "تمک مکا" نے پھر سے آج
حسینؓ کی روح کو تڑپا دیا ہے جنت میں
نبیؐ کی آنکھ سے آنسو بھی ہوگئے جاری
خدا کا قہر ہے کہ بس پڑا ہی چاہتا ہے
ضمیر آدمی انسانیت خبر ہے تجھے؟
کہ تیری نیند نے کیسی تباہی ڈالی ہے
کہ مومنوں کی تو دنیا ہلا ہی ڈالی ہے
مگر نہیں ہے وہ دن دور جب حساب ہوگا
خدا کے سامنے پھر حال تیرا کیا ہوگا؟
کبھی نہ پلٹ کے آئیگا دن تلافی کا
سوال کرتا ہی رہ جائے گا تو معافی کا
ضمیر آدمی انسانیت خبر ہے تجھے؟

شاعرہ: نازیہ کنول نازی...... ہارون آباد

چاندرات ہے

مہکی ہوئی بہار ہے اور چاند رات ہے
ماحول خوش گوار ہے اور چاند رات ہے
اک شخص کے بغیر یہ موسم اداس ہے
دل غم کا کوہسار ہے اور چاند رات ہے
مدت سے جس کی دید کو آنکھیں ترس گئیں
وہ ذہن پر سوار ہے اور چاند رات ہے
تنہا قمر فلک پہ پھرے جیسے در بدر
اک بے وطن یوں خوار ہے اور چاند رات ہے
وہ آنکھ جس میں یار کی تصویر ہے بچی
وہ چشم اشک بار ہے اور چاند رات ہے
یہ اجنبی دیار یہاں لوگ اجنبی
کوئی نہ اپنا یار ہے اور چاند رات ہے
اک بے وفا کی کھوج میں دل ہے لہو لہو
اک قلب غم گسار ہے اور چاند رات ہے
کیسے مجھے ہوں راس یہ لمحات عید کے
دل رنج سے فگار ہے اور چاند رات ہے
راہی گلاب تازہ لیے ہے کھڑا ہوا
اب محو انتظار ہے اور چاند رات ہے

برکت راہی...... ڈگری

خواب نگر کے دیس میں جاناں

کروٹ بدلی سپنا بدلا
خواب نگر کے دیس میں جاناں!
چھم سے آ کر تم مسکائے
میٹھے میٹھے کچھ کچھ سچے
میرے اجلے من کو بھائے
گوری کلائی
پیار سے تھامی
ان میں بیلے کے کنگن پہنائے
پیار کی خوشبو پریت کی خوشبو
من مندر میں رچ بس جائے
پھر دھیرے سے ہولے ہولے
کانوں میں امرت یوں گھولا
اک اک انگ تیرے سنگ
وادی عشق میں ڈوب چلا یوں
جھیل سی آنکھیں
سندر آنکھیں
تیرے لمس کی حدت سے
پگھلتی جائے
رات یہ اجلی چودھویں کی
ڈوبتی جائے
چندا بھی خود سے شرمائے

چھپ چھپ کے ہمیں ستائے
دھیرے دھیرے
رات کی چادر سرکتی جائے
اور آنکھوں میں
تیرے وصل کا لمحہ
جگنو بن کے قید ہو جائے
کہ جس کے دم سے
زیست تا عمر مہکے......!

سمیرا غزل صدیقی...... کراچی

محبتیں اور تشنگی

محبتیں مجھے میسر تو ہیں مگر؟
یوں جیسے
کسی تہی داماں کی پھیلی
جھولی میں ذرا سی توجہ کے
پھول رکھ دیئے جائیں
اور پھر بے رخی کی تیز ہوا میں
سارے پھول اڑ کر بکھر جائیں
تو وہ ان بکھرے پھولوں کو
چننے کی خواہش میں
دور تلک ان کے پیچھے بھاگے
مگر خالی ہاتھ لوٹ آئے
ادھوری محبتوں کے ملنے پر
اس تہی داماں کی تشنگی
مزید بڑھ جائے
ہاں ایسے ہی مجھے محبتیں
میسر تو ہیں مگر......؟

نوشین اقبال نوشی...... گاؤں بدر مرجان

اے چاند
تُو اس دیس میں بھی نکلا ہوگا
ضرور
اس نے بھی تجھے دیکھا ہوگا
اسے کہنا
یہ جو درمیان اپنے دوری ہے
یہ تو جاناں
فقط حالات کی مجبوری ہے
ورنہ دل تو چاہتا ہے
ستاروں بھرا اک محل ہو
جس میں چلنا بھی سہل ہو
اسے کہنا
کہ تیرے بن کوئی خوشبو نہیں مہکتی
کہ کوئی
خوشی میرے آنگن میں نہیں چہکتی
اسے کہنا
اس سے پہلے کہ سانسوں کا یہ بندھن ٹوٹ جائے
ہر آس میری روٹھ جائے
بس اب کے عید پر تم
لوٹ آؤ
ہاں لوٹ آؤنا

روبی علی...... سید والہ

عید آئی ہے میرے ساجن

تمہیں یاد تو ہوگا
تم نے مجھ سے وعدہ کیا تھا یہ
کہ اب جب عید آئے گی
تو میں واپس لوٹ آؤں گا
عید کا اک اک پل
تمہارے سنگ بتاؤں گا
رکھ کر اپنے سینے پر ہاتھ تیرا
تمہیں اپنی دھڑکن سناؤں گا
تو چلو اب تم لوٹ آؤ
پھر سے عید اب آئی ہے
بہاروں کا پیغام
اپنے ساتھ لائی ہے
میرا کاجل، میری مہندی، میرا آنچل
سبھی منتظر ہیں تیرے
میں ہر آہٹ پر اب چونک جاتی ہوں
تجھے دور تلک ڈھونڈ کر واپس لوٹ آتی ہوں
مجھے مایوس مت کرنا
خود سے یوں دور مت کرنا
میری چمکتی ہوئی آنکھوں کو
کبھی بے نور مت کرنا
تمہیں یاد تو ہوگا
تم نے وعدہ کیا تھا یہ!

مدیحہ کنول پسرور...... چشتیاں

یوں بھی عید ہوتی ہے

یوں تو ہمیشہ سے
عید آیا کرتی ہے
خوشیوں کی پھولوں کی
اور نگار صبحوں کی
لوگ باتیں کرتے ہیں
بے وجہ سنورتے ہیں
پر کبھی یہ سوچا ہے
دل کے یوں دھڑکنے کا
جب چلن بدلتا ہے
آسماں بھی قدموں کے
جب قریب لگتا ہے
درمیاں میں سایہ بھی
اک رقیب لگتا ہے
تب کی عید اے ہمدم!
کچھ جدا سی ہوتی ہے
رنگ باتیں کرتے ہیں
پھول مسکراتے ہیں
اس طرح کے موسم میں
چودھویں کی راتوں میں
چاند راتیں ہوتی ہیں
ان چاند راتوں میں
دل تو یوں اجلتے ہیں
جب ساتھ ہم تم ہوتے ہیں
عید یوں بھی ہوتی ہے!

عائشہ پرویز...... کراچی

عید کا تحفہ

وہ ربّ کریم ذوالجلال عظیم
کہ جس کی رحمتوں کا کوئی شمار نہیں
کہ جس کی نعمتوں کا کوئی حساب نہیں
وہ جس نے ہمیں اُمت محمدیؐ ہونے کی سعادت بخشی
اشرف المخلوقات ہونے کی سعادت بخشی
وہ ربّ تعالیٰ جس نے ہر محنت، لگن اور تگ و دو کے بعد
ہر ذی روح کے لیے محنت کا پھل رکھا
جس نے سنگ میں کیڑے کو بھی رزق بخشا
جیسے رمضان المبارک کے بابرکت ماہ میں
روزوں کے پُرنور اہتمام کے بعد
عید کا خوب صورت پھل
دلنشین ''تحفہ''
''عید کا تحفہ''

سامعہ ملک پرویز...... احاطہ ٹیکسلا

غزل

دل میں سمائے کوئی کوئی
پیار نبھائے کوئی کوئی
دل کی نگری میں چاہت کے
دیپ جلائے کوئی کوئی
دنیا میں دل بہلانے والے
گیت سنائے کوئی کوئی
میٹھا ہر اک لفظ تمہارا
درد بڑھائے کوئی کوئی
لاکھوں بیٹھ کے کھانے والے
خون بہائے کوئی کوئی
منزل رانا دور ہے لیکن
جوت جگائے کوئی کوئی

قدیر رانا...... راولپنڈی

نظم

ہوا کے رخ کو دیکھ کر
کچھ لوگ سمجھتے ہیں
کہ ''راہِ عشق'' کے یہ مسافر

اپنی راہ سے بھٹک گئے ہیں
عہد وفا سے مکر گئے ہیں
مگر یہ ہے ان کی خام خیالی
سب کافروں کو بتا دو اب یہ
یہ ہمارا اثاثہ زندگی ہے
یہ ہمارا حاصل بندگی ہے
یہ تاریک راہ میں روشنی ہے
ظلمتوں کی شب اماوس میں
یہی تو اک چاندنی ہے
اسی سے ہم نے عشق کیا ہے
یہی تو ہے جسے ہم ایمان کہتے ہیں
اسے ہم "پاکستان" کہتے ہیں

عظمیٰ شاہین رفیق...... فیصل آباد

غزل

دن کے ڈھلنے سے پہلے
چاند کے نکلنے سے پہلے
سوچا نہ تھا جدائی کا
تیرا دل بدلنے سے پہلے
ہم بھی خوش تھے بہت
تجھ سے ملنے سے پہلے
یاد کے دیپ روشن ہوئے
چراغوں کے جلنے سے پہلے
بہار تھی بہت اداس
گلوں کے کھلنے سے پہلے
ٹوٹا میرا دل سنبھلنے سے پہلے
تیرا نرم لہجہ بدلنے سے پہلے
جونہی اس نے چھڑایا ہاتھ
جم گئے پاؤں چلنے سے پہلے

فصیحہ آصف خان...... ملتان

غزل

چاند چہرہ سامنے آنکھوں کے تھا
اک اجالا سامنے آنکھوں کے تھا
آندھیوں میں دے رہا تھا روشنی
جو دیا سا سامنے آنکھوں کے تھا
تشنگی ہونٹوں پر تھی مایوس کن
اور دریا سامنے آنکھوں کے تھا
منزل گل کا تھا نقشہ ہاتھ میں
اک صحرا سامنے آنکھوں کے تھا
عشق تھا میرا صلیب درد پر
کیا کہوں کیا سامنے آنکھوں کے تھا
جسم تھا زخمی مگر اڑتا رہا
جو پرندہ سامنے آنکھوں کے تھا
کس لیے عاطر وہ اب کھلتا نہیں
جو دریچہ سامنے آنکھوں کے تھا

رانا حنیف عاطر...... راولپنڈی

غزل

میری زندگی سے جڑا اک نام اس کا تھا
سب سے الگ دل میں میرے مقام اس کا تھا
اے دوست تیری دوستی پر ناز ہے مجھے
بھیجا ہوا یہ آخری پیغام اس کا تھا
دے کر زخم چلی گئی وہ چھوڑ کر مجھے
جانا پہچانا شاید یہ نشان اس کا تھا
مستیاں، شرارتیں، نادانیاں زندگی میں
مشغلے تھے اور یہ عنوان اس کا تھا
اک دل تھا جسے بے رخی سے کرگئی خالی
سچ کہوں تو یہ دل مکان اس کا تھا
غمگین کردیا اے دوست علمہ کو تو نے
کہہ کر چلی گئی کہ یہ تو کام اس کا تھا

علمہ شمشاد حسین...... کورنگی، کراچی

نظم

رفاقتوں سے بھی
بجھتی نہیں روح کی پیاس
جمی ہو برف تو
دریا بھی اک پتھر ہے......!

عاصمہ اقبال...... عارف والا

غزل

زندگی کی طرح نہ مجھے شمار کر
میں بے وفا نہیں ہوں میرا اعتبار کر
شمع نے اپنے حسن کی قیمت وصول کی
تجھ کو ملا ہے کیا شب غم گزار کر
پہلے بھی کتنے لوگ تھے ڈوبے تھے جو یہاں
تو بھی اسی جگہ سے نہ دریا پار کر
تو میرا دوست ہے اگر مجھ کو گلے لگا
دشمن ہے گر تو میرا تو بھرپور وار کر
کچھ لوگ جیت کر بھی مایوس ہیں ندیم
کچھ لوگ پرامید ہیں ہر کھیل ہار کے

شفیق احمد ندیم......

جی چاہتا ہے

جی چاہتا ہے کوئی ساتھ چلے
میرے من کی بات سنے
میں جو کہنا چاہوں
وہ بن کہے
میری آنکھوں کی تحریر پڑھے
تنہا ہے سفر منزل ہے کٹھن
جو لڑکھڑاؤں تو وہ سنبھال لے
راہ بھٹکوں تو وہ راہ دکھائے
جو میرے خوف مٹا سکے
جی چاہتا ہے کوئی ساتھ چلے
ہاتھوں میں لے کے ہاتھ میرا
قدموں سے ملا کر قدم
جس سمت کہوں وہ ساتھ چلے
جی چاہتا ہے کوئی ساتھ چلے
میرے من کی بات سنے

صائمہ انوش...... گوجرانوالہ

عمر نو

خرام رت میں جو خوش دلی ہے
جو سرخوشی ہے
وہ عمر نو ہے
عمر نو کی شگفتہ باتیں
نئی رتوں کی شگفتہ باہیں
ہر عہد نو کی شگفتہ راہیں
ہر عمر نو کے وصال لمحے
تیرے سحر کے حصار میں ہیں
ہر عہد نو کی شگفتگی کا جو سلسلہ ہے
ازل سے جاری ہے!

ظریف احسن...... کراچی

غزل

محبت کی کہانی کو کہیں تحریر کر جائیں
جو ہم کو مل گیا اس کو بھی تقدیر کر جائیں
چلو جذبوں کی شدت کو بڑھا کر دیکھ لیتے ہیں
چلو کہ آسماں سے چاند کو تسخیر کر جائیں
چلو اک دوسرے کی ذات میں یکجا کریں خود کو
چلو ہم ضبط کے رشتوں کو اب زنجیر کر جائیں
بدن مٹی میں مل جائیں گے اک دن دیکھ لینا تم
تو کیوں نہ پھر محبت کا محل تعمیر کر جائیں
مصور بن کے ہم فوزی کسی کے نقش پا دیکھیں
دھنک رنگوں سے اس کی پھر کوئی تصویر کر جائیں

فوزیہ احسان رانا...... حاصل پور

یاد

مجھے آباد کرتے ہو یا مجھے برباد کرتے ہو
ادائے ناز سے ابرو چڑھائے
جب بے رخی سے بات کرتے ہو
مجھے آباد کرتے ہو یا مجھے برباد کرتے ہو
کبھی جو تم سے پوچھوں میں
مجھے تم یاد کرتے ہو؟
تو شان بے نیازی سے
یوں شانوں کو اچکا کے
مجھے آباد کرتے ہو یا مجھے برباد کرتے ہو
حسیں جھرنوں سی زلفوں سے
ٹپکتے شبنم کے قطروں سے
میرے ویران چہرے کو
جب تم سیراب کرتے ہو
مجھے آباد کرتے ہو یا مجھے برباد کرتے ہو
سر ساحل مٹی کا گھروندا میرا مسکن ہے
سیل بے کراں بن کر
میری بستی میں آتے ہو
مجھے آباد کرتے ہو یا مجھے برباد کرتے ہو

عنبر فاطمہ...... گلشن اقبال

دوست کا پیغام آئے

ہما احمد

صرف میری چاندنی ارم گل مہرو کے نام

السلام علیکم! کیسی ہو چاندنی! ایگزیمز کیسے ہوئے؟ یقیناً بہت اچھے ہوئے ہوں گے کیونکہ ہماری ڈاکٹر صاحبہ ماشاء اللہ خاصی ذہین اسٹوڈنٹ ہیں۔ میری دلی دعا ہے کہ اللہ تمہیں بہت اچھے نمبروں سے کامیاب کرے زندگی کے ہر امتحان میں کامیابی تمہارے قدم چومے آمین۔ چاندنی تم سے بات کرکے جو خوشی ہوتی ہے وہ بتا نہیں سکتی لیکن تم دل کے بے حد قریب ہو تمہاری جگہ تمہارا مقام کبھی کوئی نہیں لے سکتا۔ کچھ لوگ بہت خاص ہوتے ہیں اور تم ان میں سے ایک ہو میرے لیے سدا خوش رہو۔ ہمیشہ چاند کی طرح ہر سو اپنی کرنیں بکھیرو تمہاری روشنی کی تو یہی دعا ہے تمہارے لیے سوری یار! تعارف میں تمہارا تفصیلی ذکر نہیں کرسکی تمہارا شکوہ حق بجا ہے لیکن چاندنی تعارف کچھ جلدی میں لکھا تو میں بہت اہم لوگوں کا ذکر کرنا بھی بھول گئی میرے بابا جان اور سویٹ بھانجی حوریہ جاوید اور سویٹ جان سے عزیز بھانجے معصب جاوید کا بھی ذکر نہیں کرسکی بعد میں بے حد افسوس ہوا۔ تم تو ویسے بھی میرے بارے میں بہت کچھ جانتی ہو او کے اب اجازت۔ دعاؤں میں یاد رکھا کرو اور جلدی آنچل میں انٹری دو تمہارے لیٹر اور تعارف کا بھی بہت انتظار ہے دعا گو صرف تمہاری۔

روشنی بنت آدم...... ہارون آباد

فریحہ شبیر کے نام

السلام علیکم! کیسی ہو میری دوست خدا آپ کو ہمیشہ خوش رکھے کبھی کوئی غم بھی آپ کے قریب نہ آئے آمین۔ مجھے بہت امید ہے کہ آپ کے آئی سی ایس میں اچھے نمبر آئیں گے اور آپ اپنا خواب پورا کرنے میں کامیاب ہوں آمین۔

زندگی...... شاہ کنڈر

پیارے آنچل قارئین اور اپنوں کے نام

سب سے پہلے تمام آنچل قارئین اور اسٹاف کو پیار بھرا سلام اور عید مبارک اور خدا آنچل کو ایسے ہی کامیاب رکھے اب آتے ہیں دوستوں کی طرف ڈیئر نایاب کیسی ہو اتنا حیران ہونے کی ضرورت نہیں ہے کہ میں تمہارا حال آنچل کے ذریعے کیوں پوچھ رہی ہوں تو یہ کہ آنچل ہی تو ہماری دوستی کا ذریعہ ہے آپ کی پیاری سی بیٹیوں خاص طور سے ثوبیہ (دوبا) کو ڈھیر سارا پیار۔ اب آتے ہیں آنچل فرینڈز کی طرف پیاری فرینڈز آپ سب مجھے جانتی ہیں یا نہیں لیکن میں تو آپ سب کو اپنا دوست مانتی ہوں اور آپ سب سے دوستی بھی کرنا چاہتی ہوں اب دیکھتے ہیں کہ آپ سب میں وہ کون ہیں جو اپنی طرف دوستی کا بڑھا ہوا ہاتھ تھامنا پسند کریں گی۔ سب سے پہلے سمیرا شریف طور آپ مجھے بہت پسند ہیں میری فیورٹ رائٹرز میں سرفہرست آپ کا نام ہے اور نازیہ آپی آپ بھی کسی سے کم نہیں ہیں آپ کے ناول بھی زبردست ہوتے ہیں۔ عروسہ شہوار آپ آج کل کہاں غائب ہیں شاہ زندگی ام ثمامہ ام مریم شمع مسکان انعم خان نادیہ فاطمہ رضوی اور ظل ہما آپ سب بہت اچھا لکھتی ہیں۔ اگر آپ سب ہمیں اپنے دوستوں کی فہرست میں شامل کرنا پسند کرتی ہیں تو بتایئے گا ضرور۔ میں اللہ سے یہ دعا کرتی ہوں کہ آپ کی ہر وہ دعا قبول ہو جس کی آپ حاجت مند ہو اور اللہ تمام فرینڈز کو رحمتوں سے نوازے اور آنچل کو بھی اللہ حافظ۔

قراۃ العین صائمہ عنبرین...... دار بن کلاں

سویٹ فرینڈز کے نام

السلام علیکم! دوستوں کیسی ہو آپ سب؟ کنول کیا حال ہے؟ پیاری کزنز طاہرہ ساجدہ آسیہ ثنا باجی آسیہ باجی کوثر باجی رضیہ اور باجی شمیم اور آپ سب کی آل اولاد کو عید کی خوشیاں مبارک ہوں۔ تسلیم تم نے تو بولا تھا کہ آؤں گی لیکن دوبارہ چکر ہی نہیں لگایا۔ عید پر ضرور آنا اور آنچل کے تمام پڑھنے والوں کو دلی عید مبارک۔

صائمہ...... 157 این بی

دوستوں کزنز اور تمام اہل اسلام کے نام

السلام علیکم! سویٹ دلوں والے گروپ سب سے پہلے تو سوسوری غیر حاضری کے لیے امی کی طبیعت ٹھیک نہیں تھی اس لیے حاضر نہ ہوسکی پیاری سی کومل رباب جانی حورین اور پیاری سدرہ شاہین آپ لوگوں نے مجھے دوستی کے روپ میں قبول کیا مجھے بہت بہت خوشی ہوئی شکریہ۔ اب یاد کرتی رہنا۔ زندگی جانو سوری تمہیں برتھ ڈے وش نہ کرسکی معاف کردو لو کان پکڑ لیے وجہ تم جان گئی ہوگی۔ دیر سے ہی سہی بہت بہت سالگرہ مبارک صدا ہنسی مسکراتی رہو۔ نورین جانی! تمہیں بہت یاد کیا۔ زندگی بھائی اور بہن کی شادی کی بہت مبارک باد۔ جیا یاور اور ام ثمامہ میں آپ سے بھی دوستی کی طلب گار ہوں اور جن دوستوں نے میری دوستی قبول کی ان سب کا بے حد شکریہ میری طرف سے میری ساری دوستوں ساری کزنز تمام اہل اسلام کو عید کی خوشیاں بہت بہت مبارک ہو دعاؤں کی طالب۔

صبا نواز بھٹی...... سانگھڑ سندھ

سویٹ دل والوں کے نام

السلام علیکم! شمع مسکان کی طرف سے تمام قارئین فرینڈز رائٹرز اور کزنز کو عید الفطر بہت بہت مبارک ہو۔ سویٹ فرینڈ منزہ حیدر! کہاں گم ہو اور مسکان (قصور) طبیعت تو ٹھیک ہے آپ کی نظر بند ہوئے بیٹھی ہو۔ شاہ زندگی (ٹوٹ بٹوٹ) یار تمہیں اپنے بہن بھائیوں کی شادی بہت بہت مبارک ہو ماہ رخ سیال بھول گئیں اپنی شمع کو نورین شاہد (سویٹی) آپ نے میرے افسانے اور غزل کو پسند کیا بہت شکریہ۔ نورین شفیع لولی فرینڈ میسج کیوں نہیں بھیجتیں۔ سدرہ خان (اٹک) کیا صرف مجھے دوست بنانے کا شوق تھا آپ کو اور بھول گئیں مجھے میں نے پہلے کہا تھا دوستی پرخلوص ہو۔ مہر گل (کراچی) یار اپنا ساتھ کبھی نہیں چھوٹے گا ان شاء اللہ۔ صبا کے ایس کیا لکھوں آپ کے لیے میرے پاس الفاظ نہیں جس سے آپ کی تشفی کرسکوں بس دل چاہتا ہے فوراً اڑ کر آپ کے پاس پہنچ جاؤں اور آپ کی پریشانی تمام دکھ اپنی ذات پر لے لوں۔ اللہ تعالیٰ آنٹی کو جلد صحت عطا فرمائے آمین۔ طیبہ افضل آپ کس ممع سے مخاطب تھیں اگر میں ہوں تو اپنی دوستی پکی رخسانہ باجی میری طرف سے بیٹے کی پیدائش پر بہت بہت مبارک۔ آپ کا لاڈلا بہت کیوٹ ہے بالکل میری طرف ہاہاہا ہے ناں۔ فرزانہ باجی سائرہ عاصمہ صبا خدیجہ نغمہ باجی اینڈ سویٹ نگ آپی چاکلیٹی بھانجے کشف آفتاب اینڈ عبدالوہاب کو میری طرف سے بہت سا سلام اینڈ ڈھیر سارا پیار۔ اس عید پر ہم سب کزنز اکٹھی ہوں گے واؤ کتنا مزہ آئے گا۔ اچھا اجازت چاہتی ہوں آپ سب کی اپنی شمع آپ سب اور آنچل فرینڈز کو نہ تو بھول سکتی ہے اور نہ ہی خود کو بھولنے دے سکتی ہے آپ سب کی اپنی۔

شمع مسکان...... جام پور

خاص لوگوں کے نام

السلام علیکم! کیسے ہو آپ سب امید ہے ٹھیک ہی ہو گے لڑتے جھگڑتے ہنستے مسکراتے۔ ایسے ہی اچھے لگتے ہو ہمیشہ ایسے ہی رہو میں آپ کو بہت یاد کرتی ہوں آجاؤ جلدی کب آؤ گے بہت یاد کرتے ہیں مہدی! پلیز ناراض مت ہو سوری یار! معاف کردو۔ امی باجی آپی چھوٹی آپی ثاقب کو بہت پیار کرنا اب اجازت میری طرف سے پورے آنچل اسٹاف کو سلام۔

سدرہ گل...... سیال

آنچل دوستوں کے نام

السلام علیکم! تمام آنچل قارئین اور آنچل اسٹاف کو میرا خلوص بھرا اسلام قبول ہو۔ آپی نازیہ کنول نازی آپ کے ماموں کی وفات کا سن کر دلی رنج ہوا اللہ تعالیٰ آپ کے ماموں کو جنت الفردوس میں اعلیٰ مقام عطا فرمائے آپ کو آپ کے گھر والوں کو صبر جمیل عطا فرمائے آمین۔ رابعہ رحمان آپ نے میری طرف دوستی کا ہاتھ بڑھایا میں آپ کی دوستی قبول کرتی ہوں مجھے بے حد خوشی ہوئی۔ ہم ایک ہی شہر کی ہیں یاد کرتی رہنا دوستی کرکے بھول نہ جانا۔ ہما ایوب میں نے آپ کے لیے پیغام چھوڑا تھا جو شاید شائع نہ ہوسکا جہاں کہیں بھی ہو آنچل کے ذریعے رابطہ کرو اور تمام گھر والوں کو عید کی خوشیاں مبارک ہو

اللہ تعالیٰ ہم سب کو ل جل کر رہنے کی توفیق عطا فرمائے آمین۔ باجی طیبہ کے لیے دعا آپ کے لیے ہر آنے والا دن رحمت بن کر آئے آمین۔ آخر میں میری دعا ہے آنچل دن دگنی ترقیوں کے منازل طے کرے ہمیشہ اسی طرح جھلملاتا رہے آپ سب کو عید مبارک والسلام۔

عاصمہ اقبال......عارف والا

آنچل دوستوں اور رائٹرز کے نام

السلام علیکم! اس ماہ کا آنچل جب ہاتھ لگا میری خوشی کی کوئی تہا نہ تھی میری خوشی کا کوئی ٹھکانہ نہیں کہ جاناں نے میری دوستی کا ہاتھ تھام لیا اور مجھ ناچیز کو اس قابل سمجھا۔ جاناں ڈیئر آپ مجھے یہ بتاؤں کہ آپ چکوال کے کس ایریا میں رہتی ہو۔ میں چکوال کے گاؤں تحصیل کمال میں رہتی ہوں۔ عندلیب زہرا شمع مسکان کیا حال چال ہیں؟ لگتا ہے بہت مصروف ہیں کوئی پیغام نہیں طبیعت تو ٹھیک ہے؟ پلیز اپنی مصروف زندگی سے تھوڑا سا وقت ہمارے لیے بھی نکالیں۔ سب رائٹرز پریوں کو پڑھنے والوں کو پیار بھرا اسلام۔ میری طرف سے سب پڑھنے والوں کو عید مبارک قبول ہو۔ اللہ نگہبان زندگی نے وفا کی تو پھر آنچل کا حصہ بنیں گے (ان شاء اللہ)۔ اس دعا کے ساتھ اجازت چاہوں گی کہ جہاں رہو خوش رہو سب کو خوش رکھو اپنوں کو دکھ نہ دو۔ اوکے شمع مسکان (قصور) اینڈ جاناں (چکوال) اپنا خیال رکھنا اور اپنے سے زیادہ دوسروں کا خیال رکھنا اللہ حافظ۔

طیبہ افضل......چکوال

لائبہ کرن کے نام

السلام علیکم! لائبہ کرن آپ نے ہماری طرف دوستی کا ہاتھ اتنی محبت اتنی چاہت سے بڑھایا ہے تو ہم کیوں دیر کرتے چاند کی کرن تو جناب ہمیں آپ کی دوستی دل کی تمام گہرائیوں سے قبول ہے ہمیشہ خوش رہیے آپ کی زندگی میں کوئی غم نہ آئے آمین۔ نورین شاہد آپ نے دوستی قبول کی بہت بہت شکریہ ڈیئر فرینڈ آپ کی بہن نوشین سے ہم بھی دوستی کرنا چاہتے ہیں پلیز قبول کریں۔ شمع مسکان (قصور) سے بھی دوستی کی درخواست قبول کرنے کی دعوت دی تھی پتا نہیں آپ کی نظر سے گزرا کہ نہیں آنچل کے تمام لوگوں کو عید مبارک پیش کرتی ہوں والسلام آپ کی اپنی۔

حبا قریشی، مون قریشی......نامعلوم

ہوسٹل کی تمام دوستوں کے نام

میرے ہوسٹل کی تمام دوستوں کو میری طرف سے السلام علیکم اور تمام لوگ خوش رہیں پھولوں کی طرح مہکتے رہیں۔ مس مہ لقا اور مس حنا آپ کے لیے ڈھیر ساری دعائیں اور آداب۔ امید ہے کہ آپ سب لوگ جہاں بھی ہوں گے خوش اور مطمئن ہوں گے۔ مجھے یقین ہے کہ آپ سب کو بھی میری طرح یہ گلہ ضرور ہوگا کہ آپ لوگ یاد نہیں کرتے۔ نجمہ پلیز یار میں آپ سے شرمندہ ہوں اور ایک درخواست کہ آپ کا نمبر میری آنٹی کے سیل میں تھا اور وہ ڈیلیٹ ہوگیا تم آنٹی کو کال کر لینا میرے پاس اب آپ کا نمبر نہیں ہے۔ عائشہ اور کشور کو میری طرف سے سلام اور اپنی امی کو بھی میرا اسلام دینا آخر میں تمام دوستوں کے لیے سلام اور عید مبارک۔ فرح ناز، نجمہ رفیق، زینت، مہرین، فرزانہ، ارم ضیاء، شاہی، عافیہ، رابعی، رمشا، صبا، ثمرا، اسماء، صدف، ماریہ، شگفتہ، نادی کشور، کلی، فردا، ثمرین مہوش، اروبا، ایمن، ساجدہ، نبیلہ، آفرین، شمع۔

نادیہ یوسف......جھنگ

دلوں والے گروپ اینڈ فیملی کے نام

السلام علیکم! سب سے پہلے اپنی تمام فیملی بابا جان، امی جان، بلاول بھائی (دبئی)، فاخرہ وقاص، حنان، ذکی، بختاور، مرتضیٰ سب کو دل کی گہرائیوں سے عید مبارک، اس کے علاوہ تمام آنٹی، آنٹی آسیہ اور ماموں اینڈ وفا زہرا حور جی! اس کے بعد آنٹی شازیہ، آنٹی مسکان، آنٹی نرگس، مہک، کنول، عروج وغیرہ آنٹی نگینہ، ارسلان عندلیب، مافیا، تہذیب پیارے سے نانا ابو سویٹ سی دادی جان، پھوپو، ماموں اینڈ چاچو کو بھی رمضان اور عید مبارک۔ میری سویٹ ممانی فوزیہ حیدر اور ان کے گیلو سے مصطفیٰ، مرتضیٰ، غلام فرزا، مقبول (ماریکمانی ہے)۔ سب کو دل سے عید کی خوشیاں مبارک اس کے بعد مائی فرینڈ چندا مثال یار کہاں غائب ہو تم مجھے اور مسکان قصور کو فرینڈ شپ آفر کر کے چھپ گئی ہو جلدی سے آنچل میں انٹری دو؟ شاہ زندگی، نورین شاہد، انس انجم، شمع مسکان، مسکان قصور، نادیہ کھوٹہ، ایمن وفا، نبیلہ نازش، نوشین شاہد اور فرخ ناز ویلکم سویٹ دلوں میں صبا ماہ رخ، جیا، بیا اٹک اور نادیہ کامران، الفت زہرہ ہراج، فضا ناز اینڈ غزالہ، ایمن وفا، سیدہ جیا کاظمی، حمیرا عروش، حمیرا اچن، اقرا احسان، نائلہ منظور، صبا صدیق، زرقا، مونا، اقصیٰ، سائرہ آمین، حنا آپی، سنگیتا، ریحانہ یار تم سب جہاں بھی ہو سب کو عید کی ڈھیروں خوشیاں مبارک۔ نازی آپی کے ماموں جان، شاہ زندگی کے چچا جان کا بہت دکھ ہوا اور آپ کے بہن بھائی کو شادی کی بہت بہت مبارک، ہماری طرف سے نئی زندگی کی شروعات پر نیک تمنائیں۔ انیس انجم آپ کے بھائی کو اللہ تعالیٰ تندرستی اور صحت دے آمین۔ سباس گل، سمیرا آپی، نازیہ آپی، اقراء آپی، سدرہ شاہین، ام ثمامہ جی، فصیحہ آصف، پروین افضل شاہین اور جن کے نام رہ گئے ہیں سب کو عید کی مبارک باد قبول ہو۔ بلاول بھائی، عادل بھائی اور رضوان بھائی آپ کو اسپیشل عید کی خوشیاں مبارک ہو۔ تمام قارئین آنچل اسٹاف اور دل کے قریب رہنے والے سویٹ اور پیاروں کو عید کی خوشیاں مبارک۔ اللہ سب کو اپنی نعمتوں اور رحمتوں سے نوازے آمین اللہ حافظ۔

کومل رباب افضل......شاہدرہ لاہور

فوزیہ سلطانہ اور طیبہ نذیر کے نام

السلام علیکم! فوزیہ اور طیبہ! یار کیسی ہو ٹھیک ہے ہم آج سے دوست ہیں۔ طیبہ! میں نے آپ کے نام خط اس لیے نہیں لکھا کیونکہ درمیان میں میری شادی ہوگئی اس لیے میں آنچل سے دو تین مہینے غائب تھی۔ میری آنچل میں پرانی چیزیں شائع ہو رہی تھیں ہاں فوزیہ رانی مجھے 7 اسٹار گروپ کا نام پسند ہے آپ نے رکھا ہے اور مجھے پسند نہیں ہوگا۔ میری طرف سے فوزیہ آپ کو طیبہ کو بھی دل کی گہرائیوں سے عید مبارک قبول ہو۔ فوزیہ اور طیبہ ڈیئر! آج کے بعد آپ لوگ مجھے عظمیٰ کی کنڈی کے نام سے نہیں عظمیٰ فرید کے نام سے پہچانیں گے ٹھیک ہے نا اور آخر میں میری طرف سے میرے شوہر فرید خان کو عید مبارک اوکے جی اللہ حافظ۔

عظمیٰ فرید......ڈی آئی خان

ڈیئرسٹ بھائی اور لولی فرینڈز کے نام

السلام علیکم! سویٹ بھائی عرفان میں آپ کو بہت یاد کرتی ہوں آنچل کے ذریعے کہہ رہی ہوں میری دعا ہے کہ اللہ آپ کے سارے خواب پورے کرے آمین اور آپ کو بہت بہت عید مبارک ہو اور میری دوستوں (اُف اللہ اتنی دوستیں) کیسی ہو (تم موٹیوں کو کیا ہونا ہے) اور یار تانیہ، کرن خان، ڈیئر نشا! میں نے سوچا کیوں نہ تم سب کو عید آنچل کے ذریعے وش کروں، دیکھو کیسا لگا سرپرائز۔ تم لوگوں کو تمہاری سالگرہ اور عید مبارک ہو۔ پیاری سونیا تم مجھے بہت یاد آتی ہو اللہ تمہیں کامیاب کرے سویٹ بابرہ تمہیں بھی عید مبارک۔ اللہ سے دعا ہے کہ میری ساری دوستیں یونہی ہنستی مسکراتی رہیں اور میری ساری بہنیں، کزنز آپ سب کو بھی بہت بہت عید مبارک ہو۔ پیاری کلثوم اور بختاور جان آپ کو بھی عید مبارک ہو اور میری ساری فیملی کو عید مبارک۔

شبانہ شمس......گھوٹکی

پھول کلیوں کے نام

میری جانب سے سب اپنی سالگرہ کی مبارک باد آنچل کے توسط سے وصول کیجیے سب سے پہلے عبدالقادر 27 ستمبر آپ کو 29 ستمبر دانیال آپ کو اور یکم اکتوبر احمد آپ کو سالگرہ بہت بہت مبارک ہو۔ سدا خوش رہو تم سب، پھلو بڑھو اور کامیابیاں پاؤ۔ وقار، عزت، احترام کو اپنا شعار بناؤ۔ 17 ستمبر کو نیلوفر تمہیں بھی سالگرہ مبارک ہو اور بلقیس تمہیں بھی، سوری تمہاری تاریخ پیدائش یاد نہیں باقی جن آنچل فرینڈز کی ستمبر میں برتھ ڈے ہے میری طرف سے سبھی کو مبارک باد۔ مائی موسٹ فیورٹ رائٹر نازیہ کنول جی مجھے آپ کی اسٹوری "جھیل کنارہ کنکر" بہت پسند ہے خاص طور پر حورعین کا کردار، کیا واقعی سچ میں ایسی کوئی

حورعین تھی یا ہے؟ مجھے آپ کے جواب کا انتظار رہے گا اور میں آپ کی طرف دوستی کا ہاتھ بڑھا رہی ہوں اگر مجھ غریب کی دوستی قبول ہو تو مجھے آپ سے رابطہ کرنے کا کوئی طریقہ بتائیں، میں منتظر رہوں گی اللہ حافظ دعاؤں میں یاد رکھیے گا۔

صدیقہ خان...... باغ آزاد کشمیر

آنچل فرینڈز کے نام

السلام علیکم! ہما آپی کیسی ہیں اور آنچل فرینڈز؟ امید کرتی ہوں سب مزے میں ہوں گے جی تو پہلے بات ہو جائے ذرا فاطمہ منظور (سمبڑیال) کی تو جی آپ کا تعارف بہت اچھا لگا۔ آپ پوچھ رہی تھیں کہ میں شادیوال کے کس محلہ میں رہتی ہوں تو میں خانکے محلہ میں رہتی ہوں آنا ہے تو خوش آمدید جی او کے اور فوزیہ سلطانہ آپ کی برتھ ڈے 19 ستمبر کو ہے میری دعا ہے کہ آپ زندگی کے ہر میدان میں کامیاب ہو اور خوش رہو۔ شمائلہ اکرم شادی مبارک ہو۔ پچھلے ماہ دوست کے پیغام آئے میں سیکنڈ لاسٹ لیٹر پتا نہیں کس کا تھا ویسے میرے خیال سے مدیحہ نورین (برنالی) کا ہوگا یا پھر عظمیٰ کنڈی (گل امام) کا ہوگا؟ پتا نہیں میرا اندازہ درست ہے کہ نہیں (بتا دینا دوست)۔ عظمیٰ شاہین رفیق، نادیہ لیسین، ساریہ چوہدری، کشور بلوچ (ننکانہ صاحب) شمع مسکان، شگفتہ خاں آپ سب کیسی ہو؟ او جی یاد آیا عائشہ پرویز (کراچی) آپ کو بھی شادی مبارک ہو اور سب آنچل فرینڈز بتانا کہ عید کیسی گزری۔ میری اللہ تعالیٰ سے دعا ہے کہ آنچل سے وابستہ سب لوگ ہمیشہ خوش رہیں اور مسکراتے رہیں اور مجھ سمیت آپ سب کی رمضان میں کی گئی عبادات کو اللہ تعالیٰ قبول فرمائے آمین۔ اللہ حافظ آپ کی دعاؤں کی طلب گار آپ کی اپنی۔

طیبہ نذیر...... شادیوال گجرات

عطروبہ سکندر، سدرہ اسلم اور قارئین کے نام

السلام علیکم! میری عطروبہ پنکی کیسی ہے؟ ٹھیک ہے نا، ویسے تو ہماری چیٹنگ ہوتی رہتی ہے مگر بہت عرصہ ہوا آنچل کے توسط سے بات کیے ہوئے اس لیے سوچا اس مرتبہ تمہیں آنچل کے ذریعے عید وش کروں اور سب گھر والوں کو بہت بہت عید مبارک۔ اللہ ہمیں اپنی پناہ میں رکھے، کیسی ہو سدرہ اتم سب کو بھی عید مبارک، اللہ تعالیٰ ہمیشہ خوش رکھے آمین۔ آنچل کے تمام قارئین کو اور اسٹاف کو بھی تہہ دل سے عید مبارک۔ تمام قارئین سے درخواست ہے کہ اگر وہ دو مرتبہ درود شریف اور تین مرتبہ سورۃ اخلاق پڑھ کر میری امی کے لیے دعائے مغفرت کر سکیں تو۔ بے شک اللہ تعالیٰ اجر دینے والا ہے، فرینڈز میرا سرپرائز اچھا ہے نا؟ اگر زندگی رہی تو پھر آنچل کے ذریعے بات ہوگی اللہ حافظ۔

آبگینے...... جتوئی

فرینڈز کے نام

تمام قارئین آنچل اور فرینڈز اور اسٹاف کو میرا اسلام۔ امید ہے سب ایک دم لش پش ہوں گے جی تو سباس آپی، ساریہ چوہدری، سمیرا آپی، نازیہ آپی لاڈو، فصیحہ آصف، صوفیہ ملک، شاہ زندگی اینڈ حمیرا اعروش سب کو عید کی ڈھیروں مبارک باد۔ شاہ زندگی تم نے میرے حوالے سے جو خیالی پلاؤ پکایا مجھے بہت پسند آیا۔ ڈیئرسٹ بریرہ (آنو کی بڑ ورانی) حمیرا اعروش 4 ستمبر کو آپ دونوں کا برتھ ڈے ہے، مائدہ آنی اور میری طرف سے آپ کو بہت، بہت مبارک، اللہ آپ کو زندگی کی ہر خوشی نصیب کرے اور آپ کی تمام جائز حاجات پوری ہوں، آمین۔ میری سب سے اچھی مما، مائی سویٹ سسٹرز رابعہ آپی اینڈ مائدہ آپی، سویٹ بھابیاں امبرین اینڈ نادیہ، اقراء ظفر، افراء ڈیئرسٹ اقصیٰ، رمشا، مہک رحمن اینڈ انعم آپی اس کے علاوہ ہریرہ اینڈ بریرہ آپ سب کو عید کی بہت، بہت مبارک باد۔ ارم کمال (فیصل آباد) آپ کا پیغام پڑھا اور مجھے رونے پر مجبور کر گیا، ایسا لگا کہ وہ پیغام آپ نے نہیں بلکہ میں نے لکھا ہو، اس پیغام کا ایک ایک حرف وہی ہے جو میرے بابا کہتے تھے "بیٹا کپڑے لے آؤ، ساری تیاری جلدی جلدی کر لو ورنہ رش ہو جائے گا، لو بھئی میں نماز پڑھ کر آ بھی گیا اور آپ تیار نہیں ہوئیں بس ٹھیک ہے جو پہلے تیار ہوگا عیدی بھی اسی کو پہلے ملے گی (اس لالچ میں سب سے پہلے میری دوڑ لگتی تھی) ارے واہ ہماری بٹیا نے تو بہت اچھی مہندی لگائی ہے۔ بریانی واہ بھئی واہ۔ یہ سب میرے بابا بھی کہتے تھے، میرے بابا اب اس دنیا میں نہیں ہیں، میں اپنے بابا سے بہت پیار کرتی ہوں، ان کے جانے کے بعد ہم بھی اپنی عید ان کی یادوں کو تازہ کر کے گزارتے ہیں، بابا آپ بہت یاد آتے ہیں بہت زیادہ......! اللہ میرے بابا کو کروٹ کروٹ جنت نصیب کرے آمین، دعاؤں کی طلب گار۔

علمہ شمشاد حسین...... کراچی

سویٹ سے ہسبینڈ کے نام

یہ یقیناً آپ کے لیے سرپرائز ہوگا آج میں آنچل کے ذریعے وش کر رہی ہوں، یقیناً آپ کو اچھا لگے گا۔ 28 ستمبر کو آپ کی سالگرہ ہے اس موقع پر میری ساری دعائیں آپ کے ساتھ ہیں، میری دعا ہے کہ آپ زندگی میں بلند مقام حاصل کریں اور کامیابی آپ کے قدم چومے آمین۔ آپ کا ساتھ اور پیار تاحیات میرا نصیب رہے، آمین۔ ارے ہاں عینی بھابی اور پیاری صدف آپی آپ سب کو میری طرف سے سالگرہ بہت بہت مبارک ہو۔

چاہت ہو، خوشی ہو، تیرے دامن میں وفا ہو
مہکی ہوئی اک شام تیری سالگرہ ہو
پُرزور ہوا میں دیا جلتا ہوا رکھے
اللہ جہاں میں تجھے ہنستا ہوا رکھے
بوجھل نہ کبھی نم تیری پلکوں کی ردا ہو
مہکی ہوئی اک شام تیری سالگرہ ہو
اس دن کے تصور سے سنور جائیں نظارے
اس دن تیرے قدموں میں بکھر جائیں ستارے
اس دن میرے ضبط کا ہر لمحہ فدا ہو
مہکی ہوئی ہر شام تیری سالگرہ ہو"

عائشہ پرویز...... کراچی

زنیرہ طاہر کے نام (بہاولنگر)

السلام علیکم! فرسٹ آف آل آنچل سے وابستہ تمام بہنوں کے لیے ڈھیروں پُرخلوص دعائیں اور سلام۔ زنیرہ طاہر آپ سے اور صدف سلمان (شورکوٹ) سے دوستی کی درخواست ہے، پلیز جواب ضرور دینا، والسلام۔

انیلہ ملک...... شورکوٹ

پیاری خالہ اور چاچو کے نام

میری پیاری سی خالہ اینڈ چاچو آپ کو عبیرہ کی پیدائش کی بہت مبارک ہو، اٹلی کے ہی ہو کر رہ گئے ہو آ جاؤ واپس آئی مس یو۔ تمام پڑھنے والوں کو سلام، دعاؤں میں یاد رکھیے گا، آپ کی دوست، رب راکھا۔

مدیحہ نورین...... برنالی

میری ننھی پری ہانیہ اور اس کے بابا کے نام

السلام علیکم! ہانیہ جان کیسی ہو اور تمہارے بابا کیسے ہیں، اچھا تو جناب بھی ساتھ ہی بیٹھے ہیں ارے ارے ناراض مت ہو، میرے لیے آپ دونوں ہی بہت اہم ہو۔ عثمان 20 ستمبر کو آپ کی اور 28 ستمبر کو ہماری ننھی پری ہانیہ کی دوسری سالگرہ ہے آپ دونوں کو بہت، بہت مبارک ہو، میری دعا ہے آپ دونوں ہمیشہ خوش رہو، کوئی غم تمہیں چھو کر نہ گزرے۔ عثمان آپ کا اور میرا ساتھ ہمیشہ اسی طرح قائم رہے۔ میری پھولوں جیسی لاڈلی پیاری اور سویٹ ہانیہ آپ میں تو میری جان ہے، آپ میرے لیے اللہ کا دیا ہوا بہت قیمتی تحفہ ہو اور آپ کی ہر ادا کے ساتھ آپ کی مما کا دل دھڑکتا ہے اور جب تم پیاری پیاری باتیں کرتی ہو تو بہت کیوٹ لگتی ہو۔ کیسا لگا میرا چھوٹا سا سرپرائز؟! اگر آنچل فرینڈز میں سے کوئی مجھ سے دوستی کرنا چاہے تو موسٹ ویلکم، اب اجازت چاہتی ہوں۔

نائلہ خان...... ملتان

یادگار لمحے

جویریہ سالک

نعت رسول ﷺ

میرے آقا میرے سلطانِ مدینے والے
میرے آقا رحمتِ دو جہاں مدینے والے
تُو ہے ہر سو تیرا جلوہ کو بہ کو میرے آقا
تیرا ذکر ہے جا بجا مدینے والے
اب تو کردے رحمت کی نظر مجھ پر یا مصطفیٰؐ
میں ہوں سیاہ کار مگر تیری طلب گار مدینے والے
رہے میرا سر تیری چوکھٹ پر سدا
کاش بن جاؤں میں خاکِ مدینہ مدینے والے
دے مجھ کو اذن حاضری کا یاسیدی میرے داتا
میں ہوں خطاکار محوِ انتظار مدینے والے
آنسوؤں کی جھڑی لگ جاتی ہے جب تیرا نام آتا ہے
میری آنکھوں کو بخش ٹھنڈک، دکھادے سبز گنبد مدینے والے

سامعہ ملک پرویز...... احاطہ ٹیکسلا

نئی حکومت

حکومت کے بدلنے سے حالات کب بدلتے ہیں
دلوں کے ہیں یہ بہلاوے صرف چہرے بدلتے ہیں
عوام تو گھرے ہیں آج بھی مصائب کے طوفاں میں
وسائل بڑھ بھی جائیں تو مسائل کب سنورتے ہیں
سی این جی کا، پانی کا اور بجلی کا ہے مسئلہ
ہاتھوں میں لیے پنکھا ہم دن رات جھلتے ہیں
یہ آکر ایک گھنٹے کو پھر گھنٹوں روٹھ جاتی ہے
شب ظلمت کو ہی اپنا مقدر اب سمجھتے ہیں
آہ و بکا کا تیری نہ ہرگز کچھ اثر ہوا
سنگدل ہیں، یہ ظالم ہیں، اور پتھر کب پگھلتے ہیں

ندا فاطمہ...... کراچی

افسانچہ

تمہیں نہیں معلوم کہ تمہاری سادگی اور معصومیت مجھے کتنی بھاگئی ہے تمہارے ہر انداز پر مجھے بے اختیار پیار آتا ہے اور تمہیں دیکھتے ہی یہ لب مسکرانے لگتے ہیں جب تم بڑے لاڈ سے میرا بڑھا ہوا ہاتھ اپنے سفید نازک ہاتھوں میں تھام لیتی ہو تو اس معصوم ادا سے میرا دل خوشی سے بے قابو ہونے لگتا ہے جب تم مجھے ستانے کے لیے چھپ جاتی ہے تو میں بے قراری سے تمہیں آوازیں دیتا ہوں اور اِدھر اُدھر تلاش کرتا ہوں اور جب تمہاری میٹھی، سریلی آواز کانوں میں پڑتی ہے تو بے چین دل کو قرار آجاتا ہے شاید تمہیں معلوم ہو کہ گھر والے تمہیں گھر سے نکالنا چاہتے ہیں سب تم سے خفا ہی رہتے ہیں مگر تم فکر نہ کرو، مجھے تمہاری بہت پرواہ ہے تم یہاں ہی رہو گی ہمیشہ، تمہاری شرارتیں مجھے بے اختیار ہنسنے پر مجبور کردیتی ہیں لیکن تم بولتی بہت ہو اسی وجہ سے گھر والے بھی تم سے سخت نالاں ہیں، ہر وقت ہی میاؤں میاؤں میاؤں...... پیاری بلی اتنے کان نہ کھایا کرو پلیز ذرا چپ بھی ہوجایا کرو۔

ماریہ نور...... شاہ کوٹ

پیاری سنتیں

❖ مسکرانا سنت
❖ سر جھکا کر چلنا سنت
❖ مہمان کو دروازے تک رخصت کرنا سنت
❖ سلام کرنا سنت
❖ خوشی میں کسی سے گلے ملنا سنت
❖ اوپر چڑھتے وقت ''اللہ اکبر'' کہنا سنت
❖ نیچے اترتے وقت ''سبحان اللہ'' کہنا سنت
❖ کنگا کرنا سنت
❖ سر ڈھانپ کر رکھنا سنت
❖ معاف کرنا سنت
❖ داہنی کروٹ پر سونا
❖ پانی بیٹھ کر پینا سنت

علمہ، مائدہ شمشاد حسین...... کورنگی، کراچی

رزلٹ

باپ: ''تمہارے رزلٹ کا کیا بنا؟''
بیٹا: ''ہیڈ ماسٹر کا بیٹا فیل ہے۔''
باپ: ''اور تم......؟''
بیٹا: ''ڈاکٹر صاحب کا بیٹا بھی فیل۔''
باپ: ''اوئے، تم اپنا رزلٹ بتاؤ۔''
بیٹا: ''آپ کون سا علامہ اقبال ہیں آپ کا بیٹا بھی فیل ہے۔''

مدیحہ نورین...... برنالی

باتیں

آؤ سارے دن کی باتیں کریں
لائٹ چلی گئی اے
لائٹ آ گئی اے
لائٹ جانے والی اے
لائٹ آنے والی ہے
لائٹ نہیں آئی اے
لائٹ نہیں گئی
لائٹ جاوی سکدی اے
لائٹ آ وی سکدی اے
لائٹ ہلکی آ رہی اے
لائٹ تیز آ رہی اے
لائٹ جا کیوں نہیں رئی
اُہ گئی جے
اُہ آ گئی جے
پیارے پاکستان کی پیاری باتیں

حنا...... نامعلوم

اک سوال

مجھے ڈر لگتا ہے
ہر اداس شام سے
یادوں کے کہرام سے
وفا کے الزام سے
وقت کی چال سے
بچھڑنے کے خیال سے
اور
اپنے ہی اک سوال سے
کہ کیا تم
''مجھے یاد رکھو گے؟''

ماریہ وسیم...... اللہ والا ٹاؤن، کراچی

خطرناک غلطیاں

❖ اس نیت سے بُرے کام کرنا کہ صرف دو چار مرتبہ کرکے چھوڑ دوں گا۔
❖ اپنا راز کسی کو بتا کر پوشیدہ رکھنے کی درخواست کرنا۔
❖ آزمائے ہوئے کو آزمانا۔
❖ ہر ایک شیریں زبان کو دوست سمجھ لینا۔
❖ جو کام خود نہ کرسکے دوسرے کے لیے ناممکن خیال کرنا۔
❖ بے کار وقت میں آئندہ کے لیے خیالی پلاؤ پکانا اور خوش رہنا۔
❖ اپنے والدین کی خدمت نہ کرنا اور اولاد سے اس کی توقع رکھنا۔

سنیاں زرگر، اقصیٰ زرگر...... جوڑہ

حقیقی عزت

ایسا گناہ چھوڑنے کا کیا فائدہ جو محض اس لیے چھوڑا جائے کہ لوگ ہمیں اچھا تسلیم کریں، ہم لوگوں کے لیے تو اپنے ظاہر کو چھوڑ دیتے ہیں مگر اللہ تعالیٰ کے لیے اپنے باطن کو کیوں نہیں؟ جب ہم اپنے پوشیدہ گناہوں کو چھوڑیں گے تب ہی حقیقی عزت ملے گی۔

عائشہ نور...... شادیوال گجرات

دعا میں اثر

ہماری دعاؤں میں بڑا اثر ہے، ایک کو دعا دی کہ سدا ہنستے رہو'' آج وہ پاگل خانے میں ہے۔'' دوسرے کو دعا دی کہ دنیا تیرے اشاروں پر چلے'' آج وہ ٹریفک پولیس میں ہے۔'' تیسرے کو دعا دی کہ تیری زندگی میں پھول ہی پھول ہوں'' آج وہ اسکول میں مالی ہے۔'' چوتھے کو دعا دی کہ سدا چمکتے رہو'' آج اس کے سر پر ایک بھی بال نہیں۔'' بولو تو آپ کیے لیے بھی ایک دعا کردوں، بار بار کہتے ہو دعاؤں میں یاد رکھنا، دعاؤں میں یاد رکھنا۔

عائشہ پرویز...... کراچی

عظمت انسانیت

قیس ابن احنف نے کہا ''کوئی شخص مجھے تکلیف پہنچاتا ہے تو میں اس کے بارے میں غور کرتا ہوں اگر اس کا مرتبہ مجھ سے بڑا ہے تو اس کی بڑائی میرے لیے جواب دینے میں مانع ہوتی ہے اگر وہ میرا ہم مرتبہ ہے تو میں اس پر مہربانی کرتا ہوں اسے جواب نہیں دیتا اگر وہ مجھ سے کم مرتبہ ہے تو میں اس سے مقابلہ کرنا اپنی توہین سمجھتا ہوں۔''

نائلہ خان...... ملتان

ذرا مسکرایئے

شوکت تھانوی ایک مرتبہ شدید مرض میں مبتلا ہوگئے بیماری کے ردعمل نے ان کے سر کے سارے بال بھسم کردیئے

اور سر چٹیل میدان نظر آنے لگا تو بیماری سے کچھ افاقہ ہونے لگا' دوست احباب عیادت کو آنے لگے' گنجے سر کو دیکھ کر متعجب ہوئے پوچھا۔

"شوکت صاحب یہ کیا اور کیسے ہوا؟" تو شوکت صاحب بڑے اعتماد سے گویا ہوئے۔

"ملک الموت آئے تھے' صورت دیکھ کر ترس کھا گئے' سر پر ایک چپت رسید کر کے واپس چلے گئے۔"

طیبہ نذیر......شادیوال گجرات

لمحہ

ہر انسان کی زندگی میں کوئی نہ کوئی لمحہ ایسا ضرور ہوتا ہے جسے وہ چاہ کر بھی بھلا نہیں سکتا' وہ یادگار لمحہ دل و دماغ میں ہمیشہ کے لیے نقش ہو جاتا ہے۔ میری زندگی میں بھی ایک لمحہ ایسا ہے جسے میں آج تک نہیں بھولی' یہ وہ لمحہ ہے جب مجھے ایک خاص بہت ہی خاص انسان نے کہا تھا۔

"سنو! یوں وہم نہ پالا کرو
یہ دل کوئی کھلونا نہیں جو ہر کسی کو دے دیں گے ہم۔"

مدیحہ کنول سرور......چشتیاں

شاعر

کیسے کاریگر ہیں یہ
آس کے درختوں سے
لفظ کاٹتے ہیں اور سیڑھیاں بناتے ہیں
کیسے باہنر ہیں یہ
غم کے بیج بوتے ہیں
اور دلوں میں خوشیوں کی کھیتیاں اُگاتے ہیں
کیسے چارہ گر ہیں یہ
وقت کے سمندر میں
کشتیاں بناتے ہیں آپ ڈوب جاتے ہیں

فرزانہ شوکت......کراچی

قابلِ دید

ایک پاگل نے گھر کا دروازہ اکھاڑا اور کندھے پر رکھ کر بازار گیا۔

دکاندار: "کیا دروازہ بیچنا ہے؟"

"پاگل: "نہیں تالا کھلوانا ہے چابی گم ہو گئی ہے۔"

دکاندار: "اگر گھر میں چور گھس گئے تو؟"

پاگل: "اندر کیسے جائیں گے دروازہ تو میرے پاس ہے۔"

قرۃ العین' صائمہ عنبرین......دار بن کلاں

اقوالِ زریں

☆ زبان اگرچہ تیز نہیں ہے لیکن تلوار سے گہرا زخم دیتی ہے۔

☆ تین چیزوں کا ہمیشہ احترام کرو۔
والدین......استاد......قانون

☆ پختہ ارادہ آدھی کامیابی ہے۔

☆ عقل مند وہ ہے جو دولت پا کر اپنی اوقات یاد رکھے اور بے وقوف وہ ہے جو دولت ملتے ہی آنکھیں پھیر لے۔

دریہ عارف......نامعلوم

صدقہ کیا ہے؟

ہر مسلمان کو صدقہ کرنا چاہیے' لوگوں نے کہا اگر وہ نہ کر سکے' حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا "تو پھر اسے اپنے ہاتھ سے کام کرنا چاہیے' اس طرح سے اپنے آپ کو نفع پہنچائے اور صدقہ و خیرات بھی کرے۔ لوگوں نے عرض کیا اگر وہ استطاعت نہ رکھتا ہو یا ہاتھ سے کام نہ کر سکے' فرمایا وہ غم زدہ و افسردہ حاجت مند کی مدد کرے' لوگوں نے عرض کیا اگر وہ ایسا نہ کر سکے' فرمایا تو پھر بھلائی کا حکم دے۔ لوگوں نے عرض کیا اگر وہ ایسا نہ کر سکے فرمایا تو پھر بُرائی سے رک جائے' یہی اس کے لیے صدقہ ہے۔"

سعدیہ کنول سعدی......تونسہ

مہکتی کلیاں

✦ اگر دنیا میں سکون ہوتا تو لوگ اللہ کو بھول جاتے۔

✦ سکون تو صرف ان لوگوں کے پاس ہے جو اللہ کی رضا کو اپنی رضا سمجھتے ہیں۔

ربّ العزت نے فرمایا:۔

✦ میرے فضل کی انتہا تو دیکھو جو فرشتے شام کو تمہارے گناہ میرے پاس لاتے ہیں میں صبح ان کے ہاتھ تمہارا رزق بھجوا دیتا ہوں۔

✦ جو اللہ کے کاموں میں لگ جاتا ہے اللہ اس کے کاموں میں لگ جاتا ہے (حضرت ابوبکر صدیقؓ)۔

ایمان بٹ......لودھراں

قرآن پاک کیا ہے؟

✦ اللہ کی کتاب جو پوری دنیا کی سردار اور کتاب کو لانے والا جبرائیل جو فرشتوں کا سردار۔

✦ جس پر اترا وہ نبیوں کے سردار (محمد صلی اللہ علیہ وسلم)

✦ جس اُمت پر اترا وہ امتوں کی سردار (مسلمان)۔

✦ جس شہر میں اترا وہ شہروں کا سردار (مکہ مدینہ)۔

✦ جس مہینے میں اترا وہ مہینوں کا سردار (رمضان)۔

✦ اور جس رات مکمل ہوا وہ راتوں کی سردار (شب قدر)۔

کبریٰ مہتاب......پوسال سکھا

قوسِ قزح کے رنگ

❖ کتنے دکھ کی بات ہوتی ہے ناں کہ جب ہم کسی پر اندھوں کی طرح اعتبار کریں اور وہ واقعی یہ ثابت کر دے کہ ہم حقیقتاً اندھے ہیں۔

❖ اپنی مشکل میں اپنے ربّ کو یہ مت بتائیں کہ آپ کی مشکل کتنی بڑی ہے بلکہ اپنی مشکل کو بتائیں کہ آپ کا ربّ کتنا بڑا ہے۔

❖ رویوں میں اندھیرا نظر آئے تو صرف اسے کوسنے مت بیٹھ جایئے' ممکن ہے آپ کے ایک چراغ جلانے سے کسی کے اندر کی تاریکی کم ہو جائے۔

❖ جب کسی کو رتبہ ملتا ہے تو وہ انسان بدلتا نہیں ہے بلکہ اس کی اصلیت کھل کر سامنے آ جاتی ہے۔

❖ فطرت سوچ اور حالات کا تصادم ہوتی ہے ورنہ انسان جیسا بھی ہو دل کا بُرا نہیں ہوتا۔

❖ جن کا کوئی اپنا مر جاتا ہے ان کے پاس تو واضح جواز ہوتا ہے سوگ منانے کا مگر وہ کیا کریں کہ جن کے چہرے پر ہر وقت سوگ کی سی اداسی چھائی رہتی ہے کیونکہ ان کے زندہ بھی مُردوں جیسے ہوتے ہیں۔

رمشا عظمت......پوسال مصور

سیپ کے موتی

○ اپنے آپ کو گلاب کا پھول بناؤ کیونکہ یہ پھول ان کے ہاتھ میں خوشبو چھوڑ دیتا ہے جو اسے مسل کر پھینک دیتے ہیں۔

○ دن میں پانچ وقت کی نماز پڑھنے کو اپنی عادت بنا لو صرف یہ سوچ کر کہ کیا پتا یہ اذان تم آخری بار سن رہے ہو اور تمہارا ربّ تمہیں آخری بار پکار رہا ہے۔

○ جب تم اپنی جیسی مخلوق کی خدمت نہیں کر سکتے تو خالق کی خدمت اور صحیح بندگی کیسے کرو گے۔

○ اگر اللہ تعالیٰ تمہاری دعائیں پوری کر رہا ہو تو وہ تمہارا یقین بڑھا رہا ہے اگر تمہاری دعاؤں کا جواب نہیں دے رہا تو وہ تمہیں آزما رہا ہے۔

○ دعا اپنے لیے مانگنا عبادت ہے اور دوسرے کے لیے مانگنا خدمت ہے' عبادت سے جنت ملتی ہے اور خدمت سے خدا ملتا ہے۔

○ دنیا میں سب سے مشکل کام اپنی اصلاح کرنا اور سب سے آسان کام دوسرے پر تنقید کرنا ہے۔

طیبہ شیریں......کوری خدا بخش

بڑے لوگوں کی بڑی باتیں

اشفاق احمد لکھتے ہیں

"مسلمان وہ ہے جو خدا کو مانتا ہے
اور مومن وہ ہے جو خدا کی مانتا ہے۔"

خلیل جبران لکھتے ہیں

"اگر تیرا دل آتش فشاں ہے تو پھر کیوں توقع رکھتا ہے کہ وہ پھولوں کو تیرے ہاتھ میں تر و تازہ رہنے دے گا۔"

امبر فاطمہ......گلشن اقبال' کراچی

نظم

محفل میں
ہر ایک پہ
سکتہ طاری تھا
جب اس نے پڑھ کے پھونکا سب پہ
"اسمِ محبت"

سباس گل......رحیم یار خان

آئینہ

شہلا عامر

السلام علیکم ورحمتہ اللہ وبرکاتہ! ابتدا ہے اس پروردگار کے پاک نام سے جو وحدہ لاشریک ہے۔ ماہ ستمبر کا شمارہ عید نمبر 2 آپ کے ہاتھوں میں ہے ویسے تو عیدالفطر کا تہوار خوشیوں اور مسرتوں سے عبارت ہے لیکن وطن عزیز پر نظر ڈالیں تو کوئی بھی خوش آئند منظر ہمیں اپنا منتظر نہیں ملتا۔ اس پُرمسرت موقع پر بھی عروس البلاد میں تاریکی وخوف وہراس کا راج رہا۔ ستم بالائے ستم باران رحمت کچھ ایسے برسا کہ ہزاروں لوگوں کو بے گھر و بے سروساماں کر گیا۔ ان ناساعد حالات میں کیسی عید اور کہاں کی عید آئیں مل کر حالات میں بہتری لانے کے لیے عملی اقدامات کے علاوہ اللہ تعالیٰ سے استغفار وامن وسلامتی کی دعا کریں اللہ تعالیٰ ہم سب کی دعائیں قبول فرمائے آمین۔

فریحہ شبیر...... شاہ نکڈر۔ ڈیئر آپی شہلا اسٹاف ریڈرز اینڈ رائٹرز سب کو پیار بھرا السلام علیکم! امید ہے کہ سب خیریت سے ہوں گے اور یقیناً عید اور آزادی کا دن خوب انجوائے کیا ہوگا' خوب دعائیں کی ہوں گی' ویسے کتنی عیدی اکٹھی ہوئی آپ لوگوں کی' بتانا ضرور۔ اس ماہ 28 کو آنچل مل ہی گیا۔ ٹائٹل پر نظر پڑی تو فیروزی کلر میں ملبوس گرل' ہلکی سی مسکان لیے پسند آئی۔ اشتہارات پھلانگ کر فہرست پر نظر ڈالی اور سرگوشیاں پڑھیں۔ ''حمد ونعت'' سے دل ودماغ کو روشن کیا تو ''در جواب آں'' سے ہونٹوں پر مسکراہٹ آ گئی (اتنی محبتیں دیکھ کر) ''دانش کدہ'' سے معلومات میں اضافہ کیا (شکریہ انکل مشتاق اتنی اچھی اور اہم معلومات دینے پر)۔ ہمارا آنچل میں سب سے مل کر اچھا لگا' عکاشہ اور مدیحہ' بہت خوب۔ قصی اور سنیاں دونوں کا تعارف اچھا لگا۔ بہنوں کی عدالت میں سمیرا آپی کا تفصیلی تعارف اچھا لگا۔ عید سروے میں سب کے جوابات دلچسپ تھے۔ ''جھیل کنارہ کنکر'' نازی آپی اف کتنا رلائیں گی آپ کی اسٹوری پڑھ کر تو آنکھیں نم ہوجاتی ہیں' سمجھ نہیں آ رہی مجھے سب سے زیادہ دکھ کس کا ہے۔ حور پر ہونے والے ظلم کا' میکال' نہال یا ہانیہ کا۔ اگلی قسط کا شدت سے انتظار ہے۔ ''میری گڑیا'' نبیلہ ابر نے بہت اچھا لگا۔ ''بھیگی پلکوں پر'' دل کڑا کر کے آنچل کھولا اور وہ شیری صاحب کا خواب تھا پڑھ کر ہنسی نکل گئی۔ ماہ رخ کا اعوان سے ملنا جھٹکے سے کم نہ تھا۔ ''شہر دل'' نادیہ فاطمہ کی تحریر اچھی لگی۔ ''ٹوٹا ہوا تارا'' بہت خوش اسلوبی سے آگے بڑھ رہی ہے' ولید اتنا بے خبر کیسے ہوسکتا ہے۔ مصطفیٰ کا سرپرائز اچھا لگا مگر اتنا برا انجام اُف۔ ''تم سے ہے میری عید'' شازیہ نے اچھا لکھا' مزا آیا پڑھ کر۔ ''مجھے ہے حکم اذاں'' آپی! پلیز اگر سندنی مسلمان ہوجائے تو کسی غلط راہ پر مت ڈالیے گا اور لاریب بی بی کو ابھی تک یقین نہیں آ رہا ایک طرف تو وہ عباس کو برا بھلا کہتی ہے تو دوسری طرف اس پر کسی کو ترجیح نہیں دیتی۔ عجیب منطق ہے بھئی۔ ''چاند روشن ستارا'' حمیرا نگاہ نے بہت اچھا لکھا۔ وطن کی محبت اس سے بڑھ کر کیا ہوگی' کوئی اپنی جان دے کر وطن کی محبت کا حق ادا کرتا ہے اور کوئی اپنے کام سے۔ حمیرا نگاہ کا شمار اپنی تحریروں سے حق ادا کرنے والوں میں ہوتا' ویل ڈن حمیرا! ''عیدی'' نزہت آپی نے بہت اچھا لکھا۔ عروہ جیسی بہو واقعی ہیرا ہوتی ہے۔ ''ضوفشاں چاند اور گلاب'' جس کہانی کا نام اتنا اچھا ہو پھر بھلا وہ کہانی کیوں اچھی نہیں ہوگی۔ ہمیشہ کی طرح سمیرا نے زبردست لکھا' ویل ڈن سمیرا جی! ''گھوڑی برسات'' ام ثمامہ نے بہت اچھے موضوع پر قلم اٹھایا ہلکی پھلکی سی تحریر اچھی لگی۔ ''بیاض دل'' میں سب کے اشعار (عید کی حوالے سے) اچھے تھے مگر مجھے فصیحہ آصف' ساریہ چوہدری' نیلم فاطمہ' پروین آپی' فاطمہ عاشی اور زین الدین صدیقی کے اشعار پسند آئے۔ ڈش مقابلہ مزے کا لگا۔ ''غزل مقابلے'' میں نازی آپی کی کمی کافی شدت سے محسوس کی۔ غزلوں میں سباس آپی' ندا فاطمہ' سمیرا غزل' صدیقہ خان اور زنیرہ طاہر کی غزل پسند آئی۔ ''دوست کا پیغام آئے'' سب ہی اپنے پیاروں کو پیغام دیتے نظر آئے ایک تو اپنے پیغام کے شائع نہ ہونے پر دکھ ہوا اور دوسرا کسی نے ہمیں یاد ہی نہیں کیا۔ ''یادگار لمحے'' میں اپنے علاوہ عائشہ پرویز کا اعزاز' امبر گل کا فیصلہ' اریبہ شاہ کا صوفیانہ لوک اچھی تحریریں تھیں پھر آئینہ کی طرف بڑھی' سب سے اچھا تبصرہ زنیرہ طاہر (اللہ آپ کو صحت وشفا کاملہ عطا کرے آمین)۔ رابعہ اکرم اتنا مختصر تبصرہ اچھا نہیں لگا۔ ''ہم سے پوچھئے'' میں سب سے سوالات اور آپی کے چٹ پٹے جوابات مزے کے لگے آخر میں مہندی کے ڈیزائن مزہ دے گئے اس ماہ کا آنچل پورے کا پورا بیسٹ تھا۔ اب اجازت' دعاؤں میں یاد رکھیے گا' فی امان اللہ۔

☆ فریحہ ڈیئر! آپ کا تفصیلی تبصرہ پسند آیا' محنت کے صلے کے ساتھ ساتھ ہماری دعائیں بھی آپ کے لیے ہیں' خوش رہیں۔

فضہ ہاشمی...... عارف والا۔ محترم آنچل اسٹاف السلام علیکم! دعا ہے کہ آنچل دن دگنی اور رات چوگنی ترقی کرے آمین۔ آج سے تقریباً تین ماہ پہلے میں نے خط لکھا تھا اور اس میں اپنی غیر حاضری کی وجہ بھی بتادی تھی کہ میں چونکہ ایم اے اردو کے آخری سال کے

پیپر دے رہی ہوں اس لیے غیر حاضر رہوں گی اور 10 جولائی کو آخری پیپر دے کر لوٹی تو رمضان کی آمد پھر اس کی مصروفیت بہرحال آج جب کہ 22 رمضان المبارک ہے تو آپ کو خط لکھنے بیٹھی ہوں۔ حسب معمول اگست کا آنچل 27 جولائی کو ہی پورا پڑھ چکی ہوں' سب سے پہلے تو قسط وار ناول پڑھے جس میں سے ''جھیل کنارہ کنکر'' بہت پسند آیا بالخصوص اس میں جس طرح تاریخ کو کھنگال کر کچھ جملوں میں تاریخی ہستیوں اور جدوجہد کربلا کو خراج تحسین پیش کیا گیا ہے وہ واقعی قابل ستائش ہے بہرحال میں آخری قسط کی منتظر ہوں۔ پھر ''مجھے ہے حکم اذاں'' پڑھا پلیز مریم صاحبہ' سکندر اور لاریب کے کردار کو ذرا وضاحت کے ساتھ لکھا کیجیے۔ ''بھیگی پلکوں پر'' اقراء صغیر جیسی دھیمی دھیمی مصنفہ کا دھیما دھیما انداز تحریر دل کے بہلنے کے لیے بہرحال اچھی تحریر ہے۔ ''ٹوٹا ہوا تارا'' سمیرا شریف طور صاحبہ کا ناول میں بہرحال کہانی میں ایک ٹوئسٹ آچکا ہے شہوار اور مصطفیٰ کے کردار میں' بہرحال باقی روایتی کا روایتی رہا۔ سمیرا غزل صدیقی کا ''ضوفشاں چاند اور گلاب'' ایک گھریلو روایتی ہلکی پھلکی تحریر تھی۔ 14 اگست کے حوالہ سے حمیرا نگاہ کا ''چاند روشن ستارا'' ایک محب وطن پر مشتمل ناول تھا لیکن نہ تو سعد کا کردار کھل کر سامنے آیا اور نہ ہی مہر کے کیپٹن ہونے کا۔ اسی طرح سعد کا انسپکٹر ہونا تو سامنے آیا لیکن وہ کس چیز میں ملوث تھا یا اس کا جرم کیا تھا کچھ سمجھ میں نہیں آیا' بالکل اسی طرح اس کا مر جانا بھی مہمل پہیلی تھی۔ تابش کا سب کے روکنے کے باوجود 12 اگست کو فارن کنٹری چلے جانا اور 14 اگست کو کاکول اکیڈمی دوبارہ جوائن کرنا میری سمجھ سے بالاتر رہا۔ افسانوں میں ''عیدی'' پڑھا' قسم سے انتہائی بور لگا کہنے کو تو یہ عید رنگ آنچل ہے مگر قسم سے اس میں مزا نہیں آیا وہ شوخی شرارت' رنگ مہندی' چوڑیاں جو عید کے آنچل کی روایت رہی ہے پتا نہیں کہاں چلی گئی ہے۔ آپ کہیں گی یہ لڑکی بہت بولتی ہے میں نہ صرف بہت زیادہ بولتی ہوں بلکہ بہت زیادہ سوچتی ہوں اور بہت زیادہ لکھتی ہوں' خاصی بے باک قسم کی چیز ہوں کی۔ میرے انکل مشتاق قریشی کہاں ہیں' ان کی تحریر بھی بہت زبردست ہے میں دل سے ان کی ممنون ہوں' پلیز انکل عید کا تحفہ سمجھ کے ہی مجھے اپنی کوئی بک بھجوادیں جو میرے لیے مشعل راہ ہو (دیکھا میں بہت بولتی ہوں اب عیدی مانگ لی نا)۔ ایک بار پھر میری آپا قیصر آراء' طاہر بھائی اور میرے پیارے انکل اور تمام آنچل کے فیملی ممبران کو یوم آزادی اور عیدالفطر مبارک ہو۔

☆ پیاری فضہ! آپ کی تجاویز نوٹ کرلی گئی ہیں' کہانیوں کے بارے میں آپ کی آراء مصنفین تک پہنچ جائے گی بہرحال حمیرا نگاہ کا اپنا انداز ہے آپ کہانی کو غور سے پڑھیں آئندہ بھی شرکت کرتی رہیے گا۔

شبانہ امین راجپوت...... کوٹ رادھا کشن۔ پیاری شہلا عامر سدا سلامت رہیں آمین۔ السلام علیکم! اگست کا آنچل چمکتے دمکتے سرورق کے ساتھ عید مبارک کہتا ہوا ملا' انتظار کی ساری کوفت دور ہوگئی (ویسے اس مرتبہ آنچل کافی لیٹ ملا)۔ آپی کی سرگوشیاں پڑھیں دل دکھ سے بھر آیا نہ جانے کب ہمارے ملک کے حالات سدھریں گے' میں نے تو جب سے ہوش سنبھالا ہے دو پارٹیوں کے سوا کسی تیسری پارٹی کو اقتدار میں نہیں دیکھا۔ اس مرتبہ افسانے تینوں ہی اچھے تھے ''میری گڑیا'' نے تو رلا ہی دیا۔ ''عیدی'' اور ''گھوڑی برسات'' بھی اچھے تھے۔ ام ثمامہ واقعی انسان کسی حال میں خوش نہیں رہتا۔ سلسلے وار ناول سارے ہی بیسٹ جا رہے ہیں۔ حمیرا نگاہ کا ناولٹ اچھا تھا' ڈائیلاگ بھی اچھے تھے لیکن پھر بھی تحریر میں کچھ کمی سی تھی' باقی رسالہ ابھی نہیں پڑھا اتنا ہی کافی ہے۔ بیاض دل میں نیلم فاطمہ' کوثر ناز اور نگہت ظفر کے اشعار اچھے لگے' شاعری میں ندا فاطمہ' سمیرا غزل' شگفتہ خان' زنیرہ طاہر' قدیر رانا اور صدیقہ خان کی شاعری اچھی لگی۔ میری جانب سے آنچل اسٹاف' قارئین اور تمام آنچل فرینڈز کو عید مبارک اور جشن آزادی مبارک ہو' دعاؤں میں یاد رکھیے گا' اللہ حافظ۔

طیبہ شیریں...... کوری خدا بخش۔ السلام علیکم! شہلا آپی اور تمام پڑھنے اور لکھنے والوں کو گزری ہوئی عید بہت بہت مبارک ہو' امید کرتی ہوں کہ سب لوگ خدا کے فضل وکرم سے ٹھیک ٹھاک ہوں گے' اگست کا شمارہ 29 جولائی کو ملا' ٹائٹل اچھا تھا۔ حمد ونعت کے بعد ''مجھے ہے حکم اذاں'' سندنی پر مجھے کافی حیرت ہوئی' مجھے لگتا ہے یہ ٹھوکر کھانے کے بعد ہی اسلام کو سمجھے گی' ایک بندے کے لیے اسلام قبول کرنے میں اتنی جلدی کر رہی ہے اور پھر اسلام چھوڑنے میں بھی جلدی کرے گی۔ لاریب بی بی کی کیا بات ہے ذرا سا سکندر غصہ دکھائے تو بولتی بند ہوجاتی ہے' ویسے لاریب صاحبہ رہنا تمہیں سکندر کے ساتھ ہی ہے جتنی مرضی اکڑ دکھالو تم۔ ام مریم! زیادہ لکھا کریں' کہانی شروع کی ادھر ختم بھی ہوگئی۔ ام ثمامہ ''گھوڑی برسات'' پسند آئی' میرے خیال سے تو بندہ کسی حال میں خوش نہیں رہتا مگر میرے خیال میں سفینہ جس حال میں ہے وہ کافی اچھا ہے کیونکہ اس کے والدین خاص کر ابو کو اس کا خیال ہے اگر سفینہ ناشکری کرے تو اس کی مرضی۔ ہمارا آنچل میں سب سے ملاقات اچھی رہی مگر عکاشہ تم میری طرح چاول کی بہت شوقین ہے ویسے تیجی کے ساتھ کچھ کھانے کو نہ ہو تو پڑھنے کا مزا ہی نہیں آتا۔ صدیقہ خان اور شبیر مظہر رانجھا کا انتخاب پسند آیا۔ ''ہم لڑکیاں'' فریحہ شبیر سچ لکھا ہے' جی آئینہ دیکھنے کے بعد خود بھی آئینہ میں آنے کا سوچا اور پھر جو پڑھا لکھ ڈالا۔ نادیہ میں نے تمہاری طرف ''دوست کا پیغام میں آئے'' پیغام تو دیا تھا مگر...... تم یہ مت سوچو کہ میں نے پیغام نہیں دیا' خدا آنچل کو دن دگنی ترقی دے [illegible] ہنستے رہیں [illegible] خوش رہو اور دوسروں کو خوش رکھو۔

پروین افضل شاہین...... بھاولنگر۔ السلام علیکم! اس بار اگست کا آنچل عید نمبر میرے ہاتھوں میں ہے سرورق دیکھ کر مجھے ایسا لگا کہ جیسے وہ میرے میاں جانی کو کہہ رہی ہو (لٹ ابھی سلجھا جا رے بالم میں نہ لگاؤں گی ہاتھ رے) مجھے بہت غصہ آیا کہ اس کا اپنا بالم نہیں تھا جو کہ میرے میاں کو کہہ رہی ہے۔ بہنوں کی عدالت میں سمیرا شریف طور سے بہت ہی زیادہ بہنوں نے سوال کیے جبھی تو ابھی تک قسطیں چل رہی ہیں۔ سلسلے وار ناولز کے علاوہ بھی "تم سے ہے میری عید" جھیل کنارہ کنکر شہر دل چاند روشن ستارا مجھے ہے حکم اذاں" بھی پسند آئے۔ شمع مسکان شازی فاروق ثانیہ عبدالغفور کے سوالات ناہید اختر ثمرین کنول فصیحہ آصف خان کے اشعار راشد ترین فریدہ فری قدیر رانا زنیرہ طاہر سباس گل کی غزلیں پسند آئیں۔ ہماری دعا ہے آنچل اور ترقی کرے آمین۔

☆ ڈیئر پروین لگتا ہے ٹائٹل نے آپ سے زیادہ آپ کے بالم کو متاثر کیا ہے۔ ہے ناں؟ اور ذرا اُن کی ڈور کی کس......

عمارہ انمول...... جہلم۔ السلام علیکم! تمام قارئین اور اسٹاف کو تین ماہ کی طویل غیر حاضری کے بعد میری آمد کیسی لگی فرینڈز میرے پیپرز ہو رہے تھے اس لیے حاضر نہیں ہو سکی سب سے پہلے تمام فرینڈز کو گزری ہوئی عید بہت بہت مبارک ہو۔ اب آتے ہیں تبصرے کی طرف تو سمیرا آپی کا تعارف اور ناول پڑھ کر بہت ہی مزا آیا پھر ہم آئے اپنے پسندیدہ ناول پر تو آپی نازی آپ کا ناول بہت ہی زبردست تھا۔ اس کے بعد "بھیگی پلکوں پر" پڑھا شیری جو پری کو لے کر جا رہا تھا شکر ہے خواب تھا ورنہ میں تو ڈر ہی گئی تھی۔ ام مریم آپی کا ناولٹ بہت اچھا جا رہا ہے اور "شہر دل" بھی اچھا تھا تعارف اور شاعری سب کی ہی فٹ تھی ابھی آنچل اتنا ہی پڑھا ہے او کے اللہ حافظ فرینڈز۔

فائزہ بھٹی...... پتوکی۔ السلام علیکم پاکستان! کیسے ہیں سب لوگ؟ شہلا آپی کیسی ہیں آپ؟ اللہ تعالیٰ سے دعا ہے وہ آپ پر اور آپ کی پوری ٹیم پر اپنی رحمتوں کا سایہ رکھے اور آپ لوگ اسی طرح ترقی کی منازل طے کرتے جائیں آمین۔ اگست کا شمارہ (عید نمبر) خلاف معمول کافی لیٹ ملا۔ عید کے حوالے سے جو ٹائٹل ہمارے تصور میں تھا اس کے بالکل برعکس تھا جو کہ اچھا نہیں لگا ہم سفید لباس میں ٹائٹل گرل دیکھنے کے خواہاں ہیں۔ "بہنوں کی عدالت میں" ہمیشہ کی طرح سمیرا جی کو پڑھ کر مزا آیا۔ "حمد و نعت" ہمیشہ کی طرح اچھی تھی۔ اب بات ہو جائے کہانیوں پر تو "ٹوٹا ہوا تارا" زبردست سمیرا جی کیا خوب اینڈ کیا ہے بالکل اوپر کا سانس اوپر اور نیچے کا نیچے تھا۔ ویل ڈن سمیرا جی۔ "جھیل کنارہ کنکر" اگلے ماہ آخری قسط کا پڑھ کر خوشی ہوئی نازی جی آپ سے بس ایک شکایت ہے آپ کہانی میں کردار بہت زیادہ ڈالتی ہیں جس کی وجہ سے ہمارے کچھ پسندیدہ کردار چھ چھ ماہ تک شکل نہیں دکھاتے جو کہ بالکل بھی اچھا نہیں لگتا۔ اب اس کہانی میں ارتج میرا پسندیدہ کردار ہے اس کے بارے میں پڑھنے کو ہر ماہ دل کرتا ہے مگر آپ اس پر بالکل بھی نہیں لکھتیں نازی آپی یہ ہم لوگوں کے ساتھ زیادتی ہے۔ "مجھے ہے حکم اذاں" بھی بہت اچھی طرح آگے بڑھ رہی ہے بس لاریب کی بدتمیزیاں برداشت نہیں ہوتیں باقی سب ٹھیک ہے۔ "بھیگی پلکوں پر" بھی ٹھیک جا رہی ہے اس اسٹوری میں شیری بالکل بھی اچھا نہیں لگتا عجیب بونگیاں مارتا پھرتا ہے باقی اسٹوریز ابھی پڑھی نہیں ہیں کیونکہ پھر خط نہیں لکھ سکتی تھی مگر امید ہے وہ بھی زبردست ہوں گی اب بات ہو جائے دوسرے سلسلوں کی تو ان سلسلوں میں شرکت کرنے والی کچھ قاری بہنیں غائب ہیں مثلاً پاکیزہ سحر سنیاں شاہ فرح قریشی دعا زاہد نادا حب اور بھی بہت سی لڑکیاں ہیں کہاں غائب ہیں بھئی آپ لوگ جلدی سے شرکت فرمائیں۔ آپ سب آنچل کی جان ہیں ہم جیسے بہت سے لوگ آپ کو دیکھنے کے خواہاں ہیں آج کل ہماری فیورٹ شمع مسکان ہر سلسلے پر چھائی ہوئی ہیں ویری گڈ شمع! یادگار لمحے کی جویریہ سالک سے ہمیں کافی بڑی شکایت ہے بھئی آپ ہمارے خط کیوں نہیں شامل اشاعت کرتیں ہمارا قصور تو بتائیں۔ بہت سی دعاؤں کے ساتھ اللہ حافظ۔

☆ فائزہ ڈیئر! آئندہ کوشش کریں گے کہ آپ کو شکایت کا موقع نہ ملے۔

دلکش مریم...... چنیوٹ۔ السلام علیکم! میری طرف سے آپ کو عید کی خوشیاں بہت بہت مبارک ہوں عید کی مناسبت سے ٹائٹل بھی زبردست تھا سجی سنوری ماڈل پیاری لگ رہی تھی صفحات پلٹے اور آنٹی قیصر آرا کی سرگوشیاں سنتے "حمد و نعت" سے فیض یاب ہوئے۔ سب سے پہلے سلسلہ وار ناول پڑھے "ٹوٹا ہوا تارا" مصطفیٰ اور شہوار کی منگنی سے دلی خوشی ہوئی اب انا اور ولید کو بھی جلدی سے ایک کر دیں۔ "بھیگی پلکوں پر" اُف یہ شیری کا خواب تھا توبہ...... اور طغرل کیا پری سے زبردستی اقرار کروانا چاہتا ہے بہرحال قسط اچھی تھی۔ "جھیل کنارہ کنکر" پڑھ کر تو دل خون کے آنسو رویا مکمل قسط آنسوؤں میں ڈوبی ہوئی تھی خط لکھتے ہوئے بھی دل افسردہ ہے نازیہ آپ بہت اچھا لکھتی ہیں۔ ام مریم اس بار بھی قسط لاجواب تھی سندس دل کے ہاتھوں مجبور ہو کر آخر عباس کے لیے کام کرنے کو تیار ہو گئی اور خود ہدایت سے دور ہو گئی۔ مکمل ناول دونوں ایک سے بڑھ کے تھے۔ "شہر دل" کی تعریف کے لیے تو الفاظ نہیں ہیں ناولٹ حمیرا نگاہ نے اچھا لکھا۔ "ضوفشاں چاند اور گلاب" بھی خوب صورت تحریر تھی۔ افسانہ "میری گڑیا" نبیلہ ابر راجا آپ کو گڑیا نہیں چھیننی چاہیے تھی بہت دکھ ہوا۔

"عیدی" بھی اچھا افسانہ تھا اور "نگوڑی برسات" بھی اچھا افسانہ تھا بے شک انسان ناشکرا ہے۔ سمیرا شریف طور نے بہت پیارے جواب دیے۔ تعارف اقصیٰ وسنیاں زرگر کا زیادہ پسند آیا۔ سروے میں بہنوں کے جوابات بھی خوب تھے "بیاض دل" میں ساریہ چوہدری کیفہ سکندر اور سبینہ نواز نے اچھا لکھا۔ "ڈش مقابلہ" میں عید کے لیے فروٹ سویاں پسند آئیں۔ "غزلیں نظمیں" میں سباس گل ندا فاطمہ سمیرا غزل شگفتہ خان زنیرہ طاہر صدیقہ خان نے خوب لکھا۔ "آئینہ" میں طاہرہ ملک رمشاء عظمت صدف مختار کی تعریف کا شکریہ سدا خوش رہیں۔ "دوست کا پیغام آئے" میں سب کے پیغام پڑھے کسی کو نہیں پتا لیکن جناب 24 اگست ہماری سالگرہ کا دن ہے۔ یادگار لمحے عائشہ پرویز سمیرا غزل اور اریبہ شاہ نے بہت اچھا لکھا۔ گرمی اور لوڈشیڈنگ میں شمائلہ کے چٹے پٹے جوابات مزا دے گئے اب اجازت چاہوں گی خدا سب کو اپنی امان میں رکھے آمین۔

☆ ڈیئر دلکش! ہماری جانب سے سالگرہ مبارک ٹائٹل پسند کرنے کا شکریہ۔

سیدہ کنزیٰ زین...... منڈی بہاؤ الدین۔ پیاری شہلا آپی السلام علیکم! عید کیسی گزری؟ آنچل اس بار 25 جولائی کو ملا جب کہ میں نے تو پاپا اور بھائیوں کی 23 جولائی کو ہی دوڑیں لگوا دی تھیں سرورق دیکھ کر طبیعت فریش ہو گئی۔ ماڈل گرل بہت پیاری تھی کچھ کچھ تو وہ مجھے اپنی پیاری کزن دیدی مہوش جیسی لگی وہ بھی دلہن بن کے ایسی ہی لگ رہی تھی ناں۔ ہمارا آنچل میں فاطمہ منظور عکاشہ انجم مدیحہ بتول اقصیٰ زرگر اور سنیاں زرگر کا تعارف پڑھا سب کے تعارف بہت دلچسپ تھے لیکن اقصیٰ آپی اینڈ سنیاں آپ کے تعارف نے تو آنچل کو چار چاند لگا دیے ویری انٹرسٹنگ! پڑھتے ہوئے بہت مزا آیا۔ سمیرا آپی سے ملاقات بھی اچھی رہی "اس دھج سے خواہشوں نے کیا اہتمام عید" امبر گل آپ کے ابو جان کو اللہ پاک جوار رحمت میں جگہ عطا فرمائے آمین۔ نگہت اسلم چوہدری واؤ آپ کے ساتھ تو عید منانے کا دل چاہ رہا تھا اتنی مزے مزے کی ڈشز منہ میں پانی آ گیا۔ اب آتے ہیں ڈائجسٹ کی طرف نازی آپی حور عین ہانیہ اور نہال کے لیے بے حد دکھ ہوتا ہے اور میکال حسن کیسا انسان تھا ایک لڑکی کی باتوں میں آ گیا۔ "بھیگی پلکوں پر" اقرا آپی تھینک گاڈ کہ یہ صرف شیری کا خواب تھا میں تو بہت ڈر گئی تھی۔ شیری کی جذباتیت کا اب خاتمہ ہو ہی جانا چاہیے اور آپی جی یہ اسٹوری سلوموشن میں چل رہی ہے "ٹوٹا ہوا تارا" سمیرا آپی اور نو یہ شہوار کے ساتھ کیا ہو رہا ہے پلیز اب کسی کو نقصان نہ پہنچے۔ رابعہ کافی اچھی لڑکی لگی ہے کہیں عباس کا نیو پلان اس کے ساتھ تو نہیں؟ "مجھے ہے حکم اذاں" آپی جی معذرت کے ساتھ اس اسٹوری میں اب بالکل مزا نہیں آ رہا۔ سندنی اور سکندر شروع میں میرے فیورٹ کردار تھے اور اب دونوں ہی بالکل اچھے نہیں لگتے۔ "شہر دل" اور "چاند روشن ستارا" بیسٹ اسٹوریز تھیں۔ "شہر دل" کی شہرین بہت اچھی لگی "تم سے ہے میری عید" اور "ضوفشاں چاند اور گلاب" بھی بہت اچھی لگیں۔ افسانے بھی اچھے تھے "بیاض دل" میں اس بار بھی کا انتخابات بہترین اور لاجواب تھا لیکن امبر گل سباس گل اور زین الدین صدیقی کا بیسٹ لگا۔ آخر میں یہ کہ اس بار مہندی کے ڈیزائن بھی منفرد اور خوب صورت تھے اب اجازت دیجیے اللہ حافظ اپنا خیال رکھیے گا اور مجھے دعاؤں میں یاد رکھیے گا۔

فرزانہ سرور فرح...... میاں چنوں۔ السلام علیکم! ٹائٹل گرل بہت پیاری لگی۔ "بھیگی پلکوں پر" مجھے پری اور طغرل کی نوک جھونک اچھی لگتی ہے۔ "جھیل کنارا کنکر" نے تو ہمیشہ کی طرح ہمارے موڈ کو ایک دم تازہ کر دیا نازیہ ہمیشہ اچھا ہی لکھتی رہیں۔ "مجھے ہے حکم اذاں" یہ اسٹوری میرے دل دماغ خیال سوچ سب پر حاوی ہو کر رہ جاتی ہے۔ باقی افسانے بھی اچھے لگے "بیاض دل" میں فصیحہ آصف خان اور ثمرین کنول کے شعر پسند آئے۔ "ڈش مقابلہ" میں فوزیہ سلطانہ کی رس ملائی خوب مزے کی لگی۔ غزلوں میں فریدہ فری یوسف زئی اور قدیر رانا کی غزل اچھی لگی "دوست کا پیغام آئے" میں ارم کمال کا پیغام اچھا لگا۔ آئینہ میں زنیرہ کا تبصرہ پسند آیا۔ "ہم سے پوچھیے" میں ہمیشہ کی طرح مجھے تو پروین افضل شاہین کے سوال اچھے لگے اس سے یہ اندازہ ہوتا ہے پروین کو اپنے شوہر سے محبت ہے بھی تو ہر بات ان کے نام سے شروع ان پر ہی ختم ہوتی ہے ہمیں آنچل ہمیشہ کی طرح بیسٹ لگا۔

مدیحہ نورین...... بورالی۔ السلام علیکم! سب سے پہلے تمام اہلیان وطن کو گزری عید مبارک ہو امید ہے سب نے بہت اچھے طریقے سے منائی ہو گی ہاں جی نازیہ آپی بہت اچھا لکھا اس دفعہ بھی۔ نازیہ جی آپ ہر دفعہ چھا جاتی ہیں خیر تو ہے ناں۔ ام مریم آپ کے پاس اتنی انفارمیشن کہاں سے آئی قدیر رانا راشد ترین سباس گل سمیرا غزل صدیقی کی غزلیں نظمیں پسند آئیں باقی سب نے بھی بہت اچھا لکھا میری تمام پڑھنے والوں سے درخواست ہے خود کو خدامت سمجھیں اوروں کی بیٹیوں کو اپنی بیٹیاں سمجھیں بہوئیں نہیں سب کو سلام آپ سب کی دوست زینب رکھا۔

طاہرہ مہر...... گجرات۔ پیاری آپی جان السلام علیکم! امید ہے کہ خوش باش ہوں گی اگست کا آنچل 30 جولائی کو مل گیا جسے پا کر خوشی کی انتہا نہ رہی پھر تو آنچل میں ایسے گم ہوئے دو دن میں پڑھ کر ہی دم لیا سارے سلسلے زبردست تھے۔ سلسلے وار ناول میں اقرا صغیر کا

"ٹوٹا ہوا تارا" میں ایاز نے شہوار کے ساتھ بہت بُرا کیا' ایاز کو اپنے کیے کی سزا ضرور ملنی چاہیے اور انا اس طرح برتاؤ کیوں کررہی ہے اُسے تھوڑی سی عقل دیں' باقی ناول زبردست تھا۔ اقراء صغیر کا "بھیگی پلکوں پر" میں پری طغرل کی محبت کو قبول کرلے' افسانے سب ہی اچھے تھے۔ مکمل ناول بھی سب ہی زبردست تھے بس نازیہ کا ناول "جھیل کنارا کنکر" میں ہانیہ کے ساتھ بہت بُرا ہوا۔ میکال کو ایسی جذباتیت کا مظاہرہ نہیں کرنا چاہیے تھا اور نیہال کے بارے میں جان کر بہت دکھ ہوا۔ "شہر دل" میں نادیہ فاطمہ رضوی نے خاص متاثر نہیں کیا۔ شازیہ مصطفیٰ کا "تم سے ہے میری عید" بہت پسند آیا' ناولٹ میں ام مریم کا "مجھے ہے حکم اذاں" بہت زبردست تھا۔ نندنی کو چاہیے عباس کی محبت میں خود کو اتنا ارزاں مت کرے اور شوبز جوائن مت کرے۔ باقی تمام سلسلے بھی تعریف کے قابل تھے' مستقل سلسلے پڑھے' بہنوں کی عدالت میں سمیرا شریف طور کے متعلق پڑھ کر بہت اچھا لگا (تسی گریٹ او)۔ آنچل بہت ہی معیاری پرچہ ہے' اس کے اسی معیار نے ہمیں لکھنے پر مجبور کردیا' میں اپنی تحریر بھیجنا چاہتی ہوں کیا بھیج سکتی ہوں' پلیز ضرور بتایئے گا' اللہ حافظ۔

☆ طاہرہ مہر! پہلی مرتبہ شرکت پر خوش آمدید۔ شاعری اور تعارف معیاری اور دلچسپ ہوا تو ضرور شائع ہوجائے گا۔

ندا اعجاز...... گوجر خان۔ السلام علیکم! سب سے پہلے تو اس ماہ کے ڈائجسٹ کا ٹائٹل اتنا اچھا نہیں لگا' سارے ہی قسط وار ناول بہت اچھے ہیں۔ نازیہ آپی آپ نے جس طرح اپنی کہانی میں مجاہدین اسلام کے بارے میں لکھا سچ میں پڑھتے ہوئے لگ رہا تھا کہ خون کھول رہا ہے جذبات گرم ہورہے ہیں' کبھی تفصیلی تبصرہ بھی ان شاء اللہ ضرور کروں گی۔ باقی سارے ہی سلسلے بہت زبردست ہیں اور ام مریم کا ناولٹ اس میں مجھے نندنی کا کردار بہت اچھا لگا۔ اوکے اگلی دفعہ تفصیلی تبصرہ ضرور لکھوں گی۔

☆ ندا ڈیئر! ہم آپ کے تفصیلی تبصرے کے منتظر رہیں گے۔

انیلہ ملک...... شور کوٹ۔ السلام علیکم! تین سال سے آنچل کی خاموش قاری ہوں' ہمت کرکے آج ہم نے بھی کاغذ اور قلم اٹھایا آنچل پر تبصرہ کرنے کے لیے۔ سب سے پہلے پہنچے سرگوشیاں میں' پہلے حدیث پاک سے مستفید ہوئے اور پھر "حمد و نعت" سے دل کو منور کیا۔ اس کے بعد جمپ لگا کر "جھیل کنارا کنکر" تک چلے گئے۔ نازیہ آپی اس کا اینڈ اچھا سا ہونا چاہیے۔ مائی فیورٹ سلسلہ وار ناول "ٹوٹا ہوا تارا" اور "بھیگی پلکوں پر" ہے۔ "مجھے ہے حکم اذاں" ام مریم بہت اچھا لکھ رہی ہے' باقی سب کہانیاں بہت اچھی تھیں۔ اللہ تعالیٰ آنچل کو اسی طرح بلندیوں سے نوازے رکھے آمین۔

☆ انیلہ ملک! خوش آمدید' اب کاغذ و قلم سے رشتہ استوار رکھیے گا اور آئندہ بھی شرکت کرتی رہیے گا۔

ماریہ نور...... شاہ کوٹ۔ السلام علیکم! پیا جانی کیسی ہیں آپ؟ امید ہے ٹھیک ٹھاک ہیں' اب بڑھتے ہیں آنچل کی جانب جیسے ہی آنچل ہاتھ میں آیا ہم تو سرورق پر سرسری نظر ڈال کر جمپ لگا کر "جھیل کنارا کنکر" پر پہنچ گئے۔ معصوم مسلمانوں پر مظالم کی داستان پڑھ کر رونگٹے کھڑے ہوگئے' نازی آپی میرے پاس الفاظ نہیں ہیں جن میں اپنے جذبات کو بیان کرسکوں' میری دعا ہے اللہ آپ کو تمام آفات سے بچائے' آمین۔ آپ ایسے ہی لکھتی رہیں۔ دنیا مائرہ جیسے لوگوں سے بھری ہوئی ہے جو اپنی خوشی کے لیے کئی معصوم زندگیاں تباہ کردیتے ہیں پھر تمام عمر بے چین رہتے ہیں' بوجھل دل کے ساتھ "بھیگی پلکوں پر" کی طرف بڑھے یہ جان کر تسلی ہوئی کہ شیری خواب دیکھ رہا تھا۔ ماہ رخ کو بہت سزا مل چکی ہے اب پچھتا سانی ہوجانی چاہیے۔ پری کا کردار مجھے بے حد پسند ہے صنف نازک کو اس کی طرح ہی صابر و شاکر اور سگھڑ ہونا چاہیے۔ اب بات ہوجائے موسٹ فیورٹ ناول کی جس کی پہلی قسط پڑھ کر ہم نے آنچل باقاعدگی سے منگوانا شروع کیا۔ سمیرا آپی ویری گڈ کہانی بہت خوب صورتی سے آگے بڑھ رہی ہے تابندہ بی کے ماضی سے بھی ذرا سا پردہ اٹھادیں کیونکہ ہم کچھ بے صبرے واقع ہوئے ہیں خیالی پلاؤ پکاتے رہتے ہیں مگر اب تک کوئی اہم سراغ نہیں لگا پائے ہائے...... اگلی قسط کا بے صبری سے انتظار کررہے ہیں۔ ام مریم کا ناولٹ بھی مجھے بہت پسند ہے' نندنی کے جنون پر حیرت ہوتی ہے۔ امامہ کو وقاص کے چنگل میں نہ پھنسائیں آپی اور سکندر اب کافی ٹھیک ہوگیا ہے۔ افسانوں میں "عیدی" بہت پسند آیا "میری گڑیا" پڑھ کر آنکھوں میں آنسو آگئے۔ "نگوڑی برسات" بھی ام ثمامہ نے بہت اچھے ٹاپک پر لکھا۔ "تم سے ہے میری عید" اور "شہر دل" بھی پسند آئے۔ سمیرا غزل صدیقی کا ناولٹ بھی بے حد اچھا لگا' حمیرا نگاہ آپ نے بھی بہت اچھے ٹاپک پر لکھا' پھر ہم بڑھے مستقل سلسلوں کی طرف سبھی ایک سے بڑھ کر ایک تھے۔ حنا کے رنگ بہت ہی پیارے لگے' سمیرا آپی آپ کے بارے میں تفصیلی جان کر بہت خوشی ہوئی' تبصرہ کافی طویل ہوگیا' اس لیے اب ہم جارہے ہیں پھر آئیں گے اپنا اور دوسروں کا خیال رکھیں۔

مسرت منظور...... مظفر گڑھ۔ السلام علیکم! شہلا آپی کیسی ہیں آپ؟ آپی مجھے بہت دکھ ہوا سچ پوچھیں تو حورالعین کی کہانی نے تو دل دہلا کے رکھ دیا کہ ہم مسلمانوں کے ساتھ کتنا ہتک آمیز سلوک ہوتا ہے' نازیہ آپی آپ لفظوں اور خیالات کو پرواز ملکوتی عطا کرتی ہیں اور جس شیرینی کے ساتھ پیش کرتی ہیں تو لگتا ہے کہ ہم اس کے حصار سے کبھی نکل ہی نہیں پائیں گے۔ سمیرا آپی آپ کی اسٹوری بھی بہت زبردست ہے' پلیز شہوار اور مصطفیٰ کی شادی جلدی کروادیں۔ اقراء آپی آپ کی کہانی تو بہت سلو چل رہی ہے کہانی کے اینڈ کا تو کہیں کچھ پتا ہی نہیں چل رہا ہے۔ ام مریم آپ کی کہانی بھی لاجواب ہے' باقی ناولٹ ابھی نہیں پڑھے ہیں اس لیے ان پر تبصرہ نہیں کرسکتی لیکن آنچل ڈائجسٹ کی جتنی تعریف کی جائے کم ہے' پلیز مجھے اپنی دعاؤں میں یاد رکھیے گا۔

زارا...... کھائی کھوتلا۔ السلام علیکم! تمام آنچل پڑھنے والوں کو سلام۔ آنچل کی ہر کہانی دل کو چھو کے گزرتی ہے' اُسے پڑھتے وقت ٹائم کا احساس ہی نہیں ہوتا۔ آنچل دن دگنی ترقی کرے آمین۔ مجھے "بھیگی پلکوں پر" میں پری کا کریکٹر بہت پسند ہے اور شاعری کی تو کیا ہی بات ہوتی ہے۔ زبردست سب سلسلے اچھے ہیں آئندہ ماہ نئے تبصرہ کے ساتھ آؤں گی اللہ حافظ۔

سوفی خان...... آزاد کشمیر۔ السلام علیکم شہلا آپی کیا حال ہے؟ میں آنچل میں پہلی مرتبہ لکھ رہی ہوں آنچل کی خاموش قاری ہوں تقریباً چار سال سے آنچل کو پڑھ رہی ہوں' اگست کا شمارہ 24 کو ہی مل گیا' سب سے پہلے "حمد و نعت" سے مستفید ہوئے اس کے فوراً بعد جمپ لگا کر اپنے موسٹ فیورٹ "جھیل کنارا کنکر" کی طرف گئے جو کہ بہت شاندار جارہا ہے۔ نازیہ آپی میرے پاس الفاظ نہیں کہ میں آپ کی تعریف کرسکوں ویری ویل ڈن! "ٹوٹا ہوا تارا" بھی بہت بیسٹ ہے اس کے بعد "مجھے ہے حکم اذاں" مریم جی آپ کی کیا بات ہے' باقی پورا آنچل بہت گریٹ تھا۔ اللہ پاک آنچل کو دن دگنی رات چوگنی ترقی عطا فرمائے' آمین ثم آمین۔ دعاؤں میں یاد رکھیے گا' میں ایس عطاریہ سے دوستی کرنا چاہتی ہوں' خدا حافظ۔

☆ پیاری سوفی! خوش آمدید' آئندہ بھی بزم آنچل میں شرکت کرتی رہیے گا۔

دعا' ملائکہ اور مہر گل...... اورنگی ٹاؤن' کراچی۔ عزیز از جان شہلا آپی' سلام مسنون اور عید الفطر مبارک۔ ماڈل کا میک اپ زبردست تھا' کرٹسلز کی طویل فہرست سے جمپ لگا کر حدیث پاک' حمد و نعت اور سرگوشیاں سے مستفید ہوئے۔ در جواب آں میں اپنا نام نہ پا کر مایوسی ہوئی' چلو جی امید پر دنیا قائم ہے۔ دانش کدہ میں فقہ جعفریہ کے عقائد سے آگاہی ہوئی اور پھر فاطمہ' عکاشہ اور مدیحہ سے ملے مگر سب سے زیادہ دلچسپ تعارف پھوپو اور بھتیجی یعنی اقصیٰ اور منشیاں زرگر کا تھا' ویری ویل ڈن۔ عید سروے کا سروے کرتے ہوئے جب "جھیل کنارا کنکر" کی جانب بڑھے تو حورعین کے دکھ نے گویا آنکھوں میں کنکر بھر دیئے پھر ایاذ کنارے کی صورت اس کے سامنے آیا مگر وہ بھی موت کی جھیل میں ڈوب گیا۔ اے کاش مسلم قوم متحدہ ہوجائے اور ان مسلم دشمن عناصر کے سامنے صف آراء ہوجائے' آمین۔ "بھیگی پلکوں پر" مسٹر شیری' پری کو خواب میں لے کر بھاگ گئے تھے' ویری فنی خیر پری اور طغرل کا زبردست رومانٹک سین تھا' نمبر ون جارہا ہے۔ جی "ٹوٹا ہوا تارا" ایاز کی کمینگی کی حد ہوگئی' نجانے کون ریوالور کی گولیوں کا شکار ہوا ہوگا' خیر بھابی بڑی سمجھ دار تھیں' اتنی خطرناک حالت میں بھی حواس برقرار رکھے اور مصطفیٰ کو خبر کی "میری گڑیا" آنکھیں نم کرگیا "شہر دل" پرانا موضوع اور پلاٹ تھا مگر تفہیم نئی تھی۔ "تم سے ہے میری عید" اور "ضوفشاں چاند اور گلاب" "نٹ کھٹی اور فروٹ چاٹ کی طرح کھٹی میٹھی تھیں۔ نزہت نے عروہ کو "عیدی" دلوادی۔ حمیرا نگاہ نے ہمیشہ کی طرح حب الوطنی کی شمع فروزاں کی۔ "نگوڑی برسات" نے اس فلسفے کو صحیح واضح کیا کہ ابن آدم ناشکرا ہے مگر سکون کی دولت' دنیاوی دولت سے بڑھ کر ہے اس لیے سفینہ کم بخت نہیں بلکہ بخت آور نکلی "مجھے ہے حکم اذاں" ام مریم کہانی کو مصنوعی دنیا کی طرف لے جارہی ہے۔ نندنی اور عباس کا رشتہ بہت آکورڈ فیل ہورہا ہے اور امامہ کو تو دیکھئے ایک ملازم کو اپنا دلہا بھائی بنانے پر تیار ہے' حقیقت میں ایسا کہیں نہیں ہوتا۔ دلکش مریم' سباس گل' فریدہ جی' راشدہ ترین' سمیرا غزل اور سامعہ ملک کی شاعری دل چھوگئی۔ یادگار لمحے میں تمام لمحات واقعی انمول تھے۔ "آئینہ" میں ثمینہ ناز' عشا نور اور طاہرہ ملک کے تبصرے گرما گرم تھے۔ سامعہ' رمشا اور لیقہ کا بہت شکریہ' وطن عزیز کے لیے دعا' اللہ حافظ۔

اس دعا کے ساتھ اجازت چاہوں گی کہ اللہ تعالیٰ ہمارے وطن عزیز کو خوشیوں کا گہوارہ بنادے اور وطن کی آزادی اور سالمیت کو کبھی کوئی آنچ نہ آئے آمین۔

ہم سے پوچھئے

شمائلہ کاشف

رابعہ مبارک......پتوکی

س: السلام علیکم! شمائل آپی کیسی ہیں آپ؟

ج: وعلیم السلام......الحمدللہ۔

س: شمائل آپی بتائیں ذرا گدھے کے سر سے سینگ کہاں گئے؟

ج: آئینہ کے سامنے کھڑی ہوجاؤ' تمہیں نظر آجائیں گے۔

س: آپی گرمی نے تو......ہائے؟

ج: سردی میں بھی آپ نے یہی کہاں بھلا کیوں؟

نادیہ یوسف......جھنگ

س: آپی! میرا استقبال کریں دعاؤں اور پھولوں میں آپ کی محفل میں پہلی مرتبہ قدم رنجہ فرمارہی ہوں۔

ج: نوازش ہے آپ کی' اب قدم رنجہ فرماتی رہیے گا۔

س: میری خاموشی مسلسل کو اک مسلسل گلہ سمجھ لو تم بھلاوہ کیوں؟

ج: کیونکہ سمجھ لیں بھئی بدمعاشی ہے کیا۔

س: اب جلدی سے دعا دیں اور مجھے رخصت کریں' ارے آپی صرف اپنی محفل سے دنیا میں تو ابھی مجھے بہت سے کام کرنے ہیں۔

ج: نادیہ میڈم کہاں' کیسے اور کس کے ساتھ رخصت کریں آپ کو یہ بھی بتادیں۔

عظمیٰ فرید......ڈی آئی خان

س: شمائلہ آپی کیسی ہیں آپ اور عید مبارک؟

ج: عید مبارک' شادی مبارک' عظمیٰ کنڈی سے عظمیٰ فرید بننا مبارک۔

س: شمائلہ آپی! مختلف چیزیں جوڑنے کے لیے کئی سلوشن بازاروں میں دستیاب ہیں لیکن ٹوٹے ہوئے انسان کو کس چیز سے جوڑا جائے؟

ج: پیار و محبت سے۔

س: آپی جب ہر طرف غموں کے گھرے بادل ہوں تو کس طرف جائے؟

ج: پہلے بادلوں کو برسنے دو پھر کہیں جانے کی بات کرنا۔

س: اچھا آپی اللہ حافظ' ہم ہیں راہی پیار کے پھر ملیں گے چلتے چلتے؟

ج: بالکل......کبھی الوداع نہ کہنا۔

آر۔سحر نواز......سرگودھا

س: آپی اگر دل ٹوٹ جائے تو کیا کیا جائے؟

ج: ایلفی لگا کر جوڑلو نو پرابلم۔

س: آپی لوگ چہرے بدل بدل کر کیوں ملتے ہیں؟

ج: تاکہ آپ ان کے ہر روپ سے آشنا ہوجائیں۔

س: آپی کیا آپ کی محفل میں ہر ماہ جگہ ملے گی؟

ج: آزمائش شرط ہے۔

س: آپی اس دعا کے ساتھ اجازت کہ اللہ آپ کو خوب ترقی دے اور خوشیاں دے' اللہ حافظ۔

ج: خوش رہو اللہ حافظ۔

شبانہ شمس......گھوٹکی

س: پہلی دفعہ آئی ہیں وہ بھی ہوائی جہاز پر' آپی جی خوش آمدید نہیں کہیں گی؟

ج: خوش آمدید کسے کہیں' ہوائی جہاز بھی پہلی دفعہ آیا ہے اور آپ بھی۔

س: سویٹ آپی اگر دوست ہماری فکر نہ کریں تو ہم انہیں کیا کریں؟

ج: اگنور ڈاٹ کام پروزٹ کرو۔

س: اُف! اتنی گرمی جلدی سے گرمی سے بچنے کا طریقہ تو بتائیے؟

ج: گرم پانی سے نہالو' گرمی نہیں لگے گی۔

سدرہ گل مہدی حسن......مخدوم پور پہوڑاں والا

س: آپی جی! لڑکیاں اتنی نازک اور لڑکے پتھر دل ہوتے ہیں اور آپ کا دل......

ج: تو وجہ اعتراض کیا ہے نازک یا سنگدلی۔

س: شمائلہ جی ہم نے سنا ہے کہ محبت کرنے والے ایک دوسرے کو نفرت سے کیوں دیکھتے ہیں؟

ج: سنی سنائی باتوں پر غور مت کیا کرو۔

عائشہ پرویز......کراچی

س: کسی لڑکی کی خامیوں کو کیسے جانا جاسکتا ہے؟

ج: کسی دوسری لڑکی کی تعریف کردو اس کے سامنے۔

س: کوئی پیکرِ حسن اگر آنکھوں میں سما جائے تو راتوں کی نیند کیوں اڑ جاتی ہے؟

ج: یہ پیکرِ حسن کا نہیں کافی کی کثرت کا کمال ہے۔

س: اگر عورت رنگ' خوشبو' حیات اور عصمت کا نام ہے تو مرد......؟

ج: عقل' وفا اور طاقت کا نام ہے۔

س: زندگی گزارنا چاہتی ہوں موج میں؟

ج: موج ہے دریا میں اس لیے تیرنا سیکھ لو پہلے

س: اوکے اب اجازت دیجیے پھر ملاقات ہوگی' اللہ حافظ؟

ج: اللہ حافظ۔

شازیہ اسلم طور......خانیوال

س: آپی امیر کے بیڈ سے تکیہ اٹھاؤ تو ڈالر نظر آتے ہیں' سعودی عرب میں سونے کے سکے' انڈیا میں اٹھاؤ تو سینما کے ٹکٹس اور پاکستان میں بیڈ سے تکیہ اٹھا کے دیکھو تو بھلا کیا نظر آتا ہے؟

ج: تم اٹھاؤ گی تو مچھر نظر آئے گا۔

س: آپی حیران کیوں ہو خوب صورت تو میں پہلے دن ہی سے ہوں؟

ج: تمہاری اس عقل پر حیران ہوں۔

س: آپی ہار کے بعد جیت اور جیت سے آگے کیا ہے؟

ج: جگ جیت......پانی والا۔ کیونکہ گرمیوں میں وہ چھٹیوں پر چلا جاتا ہے۔

مدیحہ نورین......برنالی

س: من چاہا ہم سفر نہ ملے تو پھر؟

ج: جگ بھاتا ہم سفر ڈھونڈلو۔

س: دل کی کتنی گلیاں کتنے کونے ہوتے ہیں؟

ج: جغرافیہ لکھنا ہے کیا؟

س: ماں اتنی نرم دل شفقت سے بھرپور غلطیاں معاف کرنے والی کیسے ہوتی ہے؟

ج: کیونکہ وہ ماں ہوتی ہے۔

طیبہ نذیر......شادیوال گجرات

س: اپنی محفل میں شریک کرنے پر تہہ دل سے شکریہ۔

ج: آپ کی اپنی ہی محفل ہے۔

س: آپی جی میری دوست فوزیہ سلطانہ کی 19 ستمبر کو سالگرہ ہے پلیز اسے میرے ساتھ مل کے وش کردیں نا ہیپی برتھ ڈے ٹو یو پپی......

ج: سالگرہ مبارک' عید مبارک' جشن آزادی مبارک' کافی ہے ناں؟

س: آپی جی کیا آپ کو مذاق کرنا زیادہ پسند ہے کیا؟

ج: یہ سوال ہے یا مذاق ہے۔

س: اگر سادگی میں حسن ہے تو فیشن میں کیا ہے؟

ج: فیشن کے نام پر بے انتہا فحاشی۔

پروین افضل شاہین......بہاولنگر

س: ہر سالگرہ پر میرے میاں جانی پرنس افضل شاہین مجھے ہر سال دس روپے ریڑھی سے تحفہ خرید کر کیوں دیتے ہیں؟

ج: کیونکہ وہ صرف نام کے پرنس ہیں اصل میں تو......

س: سالگرہ پر کسی کو دینے کے لیے سب سے قیمتی تحفہ کیا ہوسکتا ہے؟

ج: دعاؤں کا انمول تحفہ اور خلوص دل سے دیا گیا ہر تحفہ قیمتی ہے۔

س: آپ اپنی سالگرہ کیسے مناتی ہیں؟

ج: ہم نہیں ہمارے چاہنے والے مناتے ہیں۔

مہر اینڈ ملائکہ گل...... اورنگی ٹاؤن' کراچی

س: شمائلہ جی پہلی مرتبہ ہم آپ کی بزم میں رونق افروز ہو رہے ہیں' جگہ نہیں ملے گی کیا؟

ج: مہر اینڈ ملائکہ کو جگہ مل جائے لیکن یہ افروز کون ہے اس کے لیے کوئی جگہ نہیں ہے بھئی۔

س: عید نمبر پر آپ خاصی چہک رہی تھیں' سسرال سے اس مرتبہ عیدی آئی ہے کیا یا انہوں نے خود گفٹ دیا ہے؟

ج: ہاں، بہت زیادہ' پہلی عیدی جو تھی۔

س: یوم آزادی کے موقع پر وطن عزیز کے نام ایک خوب صورت دعا؟ اچھا جی ربّ راکھا۔

ج: خدا پاکستان کو تا قیامت سلامت رکھے آمین۔

مہرین آصف بٹ...... سہنسہ آزاد کشمیر

س: ہم کب سے کھڑے ہیں' آپ لفٹ ہی نہیں کراتیں یہ اچھی بات تھوڑی نا ہے کہ بندہ انتظار کرتا رہے؟

ج: کار جہاں دراز ہے اب میرا انتظار کر۔

س: آپی بند آنکھوں سے خواب اکثر خوفناک جب کہ جاگتی آنکھوں سے خواب حسین ہی کیوں نظر آتے ہیں؟

ج: چشمہ لگا کے سو جاؤ پھر بند آنکھوں سے بھی حسین خواب نظر آئیں گے۔

ندا اعجاز...... گوجر خان

س: آداب آپی! کیا حال چال ہیں؟

ج: اللہ کا شکر ہے' حال تو اچھا ہے پر چال کی کوئی خبر نہیں۔

س: آپی اس ماہ میری برتھ ڈے ہے کوئی اچھی سی دعا دیں جس سے مجھے بہت خوشی ہو۔

ج: جیو ہزاروں سال' سالگرہ مبارک ہو۔

س: آپی یہ فرینڈز آج کل اتنی بے مروّت ہوگئی ہیں کہ گفٹ دیتی ہی نہیں' دعا کریں ان کو میرا خیال آئے اور گفٹ بھجوا دیں۔

ج: پہلے تم ان کا خیال کرلو پھر انہیں بھی آجائے گا۔

فریحہ شبیر...... شاہ نکڈر

س: السلام علیکم شمائلہ آپی! کیسی ہیں آپ؟

ج: وعلیکم السلام! اللہ کا کرم ہے۔

س: کافی عرصہ بعد آپ کی محفل میں شرکت کر رہی ہوں' بتایئے کیسا لگا؟

ج: تم آگئے ہو نور آ گیا ہے......

س: آپی عید کیسی گزری آپ کی' سچ سچ بتائیں کتنی عیدی اکٹھی ہوئی؟

ج: پہلے اپنی عیدی بتاؤ؟

س: آپی میری عیدی کہاں چھپائی' میں انتظار ہی کرتی رہی مگر اب تک ملی نہیں؟

ج: یہ اتنا پیار ہمارا آپ کی عیدی ہی تو ہے۔

ماریہ نور...... شاہکوٹ

س: آپی پہلی بار آپ کی محفل میں آئی ہوں' انوکھے سے انداز میں خوش آمدید کہیں نا؟

ج: خوش آمدید۔ دیر آید درست آید...... خوش۔

س: آپ کو کم گو لوگ اچھے لگتے ہیں یا باتونی؟ میں تو بہت معصوم اور کم گو ہوں' آپ کا کیا خیال ہے میرے بارے میں؟

ج: آہم آہم...... واللہ رے خوش فہمی۔

س: آپی جی ہمیشہ ہنستی مسکراتی رہیں' مجھے بھی کسی دعا سے نوازیئے اور اجازت دیجیے پھر آؤں گی اگر اب جگہ ملی......

ج: سدا خوش رہو اور سیٹ کنفرم کروا رکھو پھر......
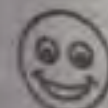
آپ کی صحت

ہومیو ڈاکٹر محمد ہاشم مرزا

م ر فیصل آباد سے لکھتی ہیں کہ ہیئر گروور کے ساتھ دوسرے تیل بھی استعمال کرسکتی ہوں۔

محترمہ ہیئر گروور کا استعمال جاری رکھیں ان شاء اللہ اسی سے مسئلہ حل ہوگا دوسرا کوئی بھی تیل استعمال نہ کریں۔

اسماء سامیہ فیصل آباد سے لکھتی ہیں کہ میں دن بدن موٹی ہوتی جارہی ہوں اور قد بھی چھوٹا ہے۔

محترمہ آپ PHYTLACCA-Q کے دس قطرے آدھا کپ پانی میں ڈال کر تین وقت روزانہ لیں اور دوسری دوا BARIUM CARB 200 کے پانچ قطرے آدھا کپ پانی میں ڈال کر ہر آٹھویں دن ایک مرتبہ پیا کریں۔ یہ ادویات آپ کے شہر میں کسی بھی ہومیو پیتھک اسٹور سے مل جائیں گی۔

انا دیہ نائلہ پشاور سے لکھتی ہیں کہ میری بہن کے ماتھے پر سے بال اڑ گئے ہیں اور بڑھتے نہیں ہیں میرا مسئلہ یہ ہے کہ چہرہ بالوں سے بھرا ہوا ہے۔

محترمہ آپ مبلغ 1500 روپے کا منی آرڈر کلینک کے نام پتے پر ارسال کردیں آپ کو ہیئر گروور اور ایفروڈائٹ گھر پہنچ جائے گا۔ دونوں بہنوں کا مسئلہ حل ہوجائے گا۔

مسز راجہ امتیاز احمد آزاد کشمیر سے لکھتی ہیں کہ میرا بیٹا بہت کمزور ہے کھاتا پیتا کچھ نہیں ہے ڈاکٹر کہتے ہیں کہ اسے خوراک دیں دوسرے بچے کا حافظہ بہت کمزور ہے اور مجھے سیلان الرحم کی شکایت ہے۔

محترمہ آپ پہلے بچے کو BARIUM CARB 30 کے پانچ قطرے آدھا کپ پانی میں ڈال کر تین وقت روزانہ دیں اور حافظہ کے لیے KALI PHOS 6X کی چار گولی تین وقت روزانہ کھلائیں آپ خود BORAX 30 کے پانچ قطرے آدھا کپ پانی میں ڈال کر تین وقت روزانہ لیں ان شاء اللہ تینوں کے مسائل حل ہوجائیں گے۔

عمران ٹیکسلا سے لکھتے ہیں کہ میرا مسئلہ شائع کیے بغیر علاج تجویز فرمائیں۔

محترم آپ STAPHISGARIA 30 کے پانچ قطرے آدھا کپ پانی میں ڈال کر تین وقت روزانہ لیں۔

شگفتہ ہری پور سے لکھتی ہیں کہ میرے بال لمبے نہیں ہوتے اور بال دومنہ کے ہیں منی آرڈر فارم کہاں سے ملے گا۔

محترمہ آپ 600 روپے کا منی آرڈر میرے کلینک کے نام پتے پر ارسال کردیں منی آرڈر فارم ڈاک خانے سے حاصل کریں بھرنے کے بعد رقم کے ساتھ ڈاکخانے میں ہی جمع کرانا ہوگا۔ رقم ملتے ہی HAIR GROWER ارسال کردیا جائے گا۔ اسے استعمال کرنے سے بال لمبے گھنے اور خوب صورت ہوجائیں گے۔

فریحہ فیصل آباد سے لکھتی ہیں کہ میرا پہلا مسئلہ یہ ہے آنکھیں دھندلا گئی ہیں دوسرا مسئلہ یہ ہے کہ یادداشت بہت کمزور ہے۔ رنگ بھی سانولا ہے۔

محترمہ آپ KALI PHOS 6X کے چار چار گولی تین وقت روزانہ کھائیں اور JODUM-IM کے پانچ قطرے آدھا کپ پانی میں ڈال کر پندرہ دن میں ایک بار لیں۔

م ن گوجرانوالہ سے لکھتی ہیں کہ میرے سینہ سے گردن تک سیاہ دھبہ ہے جو اب کلائیوں پر بھی ہوگیا ہے حسن نسواں کی کمی ہے۔

محترمہ آپ SABALSERULATTA-Q کے دس قطرے آدھا کپ پانی میں ڈال کر تین وقت روزانہ پیا کریں اور SEPIA-200 کے پانچ قطرے آدھا کپ پانی میں ڈال کر آٹھویں دن ایک بار لیں۔ نسوانی حسن کے لیے

550 روپے کا منی آرڈر میرے کلینک کے نام پتے پر ارسال کردیں منی آرڈر فارم کے آخری کوپن پر اپنا مکمل پتا اور مطلوبہ دوا BREAST BEAUTY ضرور لکھیں۔ یہ دوا آپ کے گھر پہنچ جائے گی۔

حنا نورین کراچی سے لکھتی ہیں کہ جب معدہ خالی ہوتو جی متلانے لگتا ہے دوسرا یادداشت بھی بہت کمزور ہے۔

محترمہ آپ IPECOC 30 کے پانچ قطرے آدھا کپ پانی میں ڈال کر صبح شام لیں اور KALI PHOS 6X کی چار چار گولی دوپہر رات کو لیں۔

محمد عرفان بھکر سے لکھتے ہیں کہ میرے بال تیزی سے گر رہے ہیں سر میں خشکی اور خارش بھی ہے۔

محترم آپ ACID FLOUR 30 کے پانچ قطرے آدھا کپ پانی میں ڈال کر تین وقت روزانہ لیں اور HAIR GROWER کا استعمال جاری رکھیں ان شاء اللہ آپ کا مسئلہ حل ہوجائے گا۔

آرزو ملک لکھتی ہیں کہ میرے پاؤں کی ایڑیاں پھٹنے لگی ہیں درد ہوتا ہے رنگ کالا ہو رہا ہے۔

محترمہ آپ NATRUMCARB 30 کے پانچ قطرے آدھا کپ پانی میں ڈال کر تین وقت روزانہ لیں اور JODUM-IM کے پانچ قطرے ہر پندرہ دن بعد ایک بار لیں 6 ماہ پورے کرلیں۔

فوزیہ شکیل ساہیوال سے لکھتی ہیں کہ بچوں کی پیدائش کے بعد میرا پیٹ لٹک گیا ہے اور بریسٹ بیوٹی کیا دودھ پلانے کے زمانے میں استعمال کرسکتی ہوں۔

محترمہ آپ CALCFLOUR 6X کی چار چار گولی تین وقت روزانہ لیں۔ بریسٹ بیوٹی استعمال کرسکتی ہیں۔

سلطانہ شوکت ننکانہ صاحب سے لکھتی ہیں کہ میں بہت کمزور اور دبلی پتلی ہوں ہر ماہ درد اتنا ہوتا ہے کہ انجکشن لگانا پڑتا ہے۔

محترمہ آپ FIVE PHOS 6X کی چار چار گولی تین وقت روزانہ کھائیں اور PULSATILLA 200 کے پانچ قطرے آدھا کپ پانی میں ڈال کر ہر آٹھویں دن لیں۔

آنیہ تانیہ فیصل آباد سے لکھتی ہیں کہ آپ کی تجویز کردہ دوا سے میرا سانس کا مرض ٹھیک ہوگیا آپ کے لیے ڈھیروں دعائیں دل سے نکلتی ہیں اب خارش اور جھلسی رنگت کا مسئلہ ہے۔ ابو جان کو بھی خارش ہے کوئی علاج بتائیں۔

محترمہ آپ JODUM-IM کے پانچ قطرے آدھا کپ پانی میں ڈال کر ہر پندرہ دن میں ایک بار پیا کریں 6 ماہ کا عرصہ مکمل کرلیں۔ والد کو SULFUR 30 کے پانچ قطرے صبح نہار منہ روزانہ دیں انشاء اللہ مسئلہ حل ہوجائے گا۔ بھائی کی رسولی کا آپریشن کے سوا کوئی علاج نہیں ہے۔

صائمہ چوہدری ٹوبہ ٹیک سنگھ سے لکھتی ہیں کہ میں چند سال پہلے کسی کی زیادتی کا شکار ہوئی تھی اب مجھے اس کی وجہ سے مسئلہ پیدا ہوگیا ہے۔

محترمہ آپ ORIGANUM 30 کے پانچ قطرے آدھا کپ پانی میں ڈال کر تین وقت روزانہ پیا کریں۔

کرامت علی میلسی سے لکھتے ہیں کہ مکمل کیفیت لکھ رہا ہوں پہلے بھی خط لکھا تھا جواب نہیں آیا۔

محترم آپ بری عادت کو قطعی چھوڑ دیں انشاء اللہ صحت یاب ہوں گے۔

علی خان کوہاٹ سے لکھتے ہیں کہ اپنے ہاتھوں سے اپنی صحت برباد کرچکا ہوں۔

محترم آپ STAPHISGARIA 30 کے پانچ قطرے آدھا کپ پانی میں ڈال کر تین وقت روزانہ پیا کریں۔

عائشہ ضلع قصور سے لکھتی ہیں کہ میں کمزور بہت ہوں ہڈیوں کا ڈھانچہ ہوں اور مجھے ہیئر گروور چاہیے۔

محترمہ آپ کا کوئی منی آرڈر موصول نہیں ہوا ہیئر گروور کے لیے 600 روپے کا منی آرڈر میرے کلینک کے نام پتے پر ارسال کردیں منی آرڈر فارم کے آخری کوپن پر اپنا مکمل پتا مطلوبہ دوا کا نام لکھیں۔

حنا ذوالفقار سرگودھا سے لکھتی ہیں کہ میرا مسئلہ شائع کیے بغیر علاج تجویز کردیں۔

محترمہ آپ FIVE PHOS 6X کی پانچ گولیاں تین وقت روزانہ کھائیں ان شاء اللہ صحت یاب ہوں گی۔

عابدہ شریف جھنگ سے لکھتی ہیں کہ میرا مسئلہ قلب بڑھ گیا ہے بلڈ پریشر بھی بڑھا رہتا ہے۔

محترمہ آپ CREATIGUS 30 کے پانچ قطرے آدھا کپ پانی میں ڈال کر تین وقت روزانہ پیا کریں۔ بچے کی آنکھوں میں EUPHRASIA کے آئی ڈراپ ڈالا کریں۔

پروین اختر ضلع لیہ سے لکھتی ہیں کہ مجھے نزلہ ہے بلغم گلے میں گرتا ہے مجھے ہیئر گروور بھیج دیں میں نے منی آرڈر کیا تھا تیل نہیں ملا۔

محترمہ آپ BARYTMOR 3X کی تین وقت روزانہ ایک ایک گولی کھائیں۔ آپ منی آرڈر کرنے کی تاریخ وغیرہ لکھیں بعض اوقات پیکٹ واپس آجاتا ہے کبھی منی آرڈر نہیں پہنچتا منی آرڈر کے دس دن تک پارسل نہ ملے تو فون پر رابطہ کیا کریں۔

ر نیازی راولپنڈی سے لکھتے ہیں کہ مجھے ٹائیفائڈ ہوا تھا جس کی وجہ سے میرے بال گر گئے اس کا کوئی علاج بتائیں۔

محترمہ آپ میرے کلینک سے HAIR GROWER منگوالیں اس کے استعمال سے آپ کے بال گھنے لمبے ہوجائیں گے۔

نازیہ کہوٹہ سے لکھتی ہیں کہ میرے چہرے پر تل ہیں جو بڑھتے جارہے ہیں۔

محترمہ آپ THUJA-Q کے پانچ قطرے آدھا کپ پانی میں ڈال کر تین وقت روزانہ پیا کریں اور یہی دوا تلوں پر لگائیں ان شاء اللہ تل ختم ہوجائیں گے۔

زاہدہ پروین خانیوال سے لکھتی ہیں کہ میرا وزن بہت بڑھ گیا ہے کندھوں سے درد کی لہر اٹھتی ہے انگلیوں تک جاتی ہے۔

محترمہ آپ PHYTOLACCA-Q کے دس قطرے پانی میں ڈال کر تین وقت روزانہ پیا کریں۔

زینب ضلع قصور سے لکھتی ہیں کہ میرا رنگ سانولا ہے اور حسن نسواں کی کمی ہے اور سیلان کا مرض ہے۔

محترمہ آپ BORAX 30 کے پانچ قطرے آدھا کپ پانی میں ڈال کر تین وقت روزانہ پیا کریں اور JODUM-IM کے پانچ قطرے آدھا کپ پانی میں ڈال کر پندرہ دن میں ایک مرتبہ پیا کریں۔

قمر سلطانہ کیتھر سے لکھتی ہیں کہ میرے بریسٹ میں گلٹی ہے جو سخت ہے مگر درد نہیں کرتی میں بہت زیادہ پریشان ہوں۔

محترمہ آپ CALCFLUOR 6X کی چار چار گولی تین وقت روزانہ کھائیں۔ ان شاء اللہ شفا حاصل ہوگی۔

رضیہ سلطانہ جھنگ سے لکھتی ہیں کہ میرے سر کے بال تیزی سے گر رہے ہیں بہت سے گھریلو ٹوٹکے استعمال کیے ہیں مگر کوئی فائدہ نہیں ہوا۔

محترمہ آپ 600 روپے منی آرڈر میرے کلینک کے نام پتے پر ارسال کردیں منی آرڈر فارم کے آخری کوپن پر اپنا مکمل پتا اور مطلوبہ دوا کا نام HAIR GROWER ضرور لکھیں دوا آپ کے گھر پہنچ جائے گی۔ ان شاء اللہ گنج پن ختم ہوجائے گا اور بال لمبے گھنے خوب صورت ہوجائیں گے۔

مرزا فیاض بیگ کراچی سے لکھتے ہیں کہ ہمارے خاندان میں گنج پن ہے اب میرے سر کے درمیان سے بال ختم ہوتے جارہے ہیں میں بہت پریشان ہوں ابھی تو میری شادی بھی نہیں ہوئی ہے۔

محترم آپ میرے کلینک سے HAIR GROWER حاصل کریں اس کے استعمال سے ان

شاءاللہ گھنے بالوں کے مالک ہوں گے۔

سکینہ بانو سکھر سے لکھتی ہیں کہ بچوں کو دودھ پلانے سے بہت ڈھیلا پن آ گیا ہے میں بہت پریشان ہوں۔

محترمہ آپ میرے کلینک سے BREAST BEAUTY منگوالیں آپ کا مسئلہ حل ہوجائے گا۔

نگہت سلطانہ بھمبر سے لکھتی ہیں کہ میرے چہرے پر بال نکلتے ہیں جو تھریڈنگ کرانے سے موٹے گھنے ہوگئے ہیں۔

محترمہ آپ OLIUMJACC 3X کی ایک ایک گولی تین وقت روزانہ کھائیں اور 900 روپے میرے کلینک کے نام پتے پر منی آرڈر کردیں آپ کو APHRODITE گھر پہنچ جائے گی۔ اس کے استعمال سے بال ہمیشہ کے لیے ختم ہوجائیں گے۔

شمس الدین کرمانی لاہور سے لکھتے ہیں کہ مجھے پیشاب کی تکلیف ہے کرنے کے بعد بھی احساس ہوتا رہتا ہے۔

محترم آپ CONIUM 30 کے پانچ قطرے آدھا کپ پانی میں ڈال کر تین وقت روزانہ پیا کریں۔

گلزار احمد ملتان سے لکھتے ہیں کہ بیٹے کی عمر 15 سال ہے قد نہیں بڑھ رہا کوئی مناسب علاج بتائیں۔

محترم آپ CALC PHOS 6X کی چار چار گولیاں تین وقت روزانہ دیں اور BARIUM CARB 200 کے پانچ قطرے آدھا کپ پانی میں ڈال کر ہر آٹھویں دن ایک بار دیں۔

بلقیس فاطمہ امریکا سے لکھتی ہیں کہ میں امراض کا مجموعہ ہوں مکمل کیفیت لکھ رہی ہوں میری بیماریوں کا بھی حل بتائیں۔

محترمہ آپ کو باقاعدہ علاج کی ضرورت ہے آپ مقامی ڈاکٹر سے رجوع فرمائیں۔

چمن احمد پشاور سے لکھتے ہیں کہ میرے مسئلے شائع کیے بغیر علاج بتائیں۔

محترم آپ KALMIA 30 کے پانچ قطرے آدھا کپ پانی میں ڈال کر تین وقت روزانہ پیا کریں دوا ہمیشہ جرمنی کی بنی ہوئی سیل بند خریدیں کسی بھی ہومیو پیتھک اسٹور سے مل جائے گی۔

خرم شاہین میانوالی سے لکھتی ہیں کہ میرے سر کے بال پہلے ٹھیک تھے اب خراب ہورہے ہیں بڑھتے بھی نہیں اور چہرے پر کانوں کے نیچے بال ہیں ناک پر چھائیاں ہیں میرے کزن کی ناک کی ہڈی بڑھی ہوئی ہے آواز بھی خراب ہے۔

محترمہ آپ 1500 روپے کا منی آرڈر میرے کلینک کے نام پتے پر ارسال کردیں منی آرڈر فارم کے آخری کوپن پر اپنا مکمل پتا اور مطلوبہ دوا کا نام HAIR GROWER اور APHRODITE ضرور لکھیں دوا آپ کو گھر پہنچ جائے گی۔ کزن کو AGRIPHUS کے پانچ قطرے آدھا کپ پانی میں ڈال کر تین مرتبہ روزانہ پلائیں۔

اکرم چاول چھولے والا نے ایک پرچہ پر نام پتا اور بریسٹ بیوٹی قیمت 550 روپے لکھا ہے۔

محترم اس کا کیا جواب دوں۔ آپ 550 روپے کا منی آرڈر میرے کلینک کے نام پتے پر کردیں اور مطلوبہ دوا کا نام BREAST BEAUTY لکھ دیں دوا آپ کے گھر پہنچ جائے گی۔ اس پرچی کا مقصد اگر یہ ہے کہ آپ نے 550 روپے بھی اسی لفافہ میں رکھے ہیں تو یہ ہم تک نہیں پہنچے۔ بارہا لکھا گیا ہے کہ رقم لفافے میں ہرگز نہ رکھیں بلکہ صحیح طریقے پر منی آرڈر کریں۔

ملاقات اور منی آرڈر کرنے کا پتا۔ صبح 10 تا 1 بجے شام 6 تا 9 بجے فون 021-36997059 ہومیو ڈاکٹر محمد ہاشم مرزا کلینک دکان C-5 کے ڈی اے فلیٹس فیز 4 شادمان ٹاؤن 2 سیکٹر 14-B نارتھ کراچی 75850۔

خط لکھنے کا پتا۔ آپ کی صحت ماہنامہ آنچل پوسٹ بکس 75، کراچی۔

کام کی باتیں

حنا احمد

آلو بخارا کی تاثیرات اور کمالات

قدیم طبی کتب کے مطالعہ سے معلوم ہوتا ہے کہ زمانہ قدیم کے اطباء بھی آلو بخارا میں موجود خصوصیات سے آشنا تھے۔ مشہور و معروف مسلم اطباء ابن بیطار نے جامع المفردات اور ابن ہبل نے کتاب المختارات میں آلو بخارا کے عربی نام اجاص کے عنوان سے فوائد تحریر کیے ہیں۔ شیخ الرئیس بوعلی سینا، علامہ برہان الدین نفیس اور ملا سدیدی نے بھی اپنی اپنی تصانیف میں آلو بخارا کے استعمالات لکھے ہیں۔

سرد تر تاثیر کا حامل یہ پھل حقیقی طور پر ترش ہے مگر پختہ ہو کر جب اس کا رنگ سیاہی مائل ہوجائے تو شیریں ہوجاتا ہے اس کے پودے کشمیر، ہمالیہ، پاکستان، افغانستان اور ایران میں بکثرت پائے جاتے ہیں جب کہ اس کا اصلی مسکن دمشق ہے۔

آلو بخارا کے قیمتی فوائد

❖ آلو بخارا طبیعت کو نرم کرتا ہے۔

❖ پیاس کو تسکین دیتا ہے۔

❖ خون کے جوش کو کم کرتا ہے اس لیے بلڈ پریشر کے مریضوں کے لیے مفید ہے۔

❖ آلو بخارا مسکن صفراء اور ملین ہوتا ہے۔

❖ متلی میں آلو بخارے کا استعمال بے حد مفید ہوتا ہے۔

❖ گرمی کے سر درد میں آلو بخارے کا استعمال مفید ہوتا ہے۔

❖ زخموں کو جلدی ٹھیک کرتا ہے۔

❖ اگر آلو بخارے کے پتے رگڑ کر ناف کے نیچے لیپ کیا جائے تو آنتوں کے کیڑے خارج ہوجاتے ہیں۔

❖ نزلے کو روکنے کے لیے آلو بخارے کے پتوں کا جوشاندہ بنا کر غرارے کرنا مفید ہوتا ہے۔

❖ آلو بخارے کا مربہ فرحت بخش اور قبض کشا ہوتا ہے۔

❖ رات کو سوتے وقت اگر آلو بخارے کے دس دانے کھائے جائیں تو صبح کو اجابت صحیح ہوتی ہے۔

❖ خارش کو دور کرنے کے لیے آلو بخارے کا مسلسل استعمال بے حد مفید ہے۔

❖ کھانسی میں اس کا استعمال نقصان دہ نہیں ہوتا۔

❖ منہ اور حلق کی خشکی کو دور کرتا ہے۔

❖ آلو بخارے میں وٹامن اے بی اور سی وافر مقدار میں پائے جاتے ہیں۔

❖ دماغی کام کرنے والوں کے لیے یہ بہترین غذا ہے۔

❖ پاؤں کی جلن کو دور کرتا ہے۔

❖ چڑچڑے مزاج والوں کے لیے یہ بہترین پھل ہے جس سے یہ مرض دور ہوجاتا ہے۔

❖ نیند کی کمی کے مرض میں آلو بخارے کا استعمال بہترین ہوتا ہے۔

❖ یرقان جیسے موذی مرض میں ایک پاؤ آلو بخارا سفید زیرہ اور گوکھرو (بھکوا) ہم وزن سفوف بنا کر دو ماشے سفوف ہمراہ مذکورہ بالا آلو بخارا دن میں تین دفعہ استعمال کرنا بے حد مفید ہوتا ہے۔

امبر فاطمہ...... خانیوال

گھر کی سجاوٹ

عید کے موقع پر مہمانوں کو گھر میں مدعو کیا جاتا ہے اور پھر جب یہ پُرمسرت دن آتا ہے تو دوست احباب کی آمد کا سلسلہ شروع ہوجاتا ہے۔ عید کے بعد بھی مہمانوں کی آمد و رفت جاری رہتی ہے، مہمانوں کی آمد سے خوشی کے یہ لمحات دوبالا ہوجاتے ہیں ہر عورت چاہتی ہے کہ عید کے روز وہ اور اس کا گھر سب سے منفرد نظر آئے کیونکہ ہر عورت اپنے گھر کو خوب صورت اور سجا ہوا دیکھنے کی خواہش مند ہوتی ہے۔ گندے اور بے ترتیب گھر کو کوئی پسند نہیں کرتا۔ گھر کی منفرد سجاوٹ سے خواتین کو ایک دوسرے پر برتری حاصل کرنے کا موقع بھی مل جاتا ہے اور رشتہ داروں میں بلند رتبہ بھی حاصل ہوتا ہے اگر

آپ کی بھی یہی خواہش ہے کہ عید کے دن آپ کا گھر سب سے خوب صورت اور منفرد نظر آئے تو اس کے لیے گھر کی صفائی ستھرائی اور سجاوٹ انتہائی ضروری ہے۔

گھر کو سنوارنے کے دو مرحلے ہوتے ہیں ایک گھر کی مکمل طور پر صفائی اور دوسرے گھر کی سجاوٹ خواتین رمضان المبارک کے آخری عشرے سے گھر کی صفائی ستھرائی بھی شروع کردیتی ہیں رنگ و روغن اور مرمت کی جگہوں پر مرمت بھی کروائی جاتی ہے۔ عید الفطر کے موقع پر بیشتر گھروں میں رنگ و روغن ہر سال کرایا جاتا ہے تاکہ گھر صاف ستھرا ہوجائے اگر ہر سال نہیں تو دو یا تین سال بعد کرایا جاسکتا ہے اس دوران جھاڑ پونچھ' صفائی اور دھلائی وغیرہ سے بھی کام چلایا جاسکتا ہے۔ سب سے پہلے تو پورے گھر کی اچھی طرح صفائی کرلی جائے فالتو سامان پھینک دیا جائے یا کسی کودے دیا جائے۔ قالین دھلوا لیا جائے اور پردے' کشن وغیرہ بھی دھولیے جائیں۔ گھر کے فرنیچر صاف کرنے کے لیے کپڑے یا روئی کو اسپرٹ اور سرکہ برابر مقدار میں ملا کر بوتل میں بھرلیں۔ کسی سوتی خشک کپڑے سے رگڑ کر صاف کرلیں' فرنیچر صاف ہوجائے گا یا پھر پالش کروالیں۔

✦ گھر کی صفائی کے ضمن میں شیشوں کی صفائی بھی اہمیت رکھتی ہے' گھر کی کھڑکیوں' روشن دانوں اور سنگھار میز کے شیشوں کی صفائی کریں۔

✦ اخبار کے کاغذ کو پانی میں بھگو کر شیشے پر رگڑنے سے شیشے صاف ہوجاتے ہیں۔

✦ اگر شیشوں پر داغ دھبے پڑے ہوں تو تھوڑا سا چونا پانی میں ملا کر شیشوں پر لگادیں اور سوکھنے کے بعد خشک کپڑے سے پونچھ لیں' شیشے چمک جائیں گے۔

✦ شیشوں کو مزید صاف اور چمکدار بنانے کے لیے تیل کو پانی میں ملا کر ململ کے صاف کپڑے سے شیشوں پر خوب ملیں۔ پانچ منٹ تک اسے یونہی رہنے دیں۔

✦ شیشوں کو صاف کرنے کے لیے کپڑے کو ہلکا سا بھگو کر اس پر سرف لگا کر بھی شیشے کو صاف کیا جاسکتا ہے پھر تھوڑی دیر بعد کسی صاف کپڑے سے شیشے کو صاف کرلیں۔

✦ شیشوں کو سرکہ کے ساتھ بھی صاف کیا جاسکتا ہے' اس سے بھی شیشے چمک اٹھتے ہیں۔

✦ کپڑوں میں ڈالنے والا نیل گیلے کپڑے پر لگا کر شیشوں پر لگائیں' تھوڑی دیر بعد کپڑے سے صاف کرلیں۔ اس طرح بھی شیشے صاف ہوکر نکھر جائیں گے۔

✦ شیشے کے داغ دور کرنے کے لیے روئی پر پیٹرول لگا کر صاف کرنے سے بھی شیشے کے داغ دھبے دور ہوجائیں گے اور شیشے چمک اٹھیں گے۔

گھر کے بیرونی حصے کی آرائش بھی ضروری ہے' سب سے پہلے تو باہر کے حصے کی صفائی کرلیں اور گملے موجود ہوں تو انہیں پینٹ کرکے نیا بنایا جاسکتا ہے' گھر میں اگر لان ہے تو یہ نا صرف گھر کی خوب صورتی میں چار چاند لگادیتا ہے بلکہ مہمانوں پر بھی خوشگوار تاثر چھوڑتا ہے۔ عید کے موقع پر اپنے لان کی از سر نو صفائی اور کٹائی کرلیں اسے ایک خوب صورت انداز دیں' مختلف قسم کے پودوں اور پھولوں سے لان کو سجائیں۔ لان خوب صورت اور صاف ستھرا ہوگا تو یہ آپ کے گھر کے بیرونی حصے کو جدید شکل دے سکے گا۔ اگر لان نہیں ہے تو صحن یا راہ داری اور زینے وغیرہ کو گملوں سے سجالیں یا گلدانوں میں تازہ پھول لگا کر گھر کے بیرونی ماحول کو مہکادیں۔ پھولوں کے گلدان آپ گھر کے اندر بھی ضرور رکھیں۔ یہ ماحول کو مہکا بھی دیں گے اور خوب صورتی بھی پیدا کریں گے ایک چھوٹا سا گلدان جس میں تازہ پھول مہک رہے ہوں پورے ماحول میں ایسی جاذبیت پیدا کردے گا جو بے مثال ہوگی۔ عید کے موقع پر آرائش کے حوالے سے آپ کچھ خاص کرنا چاہتی ہیں تو گھر کے اندر اور باہر صفائی کے ساتھ پھولوں کو اہمیت دیں سب کو یہ انداز پیارا لگے گا۔

انوشہ طارق...... کراچی

حنا کے رنگ...... آنچل کے سنگ